

روزانہ درس قرآن پاک



تفسیر

- ① سورة الرعد
- ② سورة ابراهيم
- ③ سورة الحجر
- ④ سورة النحل



جلد : ۱۱

حضرت مولانا صوفی عبدالحکیم سواتی دام مجسم
خطیب جامع مسجد نور، گوہر انوالہ، پاکستان

گیارہواں ایڈیشن

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

تمام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ مدہ اور اہم نجر نجل) جلد ۱۱
اوقات	حضرت مولانا سونی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور کوہ جرنوالہ
مرتب	افتخار علی دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) مثالا مار ۱۹۶۱ء کن لاہور
تعداد صفحات	پانچ سو (۵۰۰)
مردوق	سید انظاطین حضرت شاہ نعیمی حسینی مدظلہ
کتابت	محمد امان اللہ قادری کوہ جرنوالہ
عشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق منج کوہ جرنوالہ
قیمت	۲۵۰/- اور ۳۰۰ پچاس روپے
تاریخ گیارہواں ایڈیشن	شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ بمطابق اگست ۲۰۰۷ء

ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دروس القرآن محلہ فاروق منج کوہ جرنوالہ (۵) کتب خانہ رشید یہ درجہ بازار لاہور اپنیڈی
- (۲) مکتبہ رحمانیہ آفر اسٹر اردو بازار لاہور
- (۳) مکتبہ قاسم الفضل مارکیٹ لاہور
- (۴) مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
- (۵) کتب خانہ مجید یہ درجہ ان پوزٹ مہمان
- (۶) مکتبہ مصیبت نرد چاند خانہ یہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۷) مکتبہ اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی مارکیٹ آباد
- (۸) مکتبہ اعظم اردو بازار لاہور
- (۹) مکتبہ رشید یہ سرکی روڈ کوٹہ
- (۱۰) مکتبہ اعظم اردو بازار لاہور

فہرست مضامین مع عالم القرآن دروس القرآن جلد

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۲	زمین کا پھیلاؤ		
۳۳	سلسلہ ہائے کوہ	۱۹	سورۃ الرعد
۳۴	پہاڑوں کے فائدے	۲۰	درس اول (آیت ۱ تا ۲)
۳۵	مختلف الانواع پھل	"	آیات و ترجمہ
"	شب و روز کا تغیر	۲۱	نام اور کوائف
۳۶	زمینی خطے	"	مضامین سورۃ
۳۸	بانغات اور کھیتیاں	"	محکات متشابہ اور مقطعات
"	مختلف الاقسام درخت	۲۲	بحث برائے تقریب فہم
۴۱	درس سوم (آیت ۵ تا ۷)	۲۳	القدر کی بحث
"	آیات و ترجمہ	۲۴	شامہ ولی اللہ کی توجیہ
۴۲	رابطہ آیات	۲۵	الکتاب
"	قیامت کا انکار	"	قرآن برحق
۴۳	منکرین کے لیے سزا	۲۶	آسمان کی حقیقت
۴۵	بھلائی سے پہلے برائی	۲۸	استوی علی العرش
۴۶	معانی اور سزا	۲۹	تسخیر شمس و قمر
۴۷	معجزے کی فرمائش	۳۰	بعث بعد الموت
۴۸	ہر قوم کے لیے ہادی	۳۱	درس دوم (آیت ۳ تا ۴)
۵۰	درس چہارم (آیت ۸ تا ۱۱)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۳۲	رابطہ آیات

۸۲	سیوب کی جھاگ	۵۱	ربط آیات
۸۳	وصات کی جھاگ	۵۰	شکم ہار میں پکے کی کیفیت
۸۵	حق و باطل میں کشمکش	۵۲	عالم الغیب والشاۃ
۸۶	حق و باطل کی مثال	۵۵	اللہ تعالیٰ کا خفاقی نظام
۸۷	شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ	۵۷	اجتماعی حالت کی تبدیلی
۸۸	مسلمین اور کفر میں	۶۰	دس پنجم آیت (۱۲ تا ۱۳)
۸۹	سورہ الحجاب	۶۰	آیات و ترجمہ
۹۰	درس ہشتم ۸ آیت ۱۹ تا ۲۰	۶۱	ربط آیات
۹۰	آیات و ترجمہ	۶۲	خوف اور امید کا اتصال
۹۱	ربط آیات	۶۰	گرج اور چمک
۹۲	عالم اور نابینا کی مثال	۶۳	خدا کی طاقت
۹۳	عقل مند دل کے اوصاف	۶۶	دعوتِ حق
۹۰	۱۔ ایٹھے عمد	۶۹	درس ششم ۶ آیت (۱۵ تا ۱۶)
۹۶	۲۔ باہمی طلب	۶۰	آیات و ترجمہ
۹۷	۳۔ خشیتِ الہی	۶۰	ربط آیات
۹۰	۳۔ صبر	۷۲	سجدہ تلاوت
۹۸	۵۔ اقامتِ مطوۃ	۷۳	سائل سجدہ تلاوت
۹۹	۶۔ انفاق فی سبیل اللہ	۷۵	آسمان و زمین کا رب
۱۰۰	۷۔ برائی کا ازالہ کیسے	۷۶	مشرک اور مؤمن کا تقابل
۱۰۰	جنت میں گھر	۷۷	شُرک کی تدبیر
۱۰۱	فرشتوں کا سلام	۷۹	دس ہفتم آیت (۱۷ تا ۱۸)
۱۰۲	درس نهم ۹ آیت ۲۸ تا ۲۶	۸۰	آیات و ترجمہ
۱۰۰	آیات و ترجمہ	۸۰	ربط آیات
۱۰۰		۸۰	بعض اہل ہند کی ناسے

۱۲۷	اجتماعی ہدایت	۱۰۲	رابط آیات
۱۲۸	یائیس کے مختلف معانی	۱۰۳	عہد شکنی
۱۲۹	کفار کے لیے دائمی مشکلات	۱۰۴	فادنی الارض
۱۳۱	مسلمانوں کے لیے عبرت	۱۰۵	لعنت کا طوق
۱۳۳	درس فواز دہم ۱۲ (آیت ۳۲ تا ۳۵)	۱۰۶	رزق کی کشادگی اور تنگی
"	آیات و ترجمہ	۱۰۷	دنیا کا حقیر سامان
۱۳۴	رابط آیات	۱۱۰	درس دہم ۱ (آیت ۲۷ تا ۳۰)
۱۳۵	استہزائے رسل	"	آیات و ترجمہ
۱۳۶	خدا کے شریک	۱۱۱	رابط آیات
۱۳۸	بے حقیقت باتیں	"	نشانی کا مطالبہ
۱۴۰	تذمیں اعمال	۱۱۳	اطمینان قلب
۱۴۲	مستحقین کے لیے انعامات	۱۱۴	ذکر الہی کے طریقے
۱۴۵	درس سیر دہم ۱۳ (آیت ۳۶ تا ۳۷)	۱۱۶	ایک اشکال
"	آیات و ترجمہ	۱۱۷	اہل ایمان کے لیے بشارت
۱۴۶	رابط آیات	۱۱۸	تلاوت قرآن پاک
"	تسزلی کتاب پر خوشی	۱۲۰	اسانے پاک
۱۴۷	اہل کتاب کا کردار	۱۲۲	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۳۱)
۱۴۸	حق پرست اہل کتاب	"	آیات و ترجمہ
۱۵۱	قرآن کا عملی انکار	۱۲۳	رابط آیات
"	شُرک سے برأت	"	شان نزول
۱۵۳	دعوت الی اللہ	۱۲۴	قرآن ذریعہ ہدایت
۱۵۴	قرآن اور عربی زبان	۱۲۵	قرآن کا مفہوم
۱۵۶	وعیعامہ	۱۲۶	قرآن کی برکات

۱۸۴	ظلمت سے نور کی طرف	۱۵۷	درس چہارم (آیت ۳۱ تا ۴۰)
۱۸۵	کافروں کا انجام	"	آیات و ترجمہ
۱۸۶	دین کے راستے میں رکاوٹ	"	ربط آیات
۱۸۷	تنبیہ کی تلاش	۱۵۸	انبیاء کی از دوامی حیثیت
۱۸۹	درس دوم ۲ - (آیت ۳ تا ۶)	۱۶۱	معجزات کا اظہار
"	آیات و ترجمہ	"	نسخ شراعیع اور احکام
۱۹۰	ربط آیات	۱۶۲	شاہ ولی اللہ کا فلسفہ
"	رسول در زبان قوم	۱۶۳	عبدالاسلام کی پیش گوئی
۱۹۲	جزائے عمل کے اسباب	۱۶۷	درس پانچواں (آیت ۴۱ تا ۴۳)
۱۹۳	اقوامی زمین الاقوامی نبی	"	آیات و ترجمہ
۱۹۴	مسلمانوں کا عروج و زوال	۱۶۸	ربط آیات
۱۹۵	سرخیا علیہ السلام کی بعثت	"	کفار کے پے در پے ناکامی
۱۹۶	تذکیر بایام اللہ	۱۶۹	عبداللہ بن عباس کی توجیہ
۱۹۷	فرعونوں سے نجات	۱۷۰	مسلمانوں کا تنزیل
۲۰۰	درس سوم ۳ (آیت ۷ تا ۹)	۱۷۲	حسب حال و عیاد
"	آیات و ترجمہ	۱۷۳	زندانی تدبیر کی کامیابی
۲۰۱	ربط آیات	۱۷۵	رسالت کا انکار
"	مقام شکر	۱۷۷	سورۃ ابراہیم
۲۰۲	انسان پر انعامات اللہ	۱۷۸	درس اول (آیت ۱ تا ۳)
۲۰۳	نعمت کا صحیح استعمال	"	آیات و ترجمہ
۲۰۴	شکر مبارک شکر	۱۷۹	نام اور کوائف
۲۰۵	شکر کی سزا	"	معنا میں سورۃ
۲۰۶	خدا تعالیٰ سے بے نیازی	۱۸۱	حروف مقطعات

۲۳۷	دور کی گمراہی	۲۰۸	سابقہ اقوام کا حشر
"	مخلوق کی تبدیلی	۲۱۰	انبیاء سے سلوک
۲۳۰	درس ہفتم (آیت ۲۱)	"	خدائی پروگرام کا انکار
"	آیات و ترجمہ	۲۱۲	درس چہارم (آیت ۱۰ تا ۱۳)
"	رابطہ آیات	"	آیات و ترجمہ
۲۳۱	خدا کے حضور پیشی	۲۱۳	رابطہ آیات
"	مخفی کاموں کا ظہور	۲۱۴	دعوت الی اللہ
۲۳۲	تابع اور متبوع	۲۱۵	بشری رسالت کا انکار
۲۳۳	غلاب میں تخفیف کی تدبیر	۲۱۷	بشری رسالت کی تصدیق
۲۳۵	بے قراری یا صبر	۲۱۹	توکل بر خدا
۲۳۷	درس ہشتم (آیت ۲۲ تا ۲۳)	۲۲۰	اسباب کی تین قسمیں
۲۳۸	رابطہ آیات	۲۲۱	صبر کی دولت
"	جہنمی اور شیطان آمنے سامنے	۲۲۳	درس نہم (آیت ۱۳ تا ۱۷)
۲۵۰	الم شعی	"	آیات و ترجمہ
۲۵۱	شیطان کی تقریر	۲۲۴	رابطہ آیات
۲۵۳	ملاہمت کے قابل کون؟	"	کفار کی دہکی
"	اہل ایمان کی کامیابی	۲۲۶	ایک اشکال
۲۵۴	سلاحتی کی دعائیں	۲۲۷	اللہ کی طرف سے تکی
۲۵۶	درس نہم (آیت ۲۴ تا ۲۶)	۲۲۹	فیصلے کا مطالبہ
"	آیات و ترجمہ	۲۳۱	منکرین کے لیے سزا
"	رابطہ آیات	۲۳۲	درس ششم (آیت ۱۸ تا ۲۰)
۲۵۷	کلمہ طیبہ کی مثال	۲۳۴	کفار کے اگمال کی مثال آیات و ترجمہ
۲۵۸	درخت اور مسلم مرد	۲۳۵	ایمان شرط قبولیت ہے

۲۷۸	شکرِ خدیو گمراہی ہے	۲۵۹	پاکیزہ درخت کی خصوصیات
۲۸۰	اقامتِ صلوة	۲۶۰	کلوٹیتہ کی خصوصیات
۲۸۱	اتفاق فی سبیل اللہ	۲۶۱	مردِ مسلمان اور کھجور کا درخت
۲۸۲	برمحل اور بروقت خرچ	"	سڈ بار آور کھجور
۲۸۵	درجہ دوازدهم ۱۲ (آیت ۲۲، ۲۳)	۲۶۲	شاہِ دل اللہ کے توجیہ
"	آیات و ترجمہ	۲۶۳	کلوٹیشہ کی مثال
۲۸۶	رابطہ آیات	۲۶۵	درجہ دهم ۱۰ (آیت ۲۷)
"	خدا تعالیٰ کی سبحان	"	آیات و ترجمہ
۲۸۸	آسمان اور زمین کی تخلیق	"	رابطہ آیات
"	بارش اور اس کے فوائد	۲۶۶	امتِ قدی کا وجہ
۲۸۹	دیگر انعامات اللہ	"	قبر کی منزل
۲۹۰	کشتیوں کی تسخیر	۲۶۷	قبر کا حال
۲۹۱	تسخیرِ شمس و قمر	۲۶۸	قبر کے سوال و جواب
۲۹۲	مطلوبہ نعمت کی عطائیگی	۲۶۹	قبر کا عذاب
۲۹۳	نعمت شماری پر عدم قدرت	۲۷۰	فتنہٴ قبر
۲۹۵	انسانی کمزوریاں	۲۷۱	روح اور جسم کا تعلق
۲۹۶	درجہ سیزدهم ۱۳ (آیت ۲۵، ۲۷)	۲۷۲	ظالموں کی گمراہی
"	آیات و ترجمہ	۲۷۳	درجہ یازدهم ۱۱ (آیت ۲۸، ۲۹)
۲۹۷	رابطہ آیات	"	آیات و ترجمہ
"	شرامن	۲۷۵	رابطہ آیات
۲۹۸	شکر سے پیڑاری	"	کفرانِ نعمت
۲۹۹	گمراہی اور مسامی	۲۷۶	انعامات اللہ
۳۰۰	اولادِ ابراہیم کی آباد کاری	۲۷۸	قوم کی جہنم رسیدگی

۳۲۵	اللہ کے حضور پیشی	۲۰۲	خط عرب میں سبزہ زار
۳۲۸	درس ہفتم ۱۷ (آیت ۵۲)	"	مہتمم گھر
"	آیات و ترجمہ	۲۰۳	دلوں کی کشش
"	خلاصہ مضامین	۲۰۵	درس چہارم ۱۴ (آیت ۳۸ تا ۴۱)
۳۲۹	۱- پیغام خداوندی	"	آیات و ترجمہ
۳۳۲	۲- انذار بزیلعہ قرآن	۲۰۶	ربط آیات
۳۳۳	۳- دعوت توحید	"	اللہ کا علم محیط
۳۳۴	۴- نصیحت برائے اہل عقل	۲۰۷	عطلے اولاد پر شکر یہ
"	خلاصہ کلام	۲۰۸	اقامت صلوٰۃ کی دعا
۳۳۷	سورۃ الحجر	۲۱۰	مشرک کے لیے دعا مغفرت
۳۳۸	درس اول ۱ (آیت ۵ تا ۱۵)	۲۱۳	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۴۲ تا ۴۶)
"	آیات و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ
۳۳۹	نہم اور کوائف	۲۱۴	ربط آیات
"	مضامین سورۃ	۲۱۵	ظالموں کے لیے ہلکت
۳۴۰	حروف مقطعات	۲۱۷	دنیا میں والپی کی خواہش
۳۴۱	قرآن کی حقانیت	۲۱۸	خدا تعالیٰ کا جواب
۳۴۲	کفار کی آرزو	۲۱۹	کفار کی مخفی تدبیریں
"	کفار کے لیے ہلکت	۲۲۰	مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ
۳۴۳	حضور علیہ السلام کی تشویش	۲۲۲	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۴ تا ۵۱)
"	مقررہ وقت پر بلاکت	"	آیات و ترجمہ
۳۴۶	درس سوم ۲ (آیت ۶ تا ۱۵)	۲۲۳	ربط آیات
"	آیات و ترجمہ	"	اللہ تعالیٰ کا وعدہ
۳۴۷	ربط آیات	۲۲۴	زمین و آسمان کی تبدیلی

۲۴۰	درس حکم ۵ (آیت ۲۶ تا ۴۵)	۲۴۵	دیوانی کا الزام
"	آیات و ترجمہ	۲۴۸	نزول ملائکہ کی فرمائش
۲۴۱	ربط آیات	۲۴۹	حفاظت قرآن کا ذر
۲۴۲	مثلاً تخلیق انسان	۲۵۰	حفاظت قرآن کا قدرتی نظام
۲۴۳	انسانی وجود کے عناصر	"	قبول اسلام کا ایک واقعہ
۲۴۴	فرشتوں کی تخلیق	۲۵۲	لفظی اور معنوی حفاظت
"	انسان کی برتری	۲۵۳	رسولوں کے ساتھ استنزاز
۲۴۵	جات کی تخلیق	"	کفار کا مسلسل انکار
۲۴۶	انسان کی تخلیق	۲۵۵	درس حکم ۳ (آیت ۶ تا ۲۱)
"	روح کا مسئلہ	"	آیات و ترجمہ
۲۴۷	فرشتوں کو سجدے کا حکم	۲۵۶	ربط آیات
۲۴۸	سجدہ تعظیمی	"	آسمانی بُرہان
۲۴۹	ابلیس کا انکار	۲۵۷	اشیاطین کے لیے شاب
۲۵۰	شیطان راندہ و درگاہ	۲۵۸	زمین کے ذائد
۲۵۱	درس حکم ۶ (آیت ۲۶ تا ۴۳)	۲۵۹	معیشت کے سلسلے
"	آیت و ترجمہ	۲۶۰	قدرت کے خزانے
۲۵۲	ربط آیات	۲۶۲	درس پیام ۴ آیت (۲۲ تا ۲۵)
"	سلط کی درخواست	"	آیات و ترجمہ
۲۵۳	گمراہ کرنے کا عزم	۲۶۳	پانی کی قدرتی ہیمن رسانی
۲۵۵	مخلصین کی حفاظت	۲۶۶	زندگی اور موت کا نظام
۲۵۶	گمراہوں کی جہنم رسیدگی	۲۶۷	مستعدین اور منافقین
۲۵۹	درس حکم ۷ (آیت ۴۵ تا ۶۰)	۲۶۸	عورتوں اور مردوں کی صفیں
"	آیات	"	قیامت اور جزائے عمل
۲۶۰	ترجمہ	"	

۳۱۲	قوم پر عذاب	۳۹۱	ربط آیات
"	مسئلہ فرست	"	متعین کے لیے بہشت
۳۱۳	نشانات عبرت	۳۹۲	کہ درت سے پاک دل
۳۱۶ (۸۹ تا ۸۰)	درس و حکم ۱۰ (آیت ۸۰ تا ۸۹)	۳۹۳	خوف اور امید
"	آیات و ترجمہ	۳۹۴	ابراہیم علیہ السلام کے لیے خوشخبری
۳۱۷	ربط آیات	۳۹۵	ابراہیم علیہ السلام کی حیرانگی
"	اہل حجر کی تکذیب	۳۹۶	قوم لوط پر عذاب
۳۱۸	نشانیوں سے اعراض	۳۹۹	دریٰ ثم ۸ (آیت ۶ تا ۷)
۳۱۹	پرانی تہذیبوں کے آثار	"	آیات و ترجمہ
۳۲۰	عذاب کی آمد	۴۰۰	ربط آیات
"	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی	۴۰۱	فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس
۳۲۲	بیع مشائی کا نزول	۴۰۲	اہل بستی کی اخلاقی بستی
۳۲۳	مال و دولت سے بے رغبتی	۴۰۳	لوط علیہ السلام کی طرف سے دفاع
"	اہل ایمان کے لیے شفقت	۴۰۴	فرشتوں کی مداخلت
۳۲۵ (۹۹ تا ۹۰)	درس یا زوہم ۱۱ (آیت ۹۰ تا ۹۹)	۴۰۵	بستی سے خروج کا حکم
"	آیات و ترجمہ	۴۰۶	عذاب کا فیصلہ
۳۲۶	ربط آیات	۴۰۷	درس نهم ۹ (آیت ۱ تا ۷)
"	کتب الیہ کی تقسیم	"	آیات و ترجمہ
۳۲۹	لازمی باز پرس	۴۰۸	ربط آیات
۳۳۰	حضور علیہ السلام کے لیے تسلی	"	لوط علیہ السلام کی پیشکش
۳۳۱	تبیح و تحمید	۴۰۹	ہم جنسی کی سزا
۳۳۲	آخر دم تک عبادت	۴۱۰	قوم کا اصرار
۳۳۵	سورة النحل	۴۱۱	مسئلہ قسم

۳۵۶	پانی کی ضرورت	۳۲۶	درجہ اول (آیت ۱ تا ۴)
۳۵۸	نباتات کے لیے پانی	"	آیات و ترجمہ
۳۶۰	شیر و تھوڑا پھنسیاں	۳۲۷	نام اور کوائف
۳۶۲	مچھلی بطور آئندہ گوشت	"	مضامین سورۃ
"	فقیہی مسائل متعلقہ مچھلی	۳۲۸	غلاب الہی کی آمد
۳۶۳	سمندر کے دیگر فوائد	"	نخلہ اسلام کی پیش گوئی
۳۶۶	حصہ چہارم ۶ (آیت ۱۵ تا ۲۱)	۳۲۰	نزول وحی
"	آیات و ترجمہ	۳۲۱	رسالت کا انتخاب
۳۶۷	رابطہ آیات	"	دعوتِ توحید
"	زمین کا توازن	۳۲۲	تخلیق انسانی بطور دلیل
۳۶۸	سمندری اور زمینی راستے	۳۲۳	دوسرے علوم ۲ (آیت ۹۳۵)
۳۶۹	انعامات اللہ	"	آیات و ترجمہ
۳۷۱	شکر کی ترویج	۳۲۴	رابطہ آیات
۳۷۳	دوسرے پنجم ۵ (آیت ۲۲ تا ۲۵)	۳۲۵	سورطیوں کے فوائد
"	آیات و ترجمہ	۳۲۶	اُن کو گوشت
۳۷۵	رابطہ آیات	۳۲۷	اللہ کی نعمت
"	سدا الوہیت	۳۲۸	خوبصورتی کا ذریعہ
۳۷۶	لفظ "الذکر" کی تحقیق	۳۲۹	جانوروں کے حقوق
۳۷۷	فقہ آخرت	۳۳۰	بار برداری کا کام
۳۷۸	عکبر کی بیماری	"	ناخوردنی جانور
۳۷۹	وحی الہی کا انکار	۳۳۱	" متقبل کی سولیاں
۳۸۰	دوسرا ترجمہ	"	مستقیم اور منحنی راستے
۳۸۲	دوسرے ششم ۶ (آیت ۲۶ تا ۲۹)	۳۳۲	دوسرے علوم ۳ (آیت ۱ تا ۱۳)
		"	آیات و ترجمہ
		۳۳۳	رابطہ آیات

۵۰۹	ہدایت اور گمراہی	۴۸۲	آیات و ترجمہ
۵۰۹	درس نهم (آیت ۳۷ تا ۴۰)	۴۸۳	رابط آیات
۵۱۱	آیات و ترجمہ	۴۸۴	مخالفین کی چالبازیاں
۵۱۲	رابط آیات	۴۸۵	مردود اور فرعون کی کارگزاری
"	ہدایت سے محرومی	۴۸۷	مسئل سازشیں
"	تسلی کا مضمون	۴۸۹	ظالموں کی رسوائی
۵۱۵	اچھی اور بُری حرص	۴۹۱	جہنم میں داخلہ
"	بعث بعد الموت کا انکار	۴۹۲	درس ششم (آیت ۳۰ تا ۳۴)
۵۱۷	قیامت کی ضرورت	"	آیات و ترجمہ
۵۱۹	خدا کا اٹل فیصلہ	۴۹۳	رابط آیات
۵۲۰	درس دهم ۱ (آیت ۴۱ تا ۴۴)	۴۹۴	متعین سے سوال و جواب
۵۲۳	آیات و ترجمہ	۴۹۵	متعین کے لیے بہتر گھر
"	رابط آیات	۴۹۶	پاکیزہ موت
۵۲۳	ساجرین کی حوصلہ افزائی	۴۹۷	جنت میں داخلہ
"	ہجرت کے وسیع معانی	۴۹۸	غدا کا انتظار
۵۲۴	ہجرت کی اقسام اور مسائل	۵۰۱	درس ششم ۸ (آیت ۲۵ تا ۲۶)
۵۲۵	ساجرین کے لیے اجر	"	آیات و ترجمہ
۵۲۷	رسول مرد ہوتے ہیں	۵۰۲	رابط آیات
۵۳۱	تقلید کی ضرورت	"	شُرک پرانی بیماری ہے
۵۳۲	فقہی اختلاف کی حیثیت	۵۰۳	مشرکین کی دلیل
۵۳۴	تشریح بذریعہ سنت	۵۰۵	انسان کی فعل بخاری؟
۵۳۶	درس یازدهم ۱ (آیت ۴۵ تا ۵۰)	۵۰۷	رسولوں کی ذمہ داری
"	آیات و ترجمہ	۵۰۸	ظلمت کیسے ہے؟

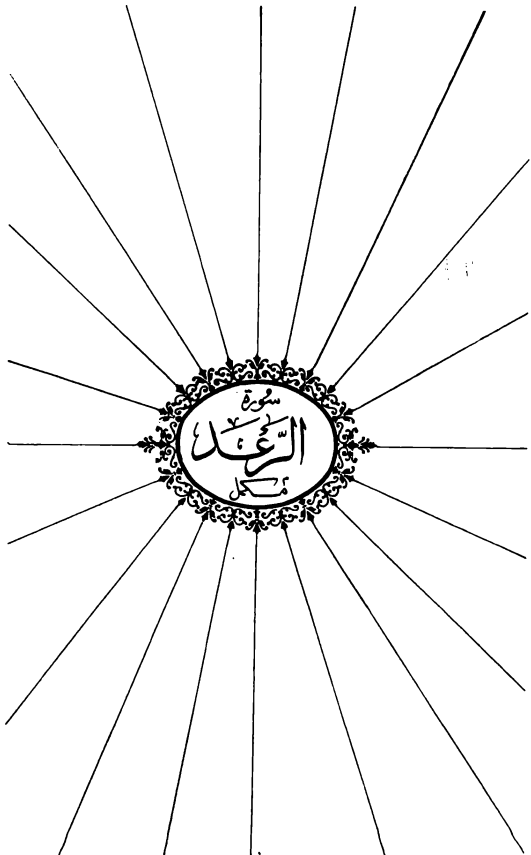
۵۵۵	آیات و ترجمہ	۵۳۷	رابط آیات
۵۵۶	رابط آیات	۵۳۸	منکرین کے لیے نعمت و عید
۵۵۷	خدا کے لیے بیٹیاں	۵۳۹	۱۔ زمین میں دھنس جانا
۵۵۸	قریبی بیٹی پر روسیاء ہی	۵۴۰	۲۔ بیرونی ذرائع سے غراب
۵۵۹	بیٹی سے مگر غلامی	۵۴۱	۳۔ پٹے پھرنے گرفت
۵۶۰	نفع درگزر	۵۴۲	۴۔ غراب بعد از خون
۵۶۱	صدقہ کی مثال	۵۴۳	زمانہ جاہلیت کے اشعار
۵۶۲	جینز کی لعنت	۵۴۴	سائے کا سجدہ
۵۶۳	عورت نصف انسانیت ہے	۵۴۵	ہر چیز کو یہ رہنہ ہے
۵۶۴	درس چہارم و حکم ۱۴ (آیت ۶۱ تا ۶۵)	۵۴۶	فرشتوں کا تعمیل حکم
۵۶۵	آیات و ترجمہ	۵۴۷	درس ہوا و حکم ۱۲ (آیت ۵۱ تا ۵۶)
۵۶۶	رابط آیات	۵۴۸	آیات و ترجمہ
۵۶۷	طلالوں کی گرفت	۵۴۹	رابط آیات
۵۶۸	تکلم کا اثر	۵۵۰	مختصرہ اثنینیت
۵۶۹	مقررہ وقت تک ملت	۵۵۱	مختصرہ تثلیث
۵۷۰	ہائی سے بھلائی کی توقع	۵۵۲	سکرڈوں معبود
۵۷۱	دوزخ کی آگ	۵۵۳	دائمی اطاعت
۵۷۲	تزیین اعمال	۵۵۴	انعامات البیہ
۵۷۳	تبیین کتاب کا فریضہ	۵۵۵	مصیبت میں رجوع الی اللہ
۵۷۴	برایت اور رحمت	۵۵۶	شرک کا دکانہ
۵۷۵	مادی حیات کا سامان	۵۵۷	نہ درغیر اللہ
۵۷۶	درس پنجم و حکم ۱۵ (آیت ۶۶ تا ۶۷)	۵۵۸	طنی باز پرس
۵۷۷	آیات و ترجمہ	۵۵۹	درس شہر و حکم ۱۳ (آیت ۵۷ تا ۶۰)

۶۰۰	حافظہ کی کمزوری	۵۷۵	رابط آیات
۶۰۲	درس ہندویم ۱۸ (آیت ۷، آیت ۸)	۵۷۶	مونیوں میں سلمانِ عبرت
	آیات و ترجمہ	۵۷۷	دودھ کی نعمت
	رابط آیات	۵۸۰	دودھ کا کارخانہ
	رزق میں تفاوت	"	مشروب اور اچھی روزی
۶۰۳	حقوق کی ادائیگی	۵۸۲	لفظ "سکر" کی تحقیق
۶۰۵	مختلف نظامہائے معیشت	۵۸۴	درس ششم ۱۶ (آیت ۶۸، آیت ۶۹)
۶۰۶	فطری اور غیر فطری مساوات	"	آیات و ترجمہ
۶۰۷	نوعی اور شخصی بقا	"	رابط آیات
۶۰۹	شرک کی تردید	۵۸۵	مکھیوں کی طرف وحی
۶۱۰	اللہ سے براہِ راست تعلق	۵۸۶	مکھیوں کا چھتہ
۶۱۳	درس ہندویم ۱۹ (آیت ۷، آیت ۸)	۵۸۷	بھیلوں سے استفادہ
"	آیات و ترجمہ	"	شہد میں شفا ہے
۶۱۴	رابط آیات	۵۸۹	شہد کی پیداوار
"	غلام اور آزاد کی مثال	۵۹۱	مکھیوں کی فضیلت
۶۱۶	رزقِ حلال	"	مکھیوں کی تنظیم
۶۱۷	باطنی اور ظاہری خرچ	۵۹۲	غور و فکر کا مقام
"	گونگا غلام اور عادل آزاد	۵۹۳	درس ہندویم ۱۷ (آیت ۷)
۶۱۸	غلامی کی تباہی	"	رابط آیات
۶۱۹	غلاموں سے تین سلوک	۵۹۴	زندگی اور موت
۶۲۰	قومی غلامی	"	زندگی کا عروج و زوال
۶۲۱	خلاصہ کلام	۵۹۶	ارذل العمر
۶۲۲	درس ہندویم ۲۰ (آیت ۷، آیت ۸)	۵۹۷	پیری شعراء کی نظریں

۲۴۷	دریں سبت ۲۳ (آیت ۸۹ تا ۸۸)	۶۲۳	آیات و ترجمہ
۰	آیات و ترجمہ	۰	ربط آیات
۰	ربط آیات	۶۲۳	استعداد عمل اور جزا
۳۸	اسلام کے راستے میں رکاوٹ	۶۲۳	عالم الغیب والشہادۃ
۶۵۰	مفسدین کے لیے سزا	۶۲۵	قیامت کی اچانک آمد
۶۵۱	انیاد کی تخریبی	۶۲۶	قبر کی منزل
۶۵۲	قرآن بطور میان	۰	انسان کے ذرائع علم
۶۵۳	ہدایت، رحمت اور خوشخبری	۶۲۸	طغیانِ سماش
۶۵۵	دریں سبت چہار (آیت ۹۰)	۶۳۱	دریں سبت یک (آیت ۸۳ تا ۸۰)
۰	آیات و ترجمہ	۰	آیت و ترجمہ
۰	ربط آیات	۶۳۲	ربط آیات
۰	جامع ترین آیت	۰	گھر ذریعہ سکون
۶۵۷	اسلام کا عالمی پرہیزگارم	۶۳۳	انسان کی بنیادی ضروریات
۶۵۸	تین مثبت چیزیں (۱) عدل	۶۳۵	چمٹے کے خمیے
۶۶۱	۲ - احسان	۶۳۶	سید کی نعمت
۶۶۲	۳ - قرابتوں کا حق	۶۳۷	بچاؤ کی قیصیں
۶۶۳	تین منفی چیزیں - ۱ - فحاشی	۶۳۸	انعامات الہی کا شکر
۰	۲ - شک	۶۴۰	دریں سبت دو (آیت ۸۳ تا ۸۷)
۰	۳ - سرکشی	۰	آیات و ترجمہ
۶۶۵	دریں سبت پنج (آیت ۹۱ تا ۹۵)	۶۴۱	انسان کے علاق گواہیاں
۶۶۵	آیات	۶۴۲	کفار کی بے بسی
۶۶۶	ترجمہ	۶۴۳	شکر کا انکار
۶۶۷	ربط آیات	۶۴۵	جنت اور دوزخ کا مکالمہ
۰	تخریف معنوی کی حثارت	۶۴۶	عبید از مرگ و اولاد

۶۹۰	رابط آیات	۶۶۸	عہد کی پابندی
۶۹۱	وقتی طور پر خصیت	۶۶۹	عہد شکنی کی ممانعت
"	دین کی خاطر قربانیاں	۶۷۰	اغیار کی عہد شکنی
۶۹۳	عبداللہ بن خدیجہ کا ایمان	۶۷۱	گنہگار اور ہدایت کا راستہ
۶۹۴	اضطراری حالت کے مسائل	۶۷۲	بد عہدی ذریعہ فساد ہے
۶۹۵	عزیمت اور خصیت	۶۷۳ (آیت ۱۰۶ تا ۱۰۷)	درس ہفت و شش ۲۶ (آیت ۱۰۶ تا ۱۰۷)
۶۹۷	درس ہفت نمبر ۲۹ (آیت ۱۱۳ تا ۱۱۴)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۶۷۵	فانی اور باقی مال
۶۹۸	رابط آیات	۶۷۶	حیاتِ طیبہ
"	ذاتی طور پر جواب دہی	۶۷۹	قلاوت سے پہلے تعوذ
۶۹۹	پورا پورا بدلہ	۶۸۰	شیطانِ غلبہ
"	خوشحال بستی کی مثال		
۷۰۱	تاقیری کی سزا	۶۸۲	درس ہفت و ہفت ۲۷ (آیت ۱۰۱ تا ۱۰۵)
"	انکار رسالت پر عذاب	"	آیات و ترجمہ
۷۰۳	امن و امان کی ضرورت	۶۸۳	رابط آیات
۷۰۴	حلال اور طیب روزی	۶۸۴	نسخ آیات کی حکمت
۷۰۵	شکر گزاری	۶۸۶	نزول قرآن کی غرض
۷۰۶	درس سہمی ۲ (آیت ۱۱۵ تا ۱۱۹)	"	روح القدس
"	آیات و ترجمہ	۶۸۷	نزول قرآن پر اعتراض
۷۰۷	چار حرام چیزیں	"	اس کا جواب
۷۰۸	۱- مردار	۶۸۸	منکرین قرآن کے لیے سزا
۷۰۹	۲- خون	۶۸۹	درس سہمیش ۲۸ (آیت ۱۰۶ تا ۱۱۰)
"	۳- خنزیر کا گوشت	"	آیات و ترجمہ

۷۳۳	ربط آیات	۷۱۰	۴۔ قدر لغیر اللہ
۷۳۵	ہفتے کے دن کی تعظیم	۷۱۱	بحالت اضطراری
۷۳۷	مجموعہ کے دن آسانی	۷۱۲	حلت و حرمت کا قانون
۷۳۸	قرینہ تبلیغ (۱) حکمت	۷۱۳	وقتی محرکات
۷۳۹	۲۔ موعظت حنہ	۷۱۵	رحمت الہی
۷۴۱	۳۔ مباحث بطریق احسن	۷۱۶	درس کی ایک (آیت ۱۲۳۷-۱۲۳۸)
۷۴۵	درس کی سلسلہ (آیت ۱۲۶-۱۲۸)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۷۱۷	ربط آیات
"	نمائندہ نزول	"	امامتِ ابراہیمی
۷۴۶	شان نزول	۷۱۹	اطاعت اور خفیعت
"	اشخاصی کاروائی کی حدود	۷۲۰	ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت
۷۴۹	صبر کی مرغیبت	"	شکر و نعمت
"	حضور علیہ السلام کے لیے رحمتی	۷۲۲	دنیا کی بھلائی
۷۵۰	تعظیم اور شفقت	۷۲۳	حلتِ ابراہیمی کا اتباع
۷۵۱	سعیت الہی	۷۲۴	درس کی دوسری (آیت ۱۲۴-۱۲۵)
		"	آیات و ترجمہ



سُوْرَةُ الرَّعْدِ مِنْ بَيِّنَاتِ مَا نَزَّلْنَا بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَفِيهَا سُبْحَانَ كُرْآنِ رَبِّنَا
سورۃ رعد مٹا ہے یہ تنخائیں آیت اور اس میں چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرح کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الْعَرْقَنَ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ وَالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ
رَبِّكَ الْحَقُّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ①
اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا
ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدِيرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ
الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بَلِقَاءَ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ②

ترجمہ :- العرقن یہ آیتیں ہیں کتاب کی ، اور وہ جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کا کلام ہے پر حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ① اللہ کی ذات وہ ہے جس نے بندہ کیا ہے آسمانوں کو بغیر ستروں کے جن کو تم دیکھتے ہو ۔ پھر مستوی ہوا عرش پر اور اُس نے سخر کیا ہے سورج اور چاند کو ۔ یہ سب چلتے ہیں ایک مقررہ وقت تک ۔ وہ تدبیر کرتا ہے سائے کی اور تفصیل بیان کرتا ہے آیتوں کی تاکہ تم

اپنے رب کی ملاقات کے ساتھ یقین رکھو ②

۱۰ اور
کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ الرعد ہے۔ رعد بادل کی گرج کو کہاجاتا ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں بادلوں اور انکی گرج کا ذکر ہے، اس لیے اس سورۃ کو رعد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ گذشتہ سورۃ یوسف کی طرح یہ سورۃ بھی مکی ہے جو کہ مکی دور کے آخری حصے میں نازل ہوئی۔ یہ وہی دور ہے جب حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکار سخت مصائب کا شکار ہوئے تھے۔ اس سورۃ کی تینتالیس آیات، ۸۵۵ کلمات اور ۲۰۵۶ حروف ہیں۔ یہ زیادہ لمبی سورۃ نہیں بلکہ چھ رکوع کی درمیانی سورۃ ہے۔

مضامین سورۃ

سورۃ یوسف اور سورۃ رعد کے زمانہ نزول کی طرح ان کے مضامین بھی آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ مکی سورتوں میں عام طور پر بنیادی عقائد توحید، رسالت، قیامت وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بھی مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ توحید کے ساتھ ساتھ شرک کی تمام اقسام کی تردید کی گئی ہے اور ایمان کی جزئیات کو بیان کیا گیا ہے۔ تو اس سورۃ رعد میں بھی بالعموم انہی چیزوں کا ذکر ہوگا۔ اور ساتھ ساتھ ضمنی باتیں بھی آئیں گی۔ مکی سورتوں میں اصلاح عقیدہ کے موضوع کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان کی فکر پاک نہیں ہو سکتی اور نہ ہی عبادات، معاملات اور اخلاق درست ہو سکتے ہیں۔ اس سورۃ کا ایک خصوصی موضوع حق و باطل کی کشمکش ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔

محکمات
تشابہات
اور قطعاً

قرآن پاک میں تین قسم کی آیات آتی ہیں۔ محکمات وہ آیات ہیں جن کا مطلب واضح اور حقیقت روشن ہو۔ ایسی آیات پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے دوسری قسم تشابہات کی ہے ان آیات کا معنی تو سمجھ میں آتا ہے مگر ان کی حقیقت انسانی سمجھ سے باہر ہوتی ہے۔ جیسے اگلی آیت ۱۰ میں ہے

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَىٰ عِشْرِينَ سَاعَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 حصہ آیت کا معنی تو معلوم ہے مگر یہ حقیقت انسانی کجی میں نہیں آسکتی
 کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر استوی ہونے کی کیفیت کیسے ہے۔ یہ قیاسات
 میں سے ہے۔ ایسی آیات کے متعلق سورۃ آل عمران میں حکم دیا
 گیا ہے کہ ان کو محکم آیات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرو۔

آیات یا الفاظ کی تیسری قسم مقطعات کی ہے ایسے الفاظ کا مطلب
 تو معلوم نہیں ہوتا۔ مگر ان پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے۔ امام جلال الدین
 سیوطی اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا رَدَّ بِذَلِكَ
 یعنی التشریح بہتر جانتا ہے کہ ان الفاظ سے کیا مراد ہے۔ ہمارا فرض
 یہ ہے کہ ہم عقیدہ رکھیں کہ ان الفاظ سے اللہ نے جو بھی مراد لی ہے
 وہ برحق ہے۔ اور جہلا اس پر ایمان ہے۔ ہماری عقل ناقص اور ذہن
 کمزور ہے۔ اس لیے ہم ہر چیز کی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتے
 بعض چیزوں کا احکام اس دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کا علم آخرت
 میں چل کر ہوگا۔ اس کی مثال کے طور پر محمدؐ میں کلام فرماتے ہیں، کہ
 تقدیر کا مسئلہ ایسا ہے کہ اسکی حقیقت جنت میں ہا کر کھلے گی، اسی
 طرح عروفت مقطعات کے معانی ہیں۔ جنہیں ہم نہیں جانتے اور یہ
 اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہیں۔ ہمیں صرف ان پر ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ
 برحق ہیں۔ ایسی چیزوں کو زیادہ کر یہ لے کر اجازت نہیں کیونکہ ایسا
 کرنے سے انسان گمراہ ہو سکتا ہے۔ لہذا التفسیر میں یہ طریقہ بہتر سمجھا جاتا
 ہے کہ انسان ایسی چیزوں میں زیادہ کرید نہ کرے۔

بعض مفسرین اور متکلمین قیاسات اور مقطعات میں محض
 اس لیے بحث کرتے ہیں کہ انسانوں کے اذہان قرآن کریم کے
 قریب رہیں اور لوگ اللہ کی کتاب سے دور نہ ہو جائیں۔ مگر یہ حقیقت

بحث برائے
 تفسیر قریم

یہی ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے بھی حروف مقطعات کے متعلق کوئی بحث نہیں کی ہے۔ حافظ ابن حجر فتح البدر میں ذکر کرتے ہیں کہ ان حروف میں نہ تو آنحضرت نے اور نہ ہی صحابہ کرام نے کلام کیا ہے بلکہ آپ ان حروف کو اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح یہ نازل ہوئے ہیں، البتہ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ان حروف کو من و عن تسلیم کر لو اور ان کی حقیقت دریافت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ پھر صحابہ کرام کے آخری دور میں جب عجم کے اکثر لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے ان حروف کے متعلق کبریٰ کی تو ان کے بعض معانی حضرت علیؑ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہوئے مگر یہ محض تقریب فہم کے لیے ہے، یقین سے پھر بھی کچھ نہیں کہا جاتا جب حضرت علیؑ سے تقدیر کے مسئلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا سُئِلَ اللّٰهَ فَلَا تَفْتَحُوْا یہ اللہ تعالیٰ کے راز ہیں، ان میں تحقیق نہ کرو، اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ ان خرابی پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔

بعض مفسرین اور محدثین الکَمَر کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اجتماع کی مختلف صورتیں بیان ہوئی ہیں اور ان حروف مقطعات کا اشارہ رحمت خداوندی کے اٹھا ہونے کے مقام کی طرف ہے۔ بعض ان حروف سے بلندی کا جھنڈا مراد لیتے ہیں اور یہ اس شخص کے ہاتھ میں ہوگا۔ جو قرآن کریم کی تعلیمات کو اپنلے گا۔ بعض فرماتے ہیں کہ علوم الیہ یا معارف بانی کی چمک ان حقائق سے ہے جو اس سورۃ میں بیان کیے گئے ہیں اور الکَمَر سے وہ حقائق مراد ہیں۔ علی ہامیؒ نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ اس سورۃ میں اللہ نے ہدایت اور رشد کی پوشیدہ باتیں اور لطائف و اسرار کو بیان کیا ہے اور ان حروف سے ہی چیز مراد ہے

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ الْحَقْل میں دس مراد الہ بمعنی الفاہات
 ل سے لطف آدم سے لازوال ملک مراد ہے جس کا مطلب یہ ہوا
 کہ تمام نعمتیں، بے انتہا لطف اور لازوال بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ
 ہی کو سزاوار ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ الْحَقْل مخفف ہے
أَنَا اللَّهُ أَعْلَمُ وَأَرَى یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہوں میں
جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ بعض یہ فرماتے ہیں کہ الْحَقْل سے وہ اسم
 لطیفہ مراد ہیں جو شد پر مبنی ہیں اور شک کو زائل کرتے ہیں۔ امام رازیؒ
 نے بعض بزرگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے أَنَا اللَّهُ الْمَلِكُ الرَّحْمَنُ یعنی اللہ
 فرماتا ہے کہ میں اللہوں جو بادشاہ اور رحمان ہوں۔ بہر حال محقق مفسرین
 نے یہ مختلف معانی بیان کیے ہیں اور قرآن کریم اپنی مطالب و معانی کا منظر
 امام شاہ ولی اللہ نے اپنی تین کتابوں العزیز العظیم، الخیر العظیم اور بواج
 میں اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کشتی پر بیٹھے
 سے سمجھایا ہے کہ الْحَقْل سے اُن جنوب کی طرف اشارہ ہے جو متحد
 عالم یعنی عالم الہ سے عالم متدنی میں آکر بنی آدم میں پائے جانے والے
 قہار کے ساتھ آکر ٹکرائے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جس مقام سے
ستر آن پاک نازل ہوتا ہے وہ حظیرة القدس کا مقدس جہان ہے
 جو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہے اور عالم متدنی یہ مادی جہان ہے
 جہاں ہر قسم کی آلودگی، شرور و فتن، بدعتیگی، بد وضعی، بد اخلاقی، کفر،
 شرک، فحاشی، انکاد اور گندگی پائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ
 ایمان، تقویٰ، نیکی اور طہارت بھی ملی جلی ہوتی ہے۔ تو عالم الہ سے
 آنے والے علوم و معارف کا تصادم اس مادی جہان کی برائیوں سے
 مسلسل ہوتا رہتا ہے، چونکہ اس سورۃ میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے
 تو الْحَقْل سے اسی کی طرف اشارہ ہے کہ حق و باطل ہمیشہ ٹکراتا رہتا

شاہ ولی اللہ
 کی تفسیر

ہے جس سے حق واضح ہوتا ہے اور باطل مٹتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔
 شاہ شرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کتاب سے عظیم کتاب مراد ہے قرآن کریم
 ہی وہ عظیم کتاب ہے جو صحیح معنوں میں کتاب کہلانے کی مستحق ہے اس
 کے علاوہ باقی تمام کتابیں مجازاً کتاب کہلاتی ہیں۔ حقیقی کتاب یہی ہے یہ
 خدا تعالیٰ کے علم اور صفت کا ظہور ہے۔

امام سیویہ دوسری صدی ہجری کے امام ہیں۔ ایک موقع پر اسناد
 کے سامنے عبارت پڑھتے ہوئے تلفظ غلطی کی تو استاد صاحب نے فرمایا
 کہ تم دین کی تعلیم حاصل کر رہے ہو مگر تمہارا تلفظ بھی درست نہیں امام صاحب
 یہ سن کر سخت افسردہ ہوئے اور اٹھ کر چلے گئے۔ انہوں نے پختہ
 ارادہ کیا کہ عربی قواعد کی تعلیم حاصل کیے بغیر آگے نہیں بڑھوں گا۔ چنانچہ
 انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ علم نحو کی تحقیق و جستجو میں گزار دیا جب آپ نے
 اس علم میں کمال حاصل کر لیا تو استاد کے پاس آئے۔ بہر حال امام صاحب
 نے علم نحو کی تحقیق میں دو ضخیم جلدوں میں الکتاب نامی کتاب لکھی۔ اگرچہ
 یہ کتاب آجکل نہیں پڑھائی جاتی مگر اس سے افد ضرور کیا جاتا ہے اس
 کتاب کو بھی اس کی عظمت کی بنا پر الکتاب کہا جاتا ہے۔ تاہم سب سے
 عظیم الشان کتاب قرآن حکیم ہے اور اس کے متعلق یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ
 الکتاب کی آیتیں ہیں۔

فرمایا پڑھی کتاب کی آیتیں ہیں، وَالَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ
 رَبِّكَ الْحَقُّ، اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی طرف سے
 اتارا گیا ہے، وہ برحق ہے۔ حق کا معنی ثابت چیز ہوتا ہے جس میں شک و
 شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ قرآن پاک کو حق کہا گیا ہے۔ جس کے تمام علوم و
 معارف واقع کے مطابق ثابت ہیں اور اس میں کوئی غلط یا مشکوک چیز

شامل نہیں ہے۔ پھر اسی کتاب کے ضمن میں دین کے حواصل شریعت
 لوگت ہیں، وہ بھی بلاشبہ حق ہیں۔ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ
 لَا يُؤْمِنُونَ مَعَكُمْ اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ تاریخ
 عالم گزرا ہے کہ ہر زمانے اور ہر دور میں اکثریت غلط عقیدے پر ہی رہی
 ہے۔ لوگ صحیح عقیدے اور صحیح بات کو تسلیم کرنے کی بجائے غلطی
 قوی اور ملکی رسم و رواج کے پیچھے چلتے ہیں اور اللہ کی نازل کردہ ہدایت
 کے اصول و احکام کو انانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ سابقہ سورۃ میں
 بھی یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ لوگوں کی اکثریت بے دین ہی رہی ہے
 بہر حال یہ قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا بیان ہی ہو گیا۔

آسمان کی
 حقیقت

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کو دلائل کے
 ذریعے بیان کیا ہے اور ساتھ ساتھ قیامت کو بھی برحق قرار دیا ہے۔ پرورد
 مائل کا ذکر اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ سے ہوا ہے اللّٰهُ الْكَافِرُ
 خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ قَرُونَهَا السَّمَكُ ذَاتُ وَه
 ہے جس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا جن کو تم دیکھتے ہو۔
 یعنی نیگوں آسمان ہمیں صاف نظر آ رہا ہے۔ عربی میں اس کے لیے
 خضراء یعنی سبزی مائل کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت
 ابوذر غفاریؓ کی تعریف میں فرمایا مَا أَظْلَمَتِ الْخَضِرَاءُ وَلَا أَقْلَمَتِ
 الْعَبْرَاءُ عَطَلٌ ذِي لَهْجَةٍ أَسَدٌ مِنْ آلِ نَبِيِّ
 یعنی سبزی مائل آسمان اور گرد و خبار والی زمین کے درمیان حضرت
 ابوذر غفاریؓ سے سچا آدمی کوئی نہیں ہے۔ یہ نہم و تقویٰ میں عیسیٰ ابن
 مریم کے مشابہ ہیں۔ بہر حال آسمان کے لیے خضراء کا لفظ بھی استعمال ہوا
 ہے۔ اگرچہ اس کی رنگت نیگوں ہے۔

بعض لوگ آسمان کی حقیقت کے قابل نہیں بلکہ اے محض

حدنگاہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ آسمانی کائنات کی وضع قطع بھی زمین جیسی ہی ہے۔ دیگر آسمانی کریموں کی طرح زمین بھی ایک کمرہ ہے اور فضا میں معلق ہے۔ تیز تر زمین راکٹ کے ذریعے جو لوگ زمین سے بہت دور فضا میں ملے جاتے ہیں انہیں زمین بھی چاند، سورج اور دیگر سیاروں کی طرح ایک گول مٹول سیارہ ہی نظر آتی ہے مگر انہیں چاند روشن اور زمین تاریک نظر آتی ہے کیونکہ چاند کے عناصر زمین کی نسبت لطیف ہیں۔ بہر حال شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آسمان محض ایک حدنگاہ کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ کا ارشاد موجود ہے کہ اُس نے تمہارے لیے زمین کو فرش وَالسَّمَاءَ بِنَاءً اور آسمان کو چھت بنایا۔ ظاہر ہے کہ چھت ایک ٹھوس چیز ہوتی ہے جو دیواروں اور ستونوں پر کھڑی کی جاتی ہے، مگر آسمان کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ چھت ضرور ہے مگر بغیر دیواروں اور ستونوں کے ہے بلکہ اللہ نے اُسے اپنی کمال قدرت کے سامنے کھڑا کیا ہے۔

سائنسدانوں کی تحقیق یہ ہے کہ تمام آسمانی کمرے قانون کشش کے ذریعے اپنے اپنے مدار میں محو گردش ہیں اور یہ آپس میں ٹکراتے نہیں آخر قانون کشش بھی تو خدا تعالیٰ ہی کا پیدا کردہ ہے جس نے تمام کریموں کو مربوط بنا رکھا ہے جب تک یہ قانون موجود ہے۔ موجودہ نظام شمسی اسی طرح برقرار ہے۔ پھر جب اس قانون کو ختم کر دیا جائے گا تو سارا نظام درجہ بدم ہو کر کرات آپس میں ٹکرائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس دن آسمان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ مگر اس وقت تک یہ آسمان ایک حقیقت کے طور پر قائم ہے جس کے متعلق یہاں فرمایا ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے بغیر ستونوں کے

بند کیا ہے جسے ہر شخص کچھ شہ خود ملاحظہ کر رہا ہے۔

فرمایا اللہ نے بغیر ستوں کے آسمانوں کو کھڑا کیا ثُمَّ اسْتَوَىٰ
عَلَى الْعَرْشِ۔ پھر وہ مستوی ہوا عرش پر۔ یہ آیت اس لحاظ سے
 عقائد میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت
 کسی کو معلوم نہیں۔ چنانچہ مشکلیں اس کی توجیہ تین طریقوں سے کرتے ہیں
 بعض حضرات اس کو مجازی سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر
 قائم ہونا اس طرح نہیں جس طرح ہم چارپائی یا کرسی پر بیٹھتے ہیں بلکہ اس
 کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات پر خدا تعالیٰ کا کنٹرول ہے۔ عربی میں
 کہتے ہیں اسْتَوَىٰ بِشَرْحِ عَلَى الْعِرَاقِ مِنْ عَالِي دِمَ غَمَزَانِ
 یعنی بصر عراق کا بادشاہ بن گیا بغیر خون کا قطرہ بانے۔ تو یہاں پر استوی
 کا معنی اقتدار حاصل ہونا ہے یعنی اُسے پورے عراق پر کنٹرول حاصل ہو گیا۔
 بعض آئمہ کرام اور سلف صالحین استوی کا حقیقی معنی امرادیتے
 ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ عرش پر مستوی ہے مگر ہم اُس کی کیفیت
 سے نااہل ہیں۔ ہم خدا کے بیٹھنے کو اس طرح محمول نہیں کر سکتے۔ جس طرح
 ہم کسی چیز پر بیٹھتے ہیں۔ ہم ہادی دنیا میں ہوتے ہیں۔ ہم جہاں بھی مقیم
 ہوں چارے دائیں بائیں آگے پیچھے اور پیچھے جتہ کوئی ہے۔
 اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ مادی تصورات، محسوسات اور حسات
 سے پاک ہے۔ لہذا اُس کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت ہم سے
 ذہن میں نہیں آسکتی۔ ہم اسی چیز پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش
 پر مستوی ہے جیسا کہ اُس کی شان کے لائق ہے۔ ہم اس کے
 عرش پر بیٹھنے کی کیفیت کو متعین نہیں کر سکتے۔

اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس معاملہ کو آسان طریقے سے
 پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ارض و سما، ملاحظہ، روح اور عام

مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کر دہ ہے۔ اسی طرح عرش بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور عرش سے نیچے کی تمام اشیاء مخلوق میں داخل ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وراء الورد ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی تجلی جب عرش پر پڑتی ہے تو سارا عرش رنگین ہو جاتا ہے۔ پھر اس تجلی کے اثرات نیچے تمام کائنات پر پڑتے ہیں اور پھر عرش کی طرف لوٹتے ہیں۔ تو عرش پر پڑنے والی تجلی کو تجلی اعظم کہا جاتا ہے اور اسی تجلی کے لیے ہم اپنی زبان میں اللہ کا لفظ پولاتے ہیں اسی کے لیے رحمان کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ انسانی ذہن خدا تعالیٰ کی اس تجلی اعظم تک ہی رسائی حاصل کر سکتا ہے جب کہ خدا تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے جو انسانی ذہن میں نہیں آسکتی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حظیرہ القدس میں پہنچ جائے تو وہ تجلی اعظم کو نمایاں طور پر محسوس کر سکے گا۔ کیونکہ یہ وہاں پر براہ راست پڑ رہی ہے مگر اس مادی دنیا میں بہتے ہوئے وہاں تک رسائی ممکن نہیں، البتہ مرنے کے بعد آخرت میں جا کر انسان تجلی اعظم تک ترقی کر سکتا ہے اور اس کو واضح طور پر سمجھ سکتا ہے۔

فرمایا اللہ عرش پر مستوی ہوا وَسَمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر لیا یعنی کام میں لگا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل یَجْبُرْہِیْ لِأَجْلِ مَسْحِیْ ان میں سے ہر ایک مقررہ وقت کے لیے چلتا ہے۔ سورج اور چاند اپنے اپنے راستے پر محو سفر ہیں سورج مکمل بارہ ماہ تک ایک ہی مدار میں چلتا ہے۔ جب کہ چاند ہر ماہ اپنا مدار تبدیل کرتا رہتا ہے۔ بہر حال اللہ نے ان کے لیے اپنی اپنی منازل مقرر کر دی ہیں جس میں وہ چلتے بہتے ہیں اور انسان

تسخیر شمس و قمر

کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ سورج انسانی ضروریات کے لیے روشنی اور
 حرارت بہم پہنچا رہا ہے اور اس کے اثرات سے اناج اور پھل پکتے
 ہیں، چاند کی دیہی روشنی سے پھلوں میں رس پیدا ہوتا ہے، سمندر کے
 پانیوں میں مد و جزر کا عمل پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کا اثر جڑوں پر بھی ہوتا
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پورے نظام شمسی کو ایک مقررہ مدت تک کے
 لیے جاری فرما دیا ہے۔ جب یہ نظام اپنی مقررہ مدت کو پہنچ جائے
 گا تو سامان نظام جو ہم پر ہم ہوجائے گا اور پھر دوسرے نظام شروع ہو جائیگا۔
 فرمایا تَبٰرَكَ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ اِنَّ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ
 اَكْبَرُ الرَّكٰتِ صِفَتِ دُورِوٰں مِں تَلِيْمِ كَرِّ كِ شَرِكِ كِ مَرْتَبِ ہوتے ہیں،
 وہ غیر اللہ کو بھی تدبیر کندہ مانتے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ
 ہے۔ پھر فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُفِّرُوْا عَنْكُمْ رِجْسَكُمْ اَجْمَعًا
 كُفِّرُوْا عَنْكُمْ رِجْسَكُمْ اَجْمَعًا اور یہ اس لیے کرتا
 ہے۔ كُفِّرُوْا عَنْكُمْ رِجْسَكُمْ اَجْمَعًا كُفِّرُوْا عَنْكُمْ رِجْسَكُمْ اَجْمَعًا
 کی صفات پر یقین رکھو مطلب یہ ہے کہ قیامت واقع ہوگی اور
 مرنے کے بعد اللہ کے ہاں حاضر ہونا ہے۔ وہاں حساب کتاب
 کی منزل آئیگی اور ہر ایک کو اپنے کیے کا جگتان کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے
 توحید کا مشلہ بھی سجداد سے کہ جب خدا قادر مطلق ہے، اس نے
 آسمان کو بغیر ستروں کے کھڑا کیا ہے، تمام معاملات کی تدبیر کرتا
 ہے، تو کیا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ اللہ تعالیٰ
 نے اپنی آیات میں کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اللہ کی وحدانیت پر
 ایمان لاؤ اور بعد الموت پر یقین رکھو۔

بعث بعد
 الموت

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ
 وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِيهَا
 زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشَى اللَّيْلُ النَّهَارَ إِنَّ فِي
 ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲﴾ وَفِي الْأَرْضِ
 قِطْعٌ مُّتَجَوِّرٌ وَجَدْتُمْ مِنْ أَعْنَابٍ وَزُرْعٌ
 وَنَخِيلٌ صِنَوَانٌ وَغَيْرُ صِنَوَانٍ يُسْقَى بِعَمَلٍ وَآجِدٍ
 وَنَفْضٍ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأَكْلِ إِنَّ فِي ذَلِكَ
 لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۳﴾

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے پھیلا
 ہے زمین کو اور رکھے ہیں اس میں جو بھل پہاڑ اور پانی کی نہریں
 اور ہر قسم کے پھلوں سے بنایا ہے اس (زمین) میں جوڑا جوڑا۔
 وہ اڈرھا ہے رات کو دن پر۔ جیک اس میں البتہ
 نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ﴿۲﴾
 اور زمین میں مختلف خطے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ
 بٹے ہوئے، اور باغات ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں
 اور کھجوریں ہیں ایک تنے سے نکلے ہوئے اور الگ الگ
 بھی۔ ان کو سیراب کیا جا رہا ہے ایک ہی پالی سے، اور صم
 فضیلت دیتے ہیں ان میں سے بعض کو بعض پر کھانے

میں۔ بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عمل رکھتے ہیں ﴿۴﴾

عجائبات

سورۃ رعد میں اللہ تعالیٰ نے بنیادی عقائد توحید اور رسالت اور قیامت کا ذکر فرمایا ہے۔ البتہ اس سورۃ کا ایک خصوصی موضوع حق و باطل کی کشمکش ہے۔ پہل آیت میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان کیا گیا۔ اس کے بعد دو بلقیات میں سے عجائبات کا ذکر ہوا اور اللہ نے آسمانوں کی تخلیق اور عرش کو بغیر ستروں کے قائم کرنے کا ذکر کیا۔ سورج اور چاند کی تسخیر کا ذکر کر کے اللہ نے پوری کائنات پر اپنے کنٹرول اور تسلط کا اظہار فرمایا۔ اپنی بڑی بڑی چیزوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے وقیع قیامت پر دلیل قائم کی اور سمجھایا کہ ہر شخص کو اپنے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہوگی۔ اب آج کے دکھ میں آیات سفیہ کو توحید کی دلیل بنایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس پر پیدا کی ہلنے والی بڑی بڑی چیزوں کا ذکر کر کے ان میں غور و فکر کی دعوت دی ہے تاکہ انسان دلائل قدرت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئے اللہ نے انسان کو اپنی عقل استعمال کرنے کی بھی ترغیب دی ہے۔ جو لوگ عقل کو بیخ طریقے سے استعمال نہیں کرتے یا غور و فکر نہیں کرتے ان کے لیے دلائل قدرت کچھ سفیہ ثابت نہیں ہو سکتے۔

ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِي مَكَرَ الْأَحْمُسُ وہ وہی خدا تعالیٰ کی ذات ہے جس نے زمین کو پیدا کیا ہے۔ مگر اسنی پیدا کیا ہے اور کہا جاتا ہے۔ هُوَ الَّذِي کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ زمین کو بھاپانے والا وہی ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو زمین کو سمجھتے ہیں مگر ان کو سمجھنا کہ وہ ذات ہے جس نے زمین کو انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے زمین کی وضع ایسی بنائی ہے کہ انسان اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکے۔ زمین انسانوں کے پاؤں تلے روندی جاتی ہے اور عبادت کے لائق کیسے ہو سکتی ہے ؟

زمین کا
پیدا

ایسا عقیدہ رکھنا تو نہایت ہی جہالت اور بے وقوفی کی بات ہے۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا زمین اسی طرح پھیلی ہوئی ہے جس طرح زمین پر کوئی کپڑا یا چمڑا پھیلا دیا جاتا ہے؟ مفسرین کو لوم فرماتے ہیں کہ زمین کے پھیلاؤ کا یہ مطلب نہیں ہے۔ چھٹی صدی کے عظیم مفسر قرآن امام رازی فرماتے ہیں کہ زمین گیند کی طرح گول ہے۔ یہ ایک بہت بڑا کمرہ ہے جس کا قطر چوبیس ہزار میل ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اتنی بڑی چیز کی گولائی تو نظر نہیں آسکتی بلکہ جہاں بھی دیکھیں گے یہ پھیلی ہوئی ہموار ہی نظر آئے گی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ زمین سمیت تمام کمرے گول ہیں۔ البتہ ان کی جسامت میں بڑا فرق ہے۔ زمین اور سورج میں ایک اور تیرہ لاکھ کی نسبت ہے یعنی سورج زمین کی نسبت تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے اور دونوں کا درمیانی فاصلہ نو کورڈیس لاکھ میل ہے۔ جہاں تک چاند کا حلق ہے، یہ زمین سے قدرے چھوٹا ہے۔ زمین اور چاند کا درمیانی فاصلہ پونے تین لاکھ میل سے سے پانچ لاکھ میل تک ہے۔ یہ تمام آسمانی کمرے ہماری زمین سے دوری کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے نظر آتے ہیں۔ زمین بحیثیت متم کروں کو اللہ نے فضا میں معلق کر رکھا ہے جو کہ اُس کی قدرتِ تامہ کا شاہکار ہے۔

سلسلہ ہاکوہ

فرمایا اللہ کی ذات وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا یا و جعل
 رفہا رواسی و انہما اور اس زمین میں بوجھل پہاڑ اور پانی کی نہریں
 رکھی ہیں۔ دنیا بھر میں اونچے اونچے پہاڑ پائے جاتے ہیں۔ برصغیر پاک و
 ہند کی شمالی سرحد پر سلسلہ کرہ ہمالیہ تین ہزار میل تک پھیلا ہوا ہے۔
 اس میں مونٹ یورسٹ دنیا کی بلند ترین چوٹی ہے جو سطح سمندر سے
 ایتیس ۲۹ ہزار فٹ بلند ہے۔ پاکستانی سرحد کے ساتھ ملنے والا کوہ قراقرم

اور بعض دو سکر پاڑ پانچیس ہزار فٹ بلند ہیں۔ ہاڈوں کے چھوٹے بڑے سٹے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پراتی یا ضعی واے کہتے ہیں کہ سطح ارضی پر تیس ہزار فٹ بلند پاڑ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک گز لمبی کسی چیز پر جوڑ کے سترھویں حصے کی کیفیت ہے۔ اس طرح زمین کے پھیلاؤ اور وسعت کے مقابلہ میں بڑے سے بڑا پاڑ بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ لہذا ہاڈوں کی موجودگی زمین کے پھیلاؤ پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتی۔ البتہ پاڑی حصے کچھ اٹھہرے ہوئے نظر آئیں گے جب کہ باقی زمین ہموار ہی نظر آئے گی ماسی لیے زمین کے لیے صد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر حقیقت میں زمین گیند کی طرح گول شکل کی ہے۔

پاڑوں کے خلاف

سومۃ انبیاء میں زمین پر پاڑ بیا کر لے کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے اَنْ تَمِیْدَ بھرتا کہ زمین حرکت نہ کر سکے یا زمین مضطرب نہ ہو۔ مضمربین نے تَمِیْدَ کے دو معنی بیان کیے ہیں۔ پہلا معنی تو علم منہم ہے کہ زمین پر جو جبل پاڑ رکھ دیے ہیں تاکہ اس کا توازن قائم رہے اور یہ مضطرب نہ ہو یعنی ڈرنے نہ پانے نہ گشاہ وگی اللہ محمد شاہ دہلوی مضطرب کو اس معنی میں لینے میں کہ اگر پاڑ نہ ہوتے تو میدانانی علاقوں کی انسانی زندگی مضطرب ہوتی کیونکہ وہ پاڑوں سے پیا ہونے والی ضروریات زندگی سے محروم رہ جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے پاڑوں میں انسانی زندگی کی بہت سی چیزیں پیدا کی ہیں۔ مثلاً ذی نالوں اور میاؤں کے منبع جات پاڑ ہیں۔ پاڑوں کی بلند چوٹیوں پر سینکڑوں سالوں سے برف پڑی ہوئی ہے جو آہستہ آہستہ ٹھیل کر ذی نالوں کے لیے پانی بیا کرتی ہے۔ یہ پانی دریاؤں کے ذریعے میدانوں میں پہنچتا ہے اور پھر دیباؤں سے نرس نکال کر میدانی زمین کو سیراب کیا جاتا ہے۔

جس سے پھل سبزیاں اور آماج پیدا ہوتا ہے۔ یہی پانی پیٹروں کے اندر ہی اندر چھتا رہتا ہے اور کسی جگہ چشموں کی شکل میں ابل پڑتا ہے جس سے خود پیٹری علاقوں کے انسان، جانور اور زمین سیراب ہوتی ہے۔ پیٹروں کی بعض چٹری بوٹیاں ہیں جو انسانی صحت کے لیے بڑی مفید ثابت ہوتی ہیں۔ تمام معدنیات مثلاً سونا، چاندی، لوہا، سیسہ، ابرق، چونکا اور پتھر پیٹروں ہی کی پیداوار ہیں جو انسانی زندگی کے لیے نہایت مفید ہیں۔ پیٹروں میں پیدا ہونے والے بڑے بڑے درخت بھارتی اور دوسری کارآمد کھڑی میا کرتے ہیں، جو انسانی معاشرے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسی لیے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تجمید کا معنی یہ ہے پیٹروں کی عدم موجودگی کی صورت میں انسانی زندگی مضطرب رہتی۔

وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ اللَّهُ تَعَالَى نَزَّلَ فِيهَا مِنْ زَيْتٍ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ

کے پھل بھی پیدا کیے۔ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ زمین میں ان کا جوڑا جوڑا بنایا۔ زَوْجَيْنِ کا ایک معنی انور اور مادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھلوں میں نر اور مادہ پھل پیدا کیے ہیں۔ اور دودو کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ایک پھل میٹھا ہے تو دوسرا پھیکا ہے ایک شرس ہے تو دوسرا ترش ہے یا ایک اعلیٰ درجے کا ہے تو دوسرا ادنیٰ درجے کا۔ ہم روزمرہ زندگی میں ایسے پھلوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ مختلف قسم کے پھل ہیں جن کی شکلیں مختلف ہیں۔ رنگ اور ذائقے مختلف ہیں۔ کہیں پھیکا پھل کام دیتا ہے تو کہیں میٹھے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہیں ترش چیز درکار ہوتی ہے تو کہیں کیلا کام دیتا ہے گویا انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف انواع پھل پیدا فرمائے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ يَغْشَى الْيَسْلَ الْهَمَّكَ وَطَحَاكُ

مختلف
الانواع
پھل

شیرین
کافیئر

دیتا ہے رات کو دن پر۔ شب دروز کا آگے دیکھے آنا خود بخود نہیں
 جکیر یہ عجیب اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ دن کو ختم کر کے اس پر رات کو اور دینا
 دیتا ہے۔ گویا دن پر رات کی چادر ڈال دیتا ہے۔ سورۃ نور میں ہے
 ۵ یُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ اللَّهُ تَعَالَى رات اور دن کو پٹیاں
 دیتا ہے۔ کہیں رات بڑی ہوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے اور کہیں
 دن بڑا ہوتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی ہے۔ شب و روز کا یہ نظم
 اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کی حرکات سے پیدا کیا ہے۔ بسع کلیم
 یعنی تمدن دنیا میں دن اور رات کی طوالت قریب قریب ہوتی ہے البرزخ میں کئی دن کی طوالت
 انتائی شمال اور انتائی جنوب میں دن اور رات کی طوالت میں بڑا فرق پڑتا ہے کہیں وہ دن
 رات اور ہوا کا دن ہوتا ہے اور کہیں ان اوقات کی طوالت چھوٹا ہوتا ہے مگر ہم زمین
 دنیا میں دن اور رات چوبیس گھنٹے میں مکمل ہوتے ہیں۔ فَرَأَىٰ فِي ذَلِكَ آيَاتٍ
 لِّعَلَّهِمْ يَتَفَكَّرُونَ بیخاک ان تمام چیزوں میں البتہ نشانیاں
 ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اگر انسان اس بات
 میں غور کرے کہ اللہ نے یہ چیزیں کیوں پیدا کی ہیں، ان میں اختلاف
 کیوں رکھا ہے۔ کیا خدا کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی ہے جو یہ چیزیں
 پیدا کرنے پر قادر ہے تو انسان لامحالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ان
 تمام دلائل کو پیدا کرنے والا صرف خدا تعالیٰ ہے اور یہی بات خدا تعالیٰ
 کی وحدانیت کو باور کراتی ہے۔

آگے فرمایا وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مِّنْ جَبَلٍ اور زمین
 میں مختلف خطے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں ماری
 زمین ایک جیسی نہیں بلکہ متفاوت ہے مگر ہر خطہ ایک دوسرے
 سے بلا ہوا ہے۔ کسی علاقے کی زمین سیاہ ہے، کسی کی سرخ، کسی
 کی سفید ہے اور کسی خطے کی مٹی اکنی زمین سخت ہے اور کوئی نرم۔

کوئی ریتی ہے اور کوئی پتھر ملی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین کے مختلف خطوں سے مختلف الانواع مٹی لے کر اُس سے آدم علیہ السلام کا مجسمہ بناؤ، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس طرح انسان کی تخلیق مختلف قسم کی مٹی سے ہوئی اسی طرح ان کے اخلاق بھی مختلف ہیں۔ مٹی کی طرح کوئی سخت مزاج ہے اور کوئی نرم مزاج۔ بعض کلد والی زمین کی طرح نکتے ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کے طبائع زرخیز زمین کی طرح بڑے باصلاحیت ہوتے ہیں گویا زمین کا اختلاف نوع انسانی کے اختلاف سے ملتا جلتا ہے۔ حضور کے فرمان کے مطابق تمام نسل انسانی میں مٹی کا اثر قیامت تک موجود ہے گا۔ بعض انسان پائیزہ اخلاق ہوں گے اور بعض خبیث طینت، اسی طرح بعض لوگ خوش اخلاق ہوں گے اور بعض بد اخلاق۔ یہ تو اس زمین کا اثر ہے اور اس دنیا کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا۔ قیامت کے بعد جب نئی زمین پیدا ہوگی تو وہ میرے یا چاندی کی مانند سفید ہوگی اور اس کے کسی حصے میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا بلکہ ساری زمین یکساں نوعیت کی ہوگی۔

اس زمین کے مختلف الانواع ہونے میں یہ حکمت بھی ہے کہ ہر حصے سے مختلف قسم کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ کہیں سے پٹرول نکل رہا ہے تو کہیں سے کوئلہ اور لوہا برآمد ہو رہا ہے۔ کہیں مرمر کا پتھر یا اجاتا ہے تو کہیں سمنٹ اور چونا ملتا ہے۔ کہیں سونا چاندی ہے اور کہیں جواہرات پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں انسانی ضروریات کی ہیں اور ایک حصے کی چیزیں دوسرے حصے کے بھی کام آتی ہیں اگر ساری زمین ایک سی ہوتی تو ایسی مختلف ضروریات زندگی کی تکمیل کیسے ممکن ہوتی؟

فرمایا اللہ نے زمین میں مختلف خطے پیدا کیے ہیں وَجَدْتُمْ مِّنْ اَعْنَابٍ اور انگوروں کے باغات بھی اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ بخمیر کھجور، انار کے آم اور انگور بھی بستی چل ہے۔ وَزَرَعْنَا اللہ نے کھیتیاں بھی پیدا کی ہیں، جن میں اناج، چل اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں جو انسانی اور حیوانی زندگی کے لیے لازمی ہیں۔ وَفَجَعَلْنَا اور اللہ نے کھجوریں بھی پیدا فرمائی ہیں۔ کھجور کا درخت بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے اس کی سینکڑوں قسمیں ہیں جن کے مختلف ذائقے ہیں۔ ان کی شکلیں اور جسامت بھی مختلف ہے۔ کوئی لمبی ہے اور چھوٹی، کوئی سیاہ ہے اور کوئی سُرخ، کوئی گھٹلی والی اور کوئی بغیر گھٹلی کے، کوئی جلدی استعمال کرنے والی ہوتی ہے اور کوئی لمبے عرصہ تک کارآمد رہتی ہے۔ کھجور کے درخت بھی کوئی چھوٹے ہوتے ہیں اور کوئی بہت لمبے۔ بعض درخت صدیوں تک قائم رہتے ہیں اور چل بھی لیتے رہتے ہیں۔ جبکہ اس کی بعض اقسام کم عمر کی ہوتی ہیں۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ کھجور کے درخت کو مومن انسان کے ساتھ بہت حد تک کثابت ہے۔ جس طرح مومن ہمیشہ سر بہنر رہتا ہے اسی طرح کھجور کا درخت بھی سدا بہار ہے۔ جس طرح اس درخت سے لوگ ہر وقت فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اسی طرح مومن کے اعمال و اخلاق بھی انسانوں کے کلام آتے ہیں کیونکہ مومن کا دل نورانی سے منور اور اس کا عقیدہ پاک ہوتا ہے۔ جس طرح کھجور کا درخت اوپر کی طرف فضا میں پھیلتا ہے اسی طرح مومن کے اعمال و اخلاق بھی پھیلتے ہیں۔ جس طرح کھجور کے درخت کی چوٹی بہت بلند ہوتی ہے، اسی طرح مومن کے اخلاق بھی بہت بلند ہوتے ہیں۔

اللہ نے کھجور کے درخت کے تذکرے میں فرمایا

صِنَوَانٌ وَغَيْرُ صِنَوَانٍ کہ بعض درخت ایک جڑ سے دو تنے والے ہوتے ہیں جب کہ بعض کا ایک جڑ پر ایک ہی تنا ہوتا ہے اس قسم کے درخت کھجور کے بھی ہوتے ہیں اور بعض دوسرے بھی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی حضرت عباسؓ سے کسی بات پر تلخ کلامی ہو گئی حضور کو پتہ چلا تو فرمایا اے عمرؓ! کیا تم نہیں جانتے اِنَّمَا الْعَمَلُ صِنَوَانٌ کہ چچا باپ کی شاخ ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح کسی درخت کی ایک جڑ سے دو تنے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک داد کی اولاد میں باپ اور چچا دو تنے یا دو شاخیں ہوتی ہیں۔ فرمایا عباسؓ میرے چچا اور واجب الاحترام ہیں۔ یاد ہے کہ حضور علیہ السلام کے چار چچا تھے جنہوں نے حضور علیہ السلام کا زمانہ پایا۔ ان میں سے حضرت عباسؓ اور حضرت حمزہؓ نور ایمان سے مشرف ہوئے جب کہ ابوہریر اور ابوطالب کفر پر ہی گئے۔ البتہ ابوہریر حضور کا سخت دشمن جب کہ ابوطالب آپ کا ہمدرد تھا۔ اُس کے ایمان نہ لانے کا حضور کو بڑا افسوس تھا مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ آپ کے اختیار میں نہیں بلکہ میرے اختیار میں ہے۔ میں بہتر جانتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں، ہدایت دیتا ہوں فرمایا مختلف قسم کے درخت ہوتے ہیں کِسْفِي لَمَاءٌ وَاحِدٌ جنہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ وَكَفَّضِلُ بَعْضُهُمَا عَلٰی بَعْضٍ فِي الْاَكْلِ اور ہم فضیلت دیتے ہیں بعض کو بعض پر کھانے میں۔ بعض نہایت ہی خوش ذائقہ ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض پیچھے، ترش یا بد ذائقہ، حالانکہ پانی سب کو ایک ہی ملتا ہے۔ امام رازیؒ۔ امام ابو بکر جصاصؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نیچریوں کا رد ہے جن کا دعوے ہے کہ ہر کام نیچر کے تحت خود بخود ہو رہا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک ہی کھیت میں ایک ہی پانی سے سیراب ہونے والا کوئی خر بوزہ میٹھا اور کوئی پھیکا نہ ہوتا بلکہ فطرت

کے قائلین کے مطابق سب کا رنگ اور ذائقہ ایک ہی ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پھلوں کو پیدا کرنا بیخبر کا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامرہ کا شاہکار ہے جس نے بعض چیزوں اور پھلوں کو بعض دوسروں پر فضیلت بخشی ہے۔

فَرَأَيْنَا فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ
 بیشک ان تمام چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔ زمین کے مختلف خطے، باغات، کھیتیاں اور کھجوروں کے درخت نشاناتِ قدرت میں سے ہیں فَبِمَا كَفَّلْنَا شَيْئًا
 دَلِيلًا أَنَّهُ وَلَجِدُنَا فِيهَا آيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ
 ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ واحدہ لا شریک ہے۔ مگر یہ دلائل ان لوگوں کو نظر آتے ہیں جو صاحبِ عقل ہیں۔ اور غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ عقل کو استعمال نہیں کرتے۔ اَلَمْ نَكْفُرْ بِالَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ (انفال) یہ ہرے، گرگے اور بے عقل ہیں۔ نیز فرمایا اُولَٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ
 یہ گرجانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ ان کو دلائلِ قدرت نظر آتے ہیں مگر یہ غلام نہیں پائیں گے۔

وَإِنْ تَعَجَبُ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ إِذَا كُنَّا تُرَبَّاءَ إِنَّا
لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ
الْأَغْلَىٰ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ⑤ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ
الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُ
وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ
وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ⑥ وَيَقُولُ الَّذِينَ
كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا
أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦

ترجمہ :- اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کی بات
زیادہ قابل تعجب ہے (جب کہ وہ کہتے ہیں) کیا جب ہم
مٹی ہو جائیں گے تو کیا نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے۔
یہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ، اور یہی
لوگ ہیں کہ طوق ہونگے انہی گردنوں میں، اور یہی لوگ ہیں دوزخ والے
جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ⑤ اور آپ سے جلدی طلب
کرتے ہیں یہ بُرائی کو بھلائی سے پہلے۔ اور تحقیق گزر چکی ہے
اس سے پہلے مثالیں (عذاب کی)۔ اور بیشک تیرا پُروردگار

البتہ بخش کر ڈالا ہے لوگوں کیلئے باوجود اُن کی زیادتی کے اور جگہ تیرا پھسکار البتہ سخت سزا یعنی والا ہے ﴿۶﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ کیوں نہیں اتاری جاتی اس پر کوئی نشانی اس کے پروردگار کی طرف سے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے اور ہر قوم کے لیے ہادی ہوا کرتا ہے ﴿۷﴾

رہنمائی

اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ ہمارا وحکتِ الوہی پر مشتمل بعض دلائلِ توحید بیان فرمائے ہیں۔ زمین اور اس میں پیدا ہونے والے مختلف قسم کے درختوں اور پہلوں کا ذکر فرمایا۔ سائے ایک پانی سے سیراب ہونے والے پہلوں کے زلفے اور رنگ مختلف ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا کام ہے۔ فرمایا کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔ اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں اور غور و فکر کرتے ہیں۔ جو ایسا نہیں کہتے ان کو یہ واضح دلائل بھی کچھ مفید نہیں سمجھتے، وہ اپنی جاہلیت اور نادانی میں ہی پڑے رہتے ہیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ کافروں کی مذمت اور ہٹ دھرمی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی بھی دی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ كَفَجِبَ اگر آپ تعجب کریں اس بات پر کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید، بعثتِ بعد الموت اور صحابہ اعمال پر ایمان کیوں نہیں لاتے فَكَجِبَ قَوْلُهُمْ تو ان کی یہ بات زیادہ تعجب انگیز ہے عَرَادَ كُنَّا ثُمَّ بَا کیا جب ہم سر کر مٹی ہو جائیں گے ہمارے اجسام ذرات بن کر خاک میں مل جائیں گے عَرَادَ كُنَّا كَيْفَ خَلَقَ جَدِيدًا کیا ہم نئے سکرے سے پیدا ہوں گے؟ کفار کی یہ منقہ سورتہ السجدة میں اس طرح بیان ہوئی ہے عَرَادَ كُنَّا فَلَمَّا نَفَسْنَا عَرَادَ كُنَّا كَيْفَ خَلَقَ جَدِيدًا يَذُوبُ جَانِبًا اجزاء، زمین میں نل مل جائیں گے تو کیا ہم پھر سے دوبارہ پیدا ہو جائیں گے۔ سورۃ

قیامت
کا انکار

الذَّٰرِعَاتِ مِیۡنَ كُفَّٰرٍ كَیۡفَ یُبَیِّنُ لَیۡسَ یُذَكِّرُ ۙ ؕ اِذَا كُنَّا عِظَمًا مَّا خَجَرۡةٌ“
 کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے تو پھر زندہ ہو جائیں گے؟ گویا
 ان لوگوں کا بعثت بعد الموت پر یقین نہیں تھا۔ اللہ نے فرمایا ان کا
 انکار نہایت ہی تعجب انگیز اور افسوسناک ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے
 اس عظیم کائنات کو بغیر مادے، سابقہ نمونے اور آے کے پیدا فرمایا
 تو انسان جیسی چھوٹی سی چیز کو دوبارہ پیدا کرنا اُس کے لیے کون سی —
 مشکل بات ہے وہ تو پہلے بھوانک

کو پیدا کر چکا ہے، تو اب اس کو دوبارہ کیوں نہیں کھڑا کر سکے گا؟
 بہر حال وہ لوگ قیامت کے وقوع اور دوبارہ زندگی پر تعجب کرتے تھے
 کفار کی دوسری تعجب انگیز بات یہ تھی کہ وہ کہتے تھے ”اَجْعَلِ
 اِلٰهًاۙ اِلٰهًا وَّ اٰحَدًاۙ اِیَّۤا نَا هٰذَا كُنۡنَا عِبَادًاۙ“
 (ص) کیا تمام معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود کی پوجا کی جائے،
 یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے ہر کام کے لیے
 علیحدہ علیحدہ معبود بنا رکھے ہیں جو اپنے اپنے دائرہ اختیار میں لوگوں کی بگڑی
 بناتے ہیں، ان کی عاجز مہارتوں اور مشکل کشائی کرتے ہیں، بھلا اتنے
 سارے کام صرف ایک معبود کیسے انجام دے سکتا ہے۔ یہ تو ناممکن
 بات نظر آتی ہے۔ اللہ نے ان کی دونوں باتوں کی نفی فرمائی ہے
 اُس کی قدرت میں وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال بھی ہے اور
 کائنات کے تمام امور اللہ وحدہ لا شریک ہی انجام دینے پر قادر ہے
 اور اُس کا کوئی شریک نہیں۔

منکرین
 کے لیے
 سزا

فَرَمٰیۤاۙ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہُمۡۙ سِیۡۡۤاۙ وَہِ لُوۡگِ ہِیۡ
 جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا، اس کی قدرت کا یقین نہ کیا اور
 اس کی صفت ہی کو نہ پہچانا۔ وہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد کون زندہ ہوگا

مگر اللہ نے فرمایا سبلی وَعَدْنَا عَلَيْهِمْ حَقًّا (النحل) ہمارا وعدہ بالکل سچ ہے اور ہم ایسا ضرور کریں گے مگر افسوس کہ آخر لوگ نادانی میں ٹپے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کی سزا بھی سن لیں وَأُولَئِكَ الْأَعْلَاقُ فَبِأَعْنَاقِهِمْ قِيَامَتِ دَاوُدَ دِنِ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے جو کہ زلت کی نشانی ہے۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں باطل کو سینے سے لگائے رکھا۔ قیامت دے دن ہی چیز ان کے گلے کا طوق بن جائے گی۔ سورۃ لیس میں ہے إِنْ أَجَعَلْنَا فَبِأَعْنَاقِهِمْ أَغْلَاقًا فَهِيَ الْآلُفُفَانِ فَهِيَ مَقْمُوحُونَ ان کے گلے میں طوق ہوں گے جن کی وجہ سے ان کی گردنیں اوپر کواٹھی ہوں گی۔ اور پھر مجرموں کو کھینچنے کے لیے بڑی بڑی زنجیریں ہوں گی سُوْرَةُ الْعَاقَةِ مِیْنِ سَبْعِ سَبْعَاتٍ ذُرْعَاهَا سَبْعُونَ فِذَاعًا سَرَسْرَسْرًا زَنْجِيرٌ هُوَ شَیْءٌ جَنِّیٌّ سَبْعًا مِیْنِ سَبْعَاتٍ دِیَاجِلُیْنَ ۛ

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں بیری یا ہتھکڑی لگی دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ شخص دین میں ثابت قدم ہے اور یہ اس کے حق میں اچھی علامت ہے۔ اور اگر کوئی گردن میں طوق پڑا ہوا دیکھے تو یہ زلت کی نشانی ہے۔ غرض یہ مشرکین کی شرکیہ باتیں۔ باطل رسم و رواج اور کفریہ کلمات ہی قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق بن جائیں گے۔ بخیل کے متعلق بھی سورۃ آل عمران میں آتے ہیں سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ بخیل کی وجہ سے ان کے گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا۔ وہ منافق بن کر بخیل کوڑھے گا۔ کیونکہ اس نے دنیا میں مال کا حق لوٹا نہیں کیا۔ زکوٰۃ نہیں دی یا معاشرے کے کمزور لوگوں کا خیال نہیں رکھا۔ فرمایا

وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ سِي لُوكِ رُوْزِخِ وَا لَے هِی، وَه پَئِنِ
 اِنجَام گُوینِیچ جَابِئِی گَے هُم فِیْهَآ خِلْدٌ وَنَ وَه اِس رُوْزِخِ
 مِی هِیْشَہ مِیْشَہ رِہِی گَے۔ وَا ہاں سَے خَلَاصِی کِی کُوئی صُوْرَت نِہِی ہُوگی
 کِیونِکَ کُفْر اُوْر شُرک کِی سَزَا دِئِی ہِے۔ اَلْبَتَہ اَعْمَال کِی خُرَابِی کِی سَزَا وَوَقْتِ
 ہُوگی۔ جُو کَ تَطْہِیْر قَلْب کَے لِیَے دِی جَا ئَے گی۔

بھلائی
 سے
 پہلے
 برائی

اَکَے اَللّٰہ تَعَالٰی نَے مَشْرُکِیْن اُوْر مُنْکِرِیْن کِی اَیْک اُوْر خُرَابِی کَا ذِکْر فرمایا
 ہِے وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ یَہ لُوکِ
 اَپ سَے بھلائی سَے پہلے برائی کُو چاہتے ہِے۔ بھلائی تُو اِیْمَان قَبول
 کَر نَے اُوْر نِیچِی اِنْتِیَار کَر نَے سَے آتی ہِے مَگَر یہ تُو اِنھُوں لَے کِی نِہِی
 وَه اِپنَے کُفْر اُوْر شُرک پَر اُڑے ہُوئے ہِے اُوْر خُوْد اِپنی زَبَان سَے عَذَاب
 طَلَب کَر تَے ہِے۔ سُوْرَہ اِنْفَال مِیْن اِن دَیْر بَیَان مَوْجُوْد ہِے "اَللّٰهُمَّ
 اِن کَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِیْن عِنْدِکَ فَامْطِرْ عَلَیْنَا
 جَحَادَةً مِیْن السَّمَآءِ اَوْ اَنْتِنَا بِعَذَابِ اَلْیَمِّ"
 اے اللّٰہ! اَگَر مَحْمُوْد سَلِی اللّٰہ عَلَیْہِ وَآلِہِ وَسَلَّمَ کِی بَات سَچِی ہِے تُو ہِم پَر آسْمَان
 سَے پھَرُوں کِی بَارِش بَر سَے یَا کُوئی اُوْر دَر دِنَاک عَذَاب نَازِل کَر دَے
 سُوْرَہ بِنِی اِسْرَائِیْل مِیْن ہِے "اَوْ قَسُوْطِ السَّمَآءِ کَمَا
 زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِی سَفَا یَا ہِم پَر آسْمَان کَا کُوئی ٹُکْر اِہِی گَر اِے
 ہِم تُو مَاننَے لَے لِیَے تِیَار نِہِی ہِے۔ اللّٰہ نَے فرمایا کَر دِکھِیو یہ کتنے
 بَے وَقُوْف لُوکِ ہِے جُو اِپنَے مَوْنُوں سَے سَزَا کَے طَالِب ہِے اُوْر
 جِیْب یہ سَزَا آجَاتِی ہِے تُو بِہِر ٹَالِی نِہِی جَاتِی۔ فرمایا وَقَدْ خَلَّتْ
 مِیْن قَبْلِہِمُ الْمُثَلَّتُ اُوْر اِس سَے پہلے اِس قِسم کِی سَزَاؤں
 کِی مِثَالِیْن گُزْر چُکی ہِے۔ اللّٰہ نَے نَافِر لُوکِ کُو طَرَح طَرَح کَے عَذَاب
 مِیْن مَبْلَا کِیَا مَگَر یہ لُوکِ اِن مِثَالُوں کُو دِکھِی کَر بَہِی عِبْرَت حَاصِل نِہِی

کرتے بلکہ کفر و شرک پر اصرار کر کے ویسی ہی سزاؤں کا دوبارہ مطالبہ کر رہے ہیں جو کہ سخت نادانی کی بات ہے۔

فَرِيًّا قَدِ رَزَقْتَهُ رَبُّكَ لَكَذُومَغْفِرَةً لِلنَّاسِ عَلٰی

معافی اور
سزا

ظُلْمِهِمْ شَيْك تَبَارَكَ الَّذِي يَخْشَى كَرْنَهُ وَاللَّهِ لَوِ كَرْنٌ
کے لیے باوجود ان کے ظلم اور زیادتی کے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
بخشش کی دوسورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی پر فری

گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور دوسری یہ کہ جو شخص اپنے
عقیدے اور فکر کو پاک کر لیتا ہے اُس کے لیے بخشش کا فریضہ

پیدا ہوجاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "سَيِّئُ عِبَادٍ عَمَّ

أَفْتِ أَنَا الْعَفْوَ الرَّحِيمُ هِ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ

الْأَلِيمُ" (الحجر) میرے بندوں کو مطلع کرو کہ میں بخشش کرنے والا اور

مہربان ہوں اور میری سزا بھی بڑی سخت ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ ایک

طرف تو تیرا رب زیادتی کرنے کے باوجود لوگوں کو معاف کرنے والا ہے

اور دوسری طرف "وَأَنَّ رَبُّكَ لَشَدِيدٌ الْعِقَابِ" خدا تعالیٰ سخت

سزائیں والا بھی ہے۔ انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفات

کی طرف ہونی چاہیے۔ اگر کسی کو مہلت ملے تو اسے مغرور نہیں ہرنا چاہیے

کیونکہ خدا تعالیٰ کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔ حضرت سید ابن مسیب

کی روایت میں آتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی معافی اور درگزر نہ ہوتا تو انسانوں

کے لیے زندگی قطعی خوشگوار نہ ہوتی بلکہ نہایت تلخ ہوتی۔ فرمایا اگر خدا کی

گرفت نہ ہوتی تو لوگ بھروسہ کر کے ہی بیٹھ جاتے، مگر معافی اور سزا کا

توازن ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا بَيْنَ الْحَقِّ وَالرَّجَاءِ لِيُنْزِلَ عَلَيْهِمُ الْخَوْفَ

اور امید کے درمیان ہے۔ انسان کو اللہ کی پکار کا ڈر بھی ہو اور اس

کی بخشش کی امید بھی۔

امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حافظ ابن عساکر کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ ایک بزرگ ابو حسان حسن ابن عثمان نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جلوہ فرما ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ایک آدمی کی سفارش فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا اَلَمْ يَكْفِكَ كَمَا آتَىٰ لِي سُوْرَةُ رَعْدٍ كِي يَه آت كَافِي نِيَس هِي وَ اِن رَّبَّكَ لَذُو مَعْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظَلْمِهِمْ یعنی تیرا پروردگار لوگوں کی زیادتیوں کے باوجود بخشنے والا ہے۔ بشرطیکہ فکر پاک ہو۔

کفار کی ہٹ دھرمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا

وَكَيْفَ مَعُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَوْلًا اُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ
کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری جاتی اس پیغمبر پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ اس نشانی سے وہ نشانی مراد ہے جو کافر خود اپنے من سے طلب کرتے تھے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھ پر بے شمار نشانیاں ظاہر فرمائی ہیں مگر ضدی لوگ محض اپنی من مانی نشانی پر اڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مکے میں باغ لگ جائیں، ان میں نہریں جاری ہوں آپ سیر بھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ہمارے سامنے کتاب لائیں فرشتے آکر آپ کی رسالت کی گواہی دیں یا خدا خود سامنے آکر کھڑا ہو جائے (العیاذ باللہ) کوئی منصف مزاج آدمی ایسی بات نہیں کر سکتا۔ مگر یہ ایسی جاہل قوم تھی کہ من مرضی کی نشانی پانے کے باوجود انکار کرتے تھے۔ انہوں نے شیخ القمر کا معجزہ خود طلب کیا، مگر جب ظاہر ہو گیا تو کہنے لگے سِحْرٌ مُّسْتَعْمَرٌ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے یعنی مجھ نے جادو کر دیا ہے۔ تو فرمایا کافر کہتے ہیں کہ نبی پر کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی۔ اس کے جواب میں

فرمان ہے

اللہ نے فرمایا کہ فتانوں کا ظاہر کرنا نبی کا کام نہیں بلکہ یہ تو ایسے کا کام ہے، وہ جب چاہے اپنی مصلحت کے مطابق کوئی معجزہ ظاہر کرے کوئی نبی اپنی مرضی سے معجزہ ظاہر نہیں کر سکتا۔

ہر قوم کے
یہودی

اللہ نے فرمایا، اے نبی علیہ السلام! اِنْعَمَّا اَنْتَ مُنْذِرٌ
آپ تو ڈرسانے والے ہیں۔ آپ لوگوں کو شدید مجالس اور عذاب سے
ڈرائیں کہ آگے ایک منزل آنے والی ہے، اس کے لیے تیاری کریں
ہر نبی کو اللہ نے مبشر اور منذر بنا کر بھیجا ہے "وَسُلِّمْنَا مُبَشِّرِينَ
وَمُنْذِرِينَ" (النساء) انبیاء کے علاوہ ان کے پیروکار بھی منذر
ہوتے ہیں۔ جو لوگ بھی اہل حق ہوتے ہیں، وہ لوگوں کو کفر، شرک،
اور معاصی کے انجام سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ فرمایا آپ تو ڈرسانے
والے ہیں وَلَا تَكْفُرْ لِكُلِّ قَوْمٍ لِّمَا هُمْ بِرِقَوْمٍ كَاذِبِينَ۔ یہ
سنت اللہ ہمیشہ جاری رہی ہے کہ اللہ نے ہر قوم میں ہادی بھیجے ہیں
اللہ نے اپنے آخری نبی کو بھی ہادی بنا کر بھیجا ہے آپ کا کام ہدایت
کا رات دکھانا اور ڈرسانا ہے۔ لوگوں کی فرمائشیں پوری کرنا آپ کے
فرائض میں شامل نہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سابقہ انبیاء خاص
خاص تو رسول کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
متعلق فرمایا وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ذُرِّيَّةَ عِمْرَانَ ابْنِ آدَمَ
کہ نبی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو
تمام اقوام عالم کی طرف نبوت عامر عطا کی گئی۔ آپ ہر قوم کے ہادی اور
راہنما ہیں سورۃ اعراف میں بھی موجود ہے قُلْ يَا قَوْمِ النَّاسُ
اِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ اَلَيْسَ كَفَرًا جَمِيعًا اے نبی علیہ السلام! آپ
کہہ دیں کہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں آپ کے علاوہ
اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی نبوت عامر سے سرفراز فرمایا

”إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا“ (البقرہ) حضور علیہ السلام تمام قوموں کی طرف رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا بُعِثْتُ إِلَيْكَ الْأَسْوَدِ وَالْأَحْمَرَ مجھے تمام کالے اور سُرخ لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اس میں ہر قوم اور ہر ملک چین، جاپان، روس، امریکہ، افریقہ اور ایشیائی ممالک شامل ہیں۔ سورۃ العام میں ہے کہ آپ کو اس لیے مبعوث کیا گیا ہے لِتُنذِرَ أَقْرَبَ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا تاکہ آپ اہل مکہ اور گرد و پیش کے لوگوں کو ڈرائیں۔ اور فرمایا یہ قرآن آپ کی طرف اس لیے نازل کیا گیا ہے ”لَا نُذِرْكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ“ تاکہ آپ ان کو بھی ڈرائیں اور ان کو بھی جہاں تک یہ قرآن پہنچے۔ تمام جہاں والے آپ کے مخاطب ہیں۔ آپ کو تسلیم کیے بغیر کسی کے لیے ہدایت کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ بہر حال اللہ نے ہر قوم کے لیے ہادی بھیجے۔

اللَّهُ يَكْتُمُ مَا تَخْتَلُونَ كُلُّ انْثَىٰ وَمَا تَفِيضُ
 الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ⑧
 عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالَى ⑨ سَوَاءٌ
 مِنْكُمْ مَنْ أَسْرَأَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ
 هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ⑩ لَهُ
 مُعَقِّبَاتٌ مِنْ أَيْدِيهِ وَمَنْ خَلْفَهُ
 يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ
 حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ
 سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ
 مِنْ وَاوَالٍ ⑪

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ وہ ہے جو جانتا ہے وہ جو اٹھاتا
 ہے ہر مادہ اور جو ٹکٹے ہیں دم اور جو بڑھتے ہیں۔ اور
 ہر چیز اس کے نزدیک ایک خاص اندازے کے مطابق
 ہے ⑧ وہ جتنے دلائل ہے پرشوبہ باتوں کا اور ظہری
 باتوں کا۔ وہ بڑا ہے اور سب سے بڑا ہے ⑨ برابر
 ہے تم میں سے جو پوشیدہ بات کرتا ہے اور جو پکار
 کرتا ہے وہ بات۔ اور وہ جو بچنے والا ہے رات

کے وقت اور جو چلنے والا ہے دن کے وقت (۱۰) اُس کیلئے آگے پیچھے آؤنا ہے اس آئی کے آگے بھی اور پیچھے بھی جو اُسکی حفاظت کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں تبدیل کرنا کسی قوم کی حالت یہاں تک کہ وہ تبدیل کریں جو کچھ اُنکے نفسوں میں ہے۔ اور جب ارادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ برائی کا، پس نہیں کوئی اُس کو پھیرنے والا، اور نہیں ہے اُن کے لیے اُس کے سوا کوئی کارساز (۱۱)

جیسا کہ سورۃ نزا کے تعارف میں بیان ہو چکا ہے، اس میں بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے۔ اللہ نے ابتدا میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان کرنے کے بعد توحید کے دلائل ذکر کیے۔ ان دلائل میں سے بعض کا تعلق عالم بالا سے اور بعض کا عالم زیریں سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قیامت کا مسئلہ بھی سمجھایا گیا ہے اور درمیان میں حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی حقانیت کا ذکر بھی آگیا ہے اب آج کے درس میں بھی توحید ہی کے دلائل بیان کیے گئے ہیں جن پر غور کرنے انسان مسئلہ توحید کو پہچان سکتا ہے اور اپنے ایمان کو درست کر سکتا ہے۔

شکم مادر میں
بچے کی کیفیت

ارشاد ہوتا ہے اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ اٹھاتی ہے ہر مادہ۔ مادہ سے مراد عورت بھی ہو سکتی ہے اور ہر جانور کی مادہ بھی جس کے رحم میں بچہ پیدا ہوتا ہے۔ سورۃ لقمان کی آخری آیت میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے "وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ" وہی جانتا ہے، کہ شکم مادر میں کیا ہے۔ مطلب یہ کہ پیدا ہونے والے بچے کی تفصیلات سے نہ تو بچے کی ماں واقف ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص جانتا ہے بلکہ اس کی اہل کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ موجودہ میڈیکل سائنس اس حد تک تو ترقی کر چکی ہے کہ یہ بتا سکے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی مگر یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ پیدا

ہونے والا بچہ تمام الخلق ہوگا یا ناقص الخلق اس کا رنگ کالا ہوگا یا گورا۔
 یہ بڑا ہو کر سعادت مند ہوگا یا شقی
 یہ کس وقت پیدا ہوگا، اس کی عمر کتنی ہوگی، دولت مند ہوگا یا مفلس، تعلیم پڑھے
 ہوگا یا نہیں۔ فرمایا ان تمام چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے جو خالق اور مالک ہے۔
 اور یہی اُس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

فَرِيًّا وَمَا نَفِيضًا الْأَرْحَامُ وَمَا تَنْزَادُ رَحِمًا اور کے سڑنے
 اور پھلنے کو بھی اللہ ہی جانتا ہے۔ رحم میں موجود مادے کی مقدار کبھی کم
 ہوتی ہے اور کبھی زیادہ۔ اس کی مصلحت کو بھی اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ
 وَقَالَ شَيْءٌ عِنْدَهُ بِعِقْدٍ بِهَرِّ حَيْزٍ اس کے نزدیک ایک بار گزرنے
 کے مطابق ہوتی ہے۔ بعض اوقات رحم میں صرف ایک بچہ ہوتا ہے
 جب کہ بعض اوقات دو یا زیادہ بھی ہوتے ہیں، اور بعض اوقات رحم
 بالکل خالی ہوتا ہے۔ عام طور پر صحت مند بچے کے لیے مدت حمل زیادہ
 ہوتی ہے مگر بعض اوقات بچہ چھ ماہ پر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض حمل
 قبل از وقت بھی گر جاتے ہیں۔ یہ بھی اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ بچہ رحم
 مادر میں مدتِ حمل نہیں پوری کر سکا۔ بعض اوقات مدتِ
 حمل تمام سے زیادہ بھی ہو جاتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ تجربات کی بنا پر فرماتے ہیں کہ
 مدتِ حمل کے چار سال تک طویل ہونے کے سزاوار بھی نہیں
 امام شافعیؒ بھی زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل چار سال تک بتاتے ہیں جب
 کہ امام مالکؒ پانچ سال تک کے قائل ہیں۔ امام ضحاکؒ تین یا چار سال تک
 شکمِ مادر میں رہے اور پیدائش کے وقت ان کے دلنت بھی نکلے ہوئے
 تھے۔ بہر حال مدتِ حمل کے کم و بیش ہونے کی حکمت کو بھی اللہ ہی

بہتر جانتا ہے۔
 رہی یہ بات کہ ایک عورت کے ہاں بیک حمل کتنے بچے پیدا ہو سکتے ہیں تو اس
 کی کوئی انتہا نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ بیک وقت چار بچے ہو سکتے
 ہیں اور بعض چھ یا زیادہ کی تعداد بھی متعین کرتے ہیں، تاہم تجربات اس
 سے زیادہ کے بھی ہوئے ہیں۔ کسی زمانے میں ہندوستان میں قاضی
 قدوہ گزرے ہیں۔ ان کے متعلق قاضی ثناء اللہ پانی پٹی تفسیر مظہری میں
 انکشاف کرتے ہیں کہ ان کی بیوی کے ہاں ایک حمل میں سو بچے پیدا ہوئے
 اللہ کی قدرت وہ سارے کے سارے اپنی طبعی عمر تک زندہ رہے
 اور حسب معمول مختلف کام کاج کرتے رہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ
 کی مشیت پر موقوف ہے اور اس کی مصلحت کے مطابق ہوتا ہے
 غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ شکم مادر کی کیفیت کو اللہ ہی جانتا ہے، اور
 اس کے نزدیک ہر چیز کا ایک اندازہ ہے۔

اگے ارشاد ہے عَلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْمُبْدِي
 اور ظاہر چیزوں کو جاننے والا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ
 کے نزدیک تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں کیونکہ اس کا ارشاد ہے۔
 وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ (یونس)
 کائنات میں ذرے کے برابر بھی کوئی چیز تیرے رب سے غائب
 نہیں ہے۔ اس کی نظر تو چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ہر
 چیز پر ہے۔ مگر یہاں پر غائب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو انسان کی
 نسبت سے غائب ہیں اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔
 بعض چیزیں ملائکہ کی نسبت سے بھی غائب ہیں اور بعض ان کے سامنے
 ہیں۔ بعض چیزوں کا احساس انسان کو جو اس کے ذریعے ہوتا ہے اور
 اور بعض چیزیں۔ وراء الحسوات ہیں یعنی وہ عقل و حواس سے باہر ہیں۔

قریب ہر حال وہ تمام چیزیں جو انسانوں کی نسبت سے غائب ہیں اور جو چیزیں سامنے ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ عالم الغیب و الشہادۃ کا یہی معنی ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات الٰہیہ سے یعنی وہ بہت بڑی ہوتی ہے۔ اس کی وسعت کو کوئی نہیں جان سکتا اور نہ کوئی اس کے علم اور قدرت کا احاطہ کر سکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ المتعالیٰ یعنی بہت بلند و برتر ہے۔ اُس کو ہر قسم کا تصرف حاصل ہے۔ وہ ہمدان، ہمدین اور ہمد لوان ہے، وہ قدرت مآر اور حکمت بالذکر کا ملک ہے، لہذا جو چاہے سو کرے، اُس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

فرمایا سَوَاعِدٌ مِّنْكُمْ مِّنْ أَسْرَ الْقَوْلِ وَمَنْ جَهَّمَ بِهِ جو کوئی تم میں سے پوشیدہ طور پر کوئی بات کرتا ہے یا ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے سب برابر ہے۔ وہ ظاہر اور باطن سب کو جانتا ہے وہ تو عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہے جو سینوں کے رازوں کے بھی واقف ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے وہ بھی برابر ہے وَمَنْ هُوَ مُشْتَفٍ بِاللَّيْلِ جِرَاتِ كَيْفَ تَقْتَضِي وَنَافِئٌ لِّمَنْ يَرْتَدُّ إِلَيْهَا بِطُرُقِ مُخْتَلِفٍ وَأُولَئِكَ يَلْمُؤْنَ بِمَا يُغْتَابُ وَهُمْ لَا يَخْبَهُونَ۔ یعنی جو لوگوں کا کاروبار رات کے وقت شروع ہوتا ہے اور بدکار لوگ اپنا کام رات کے وقت انجام دیتے ہیں تاکہ لوگوں کی نظروں سے اوچھل رہ سکیں۔ یہ رات کے وقت چھپنے والے لوگ ہیں وَمَسَادِبُ فَالْمُهَارِبِ اور دن کے وقت چلنے والے بھی اللہ کے ہاں برابر ہیں جو لوگ دن کے وقت کاروبار کرتے ہیں۔ گلی کوچوں اور بازاروں میں چھوٹے پھرتے ہیں، وہ بھی اللہ کے علم میں ہیں۔ گویا اس کی نظروں سے رات اور دن میں کوئی بھی غائب نہیں، کہ سب کو جانتا ہے۔ انسان کسی بھی

حالت میں ہوں، اللہ کے نزدیک برابر ہیں۔ وہ ان پر نظر رکھتا ہے اور ان کا ضرور محاسبہ کرے گا، یہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور خصوصیت ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَٰهُ مُعَقَّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
وَ مِنْ خَلْفِهِ ہر شخص کے لیے آگے پیچھے آنے والے مقرر ہیں، اُس کے آگے بھی اور پیچھے بھی۔ اس سے مراد اللہ کے فرشتے ہیں جو اُس نے ہر آدمی کے لیے بطور نگران مقرر کر رکھے ہیں۔

يَحْفَظُونَكَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ وہ اللہ کے حکم کے مطابق اُس شخص کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی دو طرح کی حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے۔ ایک تو ہر شخص کے اعمال کی حفاظت کا کام ہے اور اس کے لیے اللہ نے کراما کا تبین دو فرشتے لگا رکھے ہیں۔ دائیں طرف والا نیک اعمال بکھتا ہے اور بائیں طرف والا بُرے اعمال محفوظ کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ سورہ قیٰم میں موجود ہے "مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ" جو بھی کلمہ انسان کی زبان سے اچھا یا بُرا نکلتا ہے، فرشتے فوراً لکھ لیتے ہیں۔ یہ فرشتے دِن اور رات کے لیے الگ ہوتے ہیں۔ دِن کے فرشتے عصر کے وقت تبدیل ہو جاتے ہیں اور رات کے فرشتے صبح کی نماز کے وقت چلے جلتے ہیں اور اُن کی جگہ دِن کے فرشتے ڈیوٹی سنبھال لیتے ہیں۔ اسی لیے عصر اور فجر کی دو نمازیں بڑی اہم ہیں کہ ان اوقات میں فرشتے ہر انسان کے متعلق رپورٹ پیش کر رہے ہیں۔ بہر حال یہ سلسلہ انسان کے ساتھ عمر بھر قائم رہتا ہے، پھر جب وہ فوت ہو جاتا ہے، تو اس کا مکمل نامہ اعمال اُس کے گلے میں لٹکا دیا جاتا ہے جو قیامت کے دِن کھول کر اُس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اسی طرح گویا ہر انسان کی پوری زندگی کا ریکارڈ محفوظ ہو جاتا ہے۔ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ ہر عمل کو احاطہ تحریر میں لانے کے

اللہ کا
حفاظتی
نظام

علاوہ ان کی شکل و صورت بھی بنائی جاتی ہے۔ جب فرشتے بعض اعمال کی شکل بنانے سے عاجز آجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس عمل کو اسی طرح کھو دو، اس کی شکل و صورت میں خود بنا لوں گا۔

انسان کے اعمال کے حفاظتی فرشتوں کے علاوہ ہر انسان کے ساتھ بعض ایسے فرشتے بھی مقرر ہیں جو اُسے کو ذی جانوروں، اجناس اور شیاطین کے شر اور ہر قسم کے حادثات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ حفاظت اُس وقت تک ہوتی رہتی ہے۔ جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ پھر جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے تو حفاظت اٹھالی جاتی ہے اور فوراً کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک مکمل حفاظتی نظام قائم کر رکھا ہے جس کے ذریعے ہر شخص کی جان اور اس کے اعمال کی حفاظت کی جاتی ہے اور یہ فریضہ آگے پیچھے یعنی یکے بعد دیگرے آلے والے فرشتے انجام دیتے ہیں۔

امام ابن جریر، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور امام شاہ ولی اللہ نے کما نہ حدیث کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہر انسان کی حفاظت کے لیے کتنے فرشتے مقرر ہیں آپ نے فرمایا کہ دو فرشتے تو دائیں بائیں اعمال کی نگرانی کے لیے مقرر ہیں اور دو آگے پیچھے حفاظت کے لیے ہیں۔ دو فرشتے ہر انسان کی آنکھوں پر مقرر ہیں اور دو ہونٹوں پر۔ ایک فرشتہ منہ پر مقرر ہے کہ کوئی خطرناک چیز منہ میں نہ چلی جائے اور ایک فرشتہ پیشانی پر مقرر ہے اس طرح ہر انسان کے ساتھ کل دس فرشتے بنتے ہیں۔ لیکن امام ابن جریر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ جو فرشتے اُس کے اعمال اور اس کے جسم کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں، ان کی کل تعداد تین سو ساٹھ ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ یہ روایت ابو یعلیٰ کے

حوالے سے بیان کی جاتی ہے جس کے درجے کا کچھ علم نہیں۔ بہر حال فرشتوں کی تعداد جو بھی ہو، اعمال کے حفاظت کنندگان تو انہیں قرآنی سے ثابت ہیں اور انسان کے جسم کی حفاظت کرنے والوں سے متعلق ان احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ یہ سارا حفاظتی نظام اس لیے ہے تاکہ انسانی ذہن میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو۔ اور پھر جب محلے کی منزل اُٹنے لگی تو انسان کا ہر قول، فعل اور عمل بالکل محفوظ حالت میں پیش کر دیا جائے گا۔ اور کسی قسم کا اشتباہ نہیں سنے دیا جائے گا۔

اجتماعی
حالت
کی تبدیلی

ارشاد ہوتا ہے **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بَقِيَ مَرَّةً بَشَرًا**
اللہ تعالیٰ نہیں تبدیل کرتا کسی قوم کی حالت کو حتیٰ **يُغَيِّرُ مَا**
بِأَنْفُسِهِمْ۔ یہاں تک کہ وہ تبدیل کریں اس چیز کو جو ان کے نفسوں
میں ہے۔ یہ سنت اللہ ہے کہ جب تک کوئی قوم خود اسباب مہیا نہیں
کرتی، اس کی حالت تبدیل نہیں کی جاتی۔ اگر کسی قوم کو اللہ تعالیٰ نے کوئی
نعمت عطا کی ہے تو وہ اس وقت تک نہیں چھنتی جب تک قوم
اپنے عمل کے ذریعے اُس کے چھن جانے کے حالات پیدا نہیں کرتی
دیتی۔ اسی طرح جب کوئی قوم تکلیف میں ہوتی ہے اور وہ اچھانی چاہتی
ہے تو اللہ تعالیٰ اُس وقت تک اس قوم کو بہتری کی طرف نہیں لاتے
جب تک قوم اپنے اعمال و کردار کے ذریعے ثابت نہیں کرتی کہ
وہ مطلوبہ بھلائی کی اہل بن چکی ہے۔ گویا ہر قوم اور فرد کے نتائج اس
کے مہیا کردہ اسباب پر مرتب ہوتے ہیں جو قوم خود تو بہتری کی کوشش
نہیں کرتی۔ ایسے اقدام نہیں کرتی جو اُسے ترقی کی طرف لے جائیں تو
پھر خالی دعاؤں سے تو اللہ تعالیٰ اُن کی مراد پوری نہیں کرتا۔ جب
تک وہ خود اس کے لیے ہنگ و دوڑ نہ کریں۔

مسلمانوں کی اجتماعی حالت تا تاریخوں کے زمانہ سے زوال پذیر

ہے اور آخر صدیاں گزرنے کے باوجود یہ قوم کسی ٹھکانے پر لگتی نظر نہیں آتی اس وقت مسلمانوں کا پورا نظام مگڑا چکا ہے۔ فزائن ہنر ہنر اور خود غرضی کا دور دورہ ہے جسے مسلمان ترک کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہر شخص آرام طلب ہو چکا ہے۔ محنت سے جی چراتا، عیاسیوں کو اسی آرام طلبی اور حبال و جاہ نے تباہ کیا۔

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں انفرادی طور پر تربطے اچھے لوگ بھی موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ مگر ان کی اجتماعی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ صفتین کے واقف تک اور پھر کچھ عرصہ بعد تک بھی مسلمان اجتماعی حیثیت سے قابل رشک تھے مگر بعد میں خود غرضی کی وجہ سے ان کی حالت کافروں سے بھی بدتر ہو گئی ہے۔ پدمے لہب اور امریکہ میں کوئی بھکاری نظر نہیں آتا۔ مگر ہمارے ایشیائی ممالک میں ہر گلی کوچے اور بازار میں بھکاری آپ کا پچھا کرتے ہیں۔ انگریزوں میں فحاشی اور عیاشی ضرور ہے۔ مگر بھکاری کوئی نہیں، کیونکہ وہ ہر بیکار آدمی کو گزارہ الاؤنس دیتے ہیں۔ مادی ترقی کا جذبہ بھی مسلمانوں کی نسبت کافروں میں بہت زیادہ ہے۔ جاپانی اپنے ملک کی خاطر ہمے کر چینیوں میں کوہ گئے وہ لوگ محنت کے عادی ہیں۔ وقت کو ضائع نہیں کرتے جب کہ ان کے مقابلے میں مسلمان کھیل کود کے دلدادہ ہیں۔ فضول رسومات، لڑائی جھگڑا، بے لگائی مسلمانوں کے مشاغل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دولت میں مبتلا اور اختیار کے دست نگر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جب تک مسلمان خود اس حالت کو بدلنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس میں حالت کو تبدیل نہیں کرے گا۔

فَرَّأَ إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا أَوْ حَسَنًا لَمْ يَلْمِ أَحَدًا مِنْهُمْ

قوم کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے لیے خود قوم اے
 اسباب پیدا کر لیتی ہے تو فرمایا فَلَا مَرَدَّ لَهُ تُو اس بُرائی کو پھر کوئی
 مال نہیں سکتا۔ پھر وہ ذلت کے گڑھے میں ہی گرتے ہیں۔ وَمَا
 لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مِّنْ وَّالٍ پھر ان کے لیے
 خدا تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار اور کارساز بھی نہیں ہوتا۔ وہ لاکھ شرمیہ
 عطا کر اپنائیں، غیر اللہ سے مردمانگیں، مگر ان کی کیس شنوائی نہیں ہو
 گی اور کوئی بھی ان کی مدد نہیں کرے گا۔

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنزِلُ
السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲ وَيَسْبِغُ الرِّعْدُ بِحَمْدِهِ
وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ
الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ
يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ۝۱۳
لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ
دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ
كَفِينِهِ إِلَى السَّمَاءِ لِيَبْلُغَ أَهْلَهُ وَمَا هُمْ بِبَالِغِهِ
وَمَا دَعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝۱۴

ترجمہ :- وہی اللہ تعالیٰ ہے جو دکھانا ہے تمہیں بجلی
خون اور طبع کے لیے اور وہ اٹھاتا ہے بارشیں ۝۱۲
اور تسبیح پڑھتا ہے رعد اُس کی تعریف کے ساتھ اور
فرشتے بھی اُس کے خوف سے ۔ اور چھوڑتا ہے کراک کر،
پس پہنچاتا ہے اس کے ساتھ جس کو چاہے ۔ اور یہ لوگ
جھگڑا کرتے ہیں اللہ کے معاملے میں حالانکہ وہ بہت
سخت طاقت والا ہے ۝۱۳ اُنہی کی دعوت برحق ہے
اور وہ جو لوگ پکارتے ہیں اُس کے سوا، نہیں جواب دے

سکے، مگر جس طرح کوئی پھیلانے والا ہو اپنے ہاتھ کو پانی کی طرف تاکہ پہنچ جانے پانی اس کے منہ تک۔ اور نہیں ہے وہ پہنچنے والا اُس تک۔ اور نہیں ہے پکار کافروں کی مگر گمراہی میں (۱۴)

یہ آیات بھی پہلی آیات کے ساتھ ہی مربوط ہیں۔ ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ گذشتہ درس میں انسان کی پیدائش کے ضمن میں رعموں کا گھٹنا بڑھنا اور مدت حمل کے متعلق اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا بیان تھا۔ اللہ کے ہاں ہر چیز کا اندازہ مقرر ہے جس کے مطابق وہ تمام امور کے فیصلے کرتا ہے۔ کوئی شخص کسی چیز کو چھپانے یا ظاہر کرے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ رات کی تاریکی میں چھپنے والے اور دن کے وقت چلنے پھرنے والے ہر نفس سے واقف ہے۔ اُس نے انسان کی جان اور اعمال کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو یکے بعد دیگرے آکر اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ پھر جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ انسان کی حفاظت ہوتی رہتی ہے۔

گذشتہ درس میں ایک دستور الہی کا ذکر بھی کیا گیا تھا کہ اللہ کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو بدلنے کے لیے تگ و دو نہ کرے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب وہ کسی کو اسکی شامت اعمال کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور خدا کے سوا کسی کا کوئی کارساز اور مددگار نہیں۔ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ کا ارشاد ہے کہ گرفت آریگی جس میں سارے کے سارے بتلو ہوں گے، اَنْهَلِكُ فَيَنْصَلِحُونَ تو کیا ہم ہلاک کر دیے جائیں گے جب کہ ہمارے درمیان نیک لوگ بھی موجود ہوں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جب بُرائی زیادہ ہو جائیگی تو نیک و بد سب ہلاکت کا شکار ہوں گے

حضور نے یہ بھی فرمایا اِنَّ النَّاسَ اِنْفَارًا وَّظَلَمًا فَاَلَّا
 يَأْخُذُوْا يَدِيْهِ جِبْ لُوْگ دِيْجھ ہے ہوں کہ ظلم ظلم کر رہا
 ہے اور پھر اُس کے ہاتھ پکڑ کر ظلم کو نہ روکیں، تو قریب ہے کہ اللہ
 ان سب کو سزا میں جٹا کرے۔ بعض روایات میں آآ ہے کہ لیے
 لوگ دعائیں کریں گے مگر وہ مستجاب نہیں ہوں گی۔ گویا عام برائی
 کے دور میں نیک و بد سب کے سب گرفتار بل ہوں گے، یہ الگ
 بات ہے کہ نیک لوگوں کو آخرت میں ان کی نیت کے مطابق بہت
 حاصل ہو جائے گی۔

خوف اور
 امید کا
 اتصال

اب آج کے درس میں بھی دلائل تردید ہی کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا
 ہے هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ هَذَا كِي دات وہ ہے جو تم کو برق
 یعنی بجلی دکھاتا ہے۔ برق کا معنی چمکنا ہوتا ہے اور اسے بجلی پر محمول
 کیا جا آئے کہ نہ کو وہ چمکتی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں بجلی دکھاتا ہے
خَوْفًا وَّطَمَعًا خوف اور امید دلانے کے لیے۔ جب بادل گرجتا
 ہے اور بجلی چمکتی ہے تو اس سے نقصان کا خوف بھی آتا ہے، اور
 اس سے خوشحالی کی امید بھی ہوتی ہے کہ بارش برسے گی، سبزیاں
 اُدیج اور پھل پیدا ہوں گے۔ جس سے انسان اور جانور مستفید ہوں گے۔
 اللہ تعالیٰ انسانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہے کہ ایمان
 کا صحیح مقام خوف اور امید کے درمیان ہی ہے۔ انسان نہ تو اللہ کے
 عذاب سے بے خوف ہو جائے اور نہ ہی اس کی رحمت سے
 مایوس ہو، ان دونوں کے اتصال میں ہی کامیابی ہے۔

فرمایا وہی اللہ ہے جو تمہیں خوف اور طمع کے لیے بجلی دکھاتا ہے
وَيُنزِلُ السَّحَابَ الْبُرْقَانَ اور اٹھاتا ہے بادل جو بڑے بوجھل ہوتے
 ہیں۔ یہ بادل پانی سے بھر پور ہوتے ہیں اور ہمیں انہیں اُس طرف

گرنے اور
 چمک

لے جاتی ہیں جہاں بارش برسا ناقص ہوتا ہے۔ بارش کی کمی یا زیادتی، مفید یا مضر اللہ تعالیٰ کے ارادے، مشیت اور تصرف کے ساتھ ہوتی ہے۔ گویا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل ہیں۔ نیز فرمایا **وَكَيْسَبِيحُ الرَّعْدِ بِحَمْدِهِ** اور رعد فرشتہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے اس کی تعریف کے ساتھ **وَالْمَلِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ** اور دو کفر فرشتے بھی خدا تعالیٰ کے خوف سے اس کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں۔ رعد لغوی طور پر گرج کو بھی کہا جاتا ہے مگر اس مقام پر حضور علیہ السلام نے فرمایا **الرَّعْدُ مَلَكٌ مُّوَكَّلٌ رُّعْدُ** ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے۔ اس کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ بادلوں کو ہانکتا ہے۔ کوڑا مارنے سے چمک پیدا ہوتی ہے اور پھر بادلوں کے آپس میں ٹکرنے سے بڑی خوفناک گرج پیدا ہوتی ہے ساکنان بھی یہی کہتے ہیں کہ بادلوں میں مثبت (POSITIVE) پارٹیو۔ اور منفی (NEGATIVE) نیگیٹیو، عناصر ہوتے ہیں جن کے ٹکرانے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ جب بجلی چمکتی ہے اور بادل گرجتے ہیں تو اس موقع کے لیے حضور علیہ السلام نے یہ دعا بھی سکھلائی ہے۔ **اللَّهُمَّ لَا تُقْتَلْنَا بِفَضْلِكَ وَلَا تُهْلِكُنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَلِكَ** **سُبْحَانَ مَنْ كَيْسَبِيحُ الرَّعْدِ بِحَمْدِهِ وَالْمَلِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ** اے اللہ! اپنے غضب سے ہمیں قتل نہ کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت عطا فرما۔ پاک ہے وہ ذات کہ رعد اس کی تسبیح بیان کرتا ہے اس کی تعریف کے ساتھ اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

فرمایا اللہ کی ذات وہ ہے **وَيُسَبِّحُ الصَّوَاعِقُ** جو

۱۔ ابن کثیر ۲/۵۰۵ و ترمذی ۲۹۹ و ادب المفرد بلخاری ۱۰۱ و عمل الیوم والیلۃ ص ۱۱۱

کرنا کہ یہی ہے۔ جب کسی کو نقصان پہنچانا مطلوب ہو تو اس پر بجلی نیسی جاتی ہے جو اللہ کی فتاد کے مطابق ضروری یا زیادہ نقصان پہنچاتی ہے۔ بعض اوقات بجلی پہاٹوں، درختوں یا جانوروں پر گرتی ہے تو اس کے حسب مال نقصان ہوتا ہے۔ بعض مین کرام فرماتے ہیں کہ بعض اوقات بجلی اس طرح پڑتی ہے کہ آدمی کے کپڑے اٹا کر درخت کی شاخ پر رکھ دیتی ہے اور اس آدمی کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔

خدائی
طاقت

بجلی تو بڑی طاقت والی چیز ہے اور ہر چیز کو جلا کر رکھ دیتی ہے اگر کوئی چیز اس کی زد میں آنے کے بعد بھی بچ جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کسی سرطانت کے مشیت، ارادے اور حکم سے ہوتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ جہاں کسی کو جلا کر زائرا ہے بجلی ہلاک کر دیتی ہے۔ اور بچانا مقصود ہو تو بال بیکانہیں ہوتا فرمایا فَصَيَّبَ بِهَا مَنْ يَشَاءُ اور پس پہنچاتا ہے اسکے ساتھ جس کو چاہتا ہے۔ نقصان اسی کا ہوتا ہے جس کے متعلق اللہ چاہتا ہے۔ وَهُوَ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ اور وہ لوگ اللہ کے معاملے میں جھگڑا کرتے ہیں، طرح طرح کی بیوردہ باتیں کرتے ہیں۔ وَهُوَ شَدِيدُ الْعِقَابِ حالانکہ وہ بڑی سخت قوت والا ہے لفظ مِحَال کے کوئی معنی آتے ہیں مثلاً عذاب دینا، گرفت کرنا اور قوت۔ یہاں پر قوت اور طاقت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا ہے، اس کے سامنے تمام طاقتیں بیچ ہیں۔ یہ لفظ مِحَال کی ذمہ کے ساتھ محال بھی آتا ہے، جس کا معنی ناممکن ہے۔ اگر یہ میم کی پیش کے ساتھ محال ہو تو معنی ہوگا باطل، جھوٹ یا خلاف واقعہ۔ تاہم اس مقام پر محال ہے جس سے قوت اور طاقت مراد ہے

بجلیاں، گرج اور چمک اللہ تعالیٰ کی طاقت کے مظاہر ہیں۔
 مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قیام مدینہ کے دوران قبیلہ عامر کے
 دو بڑے آدمی عامر ابن طفیل اور اربد ابن ربیع حضور علیہ السلام کے قتل کے
 ارادہ بد سے آئے۔ عامر نے اربد سے کہا کہ تم میرے ساتھ رہنا، میں
 مجھ سے بات چیت کروں گا، جب میں اُن کو اس بات چیت میں
 الجھادوں تو تم اُن پر تلوار سے حملہ کر دینا۔ چنانچہ دونوں ساختھی حضور
 علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ عامر حضور علیہ السلام سے مخاطب ہوا
 کہ اے محمد! اگر میں آپ کا اتباع کر لوں تو آپ میرے لیے کیا
 حصہ رکھیں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم ایمان لے آؤ، تو
 نہیں بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کو حاصل ہیں
 اور تم پر بھی وہی ذمہ داریاں عاید ہوں گی۔ جو دوسرے مسلمانوں پر عاید
 ہوتی ہیں۔ عامر کہنے لگا۔ کیا ایسا نہ کریں کہ دیہات میں میری حکومت
 ہو اور شہروں پر آپ حکومت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو میرے اختیار میں
 نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے نیابت اور حکومت عطا کرے گا۔
 پھر عامر کہنے لگا کہ میں آپ سے کچھ اور ضروری بات کرنا چاہتا ہوں
 آپ ذرا اٹھ کر ادھر آئیں۔ حضور اٹھ کر ایک طرف آئے۔ عامر کا دوسرا
 ساختھی اربد موقع کی تلاش میں تھا اس نے میان سے تلوار نکالنا چاہی۔ مگر
 اس کا ہاتھ وہیں جام ہو کر رہ گیا اور وہ تلوار نکال ہی نہ سکا۔ اس طرح
 اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچالیا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے وَاللّٰهُ يُعْصِمُكَ
 مِنَ النَّاسِ (العائدہ) اللہ تعالیٰ ہی آپ کو لوگوں سے
 محفوظ رکھے گا۔ پھر یہ دونوں ساختھی واپس جا رہے تھے کہ اربد پر بغیر
 بادل کے بجلی گری اور وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ عامر کو راستہ چلتے طاعون کی
 کٹی ٹھکی۔ راستے میں قبیلہ سلول کی عورت کا خیمہ تھا، وہاں پناہ حاصل کی

اپنی حالت کی بنا پر گھٹی کر ٹھال کر کہا غدا غدا البعیر یہ تو اونٹ کی گھٹی جیسی گھٹی ہے اور میں کلوہ کے خیمے میں مر رہا ہوں، مجھے یہ بات پہنچ نہیں ہے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور توار سونت لی۔ گھوڑے کو دوڑانا شروع کیا اور ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام اور ملک الموت کو گالیاں مینے لگا۔ ملک الموت کو کہتا ہے کہ اگر میرے سنانے آجاؤ تو زور تھارا کام کر دوں۔ پھر وہ گھوڑا دوڑاتے دوڑاتے ہی ہلاک ہو گیا۔ بہر حال یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت بہت شدید ہے۔ لوگ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے اس کی طاقت کو تسلیم نہیں کرتے جس کی وجہ سے کفر اور شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اور پھر ہلاک ہوتے ہیں لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کو تسلیم کریں، اسی کی عبادت کریں اور اسی کو کارساز اور متصرف سمجھیں۔

ارشاد ہوتا ہے لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ اس کی دعوت برحق ہے دعوتِ حق سے مراد وہ دعوت ہے جو ایمان اور توحید کی طرف ہی جانے۔ سب سے پہلے یہ دعوت حضور علیہ السلام نے اہل مکہ کو دی اور فرمایا قُولُوا لِلّٰهِ اِلٰهًا لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ گو کہ دو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اگر تم نے یہ بات تسلیم کر لی تَفْلِحُوا تو فلاح پا جاؤ گے۔ صرف اللہ کی عبادت ہی حق کی دعوت ہے اور اس کے برخلاف اختیار کی عبادت سراسر باطل، کفر، شرک، تباہی اور بربادی ہے جو ہر بات پر ہے کہ اپنی قلم حواشی و ضروریات میں اسی ایک اللہ کو پکارنا برحق ہے کیونکہ اصل کے سوا نہ کوئی مشکل کتاب ہے اور نہ حالتِ روا کسی کے ہاتھ میں مختلف ہے اور نہ موت و حیات، ترقی و منزل، خمیر اور شرب الہی کے ہاتھ میں ہے، لہذا پکارنا بھی صرف اسی کو رہا ہے فَرِیًّا وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُونِہٖ جو لوگ اس کے

دعوت
حق

علاوہ دوسروں کو پکار رہے ہیں انبیاء کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں وہ کفر اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں
 فرمایا لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ وہ پکارنے والوں کو
 کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اللہ کے سوا مافوق الاسباب کوئی کسی
 کے کام نہیں آسکتا، نہ کسی کی کوئی مشکل حل کر سکتا ہے۔ جس طرح
 پکارنے والا مخلوق ہے۔ اسی طرح جنات، فرشتے، پیغمبر، اولیاء
 سب مخلوق ہیں۔ قادر مطلق، علیم کل اور مختار کل صرف اللہ کی ذات
 ہے۔ وہی پکارنے کے لائق ذات ہے، اس کے علاوہ دوسروں
 کو پکارنے والے کی مثال ایسی ہے الْأَكْبَاسِطِ كَفَيْهِ الْهَكْ
الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ پانی کی طرف بڑھائے
 تاکہ وہ اس کے منہ میں چلا جائے وَمَا هُوَ بِالْعَيْنِ مگر وہ اس
 تک پہنچنے والا نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص لاکھ آوازیں لے
 پانی کی طرف ہاتھ بھی بڑھائے اور چاہے کہ پانی خود بخود اس کے منہ
 میں چلا جائے، فرمایا ایسا نہیں ہوگا۔ جس طرح یہ ناممکن ہے اسی طرح
 غیر اللہ کو پکارنا بھی بے سود ہے۔ اس کی حاجت کبھی پوری نہیں ہوگی
 بعض فرماتے ہیں کہ پانی کی طرف ہاتھ بڑھانے کا مطلب یہ
 ہے کہ آدمی پانی کو سمٹی میں پھرنے کی کوشش کرے۔ جس طرح
 پانی سمٹی میں بند نہیں ہو سکتا اسی طرح غیر اللہ سے حاجت روائی کا
 منتظر رہنا امر محال ہے۔ تاہم پہلا معنی زیادہ راجح ہے۔ بہر حال
 حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف ذات خداوندی سے ممکن ہے
 جو اس کی مستحق اور مستصرف ہے۔ فرمایا وَمَا دُعَاؤُ الْكَافِرِينَ
إِلَّا فِي ضَلَالٍ اور کافروں کی پکار گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہے
 مطلب یہ کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب پکارنا بے گمراہی ہے۔ جن کو



وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
 طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلْمُهُمَّ بِالْغُدُوِّ وَالْاَصَالِ ۝۱۵
 قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ
 قُلْ اَفَاخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُوْنَ
 لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي
 الْاَعْمٰى وَالبَصِيْرَةُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ
 وَالنُّوْرُ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ
 فَتَسَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ
 كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۱۶

ترجمہ :- اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ ریز ہوتا ہے
 جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، خوشی سے
 یا ناخوشی سے، اور ان کے سامنے بھی صبح اور چھپنے پر ۝۱۵
 (بے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، کون ہے جو رب ہے آسمانوں
 کا اور زمین کا۔ آپ کہہ دیجئے، وہ اللہ ہی ہے۔ آپ کہہ
 دیجئے (ان سے) کیا تم نے بنایا ہے۔ اُس کے سوا دوسروں
 کو کارساز، جو نہیں مالک اپنے نفسوں کے لیے نفع کے اور
 نہ نقصان کے۔ آپ کہہ دیجئے، کیا برابر ہے اذھا اور دیکھنے

دالا۔ یا کیا برابر ہیں انھیرے اور روشنی۔ کیا ٹھرانے ہیں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک۔ کہ انہوں نے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کی طرح۔ پس مشابہ ہو گئی ہے ان پر مخلوق۔ آپ کہہ دیجئے، اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے والا ہر ایک چیز کا، اور وہ اکیلے ہے اور سب کو دبا کر رکھنے والا ہے۔ (۱۶)

ربہ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ نے شرک اور شرک کی تردید اور توحید کے دلائل بیان کئے تھے۔ آج کی آیات بھی سابقہ مضمون کے تسلسل میں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں قرآن کی حقانیت و صداقت، نبوت و رسالت اور قیامت کا ذکر بھی زیادہ تر فرمایا ہے۔ توحید کے علمی اور عقلی دلائل بیان کیے ہیں توحید کے بیان میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا پکانا ہی برحق ہے۔ جو لوگ دوسروں کو بھی پکارتے ہیں، وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص دریا یا کنویں پر کھڑا ہو کر پکے کے کہ پانی اس کے منہ میں خود بخود چلا جائے یا وہ پانی کو اپنی شمشلی میں بند کرنا چاہے، فرمایا جس طرح یہ دونوں چیزیں ممکن نہیں، اسی طرح غیر اللہ کو مافوقی الاسباب پکارنا بھی بے سود ہے۔ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔

سورۃ سج اور بعض دیگر سورتوں میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ انسانوں میں لوگوں نے اپنے جانتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے اختیار اور ارادے سے اللہ تعالیٰ کی مددیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جو اپنے اختیار اور ارادے سے توحید الہی کو نہیں مانتے اور ان پر مذہب الہی ثابت ہو چکا ہے۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسانوں کے علاوہ باقی تمام چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے

ہر چیز سجدہ کرتی ہے

سجدہ ریز ہوتی ہیں۔ وَاللّٰهُ يَسْجُدُ مَكَرًا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لیے سجدہ ریز ہوتا ہے جو آسمانوں
میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ آسمانی مخلوق اللہ کے فرشتے ہیں اور
فضا میں دوسری چیزیں بھی ہیں۔ اسی طرح زمین پر مختلف قسم کی چیزیں
ہیں جن میں انسان، جانور، درخت، پہاڑ وغیرہ ہیں، یہ سب اپنے پروردگار
کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں طَوْعًا وَّكَرْهًا خوشی سے یا ناخوشی سے۔
خوشی سے مراد یہ ہے کہ اپنے اختیار اور ارادے سے سجدہ کرتے ہیں جو ایسا ہے اللہ تعالیٰ کی
وحدانیت کو پہچان کر، کونکوشی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور جو نافرمان، مشرک اور کافر ہیں
وہ اپنی خوشی سے نہ تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانتے ہیں اور نہ اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں ایسے
لوگ خدا تعالیٰ کے تکوینی اصول کے مطابق سجدہ کرنے پر مجبور ہیں۔ اگر وہ
خود نہیں جھکے تو ان کا سایہ تو بہر حال صبح و شام اپنے خالق کے سامنے
سجدہ ریز ہوتا ہے۔ یہ ناخوشی کا سجدہ ہے۔ اسی طرح انسان موت کے
قانون میں بھی جکڑا ہوا ہے۔ اگرچہ وہ اس پر ناخوش ہے، مگر موت
ہر صورت میں آکر ہے گی۔ تو فرمایا اللہ کے لیے ہر چیز سجدہ ریز ہوتی ہے
خوشی سے یا مجبوری سے۔

سجدہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور نیاز مندی کا نام ہے اور یہ
ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس
وقت ابن آدم خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے، تو شیطان
اگک ہو کرہ داویلا کرتا ہے سر پر ٹی ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ ابن آدم کو سجدے
کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کیا فلکہ جنتہ پس اس کے بے میں اُسے جنت
ملے گی۔ مگر افسوس ہے میری حالت پر کہ مجھے سجدے کا حکم دیا گیا، تو میں
نے سجدہ نہ کیا فَلَکِی نَارِ پس میرے لیے دوزخ ہے۔ محمد بن فرماتے
ہیں کہ شیطان کا داویلا کرنا بے بنائے حسد ہے، وگرنہ وہ اس طرح نادم نہیں

توحید الہی کے مطابق سجدہ کیا اور مسلمانوں نے آپ کے اتباع میں ایسا کیا۔ منکر مشرکوں نے کیسے سجدہ کر دیا؟۔ اس کے جواب میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جس وقت حضور علیہ السلام تلاوت فرماتے تھے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی قہری بجلی نازل ہو رہی تھی جس کی وجہ سے کافر اور مشرک بھی سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مسائل
سجدہ تلاوت

سجدہ تلاوت کے لیے بھی وہی شرائط ہیں جو نماز کے سجدہ کے لیے ہیں یعنی انسان باطہارت ہو، اس کے کپڑے اور جسم پاک ہو اور وہ قبلہ رو ہو کہ سجدہ کرے۔ اس سجدے کی دو مجلسیں ہوتی ہیں۔ اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں جانے، قبض پڑھے اللہ پھر اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہو۔ اس میں رفع دین کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، کوئی آدمی کسی ایک مجلس میں متعدد بار بھی آیت سجدہ پڑھے گا۔ یاٹے گا تو سجدہ ایک ہی واجب ہوگا البتہ اگر مقام تبدیل ہو جائے تو یہ مقام پر پٹھنے یا سننے پر ایک سجدہ لازم آئے گا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ کی طرح سجدہ تلاوت کے لیے بھی بالخصوص ضروری ہے مگر مولانا غزالی کا یہ نظریہ درست نہیں ہے کہ سجدہ تلاوت بغیر وضو کے بھی ہو سکتا ہے ایک ضروری مثلہ یہ بھی ہے کہ سجدہ تلاوت صرف اس وقت لازم آئے گا۔ جب قرآن پاک کے اصل الفاظ پڑھے یاٹے گا۔ اگر کوئی شخص آیت سجدہ کا محض ترجمہ پڑھے یاٹے گا تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ سورۃ منزل میں "فَاَهْرَوْهُ وَمَا نِسْتَرِيهِ مِنَ الْقُرْآنِ" سے یہی واضح ہوتا ہے کہ قرآن کو اس کے الفاظ میں پڑھنا ضروری ہے اسی لیے نماز میں بھی اصل قرآن پڑھنا ضروری ہے۔ کسی دوسری زبان میں محض ترجمہ پٹھنے سے نماز ادا نہیں ہوگی۔ البتہ بعض مفسران کلام فرماتے ہیں کہ سجدہ تلاوت کے لیے مجلس میں موجود آدمی کا آیت سجدہ

ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے **الظُّلْمُ ظَلَمْتُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**
قیامت والے دن اندھیرا کئی قسم کی شکلوں میں نظر آئے گا۔

قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ ان مقامات میں سے ہے جن کو پڑھنے سے سجدہ لازم آتا ہے۔ اسے سجدہ تلاوت کہتے ہیں اور یہ قرآن کریم کے چودہ مقامات پر آتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ سجدہ واجب ہے جب کہ امام مالکؒ کے نزدیک گیارہ سجدے واجب ہیں جب کہ باقی تین غیر مؤکدہ ہیں۔ البتہ باقی ائمہ اور محدثین سجدہ تلاوت کو سنت کا درجہ دیتے ہیں۔ واجب نہیں سمجھتے۔ آیت سجدہ کو پڑھنے اور سننے والے سب پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ ان آیات میں یا تو سجدہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے یا سجدے کا حکم دیا گیا ہے اور یا سجدہ نہ کرنے والوں کی سخت مذمت بیان کی گئی ہے، لہذا امام ابوحنیفہؒ کا مسلک زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سجدہ واجب ہے۔

جس وقت آیت سجدہ تلاوت کی جائے تو وہ پڑھنے والا ہے یا سننے والا اگر سجدہ کی شرائط پوری کرتا ہے تو فوراً سجدہ کر لے اور اگر اس کے لیے تیار نہیں تو بعد میں جب بھی موقع ملے، سجدہ کر لے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مجلس میں سورۃ بقرہ کی آخری آیت تلاوت فرمائی اور اسی مجلس میں سجدہ کیا۔ آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں نے بھی سجدہ ادا کیا۔ اس کے علاوہ کچھ کافر اور مشرک بھی مجلس میں موجود تھے وہ بھی سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے، صرف ایک بوڑھا کافر ایسا تھا جس نے سجدہ تو نہ کیا، البتہ مقصوڑی سی سیٹ لے کر اپنی پیشانی پر ہنگامی یہ شخص ابی ابن خلف یا امیہ ابن خلف تھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو بدر کی جنگ میں بحالت کفر مرتے ہوئے دیکھا۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ حضور علیہ السلام نے

ہوتا جس طرح کوئی شخص اپنی غلطی کا اعتراف کر کے تائب ہو جاتا ہے ۔
 بہر حال انہاں کے لیے وہی سجدہ کا ذکر ہو گا ۔ جو اس نے اپنے ارادے
 اور عقیدے سے کیا ہو گا ۔ اور جو کوئی مجبوراً سجدہ ریز ہو گا ۔ جیسے سایہ کا سجدہ یا اللہ
 کے تکوینی اصولوں کے مطابق غیر ارادی سجدہ سرگز مفید نہیں ہو گا ۔

فَرَأَىٰ وظَلَّتْهُمُ بِالْفُتُوِّ وَالْأَصْكَالِ اور ان کے سامنے بھی
 سجدہ ریز ہوتے ہیں صبح بھی اور پھلے پہر کو بھی ۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا
 اگر انسان اللہ کو سجدہ مذہبی کرے اور اکثر جلتے تو اس کا سایہ تو بہر حال زمین
 پر ہی سجدہ ریز ہوتا ہے ۔ اس ضمن میں کوسرۃ نخل میں بھی بیان کیا گیا ہے ۔
 أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَّبِعُونَ
 ظِلَّهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّعَائِلِ سَجْدًا لِلَّهِ وَهُمْ
 ذَخِرُونَ کیا ان لوگوں نے مخلوق خدا میں ایسی چیزیں نہیں دیکھیں ۔
 جن کے سامنے دائیں اور بائیں سے لٹتے رہتے ہیں اور خدا کے آگے
 عاجز ہو کر سجدے میں پڑے ہوتے ہیں ۔ اگلی آیت میں یہ بھی فرمایا کہ تمام
 جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں ، سب خدا کے آگے سجدہ
 کرتے ہیں ، اور فرشتے بھی ، اور وہ ذرا غور نہیں کرتے ۔

نبیاں پر صبح کے وقت کو صغروا استعمال کیا گیا ہے اور پھلے پہر کو جمع
 اگلی آیت میں بھی نور کو دلو اور ظلمت کو جمع کے صلے میں بیان کیا گیا ہے
 گویا صبح کو روشنی سے اور پھلے پہر کو اندھیرے سے تعبیر کیا گیا ہے ، اور
 حقیقت بھی یہی ہے کہ روشنی ایک ہی ہے اور اندھیرے بہت سے
 ہیں ۔ نور ایساں ایک روشنی ہے جب کہ اندھیرے مختلف ہیں جیسے
 روحانی اندھیرے اور مادی اندھیرے ۔ اندھیرا کفر کا بھی ہوتا ہے ۔ اور گمراہی
 کا بھی ۔ نفاق کا اندھیرا بھی ہے اور ریاکاری کا بھی ۔ اندھیرا قبر کا بھی ہو گا
 اور طعنا کا بھی اور پھر ان کے دل و دماغ میں بھی اندھیرے ہوتے

پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کسی نے گراموفون، ٹیپ ریکارڈر، ریڈیو یا ٹیلیوژن پر سجدہ کی آیت سنی ہے تو اس پر سجدہ نہیں آنے کا بوجھ صحیح بات یہی ہے کہ اگر الفاظ قرآن کسی انسان نے پڑھے ہیں اور وہ سننے میں بھی آئے تو ذریعہ سماعت کوئی بھی ہو، اس پر سجدہ کر لینا ہی بہتر ہے۔

ارشاد ہوتا ہے **قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اے معجز! آپ کہہ دیجئے کہ کون ہے رب آسمان کا اور زمین کا۔ رب کا معنی پتھر کش کرنے والا ہے۔ عربی میں اس کو کہتے ہیں **تَنْزِيْةٌ** الشَّيْءُ حَالًا اَفْعَالًا یعنی کسی چیز کو بتدریج حد کمال تک پہنچایا۔ انسان حیوان یا پودا کوئی بھی ہو اُسے حد کمال تک پہنچنے کے لیے ایک زمانہ صرف ہوتا ہے۔ اور یہ کام آہستہ آہستہ کون کرتا ہے۔

فرمایا **قُلِ اللّٰهُ اے پیغمبر! آپ اس کا جواب**

یہ دیں کہ وہ اللہ ہی ہے جو ہر چیز کی تربیت کرنے سے حد کمال تک پہنچاتا ہے۔ اور اگر حقیقت یہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں

تو **قُلْ اَفَاَتَّخِذْتُمْ مِمَّنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ اَوْ**

کہہ دیجئے، کیا تم نے اُس کے سوا دوسروں کو کارساز بنا لیا ہے؟ مطلب

یہ ہے کہ جب پرورش کرنے والا اور حد کمال تک پہنچانے والا فقط

اللہ ہے تو تم مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے دوسروں کے آگے

دست سوال کیوں دراز کرتے ہو؟ آگے خلق کی دلیل بھی آرہی ہے۔ کہ

اللہ کے سوا خالق بھی کوئی نہیں اور کارساز بھی کوئی نہیں تو پھر اس کے

سوا معبود بھی کوئی نہیں۔ مافوق الاسباب اسی کو پکارو اور اسی سے

حاجت روائی کے لیے درخواست کرو۔ یہ شرک کی تردید ہو رہی ہے

فرمایا اگر تم اللہ کے سوا دوسروں کو پکارو گے، ان کی حد درجہ عظیم

کرو گے، ان کے نام کی نذر و نیاز دو گے تو یاد رکھو کہ وہ تمہاری حاجت بزرگی

آسمان و
زمین کا
رب

لیا کریں گے لَا یَعْمَلُکُمْ وَلَا نَفْسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا۔ وہ تو اپنی زبان کے نفع و نقصان کے مالک بھی نہیں ہیں۔ یہ مضمون اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے جیسے قُلْ لَیْسَ لَیَّ اَمْرًا لَّکُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا (البقرہ) آپ کہہ دیں کہ میں تمہارے کسی نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ اللہ نے سورۃ البقرہ میں اپنے نبی علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا ہے قُلْ لَیْسَ لَیَّ اَمْرًا لَّکُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَمْرًا لَّکُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا۔ اللہ آپ کہہ دیں کہ میں تو اپنی زبان کے لیے بھی کسی نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے۔ النافع اور النافع اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور وہی اس کا مالک ہے اُس کے سوا کسی کے نفع نقصان پر کوئی قادر نہیں۔

شکر اور
مراہد کا
تقابل

ارشاد ہوتا ہے قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اِنَّ سَعِیْرًا لَّیْسَ لَیَّ اَمْرًا لَّکُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا (البقرہ) آپ کہہ دیں کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا؟ اَمْرًا لَّکُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا (البقرہ) الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرُ کیا برابر ہیں اندھیرے اور روشنی۔ کوئی ممکنہ آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جتنا بڑا لپینا برابر ہیں یا روشنی اور اندھیرا برابر ہیں۔ یہ دراصل مشرک اور مؤمن کی مثال ہے۔ مشرک دل کا اندھا ہے جسے توحید کی روشنی نظر نہیں آتی اور وہ شکر کی نجاست میں ہی پڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ کُوْنٌ جَحِشٌ (التوبہ) بیشک مشرک ناپاک ہیں۔ سورہ حج میں ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَقْوَامِ۔ بت پرستی کی گندگی اور نجاست سے بچو۔ قلبی طہارت تو زور ایمان سے حاصل ہوتی ہے اور دین کی کجہ آتی ہے اور مستقبل کے بارے میں بھی عقیدہ پاک ہو جانا ہے۔ تو فرمایا نہ تو اندھا اور بنا برابر ہیں اور نہ ہی اندھیرے اور روشنی۔ لہذا مشرک اور مؤمن بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ مشرک کی بخشش

کا کوئی حاسن نہیں جبکہ موصد اللہ کی ابدی رحمت میں ہوگا۔

شُرک کی
تردید

آگے اللہ نے شرک کی تردید ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔
اَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ كَمَا كُنْتُمْ لِآلِهَتِكُمْ اَشْرَاقًا
 شرک یہ ہے کہ آپ نے اللہ کے لیے شریک پیدا کیے ہیں جیسے آپ اپنے آئیڈولوں کے لیے
 بھی اسی طرح مخلوق پیدا کی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو
 پیدا فرمایا ہے فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ اور اس پیدائش
 کا ان پر شبہ پڑ گیا۔ یعنی پتہ ہی نہیں چلتا کہ خدا کی مخلوق کون سی ہے
 اور شرکاء کی کون سی ہے۔ فرمایا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ان شرکاء
 نے کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا۔ بلکہ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ
 آپ کہہ دیں کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے اور باقی سب مخلوق
 ہے۔ مخلوق میں نہ تو ربوبیت کا کرشمہ مانا جاسکتا ہے اور نہ وہ کارزار
 بن سکتی ہے۔ مشرکین کا دوسروں کو کار ساز بنانا تو خلاف واقعہ اور صریح
 شرک ہے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ موجود ہے اَرُوْنِي مَاذَا
 خَلَقُوا مِنْ اَلْاَرْضِ (فاطر) مجھے دکھاؤ تو سہی تمہارے شرکاء
 نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے، کوئی انسان، جانور، پہاڑ، درخت، اناج
 کھڑے مگھوڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کا پیدا کردہ ہے
 اور ان میں کسی شریک کا کوئی حصہ نہیں۔

بعض مشرکین ایک کے بجائے کئی کئی خدا تسلیم کرتے ہیں مثلاً
 ہندوؤں کے نزدیک پیدا کرنے والا برہما بھی ہمارا ج ہے، جب کہ
 قائم کرنا والا وشنو بھی ہمارا ج اور فنا کرنے والا شیو بھی ہمارا ج ہے۔
 اُدھر عیسائیوں نے بھی باپ، بیٹا اور روح القدس تین خدا تسلیم کر لیے
 ہیں۔ مجوسیوں نے اہرن اور بزوان دو خداؤں کو مانا مگر اللہ نے اوسرا
 کہ خدا نہ دو ہیں نہ تین اور نہ زیادہ بلکہ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ وہ اکیلا

ہے اور ہر چیز کو دبا کر رکھنے والا ہے۔ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ یعنی زندہ اور سنبھلنے والا بھی وہی ہے یعنی وَبُيُوتٍ یعنی زندہ کر لیا اور ماننے والا بھی وہی ہے اَلَا كُذِّبَ الْخَلْقُ وَالْاٰمَنُ تمام پیدائش بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ اور جبر خالق ہے۔ اللہ بھی رہی ہے۔ وہ قادر مطلق اور عظیم کل ہے، وہ محمد بن، محمد دان اور محمد توان ہے، حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ جو کوئی یہ صفات غیر اللہ میں مانے گا وہ مشرک ٹھہرے گا۔ غرضیکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرک کی جبر کا ٹری ہے۔

فرمایا وہ ایلا بھی ہے اور قمار بھی ہے۔ اس کی یگانگت میں اس کا کوئی شریک نہیں، اس کا وجد ذاتی ہے اور کسی کا عطا کردہ نہیں جب باقی تمام اشیاء اس کی عطا کردہ ہیں۔ جب ہر چیز اسی کی عطا کردہ ہے تو ہر چیز پر کنٹرول بھی اسی کا ہے۔ هُوَ الْغَايِبُ فَوْقَ عِبَادِهِ (الانعام) قدر کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو دبا کر رکھنا۔ اس کے دباؤ سے کوئی چیز باہر نہیں۔ وہ دولت بھی دلتے ہوئے جب چاہتا ہے وہی کھینچ لیتا ہے۔ اس کے تسلط سے کوئی چیز باہر نہیں۔ لہذا انسانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اختیار اور ارادے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کریں اور اسی کے سامنے سجدہ و ریز ہوں، اسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھیں اور اپنی حاجات میں اسی کے سامنے دست سوال دراز کریں۔

وما ابرئى ۱۳
درجہ ہفتم

الرعد ۱۳
آیت ۱۸ تا ۱۸

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَهُۥ بِقَدَرِهَا
فَأَحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ
عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ
مِّثْلُهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ
فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ
النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ
يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝۱۷ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا
لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا
لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ
مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ
وَمَا لَهُمْ بِهِمْ جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۸

ترجمہ ہاتھ اُس نے آسمان کی طرف سے پانی۔ پس
بہہ پڑیں دلیاں اپنے اندازے کے مطابق۔ پس اٹھایا
سیلاب نے جھاگ پھولا ہوا اور اس میں سے جس کو وہ گرم کرتے
ہیں آگ میں واسطے تلاش کرنے زبور کے یا سامان کے جس
کے اُپر بھی جھاگ ہوتا اسی طرح۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ
بیان کرتا ہے حق اور باطل کو۔ بہر حال وہ جھاگ، پس

وقن النبی علیہ السلام

النصف

وہ چل جا رہا ہے نکل ہو کر۔ اور جو چیز غائب پنہانی ہے لوگوں کو وہ ظہر جاتی ہے زمین میں۔ اسی طریقے سے اللہ بیان کرتا ہے مثالیں (۱۷) اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے قبول کیا ہے رب کی بات کو، اُن کے لیے جہنم ہے۔ اور وہ لوگ جو نہیں قبول کرتے اس کو، اگر اُن کے لیے ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اس جیسا اور بھی اس کے ساتھ اور (پھر وہ فدیہ دیں اس کے ساتھ) پھر بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہے ہڑاسا اور ٹھکانا اُن کا جہنم ہے، اور بہت بڑا ٹھکانا ہے (۱۸)

رابطہ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت بیان کرنے کے بعد معاد کا ذکر فرمایا۔ پھر رسالت کا بیان ہوا۔ اللہ نے توحید کا مسئلہ سمجھایا اور شرک کا رد فرمایا۔ توحید کے عقل اور نقل و قول بیان کیے اور شرک کی مختلف صورتوں کو واضح کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ربوبیت اور خالقیت کی دلیل پیش کر کے الہیت کا استدلال پیش کیا کہ الٰہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو رب اور خالق ہے۔ جو خود بخود اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی میں نہیں پائی جاتیں لہذا استغنی عبادت بھی صرف اللہ ہی ہے۔ پھر اللہ نے مشرکوں اور کافروں کی مثال اندھے اور بینا کی بیان فرمائی۔ شرک کو ظلمات سے تعبیر کیا اور ایمان اور توحید کو نور فرمایا اور یہ بھی کہ یہ دونوں چیزیں برابر نہیں ہو سکتیں۔ چونکہ کسی صورتوں میں زیادہ تر مخلوق ہی کا بیان ہے، لہذا اس سورۃ میں بھی توحید کا مسئلہ اللہ نے اُسے طریقے سے واضح کر دیا ہے۔

اب آج کے درس میں اس سورۃ کا مرکزی مضمون حق و باطل کی کشمکش بیان ہو رہی ہے۔ اللہ نے یہ مسئلہ ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے کہ باطل کسی چیز پر آنے والی جھاگ کی مانند ہے جو وقتی طور پر تڑپت اجیری ہوئی نظر آتی ہے۔ مگر

بارش اور
ذی نلے

جلد ہی مٹ جاتی ہے۔ اور حق کو اُس اصل چیز سے تشبیہ دی ہے جو
 جھاگ سے نیچے ہوتی ہے اور جس سے لوگ مستفید ہوتے ہیں ارشاد ہوتا
 ہے أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اللہ تعالیٰ نے آسمان
 سے پانی نازل فرمایا۔ آسمان سے نہیں بلکہ آسمان کی طرف سے کتنا زیادہ
 مناسب ہے۔ بارش برسنے کی ظاہری وجوہات تو یہ ہیں کہ سورج کی گرمی
 سے سمندروں کی سطح سے پانی بخارات بن کر بادلوں کی صورت میں
 اٹھتا ہے۔ پھر ہوا میں ان بادلوں کو اُس خطے کی طرف اڑانے
 جاتی ہیں جہاں بارش برسانا مقصود ہوتا ہے۔ یاد ہے کہ بارش کا ذریعہ
 صرف بادل ہی نہیں بلکہ اس کے لیے عالم بالا کا حکم بھی ضروری ہے
 اسی لیے یہاں پر السَّمَاءِ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے
 اس سے آسمان و زمین کی درمیانی فضا بھی مراد ہے۔ اور عالم بالا کا
 حکم الہی بھی اس میں شامل ہے۔ اسی لیے فرمایا وہ آسمان کی طرف سے
 پانی اتارتا ہے۔

فرمایا جب بارش ہوتی ہے فَسَاكَتْ أَوْدِيَةٌ تو دریاں بہ
 نکلتی ہیں۔ اودیہ وادی کی جمع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب بارش
 پر یا سطح مرتفع پر بارش ہوتی ہے تو اُس کا پانی ندی نالوں کی صورت
 میں بہ کر وادیوں میں پہنچ جاتا ہے لَقَدْ رِهًا ان کے اندازے
 کے مطابق۔ جس قدر ندی نالہ بڑا ہوگا اسی قدر پانی بھی اس کے
 ذریعے زیادہ آنے لگا۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ندی نالوں کا پانی پاک ہوتا ہے
 ایسے پانی کی زنگت خواہ تبدیل ہو چکی ہو مگر یہ غسل اور کپڑے دھونے
 کے لیے بالکل درست ہوتا ہے۔ اس پانی سے وضو کیا جاسکتا ہے
 پرانے زمانے میں پانی کے ذرائع ندی نالے یا کنوئیں تھے۔

حدید دور میں ان کی جگر ٹوب و طیوں، ہینڈ ٹیمپوں اور واٹر سپلائی ٹی نے لے لی ہے، تاہم سپارٹی علاقوں میں آجکل بھی ندی نالوں اور چشموں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ پانی ذریعہ کے پانی کی طرح بائبل پاک ہونا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ ہم لوگ سمندر میں سفر کے دوران سیٹھا پانی زیادہ ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ اور اگر ہم اس محدود مقدار کے پانی سے وضو بھی کریں تو پیئے کے لیے پانی نہیں بچتا۔ تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو اور غسل وغیرہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا **هُوَ الطَّهُورُ مَا مَاءٌ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ** سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا شکار یعنی مچھلی وغیرہ حلال ہے۔ سمندر کا پانی اگرچہ سخت کڑوا ہے اور پیئے کے قابل نہیں ہوتا اور پیئے سے بیماری لاحق ہونے کا بھی خطرہ ہوتا، مگر یہ پانی بہر حال پاک ہے۔

فرمایا جب بالائی علاقوں میں زیادہ بارش ہوتی ہے تو ندی تالے سیلاب کی صورت میں بہ نکلتے ہیں **فَاخْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا** زاپٹا۔ پس وہ سیلاب اٹھا لاتا ہے جھاگ پھولی ہوتی۔ سیلاب کا پانی جن وادیوں سے گزرتا ہے۔ وہاں کی مٹی، نلکے اور کڑا کرکٹ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ مٹی کی وجہ سے پانی گدلا ہو جاتا ہے اور اس پر جھاگ بھی آجاتی ہے زمین کا کڑا کرکٹ بھی جھاگ کے ساتھ مل کر پانی کی اوپر والی سطح پر نظر آتا ہے۔ اور اس طرح پانی کی سطح ابھری ہوئی نظر آتی ہے۔ زاپٹا دینے سے ہے۔ روبرو سانس کی بیماری کو کہتے ہیں جس سے سانس پھول جاتا ہے اور روبرو زاپٹا مال یعنی سود کو کہتے ہیں جو بغیر استحقاق کے حاصل کیا جاتا ہے زبڈا جھاگ کو کہتے ہیں زبڈ عیٹے کو بھی کہتے ہیں حدیث شریف

سیلاب
کی جھاگ

میں آتا ہے کہ ایک مشرک نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا **فِيهِمَا عَنْ زَيْدِ الْمُشْرِكِينَ** یعنی ہمیں مشرکین کا ہدیہ قبول کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ البتہ جہاں دین کا فائدہ ہو وہاں ایسا ہدیہ قبول کر لینا چاہیے۔ اقامت دین و ملت اور مسلمانوں کے غلبے کی خاطر ایسا ہدیہ قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ اگر ایسے ہدیہ کی وجہ سے دین و ملت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو یا مشرکین کی تعظیم ہوتی ہو یا ان کے غلبے کو تقویت حاصل ہو تو پھر ان کا ہدیہ قبول نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح زبرد مکھن کو کہا جاتا ہے اور زبرد اس جھاگ کو بھی کہتے ہیں جو سونا چاندی یا کوئی دوسری دھات پگھلانے سے اُس پگھلے ہوئے پانی پر آ جاتا ہے اور تھوڑی دیر بعد ختم ہو جاتا ہے۔

دھاک
جھاگ

سونا اور چاندی عموماً زیورات بنانے کے لیے پگھلایا جاتا ہے چاندی تو جلدی پگھل جاتی ہے مگر سونے اور تانبے وغیرہ کے لیے بہت زیادہ ٹمپرچر کی ضرورت ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے **وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ** اور اس میں بھی جھاگ آتی ہے جس کو وہ آگ میں گرم کرتے ہیں زیور بنانے کے لیے۔ حلیہ اُس زیور کو کہا جاتا ہے جسے مرد وزن زینت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ عورتوں کے لیے تو سونے چاندی کا زیور پہننا جائز ہے بشرطیکہ اُس کی زکوٰۃ ادا کی گئی ہو۔ البتہ مردوں کے لیے صرف چاندی کی محدود اجازت ہے اور سونا بالکل ممنوع ہے حدیث شریفین میں آتا ہے کہ ایک خاتون اور اُس کی بیٹی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے سونے کے موٹے موٹے کنگن پہن رکھے تھے حضور نے دریافت کیا، کیا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی

ہو؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا کہ آپ نے فرمایا، کیا تمہیں یہ پتہ ہے کہ یہی کنگن آگ کے بن کر تمہارے ہاتھوں میں پڑے ہوں؟ اس خاتون نے وہ کنگن فوراً امارے اور صدقہ کر دیے۔ بہر حال اگر زیور نصاب کو بیچ جائے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے زیور کا زیر استعمال آنا ضروری نہیں ہے۔ زیور خواہ پنا جائے، صندوق میں پڑا ہے یا کسی بنک کے لا کر میں محفوظ ہو، زکوٰۃ بہر حال ادا کرنا ہوگی، جب کہ وہ نصاب کو بیچ جائے۔

فرمایا اَوْصَتْ بِاِجَاعِ زَيْدٍ مِّنْ شَاكِهِ يَكُونُ دَوْرًا لِّسَلَامَانَ بَنَانِ
 کے لیے کسی دھات کو چھلایا جائے تو اس پر عین جھاگ آجاتی ہے پلاٹینیم سونے سے بھی قیمتی دھات ہے اور اس سے بھی زیورات بنتے ہیں۔ باقی دھاتوں میں لوہا سرفہرست ہے جس سے ہر قسم کی شہری اور اس کے پرزہ جات بنتے ہیں۔ موجودہ دور میں لوہا اور پتلا بنیادی ضروریات میں شامل ہیں اور ان کے بغیر پوری دنیا کا نظام ریل و رسال ٹھہر ہو سکتا ہے۔ تمام گاڑیاں لوہے سے بنتی ہیں۔ اور پٹرول سے چلتی ہیں۔ عام شہری ضروریات کے لیے استعمال ہونے والی کاروں اور بسوں سے لے کر کچری اور ہوائی جہاز تک لوہے کے مہرہ بنی منت ہیں۔ جتنی ساز و سامان میں افضل، توپ ٹینک ہوائی جہاز، میزائل اور راکٹ وغیرہ سب لوہے سے بنتے ہیں جسے چھلنا پڑتا ہے۔ دنیا میں لوہے اور پٹرول کے ذخائر کم ہو رہے ہیں تو قدرتاً ان کا متبادل بھی پیدا کر رہی ہے۔ لوہے پتیل، آئرن اور سلور وغیرہ کی بجائے اب پلاسٹک کے برتن اور دوسری ضروریات زندگی تیار ہو رہی ہیں۔ تیل کا متبادل الٹرنیٹو گیس پیدا کر دی ہے جسے ایندھن کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اب سورج کی شعاعوں سے

انہی میں سے کام لینے کے تجربات ہو رہے ہیں۔

حق و باطل
میں کشمکش

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی جھاگ کا ذکر فرمایا ہے، ایک جو سیلاب کی وجہ سے پانی کے اوپر آتی ہے اور دوسری جو دھات پگھلانے سے دھات کے پانی پر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی دھات سے بات سمجھانا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ حق اور باطل کو بیان فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پانی اور جھاگ کو حق اور باطل کے ساتھ تشبیہ دی ہے فرمایا فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً جھاگ تو خشک ہو کر چلا جاتا ہے۔ جب سیلاب آتا ہے یا دھات کو گرم کیا جاتا ہے تو کچھ وقت کے لیے اوپر جھاگ آتی ہے۔ مگر آہستہ آہستہ خشک ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُتُ فِي الْأَرْضِ اور جو چیز لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے وہ نیچے زمین میں رہ جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ جب سیلاب کا پانی مع اپنی جھاگ کے گزر جاتا ہے تو وہ اپنے پیچھے زمین میں زرخیز مٹی (بھل) چھوڑ جاتا ہے جس سے زمین زرخیز ہو جاتی ہے اور خوب اناج اور پھل اگاتی ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح سونا چاندی یا لوہا تانبہ وغیرہ پگھلانے سے جو اوپر جھاگ آتی ہے، وہ تو کچھ لمحوں کے بعد خشک ہو جاتی ہے اور اصل جوہر نیچے رہ جاتا ہے جس سے زیورات اور روزمرہ زندگی کی چیزیں ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ فرمایا كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے۔ آسمان سے بارش برسی جس کا پانی ندی نالوں میں بہہ نکلا۔ اس کے اوپر جھاگ، کوڑا کچرہ، ایل کچیل وغیرہ آئی جو کچھ دیر بعد ختم ہو گئی

اسی طرح دھاتوں کے پگھلاتے وقت دھات کے پانی پر آنے والی تھجاگ بھی محسوس ہی در بعد ختم ہو جاتی ہے، اور دونوں صورتوں میں کارآمد اشیاء یعنی پانی، زرخیز مٹی اور دھات وغیرہ نیچے رہ جاتی ہے، اور یہی وہ اصل ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اگر حق و باطل کی مثال سمجھنی ہو تو یوں سمجھو کہ انسانوں کے دلوں پر وحی الہی کا اثر ان کی دلی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ جہاں صلاحیت زیادہ ہوگی وہاں وحی الہی کا اثر بھی زیادہ ہوگا اور جہاں استعداد کم ہوگی وہاں اثر بھی کم ہی ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے اس بات کو اس طرح سمجھایا کہ عام طور پر زمین کے نعلے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض نعلے نایت اچھے ہوتے ہیں۔ جب آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے تو ایسے نعلے پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ اور پھر اس زمین سے پھل، اناج، چارہ اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں جس سے مخلوق خدا استفادہ ہوتی ہے۔ فرمایا زمین کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے کہ اس میں روئیدگی کی صلاحیت تو نہیں ہوتی البتہ وہ اپنے اندر پانی کو جمع کر لینے کی استعداد رکھتی ہے۔ ایسی زمین میں تالابوں، حوضوں اور جھیلوں کی صورت میں پانی جمع ہو جاتا ہے جس سے انسان اور جانور سیراب ہوتے ہیں۔ فرمایا زمین کی تیسری قسم ایسی ہے جو نہ تو خود پیداوار دینے کی صلاحیت رکھتی ہے اور نہ وہ پانی کو سٹور کر سکتی ہے کہ اس سے دوسرے لوگ ہی فائدہ اٹھا سکیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آسمان سے جو وحی، ہدایت اور شریعت نازل ہوتی ہے اس سے بھی تین قسم کے اثرات قبول کیے جاتے ہیں اچھی صلاحیت والے لوگ وحی الہی کی تعلیمات کو اپنے اندر سمیٹ لیتے ہیں اور اس سے

حق باطل
کی مثال

خوب مستفید ہوتے ہیں۔ بعض دوسرے لوگ خود تو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے مگر وہ اس علم کو اپنے اندر جمع کر لیتے ہیں۔ جس سے دوسرے لوگ مستفید ہوتے ہیں اور تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو بالکل نکتے ہوتے ہیں جو وحی الہی سے نہ تو خود فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کے لیے وجہ استفادہ بنتے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی کشمکش کی یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ جب یہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو باطل جھاگ کی مانند اُپر آجاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اس میں جوش و خروش پیدا ہوتا ہے مگر وہ آخر کار دب جاتا ہے اور کار آمد حق بیچے رہ جاتا ہے جس سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ وحی الہی کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ جب انسان کے دل میں حق اُترتا ہے تو بعض اوقات وہ ہم اور شوک و شبہات بھی جوش مارتے ہیں مگر جھاگ کی طرح یہ بھی کچھ وقت کے بعد ختم ہو جاتے ہیں اور انسان کے دل میں حق بات ٹھہر جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ باطل کے وقتی جوش و خروش کو دیکھ کر گھبرانا نہیں چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے: **إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا** (نبی اسرائیل) باطل تو مٹ جانے والی چیز ہے۔ کفر، شرک، نفاق، بدعات، معاصی کتنا بھی زور ماریں وہ بالآخر ختم ہوں گے اور ایمان ہی باقی رہے گا۔ باطل کی عمر زیادہ سے زیادہ اس عارضی دنیا کی زندگی تک ہو سکتی ہے۔ مگر ایمان نیکی، توحید اپنی جگہ پر قائم رہے گی۔ اور یہی چیزیں لوگوں کے لیے سفید ہوں گی۔

شاہ ولی
کافلہ

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ عالم مقدس سے اجنبانہ پر نازل ہونے والا حق اس متنس جہان کے شر اور وقباخ سے ٹکراتا

رہا ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا میں اللہ کی تشریح میں میں نے شاہ صاحب کی حکمت کے مطابق عرض کیا تھا کہ انبیاء کی تعلیمات جو عالم بالا سے نازل ہوتی ہیں۔ وہ اس دنیا میں انکار ان لوگوں کے برے اخلاق، شرک، کفر، محصیت وغیرہ سے شکرانی رہتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں باطل فتنہ ہوتا ہے اور حق ظاہر ہوتا رہتا ہے باطل میں کتنا ہی جوش و خروش کیوں نہ ہو، وہ حق کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا۔ حق و باطل کی کشمکش کا یہی مطلب ہے۔

اسلمین اور
مکلفین

فَرَأَى الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلرَّبِّ وَرَبِّهِمْ الْحَسَنَىٰ اه جنوں نے اپنے رب کی بات کو قبول کیا ان کے لیے بھلائی ہے، اچھا بدلہ ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَسْتَجِيبُوا لَهُ اور جنوں نے اسے قبول نہیں کیا، ان کی حالت یہ ہوگی کہ لَوْ أَن يَدْعُوا مَكَافٍ الْأَمْثَلِ حَسِبًا اگر اس زمین کی ہر چیز ان کی حکمت ہو و مشکلہ معنہ اور اس کے ساتھ اس جیسی اور بھی ہو۔ دو مہری جگہ ہے کہ سونے چاندی اور پے پیسے پوری زمین بھری ہوئی ہو اور اس سے ڈبل بھی ہو، اور اگر وہ شخص جان خلاصی کے لیے پوری کی پوری زمین فدیہ دینا چاہے لَا فَتَدَّ وَابِدًا تو وہ مستبول نہیں کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت دے دن فرمائے گا، اے ابن آدم! اگر یہ ساری زمین سونے سے بھری ہوئی ہو، تو کیا تم فدیہ لینے کے لیے تیار ہو؟ وہ آدمی عرض کرے گا، پروردگار! ہاں میں تیار ہوں۔ اللہ فرمائے گا، تم جھوٹے ہو، تم ابھی باپ کی پشت میں تھے جب میں نے تم سے مطالبہ کیا تھا "أَلَا تَشْرُونَ" بِشَيْءٍ تمیرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، مگر تم نے میرا حکم نہ مانا۔ اب یہ ساری زمین اور اس

سے دو گنی بھی تمہارے لیے فدیہ نہیں بن سکتی۔

سوال الحساب

ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا **أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ** یہ لوگ بڑے حساب والے ہیں، ظاہر ہے کہ بڑے حساب کی وجہ سے تو گرفت ہی آئیگی، بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہوگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے **مَنْ فُوقِشَ فِي الْحِسَابِ هَلَكَ** جس شخص کے ساتھ حساب کتاب کے موقع پر جھگڑا ہو گا، اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا، فرمایا وہ شخص ہلاک ہو گیا، وہ عذاب الہی سے نہیں بچ سکتا۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے فلاں! تو نے یہ یہ کام کیے اور وہ امتداد کرنا کیا تو اس کا حساب آسان ہو گا۔ امید ہے کہ اُسے معافی مل جائے گی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے دعا کھانی ہے **اللَّهُمَّ حَاسِبِيْ حِسَابًا يَسِيْرًا** اے اللہ مجھ سے آسان حساب لینا۔ کہیں فرمائے گا۔ **أَدْخِلِ الْجَنَّةَ بَغِيْرَ حِسَابٍ** بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلا جا، اللہ تعالیٰ بڑی مہربانی فرمائے گا۔ البتہ ایسے لوگ بہت محسوس ہوں گے جو ایک ہی قطار میں جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور جو لوگ باطل کے ساتھ ہی منسلک ہے، حق بات کو تسلیم ہی نہ کیا۔ فرمایا **وَمَا وَدَّوْهُمْ جَهَنَّمَ** ان کا ٹھکانا دوزخ ہو گا **وَ يَبْسُ الْيَمَّهَادُ** صبر آرام سچ پڑنے کی بہت بری جگہ ہے۔ وہاں آرام نہیں بلکہ دکھ ہی دکھ ہو گا۔

وما آتینا

در من مشتم ۸

الرعد ۱۳

آیت ۱۹ تا ۲۳

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ
 كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۱۹﴾
 الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ
 الْعِمَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ
 أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ
 سُوءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ
 وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا
 مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ
 بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى
 الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنَّتٌ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ
 صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ
 وَالْعَالِيَةِ يَدْخُلُونَ عَلَيْهَا مِنْ كُلِّ
 بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ
 عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

ترجمہ - ۱۔ بھلا وہ شخص جو جانتا ہے کہ بیشک جو چیز
 ناری گئی ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب

سے وہ حق ہے، کیا وہ اس کی طرح ہو گا جو انصاف ہے؟
 بیشک نصیحت پکڑتے ہیں عقل مند لوگ (۱۹) وہ لوگ جو پورا
 کرتے ہیں اللہ کے عہد کو، اور نہیں توڑتے پختہ عہد و پیمان
 کو (۲۰) اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں اُس چیز کو جس کو اللہ
 نے ملانے کا حکم دیا ہے، اور ڈرتے ہیں اپنے پروردگار
 سے اور خوف کھاتے ہیں بڑے حساب سے (۲۱) اور وہ
 لوگ کہ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی خوشنودی تلاش
 کرتے ہوئے اور انہوں نے قائم رکھی نماز، اور خرچ کیا انہوں
 نے اس میں سے جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے، پوشیدہ
 بھی اور ظہر بھی، اور ملاتے ہیں وہ بھلائی کے ساتھ برائی
 کو، یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کا گھر ہے (۲۲)
 وہ باغات ہیں پہنے کے، داخل ہوں گے ان میں، اور
 جو بھی نیک ہو گا اُن کے آبا و اجداد، ان کی بیویوں اور
 اُن کی اولادوں میں۔ اور فرشتے داخل ہوں گے اُن پر ہر
 دروازے سے (۲۳) اور کہیں گے وہ سلامتی ہو تم پر اس
 وجہ سے کہ تم نے صبر کیا، پس اچھا ہے آخرت کا گھر (۲۴)

شرک کی تردید اور توحید کے بیان کے بعد اس کے ماننے اور نہ ماننے
 والے ہر دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا۔ حق و باطل کی کشمکش کا ذکر فرمایا کہ ان دونوں
 میں ہمیشہ ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔ باطل کی مثال سیلاب کے پانی پر آنے والی جھاگ یا
 کسی دھات کو بچھلانے پر دھات کے پانی پر آنے والی جھاگ کی ہے۔ ہر دو قسم
 کی جھاگ تھوڑی دیر کے لیے جوش مارتی ہے اور پھر ختم ہو جاتی ہے اور جو چیز کراہ
 اور مفید ہوتی ہے، وہ اس جھاگ کے نیچے تر نشین ہو جاتی ہے۔ دھات کی صورت

ربط آیات

میں اصل وحیات کے زیورات، ماہرتن یا دیگر سامان تیار کر لیا جاتا ہے فرمایا نیکی اور بدی کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ ان کا بھی آپس میں ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔ بعض اوقات بڑائی جوش بھی مارتی ہے مگر بالآخر وہ مرٹ جاتی ہے اور باقی حق ہی رہتا ہے۔

آج کے دور میں قرآن پاک، دین اور شریعت کو ملنے والوں اور اس کا انکار کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ نیز قرآن پاک کی تعلیمات سے مستفید ہونے والوں کے اوصاف بھی بیان کیے گئے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے اقمّنْ یفکّمُ انّنا انزلنا الیک
میت ربّک الحقّ کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ آپ کے رب کی طرف سے نازل کردہ چیز برحق ہے کّمّنْ هو اعلم اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے کسی چیز کو جان لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ علم رکھتا ہے کہ قرآن پاک برحق ہے مگر خود اس پر ایمان نہیں لاتا تو اہل کافض علم کی صفیہ نہیں ہوگا۔ اس مقام پر علم سے مراد اعتقاد بھی ہے یعنی جس شخص کا عقیدہ اور ایمان یہ ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ برحق کتاب ہے، وہ قرآن پاک کے منکر کی طرح تو نہیں ہو سکتا جس کو اندھے سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً فَاعَلِمَ انّہ لا الہ الا اللہ مخرّب جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کے وحدہ لا شریک ہونے کا محض علم ہونا صفیہ نہیں کیونکہ یہ علم تو سب کو نصاریٰ کو بھی تھا مگر وہ اس کو ماننے نہیں تھے، لہذا ان کا صرف جانتا صفیہ نہیں ہے۔ اور جس شخص کے پاس تو علم ہے کہ قرآن پاک برحق ہے اور نہ وہ

عالم اور
ناجانت کی
مثال

اس کی حقانیت پر اعتقاد رکھتا ہے اُسے قرآن پاک کی غرض و غایت کا ہی علم و یقین نہیں، وہ نامینا آدمی کی طرح ہے جسے کچھ نظر نہیں آتا۔ ایسا آدمی کوسحق و باطل، نور اور ظلمت، صبح اور غلط میں امتیاز ہی نہیں کر سکتا۔ گویا ایماندار آدمی بنیا کی طرح ہے اور مشرک، کافر اور منافق نابینا کی طرح اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ فرمایا إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ بیشک صاحب عقل لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ بے عقل اور نادان لوگ نصیحت سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ ان کے متعلق تو سورۃ انفال میں موجود ہے۔ ”الْمُتَكَبِّرُونَ لَا يُعْقِلُونَ“ وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل کو صحیح طور پر استعمال ہی نہیں کرتے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے عقلمندوں کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں الَّذِينَ يُوفُونَ بَعْدَ اللَّهِ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں وَلَا يَنْقُضُونَ الْعَهْدَ اور سچتہ عہد و پیمانہ کو نہیں توڑتے۔ جب کوئی شخص کلمہ توحید زبان سے ادا کرتا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ تو وہ دو چیزوں کا عہد کرتا ہے۔ ایک یہ کہ میں اللہ کی وحدانیت پر ہمیشہ قائم رہوں گا اور دوسری یہ کہ میں اُس دین اور شریعت کا پابند رہوں گا جو اللہ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے۔ یہ توجیہ و رسالت کا عہد ہو گیا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ اس عہد میں تمام قسم کے عہد آجاتے ہیں جو ایک انسان اپنے خالق کے ساتھ کرتا ہے یا ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے ایک جماعت کا دوسری جماعت سے اور ایک سلطنت کا دوسری سلطنت سے عہد بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہو، پورا کرنا لازمی ہوگا

عقلمندوں
کے اوصاف
(۱) ایقانے
عہد

سورۃ مائدہ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اے ایمان والو! **اَوْفُوا بِالْعُقُوبِ** عہد و پیمانہ کو پورا کرو۔ سورۃ نبی اسرائیل میں ہے کہ لوگ عہد کو پورا کیا کرو، کیونکہ **اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا** اس کے متعلق قیامت والے دن سوال کیا جائے گا۔

میشاق کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ایک ترمیشاقی است ہے جو اس جہان میں آنے سے پہلے اللہ نے تمام انسانوں کی روحوں سے لیا تھا۔ اس کا ذکر سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ذریت آدم کو ان کی پشت سے نکالا اور فرمایا **اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** تلو میں تمہارا رب ہوں یا نہیں۔ **قَالُوا بَلٰی** تو سب نے کہا کہ پروردگار! کیوں نہیں؟ تو ہی ہمارا رب ہے پھر اس پختہ عہد کی یاد دہانی کے لیے اللہ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں تاکہ کل قیامت کو یہ بات نہ کر سکو کہ ہمیں یاد دلانے والا کوئی نہیں آیا تھا، حالانکہ ہر نبی نے اپنی اپنی امت کو یہ عہد یاد دلایا ہے۔ غرضیکہ میثاق الست اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے کیونکہ ہر شخص کی روح اس کا اقرار کر چکی ہے۔ اور یہی وہ عہد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ توڑنے کا حکم دیا ہے اگرچہ اس دنیا میں آکر عام آدمی اس عہد کو بھول جاتے ہیں تاہم ایسے علم لفظ فطرت لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو روحانیت کے اعتبار سے بیدار ہوتے ہیں۔ تابعین اور تابعین کے زمانے کے بعض حضرات کا بیان ملتا ہے جنہوں نے کہا کہ ہمیں تو وہ عہد بالکل تازہ بازہ محسوس ہوتا ہے اور ہمیں یاد ہے کہ عالم ارواح میں ہم نے یہ عہد کیا تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ عقل نہ کدی وہ ہیں جو عہد کو پورا کرتے ہیں اور میثاق کو توڑنے نہیں خواہ وہ عہد الست ہوں یا کوئی اور عہد۔

آج کی دنیا میں بد عہدی عام ہو چکی ہے، افراد ہوں یا جماعتیں یا حکومتیں
 وعدے کی پابندی نہ صرف ختم ہو چکی ہے بلکہ اس کے اعلان پر
 اظہار کو بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ انگریزوں کے وزیر جنگ نے
 جنگ عظیم کے موقع پر بولا کہا تھا کہ تم کوں کے ساتھ عہد محض
 وقت گزارنے کے لیے کیا گیا تھا، اُس کو پورا کرنا مقصود نہ تھا۔
 آج بھی امریکہ ہو یا روس، فرانس ہو یا جرمنی وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے
 سے عہد کو ٹالتے پھرتے ہیں۔ ہمارا پیڑھی ملک بھارت کثیر یوں سے
 کیے گئے عہد استصواب رائے کو نہایت ڈھٹائی کے ساتھ
 ٹالتا جا رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ انہوں
 نے کبھی عہد کو پورا نہیں کیا۔ البتہ مسلمان جب تک ایک زندہ قوم
 تھی، اُن کو عروج حاصل تھا تو یہ عہد پر بھی قائم ہوتے تھے۔ مگر
 جب سے انحطاط پذیر ہوئے ہیں۔ ان کی حالت بھی دیگر اقوام
 کی طرح ہی ہو گئی ہے۔ بہر حال عہد کی پاسداری کرنا سچے مسلمانوں اور
 عقلمندوں کا کام ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے کہ ایک عقل معاد ہوتی
 ہے اور دوسری عقل معاش۔ معاش کی عقل تو اس دنیا تک محدود
 ہے۔ یہاں پر بڑے بڑے اہل عقل و ہنر، دانش ور، بر سر اور پی
 اتج ڈی حضرات موجود ہیں۔ مگر عقل معاد سے خالی ہیں "يَعْلَمُونَ
 ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا - وَهُمْ عَنِ
 الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ" (الروم) ان کا علم دنیا تک
 محدود ہے اور یہ آخرت سے غافل ہیں۔ مگر یہاں پر تو آخرت کو
 سمجھنے والی عقل کی ضرورت ہے اور صحیح عقلمند وہی ہے جو آخرت
 کی منزل کو سمجھتا ہے اور جسے آخرت کا احساس ہو گا وہ عہد کی پابندی

کرے گا اور اسے قطع نہیں کریگا۔

اللہ تعالیٰ نے عقلمندوں کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے وَالَّذِينَ
يَقُولُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ اور وہ لوگ جو
ملاتے ہیں اُس چیز کو جسے اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے۔ سب سے
پہلے اللہ نے ایمان اور نیکی کو ملانے کا حکم دیا ہے۔ قرآن پاک
میں جگہ جگہ موجود ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ يَعْنِيْ وَه لُوْگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیے
گو یا نیکی ایمان کے ساتھ باہل جڑی ہوئی ہے۔ نہ قرینگی کے بغیر
ایمان کا کچھ فائدہ ہے اور نہ صرف نیکی کسی کام کی ہے۔ ایمان کا تقاضا
یہ ہے کہ انسان نیکی کرے۔ باہمی طرپ میں قرابتداری اور صلہ رحمی
بھی آتی ہے۔ اللہ نے قرابتداری کا حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور
قطع رحمی سے منع فرمایا ہے۔ اس کو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے
بھی تعبیر کر سکتے ہیں کیونکہ صالح انسان وہی ہو گا جو اللہ کے
حقوق کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق بھی ادا کرتا ہے جس طرح
ایمان کے ساتھ نیکی کو ملانا ضروری ہے اسی طرح حقوق اللہ کے ساتھ
حقوق العباد کا ملانا بھی لازمی ہے۔

قرابت داروں کے حقوق کے علاوہ ہر چھوٹے بڑے کا حق
ہے۔ اپنے پڑوسی کا حق ہے، درہم سفروں کا آپس میں حق قائم ہونا
ہے، اس کی رعایت ضروری ہے۔ اپنے پیر کا حق ہے، استاد
کا حق ہے۔ افسر اور ماتحت کا حق ہے۔ مالک اور مزدور کے درمیان
حقوق کی تقسیم ہے اور امام اور مقتدی کا بھی آپس میں حق ہے۔ تو
عقلمند وہ لوگ ہیں جو ان تمام حقوق کو ملاتے ہیں۔ اور ان میں اختلاف
نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ" (انجرات) تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا وہ اخوت اور بھائی چارے کے جذبے کے ساتھ ہی رہیں۔ مسلمان خواہ کسی ملک میں رہتا ہو اور کوئی زبان بولتا ہو، وہ ہمارا بھائی ہے۔ ہم سب ایمان کے رشتے میں پروئے ہیں، کلمہ طیبہ ہی جامع ایمان ہے۔

(۳) خَشْيَتِ اللّٰهِ

عقل مندوں کی تیسری صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے۔ وَكَوَيْخَشُونَ رَبَّهُمْ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ خشت وہ چیز ہے جو علم کے ساتھ حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اچھائی اور برائی میں امتیاز کر لیتا ہے اور پھر وہ برائی کے کام سے ڈر جاتا ہے تو یہی خشت اللہی ہے۔ سورۃ فاطر میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے "إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" علم والے لوگ ہی اللہ کا خوف رکھتے ہیں فرمایا وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ یہ وہی لوگ ہیں جو حساب کی خرابی سے ڈرتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے خوف کھاتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کا حساب آسان ہو جائے۔ یہی یہی راستے پر چلنے والے لوگ ہیں۔

(۴) صَبْرٌ

اہل عقل و ضرر کی چوتھی صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَالذَّيْبَتِ صَبْرًا وَابْتِعَاءً وَجْهِ رَبِّهِمْ اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی خوشنودی کی تلاش کے لیے جنہوں نے دنیا کے مصائب و آلام جھیلے اور ناگوار باتوں پر صبر کیا۔ صبر طاعت پر بھی ہوتا ہے، معصیت سے بچنے کے لیے بھی اور تکلیف کو برداشت کرنے پر بھی۔ صبر ملت ابراہیمی کے اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ قرآن پاک میں اس کی سب سے تفصیلاً

موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّمَا يُؤَفِّقُ الصَّابِرِينَ**
لِجَهَنَّمَ یعنی حساب (الزمر) صبر کرنے والوں
 کو بے حساب اجر ملیگا۔ گرمی کے دنوں میں روزہ رکھنا صبر کی بات
 ہے۔ صبر کے بغیر انسان گرمی اور سردی میں وضو نہیں کر سکتا، نماز
 نہیں پڑھ سکتا، حج و عمرہ ادا نہیں کر سکتا۔ صبر نفس کو بانی سے روکتا
 ہے اور اطاعت پر آمادہ کرتا ہے۔ تو فرمایا عطلتہ لوگوں کی جو جتنی
 صفت صبر ہے۔

ایک مؤمن کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ رضائے اللہ تعالیٰ
 ہو جائے۔ ہمارے تمام نیک کاموں اور تمام عبادت کا مقصد اللہ تعالیٰ
 کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ **وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ**
 (التوبہ) اللہ تعالیٰ کی تمہاری سی رضا بھی حاصل ہو جائے تو وہ ہر
 چیز سے بڑی ہوگی۔ ہمارے بزرگ حاجی امداد اللہ صاحب کی فرمائے
 ہیں کہ لوگ لمبی چوڑی دعائیں مانگتے ہیں۔ مگر میری دعا بالکل مختصر ہوتی
 ہے **اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِضْوَانًا وَالجَنَّةَ وَاعُوذُ
 بِكَ مِنْ شَعَطِطِكَ وَالسَّارِیِّ** اللہ میں تجھ سے
 تیری رضا کا طالب ہوں اور جنت کا سوال کرتا ہوں جب کہ
 تیرے غضب اور دوزخ سے پناہ چاہتا ہوں۔ بغیر حنیفہ جس کو
 خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگئی۔ اس کو سب کچھ مل گیا اور جو کوئی خدا
 کے غضب سے بچ گیا، وہ تمام برائیوں سے بچ گیا۔ اسی لیے فرمایا
 کہ عطلتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے
 کے لیے صبر کیا۔ صبر سب سے بڑی حقیقت اور ملت ابراہیمی کا اہم
 اصول ہے۔

فرمایا عطلتہ لوگوں کی پانچویں صفت یہ ہے **وَاقَامُوا الصَّلَاةَ**
 لے شامل امداد یہ صلہ

کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ نماز بھی بہت بڑی حقیقت ہے۔ حجاب کتاب کے موقع پر سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال ہوگا۔ نماز ہی کے ذریعے انسان کا تعلق باللہ قائم رہتا ہے۔ نماز مومن کی پہچان ہے۔ مومن اور کافر کے درمیان نماز ہی خط امتیاز ہے۔ نماز ہی ہونا بھی مومن اور اہل عقل کی صفت ہے۔

۱۶۱
انفاق
فی سبیل اللہ

فرمایا، اُن کی چھٹی صفت یہ ہے وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ
اہل عقل وہ ہیں جنہوں نے خرچ کیا اُس چیز میں سے جو ہم نے انہیں روزی دی ہے۔ انسان جو بھی خرچ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز سے ہی کر رہا ہے کسی کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ اس نے اپنی محنت، ہنر اور عقل سے کوئی چیز کھائی ہے تو وہ نادان ہے یہ تو سب جیلے ہیں، یہ تو انسان کو اللہ کے حکم سے تصرف حاصل ہوا ہے۔ تو عقلمند وہ ہیں جو خرچ کرتے ہیں مگر نیکی کے کاموں پر، نہ کہ شیطانی راستوں پر۔ انفاق فی سبیل اللہ میں کھیل تماشہ، گانا بجانا، شراب نوشی، جوا بازی، شکر کیہ کمور اور رومات باطلہ نہیں آتیں۔ یہ تو سب ناجائز ملامت ہیں۔ ہاں قابل قبول خرچ وہ ہے جو خدا کی رضا کے لیے ہو اور اس میں تمام انفرادی اور اجتماعی حقوق بھی شامل ہوں جن پر خرچ کرنا عقلمندوں کی صفت ہے۔

اور اُن کے خرچ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خرچ کرتے ہیں سِرًّا
وَعَلَانِيَةً پوشیدہ طور پر بھی اور علی الاعلان بھی۔ اگر پوشیدہ طور پر کوئی چیز مستحقین تک پہنچا دی جائے تو یہ بہت اچھی بات ہے کیونکہ اس میں ریاکاری نہیں ہوگی۔ اور اگر کھلے طور پر خرچ کرنے سے دوسروں کو ترغیب دینا مقصود ہو تو ایسا کرنا بھی درست ہے تاہم زیادہ اجر پوشیدہ طور پر خرچ کرنے کا ہے۔

فرمایا ان کی ساتویں صفت یہ ہے وَيَذَرُونَ بِالْحَسَنَةِ
السَّيِّئَةَ کہ وہ برائی کو نیکی کے ذریعے دور کرتے ہیں۔ اگر کوئی غلطی
 سرزد ہوگئی ہے تو اس کے جواب میں کوئی نیکی کا کام کرتے ہیں
 تاکہ برائی کا ازالہ ہو جائے حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذر غفاریؓ
 سے فرمایا تھا کہ غلطی کو نیکی کے ساتھ مٹاؤ۔ جب نیکی کر دے تو برائی
 خود بخود مٹ جائے گی۔ اگر کوئی آدمی تمہارے ساتھ بد اخلاقی سے
 پیش آتا ہے، گالی دیتا ہے یا کوئی اذیت پہنچاتا ہے تو اس کے
 جواب میں تم بھی غلط کام نہ کرو بلکہ تم برائی کا جواب نیکی سے دو گے
 تو برائی ختم ہو جائے گی۔ اور اگر ایک گولی کے جواب میں دو گولیاں
 چلیں، ایک گالی کا جواب دو گالیاں سے بے اثر ایک گھونٹے
 کی بجائے دو برسوں تو پھر برائی سے گی نہیں بلکہ مزید پھیلے گی۔ حال
 البتہ بعض مواقع پر برائی اور ظلم کا بدلہ لینے کی بھی اجازت ہے اور
 بعض اوقات معاف کر دینا بہتر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک
 میں ان کے محلات بیان کر دیے ہیں۔ تو فرمایا اہل محفل وہ ہیں جو
 برائی کا ازالہ نیکی سے کرتے ہیں۔

فرمایا جن لوگوں میں مذکورہ سات اوصاف پائے جائیں گے
اُولَئِكَ لَهُمْ عِشْرَةُ الدَّارِ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت
 کا گھر ہے اور وہ گھر کیسے جنتِ عدن وہ رہائش کے قابل
 باغات ہیں۔ جنت کے کئی طبقات ہیں جیسے جنت الفردوس
 جنت التیم اور جنت عدن وغیرہ۔ کہ جنت عدن وہ باغات
 ہیں۔ جو صرف درختوں اور پودوں کے باغات ہی نہ ہوں بلکہ سہنے
 کے لیے ان میں محلات بھی موجود ہوں۔ فرمایا يَدْخُلُونَهَا
 مذکورہ صفات کے حاملین ان باغوں میں داخل ہوں گے، اور وہ

وہاں ایک نہیں ہوں گے بلکہ فَمَنْ صَلَّحَ مِنْ آبَائِهِمْ
وَآزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ اُن کے آباؤ اجداد اور اولادوں میں
 سے نیک لوگ بھی ان کے ساتھ جنت عدن میں داخل ہوں گے۔
 ایک مومن کو یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ ان کے متعلقین اگرچہ عمل میں ان سے
 کم تر ہوں گے مگر ان کی وجہ سے وہ بھی ان کے ساتھ جنت کے
 اعلیٰ مقام میں ہوں گے۔ جنت عدن کا مقیم جب اپنے اعزہ واقارب
 کے متعلق اللہ کے حضور تشویش ظاہر کرے گا اور پوچھے گا کہ وہ کس لیجے
 میں ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو بھی اسی کے ساتھ ملائے گا۔ تاکہ اُس جنتی کو
 کوئی ذہنی کوفت بھی نہ ہو دوسری جگہ پر ہے "وَاتَّبَعْتَهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
 يَا يٰمَيْمَانِ" (الطوبہ) اگر ایمان اور نیکی ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کی اولادوں
 کو بھی ان کے ساتھ ملا دیگا۔

فرمایا وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ
بَابٍ اور ان پر ہر دروازے سے فرشتے داخل ہونگے مگر اللہ تعالیٰ
 کی اجازت کے بغیر داخلہ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ بعض اوقات
 کوئی شخص اپنے اہل و عیال میں مشغول ہوتا ہے تو ایسے میں نخل ہونا درست
 نہیں ہوتا۔ فرشتے داخل ہو کر کہیں گے سَلَّمَ عَلَيْكُمْ تم پر
 سلامتی ہو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بِحَاصِبَتِكُمْ اس وجہ سے کہ تم نے
 اس دنیا میں صبر کیا۔ فَتَنَعَمَ عَقَبَى الدَّارِ آخرت کا گھر کیا ہی اچھا
 جو صبر کی بدولت حاصل ہوا۔ فرشتے مبارکباد دیں گے جس سے اہل ایمان کی
 خوشی میں اضافہ ہوگا۔ یہ نیک لوگوں کا انجام بیان ہوا۔ اب اگلی آیت
 میں بُرے لوگوں کا حال بیان ہوگا۔

فرشتوں کا
 سلام

وما آبرئى ۱۳

الرعد ۱۳

سورہ نم ۹

آیت ۲۵ تا ۲۶

وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ
 وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ
 وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ
 اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝۲۵ اللَّهُ يَبْسُطُ
 الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوا
 بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي
 الْآخِرَةِ إِلَّا لَمْتَاعٌ ۝۲۶

ترجمہ:- اور جو لوگ ٹوٹتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد
 کو بعد اس کے مضبوط کرنے کے، اور قطع کرتے ہیں
 اُس چیز کو کہ اللہ نے حکم دیا ہے۔ اُس کو جوڑنے کا، اور
 فساد کرتے ہیں زمین میں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت
 ہے اور اُن کے لیے بڑا گمراہی ہے (۲۵) اللہ تعالیٰ کا وہ
 کرتا ہے روزی جس کے لیے چاہے اور تنگ کرتا ہے
 (جس کے لیے چاہے) اور خوش ہو گئے ہیں یہ لوگ
 دنیا کی زندگی پر، حالانکہ نہیں ہے دنیا کی زندگی آخرت
 کے مقابلے میں مگر ایک حقیر سامان (۲۶)

مذکورہ اور شرک کی تردید کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے لوگوں
 کا ذکر کیا ہے۔ ایک وہ جو قرآنی تعلیمات سے مستفید ہوتے ہیں، یہ عمل صحابہ

مطابقت

رکھنے والے لوگ ہیں۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اوصاف بیان فرمائے تھے کہ یہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور جن چیزوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، ان کو توڑتے نہیں۔ یہ لوگ بڑے حساب سے اپنے پروردگار سے خوف کھاتے ہیں اور اپنے رب کی خوشنودی کے لیے صبر کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں، اللہ کے لیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں اور برائی کا ازالہ بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے ان کا انجام بھی بیان فرمایا کہ ان کے لیے قابلِ رہائش باغات ہوں گے اور اگر ان کے آباء و اجداد، بیویاں اور اولادیں بھی صاحبِ صلاحیت ہوں گی، تو وہ ان کے ساتھ ہی رہیں گے۔ ایسے لوگوں کو یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ فرشتے ہر دروازے سے داخل ہو کر ان کو سلام کریں گے اور پھر انہیں صبر کرنے کی وجہ سے اچھے انجام کی خوشخبری دیں گے۔

اب آج کے درس میں ان لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے جو قرآنی تعلیمات سے مستفید نہیں ہوتے درحقیقت یہ لوگ عقلمند نہیں ہیں۔ اللہ نے ان کے اوصاف بیان کیے ہیں اور ان کے انجام کا ذکر بھی کیا ہے قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جہاں ایمانِ اولیٰ کا ذکر ہوتا ہے۔ اُس کے ساتھ نافرمانوں کا حال بھی بیان ہوتا ہے جہاں محبین کی بات ہوتی ہے وہاں فساق و فجار کا تذکرہ بھی ہوتا ہے، اس طرح گویا ترغیب و ترہیب ساتھ ساتھ چلتی ہیں گذشتہ درس میں قرآن سے مستفید ہونے والوں کا ذکر تھا، اب نافرمانوں کا انجام بیان ہو رہا ہے۔

عبدی

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ
مِنَ بَعْدِ مِيثَاقِهِ اور جو لوگ اللہ کے عہد کو توڑتے

میں اس کو بچھڑا کرنے کے بعد۔ اس میں عہدِ ازل سے لے کر سائے
 عہد آجاتے ہیں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عہد یہ ہے
 کہ بندے اس کی توحید کریں، اور لہر کی پابندی کریں، تو اسی سے باز
 رہیں، اطاعت کرتے رہیں اور برائیوں سے بچتے رہیں۔ سو میں کبھی
 عہد کرنے توڑتا۔ البتہ منافق کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے
 إِذَا عَاهَدَ عُنْدَكَ جِبَدٌ وَهُوَ كَرَاهِيَةٌ فَاسْكُورْ أَوْ انْزِعْ يَدَكَ مِنْهُ
 توڑنے والے لوگ تھکنے نہیں ہوتے۔

آگے فرمایا وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ
 يُؤْتَمَلَ اور جو قطع کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے جوڑنے
 کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ نیکی کو جوڑو
 مگر وہ نہیں جوڑتے۔ اللہ تعالیٰ تمام نبیوں پر ایمان لانے کا حکم
 دیا ہے مگر یہ لوگ ایمان نہیں کرتے۔ یہود و نصاریٰ (یہی جہاری کے
 مریض ہیں جو بعض انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ اور بعض
 کا انکار کر دیتے ہیں۔ ان کا یہ بیان ستر آں پاک میں موجود
 ہے۔ ثُمَّ مِنْ بَعْضِهِمْ وَكَفَرُوا بِبَعْضِ (النساء) یہ تو
 کفر ہے اور بے عقلی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرابتداروں کو
 بھی جوڑنے کا حکم دیا ہے مگر یہ لوگ قطع رہی کرتے ہیں۔ یہ دوسری صفت
 ہو گئی۔

فرمایا ایسے بے عقل لوگوں کی تیسری صفت یہ ہے وَيُعِيدُونَ
 فِي الْأَرْضِ یہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے پیروکار
 امام بیضاویؒ پانچویں صدی کے بڑے اہم گندے ہیں۔ ان کی تفسیر مختصر
 تفسیر میں سب کا اہم تفسیر ہے۔ بعد والے ان کی تفسیر سے استفادہ کرتے
 ہیں۔ لہذا امام بیضاویؒ فساد فی الارض کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عربی زبان

فساد فی الارض

کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَكُوْبَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ
 لِعِبَادِهِ لَبَعُوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُتْرَلُ بِقَدْرِ
 مَا يَشَاءُوْا" (الشوری) اگر اللہ تعالیٰ رزق کے دروازے سب
 کے لیے یکساں کٹا دے تو سب کے سب نافرمان ہوتے، لہذا
 وہ اپنے اندازے کے مطابق جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔
 کسی کو زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کم۔ بعض اوقات نافرمانوں کو بھی
 رزق میں بڑی وسعت عطا کرتا ہے لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ
 تمام بڑے لوگ آسائش میں ہوں۔ بہت سے کافر بھی تنگی میں
 وقت گزارتے ہیں۔ کفر اور افلاس اگر دونوں چیزیں گچھا ہو جائیں
 تو بہت ہی بڑی بات ہوگی مگر بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں۔
 لیکن بہت سے نافرمان، بد اخلاق اور بد عقیدہ لوگ آرام و آسائش
 میں بھی ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت پر موقوف ہے
 فضیلت کا معیار دنیا کا مال و دولت نہیں بلکہ نسی، تقویٰ اور
 ایمان ہے، لہذا کسی منکر کی خوشحالی دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ یہ شخص خدا
 تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے۔

فرمایا وَقَرِّحُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ لوگ دنیا کی زندگی پر
 خوش ہو گئے ہیں، فریفتہ ہو گئے ہیں، حالانکہ آخرت کے مقابلہ
 میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي
 الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ "نہیں ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے
 میں مگر حقیر سامان۔ اس دنیا کا سارا ساز و سامان ایک بالکل معمولی سی
 چیز ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے لَوْ كَانَتْ
 الدُّنْيَا لَعَدْلٌ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحٌ يَّبْعُوْنَهُ مِمَّا سَفَى
 كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةً اِذَا اللّٰهُ تَعَالٰى كَ التَّوْبَةِ الدُّنْيَا كِ
 كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةً اِذَا اللّٰهُ تَعَالٰى كَ التَّوْبَةِ الدُّنْيَا كِ

رحمت سے دور ہیں۔ فساد فی الارض کرنے والا ہمیشہ لعنت میں گرفتار ہے گا۔ وہ اللہ کی رحمت سے کچھ حصہ نہیں پاسکتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں بھی خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔ اور قیامت کے دن بھی ان کے گھسے طوق پڑا ہوگا۔ سورہ ہود میں اللہ نے نافرمان قوموں کا حال بیان کر کے فرمایا: وَأَسْمِعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَتَهُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ أَسْمِعُنَا میں بھی ان پر لعنت بھیجی جاتی ہے اور آخرت میں بھی وہ اسی میں پھنسے رہیں گے۔ وَأَلْهَمُوا سُبُوَّةَ الذَّكَارِ اور ان کے لیے بہت بُرا گھر ہے۔ بڑے گھر کا ذکر گذشتہ آیات میں ہو چکا ہے کہ ایسے لوگ جنہم کا شکار بنیں گے۔ بہر حال قرآن پاک سے استفادہ ہونے والے اور اس سے انصیحت حاصل نہ کیے والے دونوں گمراہوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان کی صفات بیان ہوئی ہیں اور ان کا انجام بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

نافرمان لوگوں کی ذہنی خوشحالی اور آرام و آسائش دیکھ کر بعض اذہان میں شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ اگر یہ واقعی خدا تعالیٰ کے باطنی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں عیش و آرام کیسے عطا کر رکھا ہے۔ ایسے ہی شبہات کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی آیات میں رنج فرمایا ہے ارشاد ہوا ہے اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمُوَقِّدُ النَّارِ اللہ تعالیٰ ہی جس کی روزی چاہے کثرت سے کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ آسوی اور تنگ دینی انسانوں کے قسم، عقل اور پلان کے مطابق نہیں ہوتی۔ یہ کسی انسان کا اپنا کمال نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی حکمت، ہمت اور مصلحت کے تابع ہوتی ہیں۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق کشادگی یا تنگی کا فیصلہ

مرزوق کی
کشادگی
اور تنگی

میں فساد کی ضد اصلاح ہے۔ جب کوئی چیز اعتدال پر ہوتی ہے تو وہ درست حالت پر ہوتی ہے مگر جب وہ اعتدال سے باہر نکل جاتی ہے تو اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔

فساد فی الارض کا مفہوم بڑا وسیع ہے، مثلاً کفر، شرک اور نفاق فساد فی الارض ہے۔ اس کے برعکس ایمان اور توحید درستگی اور اصلاح ہے۔ یہ فطرت کے عین مطابق ہے اور اس سے تمام چیزیں اعتدال پر آتی ہیں، کافروں کے ساتھ دوستانہ کرنا، ان کو مسلمانوں کے راز پہنچانا، فتنہ برپا کرنا، غلط رسومات کو رواج دینا، دین کے خلاف بات کرنا، شرعی قوانین کو توڑنا، قتل و غارتگری کرنا، معصیت کے حق میں پراسیڈنٹ کرنا، فحاشی پھیلانا، اخلاق سوز باتیں کرنا، بدعقیدہ ہونا، خلاف سنت کام کرنا۔ بدعت، جاری کرنا، زنا، بدکاری، چوری، ماڈاکہ، خیانت، آبروریزی کرنا۔ سب فساد فی الارض میں شامل ہے۔ "وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ" اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سب کچھ وہ لوگ کرتے ہیں جو عقل سے محروم ہیں۔ ان کے برعکس جو لوگ اہل عقل اور اہل ایمان ہیں وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، زکوٰۃ اور صدقات ادا کرتے ہیں۔ ان میں غریب پروری اور جی نوز انسان سے ہمدردی کا مادہ ہوتا ہے۔ وہ تعلق باللہ قائم کرتے ہیں اور عہد کے پابند ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتا ہے اور فساد فی الارض کرنے والے ناپسندیدہ لوگ ہیں۔

فَرِيًّا أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ ۖ يَسِيءُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ
لعنت ہے۔ لعنت کا لغوی معنی ہے بُعْدُ عَنِ الرَّحْمَةِ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری۔ جس طرح شیطان مردود اور خدا کی رحمت سے محروم ہے اسی طرح تمام کافر بھی اللہ کی

قدر و قیمت مچھر کے رُکے برابر ہی ہوتی تو وہ کسی کافر اور منکر کو پانی
کا ایک گھونٹ بھی نہ پلا۔ مگر اللہ کے نزدیک دنیا ایک حقیر چیز
ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آخرت کے تعلق
میں دنیا کی حیثیت ایسی ہے **كَمَا حَقَلَ أَحَدُكُمْ
إِصْبَعَةً فِي السَّبَبِ** جیسے کوئی شخص اپنی انگلی کندر میں
ڈبو کر نکالے **فَلْيَنْظُرْ لِمَ يَرْجِعُ** پھر دیکھے کہ
پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد
ہے **وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى** (الاعلیٰ) آخرت ہی پائیدار
اور بہتر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی، ترمذی شریف ہی کی روایت
میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور **عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ** صَدِّقِ بَعْدِي **أَسَدٌ
مَهَيْتٌ** چھوٹے کالوں والے بکری کے مردہ بچے سے گزرے۔
آپ علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا، تم میں سے کون ہے جو
اس مردہ بچے کو ایک درہم میں خریدے۔ صحابہ نے عرض کیا
حضور! یہ تو حقیر سا مرا ہوا بچہ ہے۔ **لَا خَبْرَ أَنْتُمْ لَسْتُمْ
بِشَيْءٍ** ہم تو اسے کسی قیمت پر بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں
آپ علیہ السلام نے فرمایا **بِحَدِّ!** اللہ کے نزدیک پوری دنیا کی
قیمت اس مردہ بچے سے بھی زیادہ حقیر ہے مگر لوگوں کا حال یہ ہے
کہ اس دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہر کوئی اس کے پیچھے
دوڑ رہا ہے۔ اس کے حقیر سامان کو سمیٹ سمیٹ کر رکھ رہا ہے
اسی کو پائیدار سمجھ لیا ہے اور کہنے **فَالْفُضْ** منصبی سے غافل ہو گیا
ہے۔ دنیا کے آرام و آسائش، محلات، کاروں اور دیگر لوازمات
میں ہی الجھ کر رہ گیا ہے۔ مگر اصل منزل تو آخرت کی منزل ہے
جو پائیدار بھی ہے اور جس کو دوام بھی حاصل ہے۔ اس آیت

آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی دل مطمئن ہوتے ہیں (۲۸) وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے خوشخبری ہے اُن کے لیے اور اچھا ٹھکانا (۲۹) اسی طریقے سے ہم نے بھیجا ہے آپ کو رسول بنا کر ایک امت میں۔ تحقیق گزر چکی ہیں اس سے پہلے بہت سی امتیں، تاکہ آپ تلوذت کریں اُن پر وہ چیز جو ہم نے وحی کی ہے آپ کی طرف۔ اور یہ لوگ انکار کرتے ہیں رحمان کا۔ آپ کہہ دیجئے وہ میرا رب ہے نہیں کوئی معبود اُس کے سوا، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع ہے (۳۰)

گذشتہ آیات میں قرآن کریم کی نصیحت سے مستفید ہونے والوں کے اوصاف بیان اور اُن کا انجام بیان ہوا۔ پھر اس نصیحت سے مستفید نہ ہونے والوں کے اوصاف بیان ہونے کہ یہ لوگ عہد کو توڑتے ہیں۔ جس چیز کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اُس کو کاٹتے ہیں اور فساد فی الارض کے مرتکب ہوتے ہیں۔ فرمایا ایسے لوگوں کے لیے اللہ کی لعنت اور آخرت میں بُرا ٹھکانا ہوگا۔ اگر ایسے نافرمان لوگوں کو دنیا میں دافتر روزی نصیب ہو تو اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کیونکہ رزق کی وسعت اللہ تعالیٰ کی حکمت پر منحصر ہوتی ہے۔ دنیا کا مال و اسباب خدا کی جانب سے آزمائش ہوتی ہے، یہ کسی شخص کے پسندیدہ ہونے کی علامت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فرخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے، تنگ کر دیتا ہے۔ تاہم وہ ہر شخص کی صلاحیت کے مطابق ہی کوئی فیصلہ کرتا ہے۔ اس کی حکمت کو کوئی مخلوق نہیں جان سکتی۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کرنے والوں کا شکوہ بیان کیا ہے نشانی کا سلسلہ

وما آبرئی ۱۳

درس دسم ۱۰

الروعد ۱۳

آیت ۲۲-۲۰

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ
 مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِن يَشَاءُ اللَّهُ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ
 وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَرَادَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا
 وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ
 اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۚ (۲۸) الَّذِينَ آمَنُوا
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحَسُنَ
 مَا أَجْرُهُمْ ۚ كَذَلِكَ أَرْسَلْنَا فِي أُمَّةٍ قَدْ
 خَلَتْ مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَسْتَلُوا
 عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ
 يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ
 إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابٌ ۚ (۲۹)

ترجمہ :- اور کہتے ہیں وہ لوگ جنوں نے کفر کیا
 کہ کیوں نہیں اتاری جاتی اس پر کوئی نشانی اُس کے رب
 کی طرف سے۔ (سے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے بیشک اللہ
 گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی
 طرف اُس کو جو جہت رکھتا ہے (۲۹) وہ لوگ جو ایمان
 لائے اور عملیں ہولے ہیں اُن کے دل اللہ کے ذکر سے

میں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کا تقابل بھی کر دیا ہے اور دونوں
کی حیثیت کو بھی واضح کر دیا ہے۔ اب یہ نینوں کا کام ہے کہ وہ
ان میں سے کسی چیز کو پسند کرے۔

کہ ہر لوگ محض خدا اور خدا کی بنا پر فضل و مطاببات کرتے تھے حالانکہ ان پر حقیقت واضح ہو چکی تھی۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ کفر کا لغوی معنی انکار ہی ہے۔ اور اصطلاحاً توحید، ایمانیات، کتاب، انبیاء، کتب سماویہ، قیامت اور طلاق کا انکار مراد ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا آيَةً مِنْ رَبِّنَا کیوں نہیں اتاری جاتی اس (پغمبر) پر نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ اس نشانی سے وہ نشانی مراد ہے جو کافر لوگ خود اپنے مومنوں سے طلب کرتے تھے نشانیاں تو ہزاروں اللہ نے آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرمائیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلْ سَأَلْتُمْ مَنْ دَلَّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتِيَ اللَّهُ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ بیشک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنْتَ اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رہنما رکھتا ہے، ہدایت اور گمراہی دونوں چیزوں کے اسباب ہیں۔ جو شخص ضد اور مہٹ صحری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کرتا ہے، وہ راہِ راست سے محروم رہتا ہے۔ سورۃ نساء میں ہے بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا يَكْفُرُ بِهِمْ اللَّهُ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے اور کفر پر متمسک ہوتے ہیں۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں بھی ہے حَتَّمَا اللَّهُ عَلَمًا فَلَوْ يَهْتَمُّ اللَّهُ تَعَالَىٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دیا ہے ہدایت کے لیے طلب کا ہونا ضروری ہے، جو شخص ہدایت کی خواہش رکھے گا، اسے حاصل ہوگی اور جو خدا اور ضد رکھے گا، اسے ہدایت نصیب نہیں ہوگی بلکہ وہ گمراہی میں ہی بھٹکتا رہے گا۔

مکے کے مشرکین حضور علیہ السلام سے من مانی نشانیاں طلب کرتے ہتھے تھے۔ کہتے تھے مکے کے ان پہاڑوں کو یہاں سے چلا دے تاکہ ہم یہاں پر کھیتی باڑی کر سکیں۔ کبھی کہتے ان پہاڑوں کو سونے کا بنا دے اس قسم کی بیوردہ فرمائشیں کرتے مگر تسلیم نہیں کرتے تھے شق القمر کا معجزہ انہوں نے خود طلب کیا، پھر جب اللہ نے اُسے ظاہر کر دیا۔ تو کہنے لگے "سِحْرٌ مُّسْتَمْتِرٌ" (القمر) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔ پہلے بھی ہوتا تھا، اب بھی ہوتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے منکرین کی ذمہ داری کا ذکر کیلئے کہ یہ بہت دھرم لوگ، اللہ کی طرف رجوع نہیں رکھتے لہذا انہیں ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ ہدایت اُس شخص کو حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے اس کا طلبگار ہوگا۔

اطمینان
قلب

کفار کے تذکرے کے بعد اب اہل ایمان کا ذکر آ رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ آمَنُوا وہ لوگ جو ایمان لائے۔ وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ اور مطمئن ہوتے ہیں۔ ان کے دل اللہ کے ذکر سے۔ ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ جو بھی ایمان آدھی اللہ کا ذکر کرے گا اُس کے دل میں سکون پیدا ہوگا۔ ساتھ یہ بھی فرمایا إِلَّا آكَاہُ رَهْوًا اور سُنُّ لَوْ، بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے اطمینان قلب کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب اللہ کا نام لیا جائے یا اس کا کلام پڑھا جائے یا کوئی شخص منقول ذکر کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے تو اُس کے دل میں خاص قسم کا انس پیدا ہوتا ہے اور وحشت دور ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں سکون پیدا ہوتا ہے جس سے وہ خاص قسم کا لطف محسوس کرتا ہے۔ برخلاف اس کے دنیا کے

آرام و آسائش کے تمام لوازمات بھی اکٹھے کیے جائیں تو جسم کو آرام تو مل سکتا ہے مگر سکونِ قلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا عیش اور آرام کو ایسی چیز ہے کہ اس سے کوئی انسان کبھی بھی سیر نہیں ہوتا بلکہ اس کا معاملہ **ھَلْ مِثْلَ مَزِيدٍ** والا ہو جاتا ہے، کہ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری سولت کیلئے ہاتھ پیرا رہتا ہے۔ اس کی حرص برصحتی ہی چلی جاتی ہے اور وہ اطمینانِ قلب سے محروم رہتا ہے۔ بڑے بڑے دولت مند حتیٰ کہ سلطنتوں کے مالک بھی ذکرِ الہی سے دوری کی وجہ سے بے چین ہی ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف اپنے دلوں کو ذکرِ الہی سے منور کرنے والے ہندو پریشیر لوگوں کو بھی سکونِ قلب حاصل ہو جاتا ہے ان کی ساری وحشت دور ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ اطمینانِ قلب کا واحد ذریعہ ذکرِ الہی ہے۔

ذکر کی مختلف صورتیں ہیں۔ عام طور پر ذکرِ زبانی ہوتا ہے۔ انسان نماز پڑھتا ہے، قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہے یا دیگر ذکر و اذکار کرتا ہے۔ جنہیں زبان کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ امام ابو بکر جہاں فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نشانیوں اور نعمتوں میں غور و فکر کرتا ہے کہ اللہ نے انہیں کیسی حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، تو یہ بھی اللہ کے ذکر کے مترادف ہے۔ اس کے علاوہ ایک ذکرِ قلبی بھی ہے۔ بزرگانِ دین اس کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں کہ انسان دل کے ساتھ کس طرح اللہ کا ذکر کرے۔ بتائیں بزرگانِ دین جن میں حضرت مجدد الف ثانیؑ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ یا بعض دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ان کے اندر بہت سے لطائف رکھے ہوئے ہیں، جب وہ لطائف

ذکرِ الہی
کے
طریقے

کثرتِ ریاضت سے بیدار ہو جاتے ہیں تو پھر وہ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور یہ مکہ مرشدِ برحق سے سیکھنے پر حاصل ہوتا ہے، اس کے علاوہ نفس کے ساتھ بھی ذکر ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین ایسا طریقہ بھی سکھاتے ہیں کہ انسان کے جسم کے اندر جانے والی اور باہر آنے والی ہر سانس اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ تاہم آسان ترین ذکر لسانی ہے امام شاہِ دلی اللہ فرماتے ہیں کہ ہر دن کے لیے کسی مومن کا ذکر

الہی میں حصہ اس سے کم نہیں ہونا چاہیے کہ وہ سُبْحَانَ اللَّهِ -

الْحَمْدُ لِلَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اللَّهُ أَكْبَرُ - سو سو مرتبہ

کہے۔ بعض بزرگانِ دین اس کے ساتھ ساتھ ایک سو مرتبہ

استغفار اور ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھنے کی تلقین بھی کرتے

ہیں۔ مشائخِ چشت کے طریقے پر بیعت ہونے والے عوام کو

یہ عمل ہر روز صبح و شام کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اذکار کے

تمام کلمات جو حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں یا

جو سلفِ صالحین سے منقول ہیں، وہ سب اطمینانِ قلب کا باعث ہیں

حسنِ حصین کی روایت میں آتا ہے كُلُّ مُطِيعٍ ذَكَرُ اللَّهِ

یعنی اللہ کا ہر اطاعت گزار اُس کا ذکر ہے۔ یعنی اگر وہ زبان سے

ذکر نہیں بھی کرتا مگر اُس کی طرف سے خدا کی اطاعت کا ہر کام

اس کی طرف سے ذکر ہی سمجھا جائے گا۔ تاہم زبانی ذکر طریقتِ ابراہیمی

کا بہت بڑا اصول ہے "وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ" اللہ کا ذکر ہر چیز

سے بڑا ہے۔ جب انسان اللہ کا اسم پاک اپنی زبان سے ادا

کرتا ہے تو اُس پر خدا تعالیٰ کی تجلی نازل ہوتی ہے جس سے اُسے

سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ آپ بزرگوں کی سوانحِ حیات پر گھ

کہ دیکھ لیں، یہ اللہ والے دنیا کے سادو سامان سے بے نیاز مگر سکون

قلب کی دولت سے مالا مال ہے ہیں۔ انہیں کوئی پریشانی اور بے چینی نہیں ہوتی کیونکہ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی دلی اور کوئی چیز نہیں مفسرین کرام فسر کرتے ہیں۔ کہ بعض بزرگ زیادہ تر ذکر الہی میں ہی بہمک بہتے ہیں۔ وہ دنیا کے لوازمات کی طرف محض اس لیے راغب نہیں ہوتے کہ اس دوران خدا تعالیٰ کی تجلی کا نزول نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس سے محروم رہ جائیں گے۔ لہذا وہ خدا کی تجلی کے حصول کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ تاکہ ان کے سکون قلب کی دولت میں کسی وقت بھی کمی نہ آنے پڑے۔ بہر حال سکون قلب کے لیے ذکر کا طریقہ بھی صحیح ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی بدعتی یا غیر مشروع طریقہ اختیار کیا گیا۔ تو اس سے چین نصیب نہیں ہوگا کیونکہ بہتر نتیجہ صحیح راستہ اختیار کرنے سے ہی حاصل ہوگا۔

اس مقام پر بعض مفسرین نے اس اشکال کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس آیت کی رو سے تو ذکر الہی اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے جب کہ سورۃ الفال کی آیت "مَا دَا ذُكِرُوا اللّٰهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ" سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر الہی سے دل ڈر جاتے ہیں یعنی خوف طاری ہو جاتا ہے۔ بظاہر یہ دونوں آیات متضاد معلوم ہوتی ہیں مگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ دونوں کیفیتوں کے مراجع مختلف ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہے ان کی تلاوت سے سونوں کے دلوں میں اطمینان پیدا ہوتا ہے اور جن آیات میں اللہ کی وعید اور اس کے عذاب کا ذکر ہے ان کی تلاوت سے اہل ایمان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ گویا جس وقت خدا تعالیٰ کے عدل کا تذکرہ ہوتا ہے تو سونوں کے دل خوف سے کانپ اٹھتے ہیں اور جب

بلکہ
اشکال

خدا تعالیٰ کی رحمت بے پایان کا ذکر ہوتا ہے لہٰذا اہل ایمان کو اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان آیات میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے۔

صاحب تفسیر منطری قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ خوف اور امید اکٹھے بھی ہوسکتے ہیں۔ انسان کے دل میں یاد الہی سے جو انس پیدا ہوتا ہے اس میں خوف اور رنجی دونوں چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ دونوں کی یکجائی کے متعلق حدیث میں مثال موجود ہے ایک نوجوان زندگی کے آخرت لمحات پر تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت کیا کہ تم اپنے آپ کو کیا پلٹے ہو؟ اُس نوجوان نے عرض کیا حضور! أَخَافُ ذُلَّ مَوْتِي میں اپنی غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کی وجہ سے خوفزدہ ہوں وَ ارْجُو اللّٰهَ اور میں خدا تعالیٰ سے اس کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص میں خوف اور رنجی اکٹھے ہو گئے وہ یقیناً کامیاب ہوگا۔ فرمایا ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اُسے وہ چیز عطا کرے گا جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس چیز سے بچا لے گا جس سے وہ ڈرتا ہے۔ گویا ایک کامل الایمان آدمی میں یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہوتی ہیں۔ خدا کے عدل سے ڈر بھی ہوتا ہے اور اس کی رحمت سے امید بھی ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کی یہ صفت بیان کی گئی ہے "يَذُكُّونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا" (انبیاء) وہ ہمیں پکارتے ہیں ہماری نعمتوں میں رغبت رکھتے ہوئے اور ہمارے جلال سے ڈرتے ہوئے۔

ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کلمے کیے۔ امام مجتہد فرماتے

اہل ایمان
کے لیے
بشارت

ہیں کہ ایمان کے بعد اچھے کاموں میں بنیادی طور پر عبادتِ اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ الصلح ہیں۔ حدیث شریف میں آتے ہیں جو آدمی ایمان لانے کے بعد ان عبادات کو انجام دے گا۔ اللہ اس کو جنت میں پسندے گا۔ اگرچہ وہ گھر میں ہی بیٹھا ہے بشرطیکہ اس کا خاندانی اعمال پر ہو۔ اس کے علاوہ صالحات ہیں ہر قسم کی بدنی، مالی، قولی اور فعلی نیکیاں شامل ہیں۔ تو فرمایا ایمان لانے کے بعد جن لوگوں نے اچھے اعمال انجام دیے طُوبٰی کہہ ان کے لئے خوشخبری ہے وکُفْرٰنٌ مَّآپ اور اچھا ٹھکانا ہے۔ طوبیٰ کا معنی خوشخبری کے علاوہ پاکیزگی بھی آتے ہیں بعض فرماتے ہیں کہ طوبیٰ جنت کے ایک درخت کا نام ہے جو اتنا لبا چڑا ہوگا کہ تمام جنتیوں پر چھایا ہوا ہوگا۔ بعض تفسیری روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس درخت کا نام حضور علیہ السلام کے گھر میں ہوگا اور اس کی شاخیں تمام بہشتوں میں سارے اہل ایمان پر سایہ فرمیں ہوں گی۔ بہر حال طوبیٰ کا عالم فہم معنی اشارت سے۔ درخت ہونا بھی کوئی اجنبی بات نہیں کیونکہ قرآن پاک میں سورۃ الممتحیٰ کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہ بھی عجیب و غریب قسم کا درخت ہے جسے انسانی زندگی کے ساتھ خاص لگاؤ ہے۔ ان چیزوں کا راز اس دنیا میں تو نہیں کھل سکتا۔ جب انسان لگے جان میں پھنسیں گے تو سب پر سے اٹھ جائیں گے اور یہ ساری چیزیں واضح ہو جائیں گی۔

آگے کفار کی من مانی نشانیوں کے مطالبہ کے تسلسل میں ہی ذکر ہوتا ہے کہ نہ تو نبوت و رسالت دنیا میں کوئی نئی چیز ہے اور نہ ہی منکرین کا انکار بلکہ یہ چیز ہے۔ بلکہ یہ سلسلہ تو ابتداء سے ایسے ہی چلا آ رہا ہے۔ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنَاكَ فِيْٓ اُمَّتٍ اِمْسٰی طَرَحِہِم نئے آپ کو بھیجا ہے۔ اس آخری امت میں۔ پہلی امتوں کی طرف

تکلیف
قرآن پاک

بھی انسانوں میں سے ہی رسول بنا کر بھیجے گئے۔ انہوں نے بھی خدا کا پیغام، اس کا حکم اور شریعت لوگوں کے سامنے پیش کی مگر منکرین اسی طرح خدا اور ہٹا دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہے، یہ کوئی نیا سلسلہ نہیں بلکہ آپ کی بعثت اور لوگوں کا انکار پرانے سلسلے کی ہی آخری کڑی ہے۔ فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ اس سے پہلے بھی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں۔ اور سابقہ انبیاء کی طرح ہم نے آپ کو اس لیے رسول بنا کر بھیجا ہے لَتَتْلُوا عَلَيْهِمْ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ تاکہ آپ پڑھ کر سنادیں ان کو وہ چیز جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔ کتاب الہی کی تلاوت انبیاء کا پہلا کام ہوتا ہے۔ سیرۃ العنکبوت میں بھی موجود ہے "اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ" جو کچھ ہم نے کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کی ہے، آپ اسے پڑھ کر لوگوں کو سنادیں۔ یہ پہلا کام ہے۔ اس کے بعد باقاعدہ تعلیم دینا، حکمت سمجھانا، لوگوں کا تزکیہ کرنا، یہ سب فرائض انبیاء اور کتاب الہی کے موضوعات ہیں۔ چنانچہ جب کوئی وحی نازل ہوتی تو حضور علیہ السلام نو مشور کا تباہ وحی میں سے کسی شخص کو بلا کر آیات الہی لکھواتے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ نزول وحی کے بعد آپ گھر سے باہر تشریف لاتے اور جو آدمی ملتا اسے اللہ کا کلام سناتے۔ کلام الہی کو پڑھ کر سنانے میں دو مقصد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو مطلوبہ بات دوسروں تک پہنچ جاتی ہے اور دوسرے مقصد یہ ہے کہ اطمینان قلب حاصل ہو اور اجر و ثواب بھی ملے۔ قرآن پاک کی زیادہ سے زیادہ تلاوت میں یہی راز پنہاں ہے کہ ہمارا تعلق قرآن پاک سے قائم ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے حکم کے مطابق آپ کو ان کو قرآن

پڑھ کر سناتے ہیں مگر کفار و مشرکین کی حالت یہ ہے **وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ** کہ وہ رحمان کا انکار کر دیتے ہیں۔

مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان کو تسلیم نہیں کرتے تھے ان کے نزدیک تو رحمان اہل یاسر سید کذاب تھا۔ مگر کفر ان پاک نے صاف صاف بتلایا ہے کہ رحمان اللہ تعالیٰ کی اسی طرح صفت ہے جس طرح اُس کا اسم پاک اللہ ہے۔ **رَبُّهُمُ اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ** میں اہم صفات اللہ کے ساتھ اس کی صفات رحمان اور رحیم دونوں کا ذکر موجود ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے **قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوَادْعُوا الرَّحْمَنَ** اب کہہ دیں کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمان کے نام سے پکارو اے جس نام سے بھی پکارو **فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ** اس کے ساتھ کے سارے نام جملے ہیں۔ یہ حدیث شریفہ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نانویں نام ہیں۔ جو شخص ان کو یاد کرے گا اور ان کو پڑھتا ہے گا۔ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ بغرضیکہ مشرکین رحمان کے نام سے بدکتے تھے اور **رَبُّهُمُ اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ** کی بجائے **بِسْمِ اللَّهِ** کہتے تھے۔ بعض مشرکین کہتے کہ یہ نبی نہیں تو ایک اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور خود ساتھ رحمان کا ذکر بھی کرتا ہے۔ یہ سب جہالت کی باتیں تھیں، مشرکین کے لغو اعتراضات تھے حالانکہ رحمان اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اور یہ اُس کا معنی نام ہے۔

فرمایا **قُلْ اے پیغمبر! اب کہہ دیجئے** **هُوَ رَبِّي** وہ میرا پید و گام ہے۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ** اُس کے سوا کوئی مجھ سے نہیں اُس کو جس نام سے بھی پکارا جائے وہ راضی ہوتا ہے، اور پھر قرآن نے

یہ مسئلہ بھی بیان کر دیا ہے۔ "اِنَّ الَّذِيْنَ يَلْحَدُوْنَ فِيْ
 اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا" (احمد سجدہ) اللہ تعالیٰ کے
 اسمائے پاک میں جو شخص الحاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی پہچانتا
 ہے۔ الحاد کا مطلب یہ ہے کہ اسمائے پاک کا غلط مطلب لیا جائے،
 جیسے پُرِیْزَہ کہتا ہے کہ اللہ سے مراد ذات اللہ نہیں بلکہ قانون مراد ہے
 حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے، اس کے نیچے ایک حقیقت
 پوشیدہ ہے اور اس لفظ کا ذکر کرنے سے وہ حقیقت ذہن میں
 آتی ہے۔ اسی طرح لفظ رحمان بھی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک
 خاص صفت کو ظاہر کرتا ہے مگر مشرک لوگ اس نام کو تسلیم نہیں کرتے
 غرضیکہ اللہ کا معنی قانون نہیں بلکہ اس نام سے اللہ کی ذات کا اظہار
 ہوتا ہے۔ کسی ذات کا تشخص نام کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے۔ انسان
 بھی ناموں سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کا ذاتی نام ہے
 اگر لفظ اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس سے ذات مراد ہوگی اور لفظ رحمان
 سے یاد کیا جائے۔ تو اس سے اللہ کی صفت رحمت مراد ہوتی ہے
 فرمایا وہ میرا رب ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ فِيْ اٰسِيْءِ بَعْدِ مَا هُوَ وَاِلَيْهِ
 مَتَّابٌ اور ہر وقت میرا ہی کی طرف رجوع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
 اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، تمہارا رجوع خود بخود اس کی طرف ہو جائیگا
 خدا کی رحمت ہر وقت متوجہ رہتی ہے لہذا اس سے مایوس نہیں ہونا
 چاہیے۔ دوسری جگہ فرمایا "اِنْبِئُوْا اِلٰهَ رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهُ"
 (الزمر) رجوع کے لیے انصاف شرط ہے۔ ضد، ہٹ دھرمی
 اور عناد مشرکوں کا شیوہ اور محرومی کی علامت ہے۔

وما ابرئ ۱۳
درس یازدہم

الرعد ۱۳
آیت ۳۱

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ
بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَ بِهِ الْمَوْتُ بَل لَّيْلَهُ الْأَمْرُ
جَمِيعًا أَفَلَمْ يَأْتِيسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ
لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا وَلَا يَزَالُ
الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا
قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ حَتَّى
يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ
الْمِيعَادَ ﴿۳۱﴾

۱۳

ترجمہ :- اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے ساتھ پہاڑوں کو چھوایا جاتا یا اس کے ساتھ زمین کے ٹکڑے کیے جاتے یا اس کے ساتھ مردوں سے کلام کیا جاتا (تو پھر یہ لوگ نہ مانتے) ، بلکہ معاملہ سب کا سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا یائیس نہیں ہونے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہدایت لائے لائے سب لوگوں کو۔ اور برابر رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ، پہنچتی ہے گی ان کو اس وجہ سے جو انہوں نے کیا ، کھٹکھٹانے والی چیز۔ یا اتنے ہی وہ ان کے گھروں سے قریب یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ

نہیں خلاف کہ تا وعدے کا (۳۱)

یہ آیت بھی گذشتہ آیات کے ساتھ ہی مربوط ہے۔ کافر اور مشرک لوگ من مانی نشانیاں طلب کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ صدی اور عبادی لوگ ہیں، انہیں حقیقت کی طلب نہیں ہے، اس لیے انہیں راہِ راست نصیب نہیں ہو سکتا۔ صراطِ مستقیم کے حقدار وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اطمینانِ قلب کا نسخہ بھی بتلا دیا کہ یہ ذکرِ الہی ہی ہے جو دلوں کے سکون کا باعث بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے انجام کا ذکر بھی فرمایا۔ حضور علیہ السلام کے لئے ان کا مضمون بھی نازل فرمایا کہ کفار و مشرکین کی طرف سے مخالفت کوئی نکتہ چیز نہیں ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخری نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے، اسی طرح آپ کے پہلے بھی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بھی ہادی بھیجے مگر وہ لوگ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے مخالفت پر اڑے۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کی طرف سے مخالفت کی پروا کے بغیر اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں اور اپنا تبلیغی مشن جاری رکھیں اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔

• آج کا درس مشرکین کے اعتراضات کے جواب میں ہی ہے وہ لوگ طرح طرح کے مطالبات کرتے تھے، مثلاً یہ کہ آپ اس قرآن کے ذریعے مکے کے پیاروں کو ان کی جگہ سے ہٹادیں، یہاں پر زمین ہمارا ہو جائے اور ہم یہاں کھیتی باڑی کر سکیں، وہ یہاں پر نہیں جاری کرنے کا مطالبہ بھی کرتے تھے نیز یہ بھی مطالبہ کرتے کہ آپ اس قرآن کے ذریعے زمین کے ٹکڑے کر دیں یا ہمارے

رابطہ آیات

شانِ نزول

فوت شدہ اباؤ اجداد کو زندہ کر دیں تاکہ ہم ان کے ساتھ رات چیت کر سکیں۔ مشرکین ایمان لانے کے لیے اس قسم کی شرائط اور ہیودہ اعتراضات پیش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آج کے درس میں مشرکین کی غلط فہمائشوں کا رد فرمایا ہے اور ان کو جواب دیا ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب قرآن کریم اس قسم کی فہمائشوں کی تکمیل کے لیے نازل نہیں کی بلکہ اس کتاب کو اللہ نے ذریعہ ہدایت بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگ اس کے بلٹے ہوئے راستے پر چل کر کامیابی کی منزل حاصل کر سکیں۔

قرآن فریب
ہدایت

ارشاد ہوتا ہے وَكُوْنًا قُرْآنًا اور اگر کوئی قرآن لیا ہوتا کہ سُجُوتٌ بِهٖ الْجِبَالُ اس کے ذریعے پہاڑوں کو چلایا جاتا اور قُطِعَتْ بِهٖ الْأَرْضُ یا اس کے ذریعے زمین کے ٹکڑے کر دیے جاتے اور أَوْصَلَتْ بِهٖ الْعَوْنُ یا مردوں سے باتیں کی جاتیں، مگر اللہ نے اپنی کتابیں اس مقصد کے لیے نازل نہیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کتب ساویہ اور صحائف کرلوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ یہ قرآن پاک بھی اللہ کی آخری کتاب ہے اور دیگر کتب کی طرح منع و ہدایت ہے، مگر اس سے چھو منتر کا کام نہیں لیا جاسکتا کہ اس کو دم کہہ کے لوگوں کی فرائض پوری کی جائیں۔ یہ کتاب تو گمراہی کو دور کر کے نئی اندہ ہدایت کی طرف بلاسنے والی چیز ہے۔ اس کے ذریعے کفر و شرک مٹتا اور ایمان آتا ہے۔ ظلم و جور کی جگہ عدل و انصاف ملتا ہے، نجاست کی بجائے پاکیزگی اور بہ اخلاقی کی جگہ اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں۔ نزول قرآن کا مقصد خود قرآن کی زبان سے یہ ہے كُنْتُ أَنْزَلْتُكَ إِلَيْكَ مُبْرَكًا رَّيَّةً بَرَوَا أَيْنِيبَهُ وَلَا يَسْتَدْرِكُ أَوْلُوا الْأَلْبَابِ (ص)

ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں، اس پر عمل پیرا ہوں اور دانا لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ سورۃ ابراہیم کی ابتدا میں ہی قرآن کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے "لِيُخْرِجَ الْكَافِرِينَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ" تاکہ اس کے ذریعے آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ کفر، شرک، ابدیت، معاصی وغیرہ سب ظلمات ہیں، ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے قرآن پاک کو اپنانا ہوگا۔ اس کے بغیر ایمان اور توحید کی روشنی نصیب نہیں ہو سکتی۔

اس مقام پر قرآن سے مراد قرآن پاک بھی ہے اور مطلق کتاب بھی۔ قرآن کے لغوی معنی پڑھی جانے والی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ چاروں کتب اور صحائف پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا میں بھی قرآن کے متعلق یہی لکھا ہے کہ یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے، اور یہی اس کے برحق ہونے کی علامت ہے۔ حدیث شریف میں قرآن کا اطلاق زبور پر بھی کیا گیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن کا پڑھنا آسان کر دیا تھا۔ آپ علیہ السلام اپنے خادم کو حکم دیتے کہ گھوڑے کو اصطبل سے نکال کر اُس پر زین ڈالو ریہ حکم دے کر آپ زبور کی تلاوت شروع کر دیتے اور جب تک خادم گھوڑے کو سواری کے لیے تیار کرتا۔ آپ پوری زبور کی تلاوت کر لیتے۔ قرآن کریم کے متعلق بھی آتا ہے کہ بعض حضرات پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہوتی ہے جو گھوڑے وقت میں بہت زیادہ تلاوت کر لیتے ہیں۔ بعض بیچارے

قرآن
کا مفہوم

زیادہ وقت میں بھی تھوڑی سی تلاوت کر پاتے ہیں۔ بہر حال یہ اللہ کی دین اور اس کی مہربانی ہے کہ وہ اپنے کلام کی تلاوت میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

الغرض! اس مقام پر اگر قرآن سے مراد مطلق کتاب یا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر کسی کتاب سے پیاروں کو چلانے، زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے یا مردوں سے ہم کلام ہونے کا کام لیا جاسکتا تو قرآن پاک سے تو بطریق اولیٰ ایسا ہو سکتا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے کوئی بھی کتاب یا چیز اس مقصد کے لیے نازل نہیں فرمایا کہ اس سے لوگوں کی فرائض پوری کی جائیں بلکہ اللہ کی کتابیں تو صانعِ رشید و ہدایت ہیں، جو ان کی طرف رجوع کرے گا اسے راہِ راست میسر آجائے گا جس پر چل کر اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائے گا۔

فرمایا ایرقرآن اللہ نے تمہاری خواہشات کی تکمیل کے لیے نازل نہیں فرمایا بَلْ لِّكَلِمَةٍ الْاٰمِنَةِ جَمِیْعًا بلکہ معاملہ یہ ہے کہ اسارا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ چاہے تو پیاروں کو چلا سکتے مگر اس مالکِ الملک نے یہ کتاب نازل فرما کر پیاروں کی طرح کفر و شرک پر مجھے ہونے لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر انوار و تجلیات کی دلدلیوں میں پہنچا دیا ہے اور ان کے دلوں میں جہی ہوئی برائیوں کو اکھاڑ کر رکھ دیا ہے اور ان پر نورِ ایمان اور معرفت کے چشمے جاری کر دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی طرح پیچیدہ رسومات باطلہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور مردہ قوموں اور مردہ دلوں کو ابھی زندگی عطا کر دی ہے قرآن تو اس مقصد کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اللہ نے سورۃ یونس میں قرآن پاک کا ایک

قرآن
کی
بجائے

مقصود یہ بھی بتایا ہے "قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ" یہ تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور تمام روحانی بیماریوں کے لیے شفا ہے انسان کی تمام عقلی اور روحانی ضروریات اسی قرآن پاک کے ذریعے پوری ہوتی ہیں۔

اجتماعی
ہدایت

شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ جب کافر و مشرک طرح طرح کی فرمائشیں پیش کرتے تو بعض مسلمانوں کے دلوں میں بھی خیال پیدا ہوتا کہ اگر ان کی خواہش پوری کر دی جائے تو شاید یہ ایمان لائیں، یہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہیں، اگر ان کی فرمائش پوری کر بھی دی جائے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ سورۃ انعام میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے "قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَأَيُّ مَسْئُونٍ" اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ تمام نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں، وہ جسے چاہے ظاہر کر دے۔ مگر تمہیں کیا معلوم! ان والو! اگر ان کے پاس نشانیاں بھی آجائیں تو یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ ضدی اور غنابی لوگ ہیں اور اپنی ہٹ دھرمی سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔

فرمایا اَفَلَمْ يَأْتِيَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا كَمَا آتَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلَ
سے مایوس نہیں ہوئے اِنَّ لَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَهَادَى اللّٰهُ تَعَالٰی چاہے لَهَادَى النَّاسَ جَمِيعًا تو سب کے سب لوگوں کو ہدایت دے دے۔ خدا تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ چاہے تو تمام ان لوگوں کو جو جبراً ہدایت کے راستے پر ڈال دے مگر

یہ چیز اسکی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے ایمان کا معاملہ خود انسان کی صوابدید پر چھوڑ رکھا ہے اس نے حتی و باطل میں امتیاز بنا کر فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا ہے۔ **فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ بِهِ وَ مَنِ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ بِهِ** (اللہ تعالیٰ نے ایمان قبول کرنے اور عیب کو کفر پر اڑا ہے۔ وہ جو بھی راستہ اختیار کرے گا۔ اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ البتہ کسی سے زبردستی کوئی چیز سزاوار اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہے وہ تو انسان کو ہر طریقے سے آزاتا ہے **وَنَسَلُوا كُفْرًا بِالْشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً** (الانبیاء) وہ برائی کے ساتھ بھی آزاتا ہے اور نیکی کے ساتھ بھی۔ پھر جو اس کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ کامیابی کا حقدار وہی ہوتا ہے۔ الغرض! اجتماعی ہدایت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف ہے۔ ہدایت کا حصول ہر شخص کی اپنی صلاحیت اور طلب پر منحصر ہے۔

بیابیس کا علم فہم معنی تو ایسی ہے، تاہم شاہ عبدالعزیز اس لفظ کا ترجمہ خاطر جمع کرانا کرتے ہیں مطلب یہ کہ کیا ان اہل ایمان کے لیے خاطر جمع نہیں ہوئی کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو ہدایت دے دے، یعنی ہدایت پر مجبور کر دے بعض مفسرین فرماتے ہیں بیابیس کا معنی یقینی بات ہے اور اس طرح جملے کا مفہوم یہ ہوگا کہ کیا اہل ایمان کے لیے یہ یقینی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو ہدایت دے دے مگر وہ ایسا نہیں کرے گا، اہل ایمان کو مشرکین سے ایمان کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔

اہل لغت کہتے ہیں کہ قبیلہ نخج کی زبان میں بیابیس کا معنی جانتا سہی ہوتا ہے اور جملے کا مفہوم یہ ہے کہ کیا اہل ایمان

بیابیس کے
مختلف معانی

نے اس بات کو نہیں جانا کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو راہِ راست پر لے آئے
مگر یہ اس کی حکمت کے منافی بات ہے۔ اس لفظ کو اردو زبان میں بھی
استعمال کیا جاتا ہے اور یاس کو بالواسطہ کے معنوں پر محمول کیا جاتا ہے۔
اصغر شاعر کہتا ہے :-

یاس اک جنوں ہوشیاری امید فریب زندگی کا

جنوں ہوشیاری یہ ہے کہ انسان کو قطعی طور پر یقین ہو جانے کہ ایسا
نہیں ہوگا۔ یاس زندگی کا ایک جنون ہے اور امید محض دھوکہ ہے
انسان ساری زندگی امید کے دھوکے میں مبتلا رہتا ہے مگر بااوقات
اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بہر حال ہریت کا فائدہ اسی کو حاصل ہوگا جو

اپنی مرضی سے اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کسی کو ہریت پر مجبور نہیں کرتا۔
فرمائیں کرنے والے ازلی منکرین کے متعلق اللہ نے فرمایا

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَصْغُرُونَ
نے کفر کیا۔ تَصَيَّبَهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةً سَمِعْتُمْ كَيْفَ
کو ان کے کیے کی وجہ سے کھٹکھٹانے والی چیز گویا ایسے لوگوں

کو امن و سکون نصیب نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ مشکلات میں گھرے رہیں
گے۔ یا تو جنگ و جدل میں مصروف رہیں گے۔ یا بیرونی حوادث

کا شکار ہوں گے۔ اَوْ تَحُلَّ قَلْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَرْبًا
وہ کھٹکھٹانے والی چیز ان کے گھروں کے قریب اترے گی یا ان

پر پڑے گی جس کی وجہ سے وہ ہر وقت خوف میں مبتلا رہیں گے، گویا ان
کو ہر وقت کسی نہ کسی مصیبت کا کھٹکا لگا رہے گا۔ چنانچہ مشرکین عرب

ہمیشہ لڑائی کے خوف میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ ان
کے گھروں کے قریب مصیبت اترنے کی مثال سلسلہ کا واقعہ

حدیث ہے حضور علیہ السلام نپہرہ سو جانا باندوں کے ساتھ مدینہ کے

کفار کے
دائمی مشکلات

مقام پر اترے جسکی وجہ سے مکے والوں میں پھیل مچ گئی اور آخر کار یہ معاملہ ایک معاہدے کے تحت طے ہوا۔ الغرض! تختلے! اگر مخاطب کا صیغہ ہو تو معنی اہوگا کہ آپ اتریں اور اگر فاعل کا صیغہ تسلیم کیا جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان کے گھروں کے قریب کوئی آفت یا مصیبت اترے۔

جب کسی علاقے میں آفت نازل ہوتی ہے تو یہ قریبی علاقے والوں کے لیے باعثِ عبرت ہوتی ہے۔ آج ہمارے قریب مشرقی پنجاب میں سکھوں پر مصیبت پڑی ہوئی ہے تو اس سے ہمیں بھی عبرت پکڑنی چاہیے۔ ذیل ۲۵ سال پہلے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں، ان ظالم سکھوں نے مسلمانوں پر کتنے ظلم کیے۔ اللہ کے گھروں کی بے حرمتی کی، مسجدوں کو اسٹبل اور بیت الخلاء بنایا، مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی، مگر آج ان کے گور دورے کا حال بھی ملاحظہ کریں۔ ان کے مقدس مقام کی بے حرمتی ہوئی، گولی چلی اور سینکڑوں سکھ مارے گئے۔ تاریخ اپنے واقعات کو دہرائی ہے، اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اُدھر گذشتہ پانچ سال سے روس ہماری سرحدوں پر دست دے رہا ہے۔ افغانوں پر ظالم ڈھار رہا ہے مگر ہم شس سے سس نہیں ہوتے۔ ہمیں اس بات کی فکر ہونی چاہیے کہ ہمارے قریب نازل ہونے والی آفت کہیں ہم پر بھی نہ آپڑے۔ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ ۱۹۱۷ء میں روس میں جو انقلاب آیا تھا اس میں دو کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔ بڑے بڑے باعزت آدمیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر تین تین میل تک گسیٹا گیا۔ اپنے قریب مصیبت دیکھ کر انسان کو تنبیہ ہونی چاہیے اور اپنی کمزوریوں کو دور کرنا چاہیے۔ ظلم و زیادتی سے تائب ہو جانا چاہیے۔ ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو

دشمن کو حلقہ کرنے کی دعوت دے۔ اندرونی طور پر طوفان اور زلزلے بھی آسکتے ہیں۔ یہ بھی انسانوں کو جھنجھوڑتے ہیں کہ اب بھی وقت ہے، اللہ سے معافی مانگ لیں۔

مسلمانوں کے لیے عبرت

بنیادی طور پر تریہ کافروں کا حال بیان کیا گیا ہے مگر یہ مسلمانوں کے لیے بھی مقام عبرت ہے۔ ابتدائی دور میں مصیبت کفار کے گھروں کے قریب اترتی رہی جس میں ان کے لیے تہنید ہتی مگر آخر کار یہ مصیبت خود ان پر بھی آن پڑی۔ اسی لیے فرمایا کہ انان کو عبرت حاصل کرنے کی چاہیے۔ **حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ وَعَدُّ اللّٰهِ بِيَاكُم** کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے۔ ابتدائی دور میں مسلمانوں کے ساتھ ہند کا وعدہ یہ تھا کہ وہ اسلام کو غالب کرے گا، چنانچہ اللہ نے وہ وعدہ پورہ کر دیا۔ خلافت راشدہ قائم ہوئی اور آدھی دنیا پر مسلمانوں کو کنٹرول حاصل ہو گیا، اور باقی آدھی دنیا ساڑھے چھ سو سال تک مغلوب رہی، کسی میں دم مارنے کی ہمت نہ تھی، پھر جب مسلمانوں میں انحطاط پیدا ہوا، کافروں نے سر اٹھایا اور مسلمان مغلوب ہوتے چلے گئے۔

وعدے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب یہ دنیا ختم ہوگی تو دوسری دنیا قائم ہوگی۔ اللہ نے یہ بھی وعدہ کر رکھا ہے کہ کوہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا، پھر جزائے عمل کی منزل آئیگی اور ہر ایک کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ موت کا وعدہ انسان کے لیے انفرادی طور پر آتا ہے اور پھر اجتماعی طور پر فنا کا وعدہ اُس وقت پورا ہوگا۔ جب قیامت برپا ہو جائے گی کائنات کی تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی اور پھر نئی دنیا اور نیا نظام قائم ہوگا۔ ایسے ہی وعدے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَعَدَا**

حکایت (انبیاء) جہاں وعدہ پر عمل نہیں کرتا کفار کا فعل ہے۔

اس نظام کو تبدیل کرنے کے لیے نظام ضروری نہیں ہے۔ ان اللہ

تخلیفات الہیہ ایک ایک الہیہ اور وعدہ کے خلاف نہیں کرتا

اس کا وعدہ پورا ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَامَلَيْتُمْ
 لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ اخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۲۲﴾
 اَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ
 وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءُ قُلْ سَمُّوهُمْ اَمْ تُنَبِّئُونَهُ
 بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ يَبْظَاهِرُ مِّنَ
 الْقَوْلِ بَلْ زِيْنٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ
 وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيْلِ وَمَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ
 فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ
 الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ وَمَا لَهُمْ
 مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي
 وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ
 اُكْلُهَا دَائِمٌ وَّظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ
 اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۲۵﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق سمٹا کیا گیا رسولوں کے
 ساتھ آپ سے پہلے۔ پس میں نے ملت دی ان لوگوں
 کو جنہوں نے کفر کیا۔ پھر میں نے پکڑا ان کو، پس کیسی
 تھی سزا ﴿۲۲﴾ بھلا وہ ذات جو قائم ہے ہر ایک نفس
 پر جو اُس نے کمایا ہے، اور ٹھہرائے ہیں ان لوگوں نے

اللہ کے لیے شریک۔ آپ کہہ دیجئے، اُن کے نام لو۔
 کیا تم بتواتے ہو اُس کو وہ جو نہیں جانتا وہ زمین میں،
 یا سرری بات۔ بلکہ مزین کیا گیا ہے اُن لوگوں کے لیے
 جنہوں نے کفر کیا اُن کا سکر۔ اور اللہ کے لئے وہ راتے
 سے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے پس نہیں ہے اُس
 کو کوئی ہدایت دینے والا (۳۲) اُن لوگوں کے لیے عذاب
 ہے دنیا کی زندگی میں، اور آخرت کا عذاب سب سخت
 ہے۔ اور نہیں ہو گا اُن کے لیے اللہ سے کوئی بھی بچاؤ
 والا (۳۳) مثال (اور حال) اُس جنت کا جس کا وعدہ کیا
 گیا ہے متقیوں کے ساتھ، جلدی ہیں اُس کے سامنے
 نہریں۔ اور پھل اُس کے ہمیشہ ہننے پڑے ہیں اور اُس
 کا سایہ بھی۔ یہ ہے انجام اُن لوگوں کا جو ڈرتے رہے۔

اور انجام کفر کرنے والوں کا جہنم کی آگ ہے (۳۵)

گذشتہ آیات میں شریکین کی تردید کے متعلق دو باتیں بیان ہو چکی ہیں
 پہلی بات یہ ہے کہ کفار و مشرکین اللہ کے نبی سے من مانی نشانیاں طلب
 کرتے تھے اور یہ مطالبہ کسی اشتباہ کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض ضد اور عناد کی وجہ
 سے ہوا تھا۔ اُن کا منصوبہ یہ ہوا تھا کہ اپنی خواہش کی نشانیاں طلب کی جائیں اور
 جب آپ پیش نہ کر سکیں تو آپ کا تمسخر اڑایا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے
 حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقلی دی کہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی مثل
 کیا گیا، اور آپ کے ساتھ یہ سلوک کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ
 میں نے اپنے لوگوں کو ایک مقررہ مدت تک مہلت دی اور پھر آگ فرانیس سخت
 عذاب میں مبتلا کیا۔ فرمایا آپ کے مخالفین کو بھی سبک لینا چاہیے کہ وہ اللہ کی وحی

مطلب آیت

ہوئی مصلحت سے غلط فائدہ نہ اٹھائیں، ورنہ سابقہ اقوام کی طرح وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

اب اللہ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ ان لوگوں کی بے عقلی کا حال ملاحظہ کریں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی ایسی ہے جو ہر چیز پر قائم اور نگران ہے، وہ قادر مطلق ہے، ہر قسم کا تصرف اُسی کو حاصل ہے مگر یہ لوگ اُس ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کو شریک بنا رہے ہیں، حالانکہ ان شرکاء کا نہ کوئی اختیار ہے اور نہ وہ کسی چیز پر تصرف رکھتے ہیں، نہ وہ کسی کی حاجت کو جانتے ہیں، نہ ان کے پاس علم ہے۔ بلکہ وہ تو عاجز مخلوق ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان کو خدا کا شریک بنانا کتنی بوقرانی اور حماقت ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَقَدْ اسْتَهْزِئُ بِرُسُلِ مَنْ قَبْلِكَ الْبَلۡتۡ تَحْتِیۡقُ طُغۡثًا کیا گیا بہت سے رسولوں کے ساتھ آپ سے پہلے۔ فرمایا یہ تو پرانے جاہلوں اور کافروں کا دستور ہے کہ وہ اپنے انبیاء کو تمسخر کا نشانہ بناتے رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے مگر آپ تسلی رکھیں کہ یہ لوگ اپنا کام کرتے رہیں گے، مگر ان کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ چٹھے کا مسئلہ تو یہ ہے کہ کسی مسلمان کا تمسخر اڑانا کبیرہ گناہ اور حرام ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آ ہے۔ وَلَا تَمَارًا اِخَالَکَ وَلَا تَمَازِیۡحَ اِیۡنۡہَا یَاۡمِیۡنَ کے ساتھ جھجکا نہ کرو اور نہ اس کے ساتھ استنزا کرو۔ فرمایا ایا وعدہ بھی نہ کرو جسے پورا نہ کر سکو۔ مگر یہ خرابیاں معاشرہ میں ہمیشہ سے موجود رہی ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ تو وہ کہنے لگے، کیا تو ہمارے ساتھ چٹھا کر رہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَعُوذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوۡنَ مِّنْ

استنزا
رسول

الْمُهَلِّينَ (الْبَقِيَّةُ خِدَاكِي نِهَاہُ! کہ میں جاہلوں میں سے بن جاؤں
 کیونکہ کھٹا کرنا تو جاہلوں کا کام ہے۔ میں تو اللہ کا نبی ہوں اور اس
 کا حکم پیاروں ہوں۔ غرضیکہ عام ممالکوں کے ساتھ عٹا کرنا جس سے اس
 کی تحقیر مقصود ہو، حرام ہے اور اللہ کے نبی کے ساتھ یہ سلوک کرنا تو کفر
 ہے۔ نبی کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے
 اللہ نے آپ علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے بھی
 رسولوں کا مذاق اڑایا گیا تھا فَأَمَّا كَلِمَاتٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِمَّنْ نَبَا
كُفْرِهِمْ والوں کو مہلت دی شَرَّ مَا أَحَدٌ نَفَرَ مِمَّنْ
 ان کو پھڑپھڑایا، مہلت مل جانے سے انسان کو مغرور نہیں ہو جانا چاہیے
 کہ وہ دنیا آپھرے۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ مجرمین کو پہلے مہلت
 دیتا ہے، پھر جب وہ اپنی نافرمانیوں سے باز نہیں آتے تو ان کو
 پکڑ لیتا ہے۔ فَسَبَّأُوا میں نے استنزا کرنے والوں کو پکڑ لیا
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ پھر دیکھو! میری گرفت کیسی سختی میں
 نے ان کو کیسی سزا دی۔ نزولِ قرآن کے زمانے کے لوگوں کو تنبیہ
 کی جا رہی ہے کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کے قانونِ امثال میں ہو۔ وہ جب
 چاہے گا پکڑ لے گا اور پھر عبرت ناک سزا دے گا۔

ارشاد ہوتا ہے أَفَمَنْ هُوَ قَاتِلٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ
 بھلا وہ ذات جو قائم یعنی نگران ہے ہر نفس پر بِإِذَا كَسِبَتْ
 جو اس نے کیا ہے قائم کا معنی خود قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے
 والا ہے اور نگران کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں
حَصِيدٍ اور وَكَيْلٍ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ کائنات کی تمام
 چیزوں کی حفاظت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ ہر چیز کی نگرانی
 کرتا ہے۔ اس کی نظروں سے کوئی چیز اور حمل نہیں ہے سورۃ حجر

خبر کے
 ترکیب

میں ہے! اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَاتِ بَشَك تیرا پروردگار
گھات میں ہے۔ جس طرح شکاری اپنے شکار کی گھات میں رہتا
ہے اور جب اُسے غافل پایا ہے تو پکڑ لیتا ہے، اسی طرح خدا
تعالیٰ کی گھات اور نگرانی بھی باریک، قائم اور دائم ہے۔ بہر حال
فرمایا کہ ہر نفس جو بھی کام کرتا ہے اس پر خدا کی نگرانی اور حفاظت
قائم ہے۔ وہ علیم کل، قادر مطلق اور مختار کل ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر و نا
ہے افرمایا ایسی مہتی کو اچھڑ کر جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ اَنْ كَفار و مشرکین
نے اللہ کے شریک بنا لیے ہیں۔ اللہ نے ان لوگوں کی حماقت
کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز فرمایا قُلْ لَیْسَ بِمَغْمِرٍ اَبْ اِنْ سَے
کہہ دیں سَمَوْهُمْ اِنْ شَرِکُوْنَ کے نام تو لو۔ بھلا بتلاؤ تو سہی
کہ وہ کون ہیں جنہیں تم نے خدا کی صفت میں شریک کر رکھا ہے۔
پھر یہ بھی بتاؤ کہ ان شریکوں کو کیا اختیار حاصل ہے اور وہ لوگوں کے
نفع نقصان کے کہاں تک مالک ہیں۔ یہ کتنی بے وقوفی کی بات
ہے کہ لوگوں نے ایسی باتیں کہیں کہ خدا کا شریک بنا رکھا ہے جو نہ قائم
ہیں نہ دائم ہیں۔ نہ علیم کل ہیں نہ قادر مطلق اور نہ حاضر و ناظر وہ تو عاجز
مخلوق اور محتاج ہیں، وہ خدا کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں؟
فرمایا اَمْ تَذَبْتُونَ اِنْ جَعَلُوا لَعَفِ الْاَرْضِ
کیا تم اس اللہ تعالیٰ کو بتاتے ہو جو وہ نہیں جانتا زمین میں۔ مطلب
یہ ہے کہ جن کو تم نے اللہ کے شریک بنا رکھا ہے ان کی شرارت
تو ثابت نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو خدا کے علم میں ہوتا۔ تو گو با تم ایسی چیز
کے متعلق بتلانا چاہتے ہو جو خدا کے علم میں نہیں ہے۔ اس کا صاف
مطلب یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک سرے سے موجود ہی نہیں۔
بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ تم ایسی

ہستی کو خدا کا شریک بنانے کے ہو جس کو زمین میں موجود ہر چیز کا علم ہی نہیں۔ وہ جانتا ہی نہیں کہ کون کس حال میں ہے، اس کی کیا حاجت ہے اور وہ کس طرح پوری کرتی ہے۔ تو کیا تم ایسی ستیوں کو خدا کے شریک بندے ہو جن کا علم ہی محدود اور قلیل ہے۔ بھلا ایسی ہستی خدا کا شریک ہو سکتی ہے یا یہ تو نہایت ہی حماقت کی بات ہے۔

بے حقیقت
باتیں

فرمایا تم اللہ تعالیٰ کو وہ چیز بتلاتے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا أَمْ يَظَاهِرُونَكَ الْقَوْلَ یا سرسری سی بات بنا ہے ہو۔ شاہ عبدالقادر نے اپنے تفسیر میں ظاہر کا معنی ایسی بات کرتے ہیں جس کے تحت کوئی حقیقت نہ ہو۔ یہ شریک بنانے والی بات محض اور پری سی ہے جس میں کوئی صداقت نہیں۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک بنایا جائے یا تدبیر میں، یہ ایک لغو بات ہے اور اسی کو يَظَاهِرُونَكَ الْقَوْلَ سے تعبیر کیا گیا ہے عربی زبان میں ظاہر کا لفظ زائل یا باطل ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگر یہ مطلب لیا جائے تو جملے کا مفہوم یہ ہوگا کہ یا تم ایسی بات کرتے ہو جو باطل محض ہے۔ عربی ادب میں یہ لفظ مختلف اشعار میں استعمال ہوئے۔ مثلاً۔

أَعْبَدْنَاكَ يَا أَبْنَاهَا وَلِحُومِهَا
وَذَلِكَ عَارِجًا يَا ابْنَ رَيْطَةَ ظَاهِرًا

تم نے ہمیں طعن دیا ہے کہ ہم اونٹوں کی دیکھ بجال میں ہی لگتے ہیں اور لڑائی لڑنا نہیں جانتے۔ یہ عار باطل ہے، جب ہم اسکی حقیقت بیان کریں گے تو تمہارا طعن باطل ہوگا۔

وَعَبَّرَهَا الْوَأَشُونَ إِيَّاهَا
وَرَتَلْتَ شِكَاةً ظَاهِرًا عَارِجًا

لوگوں نے اس کو بھڑکایا کہ میرا اس کے ساتھ تعلق ہے۔ یہ ایسی شکایت ہے جس کا عار دلانا باطل ہے۔

بہر حال ظاہر کا معنی اور پوری بات ہو یا باطل چیز ہو، دونوں معانی درست ہیں۔ آپ دیکھ لیں شریکِ رسم و رواج میں پھنسے ہوئے لوگ محض سرسری اور ادوری باتیں کہتے ہیں جن کا کوئی سرپر نہیں ہوتا۔ بعض لوگ بڑی یا ملکی رواج میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسی نے کوئی بات پکڑ لی اور کسی نے کوئی۔ ان میں بنیادی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ محض ایک دوسرے سے سنی سنائی بات پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ میں نے درخت کے ساتھ دھاگا بانڈھا تھا تو میری مراد پوری ہو گئی، کسی نے کہا کہ فلاں قبر پر چادر چڑھانے سے بچھ پیدا ہو گیا اور کسی نے کہا کہ فلاں پیر کی نذر ماننے سے ہماری دُور ہو گئی۔ ایسی باتوں کی بنیاد نہ عقل پر ہوتی ہے اور نہ فطرت پر۔ لوگ محض بے بنیاد باتوں کے پیچھے چل نکلتے ہیں۔

حدیث شریف میں زید ابن عمرو ابن نفیل کا واقعہ ملتا ہے کہ وہ کعبے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور لوگوں کو شرک میں مبتلا دیکھ کر کہتے، خدا کے بندو! تم جو کچھ کہہ رہے ہو، غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ کفر کرنے والے بے عقل ہیں۔ ان کے شریکِ افعال عقل اور فطرت کے خلاف ہیں۔ اس کے برخلاف ایمان اور توحید کی بنیاد سچے دلائل پر ہے جو کہ عقل اور فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہیں۔ رسم و رواج اور بدعات علاقائی چیزیں ہیں۔ ہر ملک، ہر خطے اور ہر علاقے کے اپنے اپنے رسم و رواج ہوتے ہیں اسی طرح میدانی علاقوں کی بدعات اور پہاڑی علاقوں کی بدعات میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ یہ چیزیں کتاب و سنت کے خلاف لہذا محض شیطان کا جھانسنہ ہوتی ہیں مگر افسوس کا مقام

ہے کہ لوگ اپنی سرور کو عبادت اور کافر اب سمجھتے ہیں۔

ایسے ہی اعمال کے متعلق ارشاد ہوتا ہے بَلْ ذَمُّتُمْ
لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَا كُنْهُمْ بلکہ کفار کے مکروہ قریب
آن کے لیے مزین کیے گئے ہیں۔ دوسرے مقام پر کفار کے
اعمال کا ذکر بھی ہے کہ ان کے لیے مزین کیے گئے ہیں۔ ان کے
تمام قبیح اعمال کو شیطان مزین کر کے دکھاتا ہے کہ تم بہت
اچھے کام کر رہے ہو۔ قروں پر انجام دیے جانے والے تمام شرک
اعمال کو کافر اب سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ عرس، میلاد، قوالی و گنیہ
سائیت عقیدت و احترام سے منائے جاتے ہیں، اگر یا کہ آخرت
کا دار و مدار اپنی چیزوں پر ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ شیطان کافروں کو ان
کے قبیح کام مزین کہہ کے دکھاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ انہیں انجام
دینا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا آخری وقت آجاتا ہے اور وہ ان کفر
اور شرک پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔

وَصَلُّوا عَنِ التَّبَعَاتِ اور ایسے لوگ راہِ راست سے
ردک یے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو غلط کام کو اچھا سمجھ کر کرنے لگے،
اس کے نزدیک حق و باطل کا امتیاز اٹھ جائے تو وہ سیدھے راستے
پر کیسے آسکتا ہے؛ گریا اس کے قبیح اعمال اُسے صراطِ مستقیم سے
ردک یے ہیں۔ اگر خدا تک پہنچنا ہے تو پھر تمام باطل عقائد و بدعات
اور باطل رسم و رواج کو ترک کر کے حقیقت، ایمان اور توحید کو اپنانا
ہوگا، اگر اس میں کاسیاب ہو گیا۔ تو راستے کی تمام رکاوٹیں دور ہو
جائیں گی اور حقیقی منزل قریب آجائیگی۔ برخلاف اس کے جو شخص
غلط رسم و رواج اور بدعات پر کمر بستہ ہے گا، وہ گمراہی میں پڑا ہے
علا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص اپنی بد اعمالی کی وجہ سے

گمراہ ہو جاتا ہے اس کے راہِ راست پر آنے کی امید ختم ہو جاتی ہے
 اسی لیے فرمایا وَمَنْ كُفِرَ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ حَافِدٍ
 جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں
 اللہ تعالیٰ انسان کو قوت، توانائی، عقل، فہم اور ادراک عطا کر کے
 اختیار دے دیتا ہے کہ وہ حق اور باطل میں سے جو نسا راستہ چلے
 اختیار کرے۔ اس کے بعد جو شخص راہِ راست کی بجائے عنلط
 راستے پر چل نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تَوَلَّوْا مَا تَوْوَلُوْا"
 (النسا) ہم اُس کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں۔ جس طرف وہ جانا
 چاہتا ہے۔ اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ وَنُصِّلْ لَهُ جَهَنَّمَ
 ہم اُسے جہنم میں داخل دیتے ہیں "وَسَاءَتْ مَصِيْرًا"
 جو کہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ غرضیکہ جو کوئی شخص رسول کی مخالفت
 کرتا ہے اور ایمان والوں کے راستے سے علیحدہ ہو جاتا ہے، تو
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب صر جانا چاہتے ہو، چلے جاؤ۔ ہم تمہیں نہیں
 روکیں گے۔ ایسا شخص غلط راستے پر چل کر بالآخر جہنم کے کھنارے
 پر پہنچ جاتا ہے۔

فرمایا لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اِنَّ لَوٰكِلَ
 کے لیے دنیا میں بھی سخت عذاب ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ
 اللہ نے مشرکین عرب کو اسی دنیا میں سزا دی۔ آٹھ نو سال تک
 اہل ایمان سے برسہا پیکار ہے۔ لڑتے مارتے رہے۔ ٹکرت
 کھاتے رہے، تباہ و برباد ہوئے اور آخر کار سارا ملک کفر و شرک
 سے پاک ہو گیا۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا،
 اب یہ دار السلام بن گیا ہے۔ جنگ کے علاوہ بھی یہ لوگ کبھی
 دیانی امراض میں مبتلا ہوئے۔ کبھی قحط پڑ گیا۔ طوفان آگیا۔ زلزلے

آئے اور نہایت خوف کی زندگی گزارتے رہے۔ فرمایا: تو ان کی زندگی کا حال ہے وَالْكَذَّابُ الْآخِرَةُ أَشَقُّ اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی شدید ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِنْكَ اللَّهُ مِنْ كَافٍ اور پھر انہیں اللہ کے سامنے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ اس دنیا میں تو ناجائز ذرائع اختیار کرنے کے بچتے رہے۔ کبھی قانون کی نظروں سے غائب ہو گئے، کبھی وکیل نے کوئی اہم نکتہ پیش کر کے بچایا، کبھی بیج نے رعایت دے دی اور کبھی سزا دہی اور شہوت چل گئی، مگر اللہ کی عدالت میں ایسا کوئی حربہ کامیاب نہیں ہوگا۔ اور وہ سزا سے بچ نہیں سکے گا۔

متقین
کے لیے
مناجات

قرآن پاک کے اسلوب بیان کے مطابق کفار کی سزا کے بعد اب متقین کے انعامات کا تذکرہ ہورہا ہے۔ مَنْ كَانِ الْجَنَّةَ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ اُس جنت کی مثال جس کا وعدہ متقینوں سے کیا گیا ہے۔ مثال سے مراد بعض اوقات تعریف بھی ہوتی ہے۔ یعنی وہ جنت جو ڈرنے اور بچنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے اس کی تعریف یہ ہے، اور متقین وہ ہیں جو پہلے نبرہ کفر، شرک اور لفاق سے بچتے ہیں۔ پھر کیا نرسے اور درجہ بدرجہ صغائر سے بھی بچتے ہیں۔ اور جیسا کہ اہم شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی انتہا یہ ہے، عافیت برحدود شرع، یعنی شریعت کی قائم کردہ حدود کی حفاظت کرنا، کسی بھی معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرنا۔ سورۃ توبہ میں مومنوں کی ساتوں صفات یہی بیان کی گئی ہے وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ کہ وہ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان سے تجاوز نہیں کرتے اور ان کے خلاف نہیں چلتے۔ فرمایا جس جنت کا متقینوں کے لیے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے بِجَنَّتِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اس کے

سلسلے میں بہتی ہیں۔ وہ ایسے باغات ہوں گے اکلھا دایمہ کہ ان کے پھل دائمی ہوں گے، جو کبھی ختم نہیں ہوں گے، جو نہی منعی کے دل میں کوئی پھل کھانے کی خواہش پیدا ہوگی، پھل فوراً اس کے قریب آجائے گا۔ سورۃ واقعہ میں موجود ہے کہ وہاں پر کثیر تعداد میں پھل ہوں گے۔
 "لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ" نہ ان کو ختم کیا جائے گا اور نہ روکا جائیگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مومن کسی درخت سے پھل حاصل کر لے گا۔ تو اس درخت پر اسی وقت پہلے کی جگہ دوسرا پھل پیدا ہو جائے گا۔ غرضیکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا انعام ہوگا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔

فرمایا ایک تو پھل دائمی ہوں گے وَظَلُّهَا اور اس جنت کا سایہ بھی دائمی ہوگا۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ جنت کی کیفیت یہ ہوگی۔ کہ وہاں پر نہ تو دھوپ ہوگی اور نہ آبر، وہاں کا موسم نہایت خوشگوار ہوگا۔ جس میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوگی۔ سورۃ دہر میں اللہ نے جنتیوں کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ وہ تیکوں پر ٹیک لگائے ہوں گے "لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَهْرًا" وہ وہاں پر نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ سردی بلکہ نہایت ہی معتدل موسم ہوگا، گرمی اور سردی کا کوئی احساس نہیں ہوگا، لہذا کہہ سکتے ہیں کہ وہ سائے میں ہمیشہ رہیں گے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سائے کا مطلب یہ ہے کہ بعض اہل ایمان جن پر تجلیات الہی کا نزول، اسمائے مبارکہ اور صفات الہی کا ظہور ہو رہا ہوگا۔ بعض اوقات ان کا سائے میں رہنے کو جی چاہے گا، تو ان کو وہاں سایہ محسوس ہوگا۔ حالانکہ وہاں ایسی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ فرمایا تِلْكَ عِقْبِي الَّذِي اتَّقُوا یہ ان لوگوں کا انجام ہوگا جو ڈرتے ہیں اور منکرات سے



وما آتینا

درس سیزدہم ۱۳

الرعد ۱۳

آیت ۲۶ تا ۲۷

وَالَّذِينَ اتَّبَعَتْهُمْ يُفْرِحُونَ بِمَا
 أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ
 قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ
 إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَابِ (۳۶) وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ
 حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا
 جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ
 وَّلِيٍّ وَلَا وَاقٍ (۳۷)

ترجمہ ۱۔ اور وہ لوگ جن کو دی ہے ہم نے کتاب
 خوش ہوتے ہیں اُس چیز پر جو انہی گئی ہے آپ کی
 طرف۔ اور بعض فرقوں میں سے وہ ہیں جو اس کی بعض
 باتوں سے انکار کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے، بیشک مجھے
 حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اللہ کی اور اس کے
 ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں۔ اسی کی طرف میں دعوت
 دیتا ہوں اور اس کی طرف میل لٹ کر جانا ہے (۳۶)
 اور اسی طرح اتارا ہے ہم نے اس کو ایک فیصلہ عربی
 زبان میں اور اگر آپ پیروی کریں گے ان کی خواہشات
 کی بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے، تو نہیں
 ہوگا آپ کے لیے اللہ کے سامنے کوئی حمایت کرنے والا

اور نہ کوئی پہلے والے (۳۷)

ربط آیات

سچی سورتوں میں زیادہ تر بغیاری حقائق کا ذکر ہے اور جزئیات کم ہیں۔ اس سورۃ میں عہدے کی اصلاح کا پہلا نمایاں ہے۔ ابتدائی آیات میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا۔ درمیان میں کافروں اور مشرکوں کی مذمت بیان ہوئی، ان کے اوصاف اور ان کا انجام ذکر کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل ایمان اور سچی دلے لوگوں کا تذکرہ ہوا، ان کے اوصاف اور ان کا انجام بھی بیان ہوا۔ اسے رکوع میں یہ آیت کریمہ گن چکی ہے: **أَفَعَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ أَنْ تَخِذُوا مِنْ الْيَتَامَىٰ مِنَ الْحَقِّ كَمَا هُوَ أَعْمَلَىٰ** بھلا وہ شخص جو جانتا ہے کہ آپ کی طرف آپ کے رب سے حق نازل کیا گیا ہے وہ اندھے آدمی کی طرح ہو سکتا ہے؛ بلکہ ممکنہ لوگ ہی نصیحت پکھٹتے ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حقانیت اور صداقت کے حق میں بیان فرمائی۔ گریا قرآن کریم کو منزلی من اللہ تسلیم کرنے والا شخص نور ہدایت پر ہوگا اور طے نہ تسلیم کرنے والا اندھے کے موافق ہوگا جو زور ایمان اور نور ہدایت سے خالی ہے۔

اب آج کی آیت میں قرآن پاک سے تعلق ہی ارشاد ہوا ہے **وَالَّذِينَ اتَّخَذْتُمُ الْحِكْمَ وَالَّذِينَ اتَّخَذْتُمُ الْحِكْمَ** وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے **يَفْرَحُونَ** کجا انزل الیک وہ خوش ہوتے ہیں اُس چیز پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ یہاں پر کتاب سے مراد خود قرآن حکیم بھی ہو سکتا ہے اور پہلی کتب ساویہ، تورات، انجیل وغیرہ بھی ہو سکتی ہیں۔ اگر اس کا اطلاق قرآن مجید پر کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ تنزیل کتاب پر حاملین قرآن خوش ہوتے ہیں اور یہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ ہیں۔

تنزیل کتاب پر خوشی

ان لوگوں کا خوش ہونا فطری امر ہے کہ انہیں قرآن پاک کی صورت میں دین و دنیا کی فلاح کی چابی حاصل ہو گئی ہے۔ سورہ کونین میں موجود ہے اللہ نے فرمایا اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے موعظت "وَشَفَاءٌ لِّمَآ فِي الصُّدُورِ" اور وہ چیز آگئی ہے حمدوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے آگے فرمایا اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہیں یہ چیز اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے حاصل ہوئی ہے "فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا" اس کے ساتھ خوش ہو جاؤ۔ "هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ" یہ بہتر ہے اس چیز سے جو یہ دنیا کا مال اکٹھا کرتے ہیں۔ مال و دولت تو فانی چیز ہے جب کہ قرآن حکیم باقی رہنے والی چیز ہے، لہذا اس پر خوشی منانا اہل ایمان کے لیے قدرتی بات ہے۔

اور اگر کتاب سے تورات اور انجیل مراد ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں کو اللہ نے پہلی کتابوں کا علم عطا فرمایا ہے۔ وہ بھی خوش ہوتے ہیں۔ نزول قرآن کے زمانے میں جنکی بھی سابقہ کتب موجود تھیں وہ سب کی سب بگڑ چکی تھیں، خود ان کتابوں کے ماننے والوں نے اپنی خواہشات کی خاطر کتابوں میں رد و بدل کر دیا تھا۔ زرتشتیوں کی کتاب کا طہرہ ہی بگاڑ دیا گیا تھا، باقی صحائف کا بھی بہت برا حال ہو چکا تھا۔ البتہ تورات اور انجیل ایسی کتابیں تھیں جن کا بیشتر حصہ اگرچہ تخریف ہو چکا تھا، تاہم کچھ نہ کچھ اصلیت بھی باقی تھی، اور ان کے ماننے والے یہود و نصاریٰ بھی موجود تھے۔ خود عیسائی علماء کا بیان ہے کہ گذشتہ صدی تک انجیل میں تین ہزار کے قریب تبدیلیاں آچکی تھیں۔ بائبل کے ہر نئے ایڈیشن میں کوئی نہ کوئی نئی تبدیلی آتی ہے۔ ابھی پچھلی صدی تک اس میں لفظ فارقلیط

اہل کتاب کا کردار

موجود تھا۔ سریانی زبان کے اس لفظ کا عربی معنی احمد بنا ہے، جس کا مطلب ستودہ جان ہے۔ مگر موجودہ انجیل سے یہ لفظ حذف کر کے شیخ اور مدکار کا لفظ شامل کر دیا گیا ہے۔ اس کی تصدیق قرآن پاک نے بھی کی ہے۔ سورۃ صفت میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب تورات کا مصدق ہوں وَمُصَدِّقًا لِّمَا فِي التَّوْرَةِ وَإِنِّي مِنَ الْمُرْسَلِينَ اور میں خود تجزیٰ مینے والا ہوں ایک عظیم الشان رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے میرے ذمے دو فریضے لگانے ہیں، ایک یہ ہے کہ میں تمام بنی اسرائیل کی راہنمائی کے لیے بھیجا گیا ہوں اور دوسرا یہ کہ میں اپنے بعد آئے نبی کی بشارت ماننے کے لیے آیا ہوں۔

جس طرح تورات و انجیل کا کچھ نہ کچھ حصہ خود اس کے اپنے پروردگاروں کی دست برد سے ابھی تک محفوظ ہے، اسی طرح اہل کتاب میں سے کچھ نہ کچھ حق پرست بھی ہر زمانے میں موجود رہے ہیں اگرچہ ان کی غالب اکثریت ہمیشہ ضد اور عناد پر ہی اڑی رہی ہے۔ مسلم شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانہ میں دین کے گروں میں یودیوں کے دس بڑے بڑے عالم تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہ دس آدمی اسلام قبول کر لیں تو آئندہ کوئی یودی نظر نہیں آئے گا۔ مگر ہوا یہ کہ ان دس میں سے صرف ایک شخص عبد اللہ بن سلام کو اللہ نے ایمان کی توفیق بخشی، باقی سب چلتے بوجھتے ضد پر اڑے کہے اور اسلام کی مخالفت ہی کرتے رہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ نے ان کو خبردار کیا۔ وَلَئِكَ كُنتُمْ اَوَّلَ مَن ذُرِّيَّتِهِ

حق پرست
اہل کتاب

کہ قرآن کے ساتھ سر سے پہلے انکار کرنے والے نہ بن جانا۔ اگر تم نے قرآن کے ساتھ کفر کیا۔ تو تمہارے بعد آنے والی نسلیں بھی تمہارے نقش قدم پر چلتے ہوئے انکار ہی کرتی چلی جائیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا، اولین اہل کتاب نے انکار کیا تو آج تک یہی کی تعدادوں میں ہے۔ آج دنیا میں اڑھائی ارب عیسائی موجود ہیں جو جو وہ سوال سے قرآن پاک کی متواتر مخالفت کرتے آ رہے ہیں۔ یہودی اگرچہ تعداد میں بہت کم یعنی دو کروڑ کے قریب ہوں گے۔ مگر اسلام کو نقصان پہنچانے میں انہوں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان کے بڑوں نے قرآن کا انکار کیا، اسلام کو قبول نہ کیا، تو آج ان کی اولادیں بھی اسی روش پر چل رہی ہیں۔ مگر جیسا کہ سورۃ آل عمران میں موجود ہے ”لَيْسُوا سَوَاءً“ سب کے سب برابر نہیں مشہور مقولہ ہے کہ پانچوں انگلیاں ایک سی نہیں ہوتیں۔ یہود و نصاریٰ میں سے بھی بعض حق پرست ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی بعض سعادت مند اہل کتاب موجود تھے جنہوں نے بالآخر ایمان قبول کر لیا۔ عالموں میں سے عبداللہ بن سلام اور بعض دوسرے منصف مزاج لوگ ہیں۔ بادشاہوں میں سنجاشی والی حبشہ کا نام آتا ہے، اُس کے علاوہ ۳۲ دیگر حق طلب عیسائی بھی موجود تھے۔ اللہ نے ان کی تعریف بیان کی ہے۔ بخران کے چالیس آدمیوں نے بھی ایمان قبول کیا۔ تمیم داریؓ کا مذہب بھی عیسائیت تھا، بعد میں ایمان قبول کر لیا۔ سلمان فارسیؓ کا نام بھی اسی فرست میں آتا ہے۔ ایسے لوگ سبلی کتاب کا علم رکھتے تھے اور حق کے طالب تھے، تو اللہ نے ان کو ہدایت نصیب فرمائی۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ نزول قرآن پر خوش ہوتے ہیں، ان کی خوشی کی وجہ یہ ہے کہ

جب انہوں نے دیکھا کہ قرآن کریم پہلی کتابیں کا مصدق ہے۔ ان میں پیدا کی گئی خرابیوں کی نشاندہی کرتا ہے، بنیادی حقائق کی تصدیق کرتا ہے اور سارے نبیوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، قرآن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس زمانے میں بھی کہیں نہ کہیں حق پرست نکل آتے ہیں۔ فرانس کے ایک بڑے سائنسدان نے اسلام قبول کیا، یہ شخص انجمن ائمہ یوں سے میل جول کے نتیجے میں مسلمان ہوا۔ ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں مسٹر کرولیم بہت بڑا بیرونی مسٹر تھا۔ وہ اپنے خاندان کے اسی افراد سمیت مسلمان ہوا۔ اس وقت دنیا میں انگریز انتہائی عروج پر تھے، انہوں نے اس کے ساتھ بڑے جھگڑے کئے مگر وہ تنہا مقابلہ کرتا رہا۔ اور ایمان پر قائم رہا۔ یورپیوں میں سے جرمنی کے رہنے والے محمد کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ وہ ابھی زندہ ہے۔ محمد بچھال مترجم قرآن ہے۔ یہ شخص ترکوں کے آخری شیخ الاسلام کی مجلس میں سات سال تک بیٹھا رہا، آخر اللہ نے کایا پٹ دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ ان کا ترجمہ ہم پڑھتے ہیں۔ اس نے ترجمہ مکمل کئے کے مصری علماء کے سامنے پیش کیا مگر کوئی غلطی ہو تو دور ہو سکے، اور اب یہ انگریزی ترجمہ ساری دنیا میں شائع ہو رہا ہے۔ یہ شخص کچھ عرصہ تک ہندوستان کے صوبہ مدراس میں بھی رہا۔ نواب حیدرآباد کے ہاں بھی رہا۔ انگریزی اخبار کے ایڈیٹر کے طور پر بھی کام کیا، اب فوت ہو چکا ہے۔ اہل کتاب کے علاوہ ہندوؤں، سکھوں، بدھوں اور جینیوں میں سے بھی بعض حق پرست ہوئے مگر کوئی اکا دکا۔ یسود نصاریٰ کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر فرمایا ہے کہ ان میں سے کچھ مومن ہیں وَكَثُرُهُمُ الْفٰسِقُونَ (آل عمران)

مگر اُن کی اکثریت فاسق ہے۔

فرمایا، جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ خوش ہوتے ہیں
اس چیز پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ وَهَمَّ الْأَحْزَابُ
مَنْ يُشْكِرُ بَعْضُهُ اور فرقوں میں سے بعض وہ ہیں جو اس کے
 بعض حصے کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن پاک کے موافقین اور مخالفین
 عربوں میں بھی تھے اور یہود و نصاریٰ میں بھی۔ آج مسلمانوں کی حالت
 یہ ہے کہ قرآن پاک کی بہت سی باتوں کا عملی طور پر انکار کر رہے ہیں۔
 جب انگریز نے برصغیر میں عمان حکومت سنبھالی تو اس نے لوگوں سے
 دریافت کیا تھا کہ تم شریعت کا قانون چاہتے ہو یا رسم و رواج پر
 عمل پیرا ہونا چاہتے ہو۔ اس طرح بعض اضلاع کے لوگوں نے
 رسم و رواج کو شریعت پر ترجیح دی اور ان کے معاملات شریعت
 کی بجائے رسم و رواج کی بنیاد پر فیصلہ ہونے لگے۔ ظاہر ہے کہ
 اُن کو شرعی قانون اس لیے ناپسند تھا کہ وہ اُن کی ذاتی خواہشات
 کے راستے میں حائل تھا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو قرآن کے بعض حصے
 کو ملتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ
 کا فیصلہ یہ ہے کہ دنیا میں اُن کو ذلت ہوگی اور آخرت میں سخت
 عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ جب تک قرآن پاک پر مکمل طور پر عمل نہیں
 ہوگا، اس وقت تک مسلمانوں کو اس دنیا میں عزت نصیب
 نہیں ہو سکتی۔

اَگے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خطاب کیا ہے قُلْ
أَبِ كُفْرٍ أَمْ أَسْمَاءٍ أَمْ مِلَّةٍ أَمْ كُفْرٍ أَمْ كُفْرٍ
 آپ کہہ دیں إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مجھے تو یہی حکم
 دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں وَلَا أُشْرِكُ بِهِ
 اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ

تم ہمارے معبودوں کی خدمت نہ کرو، ہم جو کچھ کرتے ہیں، ہمیں کرنے دیں۔ سابلتہ مشرکوں کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پڑھ لیں۔ وہ لوگ بھی کہتے تھے کہ ابراہیم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے، اللہ نے فرمایا کہ آپ صاف کہہ دیں کہ یہ بے جان بت کے معنی ہیں میں تو صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں، کسی دوسرے کو الٰہ قیلم نہیں کر سکتا۔

عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کو کہا جاتا ہے جو اس عقیدے سے اٹھے کہ جس ہستی کی عبادت کر رہا ہوں اس کو مافوق الاسباب تمام اشیاء پر کنٹرول حاصل ہے۔ وہ عظیم کل، خالق اور مدبّر ہے۔ اس ذات کی تعظیم قول سے بھی ہوتی ہے، فعل سے بھی اور عمل سے بھی۔ چنانچہ سورہ انعام میں اللہ نے شرک کی تمام اقسام کی خدمت بیان کی ہے۔ سورہ کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ تم تم تعریفیں ائس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّجُومِ نیز اندھیروں اور روشنی کو بھی پیدا فرمایا۔ یہ ان شہزی فرقہ والوں کی تردید ہے۔ جو اندھیروں اور روشنی کا علیحدہ علیحدہ خالق تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نیکی اور بدی کے خدا جدا جدا ہیں۔ یزدان اور اہرن در خدا تسلیم کرنا خدا کی ذات میں شرک کرنا ہے۔ اسی طرح خدا کی صفات میں شرک کرنے والے بھی بہت لوگ ہیں، جو خدا تعالیٰ کی صفات مختصہ میں دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ ایسے لوگ عظیم کل، قادر مطلق حاضر ناظر اور مختار مطلق عزیر اللہ کو بھی مانتے ہیں، وہ خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی مدبّر مانتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ فلاں بھی ہماری حاجت دہنی اور مشکل کشائی، کر سکتا ہے یا کم از کم ہماری سفارش ہی کر سکتا ہے۔

نزد دنیا میں شرک، قبر پرستی، چڑھاوے چڑھانا اور روشنی کو مناسب
 اسی قبیل سے ہیں۔ کبھی گنڈے تعویذ کے ذریعے غیر اللہ سے مدد مانگی
 جاتی ہے، کبھی مکان کی بنیادوں میں خون گریا جاتا ہے تاکہ جنات
 سے پناہ حاصل کی جائے۔ بسوں پر "یا علی مدد" اور یا غوث الاعظم کے
 کتبے لکھے جاتے ہیں، کبھی جبرائیل اور میکائیل کو مدد کے لیے پکارا
 جاتا ہے اور کبھی اولیاء اللہ سے حاجت روائی کی امید رکھی جاتی ہے
 یہ سب شرک کی مختلف صورتیں ہیں جو آج بھی مسلمانوں میں رائج ہیں
 اللہ کے سارے نبی اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے آئے ہیں۔
 "لِقَوْمٍ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ دِيْنٍ اِلَّا اللّٰهُ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُمْ وَاَنْتُمْ سَوِيْدٌ"
 (ہود)
 اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا
 کوئی معبود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے
 بھی یہی کہلوا یا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت
 کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شرک نہ ٹھہراؤں۔

دعوت
 الی اللہ

فرمایا، اے پیغمبر! آپ یہ بھی کہہ دیں اِلَيْهِ اَدْعُوا میں
 اسی ایک اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شرک
 نہیں، نہ عبادت میں، نہ صفت میں اور نہ حقوق میں۔ سورۃ یٰسین
 میں بھی گزر چکا ہے اللہ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوا یا کہ یہ میرا
 راستہ ہے "اَدْعُوا اِلَیَّ" میں اللہ کی طرف دعوت دیتا
 ہوں۔ عَلٰی بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنْ اَتَّبَعَنِي" میں بھی بصیرت
 پر ہوں اور میرے پیروکار بھی۔ ایمان اور توحید کی دعوت۔ بصیرت
 کی دعوت ہے، کفر، شرک اور برائی کی دعوتِ ظلمت ہے۔ ایمان
 کی دعوت نور ہے جس سے انسان کے قلب میں بصیرت پیدا ہوتی
 ہے۔ مجھ اور میرے پیروکاروں کو دین کی کسی بات میں شبہ نہیں ہے

تمام انبیاء کی بات ہمیشہ واضح ہوتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ لوگو! میری دعوت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے، تمام شرکاء کو بھی جمع کر لو۔ **لَا يَكُنْ آمْرًا مِّنْكُمْ عَلَيْهِمْ غَمَلَةٌ** پھر تیس کسی بات میں شبہ نہیں رہنا چاہیے، میں واضح طریقے پر بات کر رہا ہوں، میں خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں **وَاللَّهِ مَكَّابٌ** اور اسی کی طرف براٹھا کا ہے، مجھے ہر حال اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قرآن میں
عربی زبان میں

ارشاد ہوا ہے **وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حِكْمًا مَّا عَرَبِيًّا** اور اسی طریقے سے ہم نے اس قرآن کو ایک فیصلے کے طور پر آنا ہے عربی زبان میں۔ **كَذَلِكَ** کی تشریح سابقہ کتب سماویہ کی طرف ہے کہ جس طرح ہم سابقہ ادوار میں انبیاء علیہم السلام پر وحی بھیجتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا ہے، اور یہ عربی زبان میں ہے قرآن پاک میں یہ اصول بیان کر دیا گیا ہے **وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رِسَالًا إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِيَّةٍ** (ابراہیم) ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سریانی یا عبرانی زبان بولتے تھے تو انجیل بھی اسی زبان میں نازل ہوئی۔ یہودی عبرانی زبان بولتے تھے تو تورات عبرانی میں نازل ہوئی۔ دیگر صحائف بھی ہر نبی کی قومی زبان میں نازل ہوئے۔ پھر سب سے آخر میں اللہ نے اپنے آخری نبی کو عربی زبان میں پیدا کیا۔ تو قرآن پاک بھی عربی زبان میں نازل ہوا۔

عربی زبان کی ترقی نزول قرآن سے سولہ سترہ سو سال پہلے شروع ہوئی اور حضور کے زمانہ تک یہ زبان انتہائی عروج پر پہنچ چکی تھی۔ ہجر میں اردو زبان کی ترویج خواجہ فرید الدین گنج شکر کے زمانے سے شروع

کل تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر ملتا ہے، اور انبیاء کی تعداد تو ایک لاکھ بیس ہزار یا سو لاکھ کے قریب آتی ہے۔ رسول وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ مستقل شریعت یا کتاب عطا کرتا ہے۔ رسولوں کو اپنی اپنی شریعت اور کتاب کی تبلیغ کا حکم تھا۔ البتہ انبیاء علیہم السلام سابقہ شرائع اور کتب ہی کی تعلیم و تبلیغ پر مامور ہوتے تھے، تاہم اگر کوئی خاص بات ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آگاہ کر دیتے تھے۔ بنی اسرائیل کے اکثر انبیاء کا فریضہ تورات کی تبلیغ تھا۔

اللہ نے فرمایا کہ تم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا اور نبیوں نے ان کے لیے بیویاں۔ نکاح کرنا اور بیوی سے اشتغال رکھنا کمال کے منافق نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو لو ازلت بشریت میں سے ہے۔ فرمایا بیویوں کے علاوہ وَذُرِّيَّةَ اللَّهِ نے بیویوں کی اولاد بھی بنائی، بیوی بچوں کا ہونا کوئی عیب والی بات نہیں ہے بیویوں نے نکاح بھی کیے اور ان کی اولادیں بھی ہوئیں۔ اگر یہود و نصاریٰ کو نبی آخر الزمان کی بیویوں اور بچوں پر اعتراض ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیسے گوارا کرتے ہیں۔ جو اہل کتاب کے بھی جد الانبیاء ہیں۔ آپ کی پانچ یا سات بیویاں تھیں اور ان سے اولاد بھی تھی۔ بلکہ خلاف تفریح اللہ نے آپ کو بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی۔ آپ کا پہلا بچہ چورائے سال کی عمر میں پیدا ہوا جب کہ دوسرا سو سال کے قریب عمر میں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق تو مشہور ہے کہ ان کی تین سو منگوحہ بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں، آپ کی سلطنت بھی بے مثال تھی اور اس کے باوجود آپ صاحب کمال نبی تھے حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں

وہ تمام لوگ جہاں تک یہ پیغام الہی پہنچے۔

فَرَأَى الْقَلْبَيْنِ انْتَبَهَتَا هَهُنَا كَيْفَ مَا جَاءَكَ

وَعِدَمَا

مِنَ الْعِلْمِ اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیٹری
کی بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو یاد رکھیں مَا جَاءَكَ

مِنَ اللّٰهِ مِنَ قَوْلِكَ وَلَا وَاقِ أَبَ كَيْفَ يَسِّرُ
کے سامنے نہ کرنی چاہئے ہو گا اور نہ کوئی سہانے والا۔ اس آیت کرمہ

میں مخاطب اگرچہ حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے مگر اس سے
مرا آپ کی قوم کو بات سمجھانا ہے کہ لوگو! اچھی طرح سن لو کہ

قَاتِلُونَ اور ضابطہ آجانے کے بعد اس کی پیروی کی بجائے اگر خواہنا
نفسانیہ پر چلو گے، رسم و رواج کو اپنا ڈو گے یا برادری اور قبیلے کی بات

پر عمل کرو گے تو پھر خدا کی گرفت میں آؤ گے اور اس سے بچ
نہیں سکو گے۔ علم کی عدم موجودگی میں تو انسان ایک حد تک مجبور

ہوتا ہے مگر قرآن کے ذریعے علم آ گیا تو اب کوئی حیلہ قابل قبول
نہیں ہو گا۔ اب صرف اور صرف قرآن کے پروردگار پر عمل کرنا ہو گا

اسلام کی جگہ اب کوئی اہم قابل قبول نہیں ہو گا۔ اگر اب بھی اسلام
کے نظام کو نہیں اپناؤ گے تو پھوٹے جاؤ گے۔

ہوئی اور اب تک یہ ترقی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ چکی ہے۔ بائیں
 فلسفہ، تاریخ، معاشیات، سیاسیات وغیرہ اس زبان میں منتقل ہو چکے
 ہیں۔ انگریزی زبان کی ترقی انگریزوں کے دو سو سالہ عروج کی مرہونِ منت
 ہے۔ اسی طرح حضور کے زمانہ مبارک تک عربی زبان کو بڑی ترقی حاصل
 ہو چکی تھی۔ عربوں میں بڑے بڑے شعرا اور خطیب تھے۔ بڑے بڑے نقیص اور
 باریک بین متکلم موجود تھے، مگر عربوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ وہ قرآن پاک کی
 فصاحت و بلاغت کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہیں۔ سیدہ کذاب نے
 قرآن کے مقابلے میں اُدل فُل کلام پیش کرنے کی کوشش کی تھی مگر
 حضرت عمر و ابن العاصؓ کا اگرچہ اس کے ساتھ دوستانہ تھا اور وہ ابھی
 اسلام بھی نہیں لائے تھے، مگر کہنے لگے، یہ تیرے بس کا روگ
 نہیں۔ آپ نے اس کے منہ پر پھٹوک دیا تھا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے
 ہیں کہ قرآن کا مقابلہ صرف زبان کے لحاظ سے نہیں بلکہ نظام
 کے لحاظ سے بھی ہے اگر قرآن کا چیلنج صرف زبان کے لحاظ سے
 ہوتا تو صرف عربوں کو خطاب ہوتا، مگر اس کے مخاطب تو تم
 بنی نوع انسان ہیں۔ سورۃ اعراف میں اللہ کا ارشاد ہے کہ اے پیغمبر!
 آپ تمام لوگوں سے کہہ دیں "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا"
 میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں کسی خاص قوم، یا
 خطے یا خاص زمانے کے لیے نہیں آیا بلکہ روئے زمین کے تمام بنی
 نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور یہ میری ڈیوٹی ہے
 کہ میں اسی قرآن کے ذریعے "لَا نُنذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ"
 تمہیں بھی خبردار کر دوں اور ان سب لوگوں کو متنبہ کر دوں جہاں تک
 یہ قرآن پہنچے۔ بہر حال اس کے اولین مخاطبین اہل عرب ہیں اور پھر

کے اُس کی پیروی کا حکم دیا گیا۔ اللہ نے خبردار کیا کہ وحی الہی کے کہنے کے بعد اگر کوئی شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا۔ تو وہ گرفت سے نہیں بچ سکے گا اور نہ ہی اس کا کوئی حماچی ہوگا۔ قطعی علم آجانے کے بعد رسم و رواج پر چلنا روانہ نہیں ہے بلکہ قطعی علم کا اتباع ضروری ہو جائیگا۔ اس کے بعد اب رسالت کا بیان آرہا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مشرکین کے اعتراضات کا مختصراً جواب ہے۔ قرآن کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جہاں توجیہ کا ذکر آتا ہے، اس کے ساتھ شرک کی تردید بھی ہوتی ہے، اور جہاں وحی الہی کی بات ہوتی ہے، ساتھ نبوت و رسالت کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ یہ بنیادی عقائد مکی سورتوں میں بجز ہمت موجود ہیں اور مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے ان پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر ان عقاید میں سے کسی عقیدے میں بھی شک و شبہ یا تردد پیدا ہو جائے تو ایمان کی بنیاد ہی خراب ہو جاتی ہے اور انسان کے تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ ان بنیادی عقائد میں سے آج رسالت کا بیان آرہا ہے۔

بعض کافر اور مشرک کہتے تھے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں تو پھر انہیں ہر وقت عبادت اور زہد میں مشغول رہنا چاہیے اور ازدواجی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے۔ برصغیر کے آریہ سماجی اور ہندو بھی معاذ اللہ شرعی پرشہوت رانی کا الزام لگاتے ہیں کہ آپ کی متعدد بیویاں تھیں۔ اسی قسم کا اعتراض یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے بھی ہوا کرتا ہے۔ آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کے یہودہ اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ ابْتِغَاءَ مَحْسِنِينَ

نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے۔ احادیث سے

انبیاء کی
ازدواجی
حیثیت

وما آبرئىٰ ۱۳

الرعد ۱۳

درس چارہم ۱۳

آیت ۲۸ ۴۰

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا
لَهُمُ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۖ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ
أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ
كِتَابٌ ۖ ۲۸ ۝ يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۖ
وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۖ ۳۹ ۝ وَإِنْ مَا نُرِيدُكَ
بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ
فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۖ ۴۰ ۝

ترجمہ ۱۔ البتہ تحقیق بھیجے ہم نے رسول آپ سے
پہلے اور ہم نے بنائیں ان کے لیے بیویاں اور اولاد۔ اور
نہیں تھا کسی رسول کے لیے کہ وہ لائے کوئی نشانی مگر
اللہ کے حکم سے۔ ہر ایک وعدے کے لیے ایک لکھا
ہوا نوشتہ ہے ۲۸) اللہ مٹاتا ہے جو چاہے اور ثابت
رکھتا ہے (جس کو چاہے) اور اسی کے پاس ہے اصل
کتاب ۲۹) اور اگر دکھلا دیں ہم آپ کو وہ چیز جس
کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں۔ یا ہم آپ کو وفات
دے دیں گے۔ پس بیشک آپ کے اوپر ہے پہنچا
دینا، اور ہمارے ذمے ہے حساب لینا ۴۰)

رابط آیات

پہلے شرک کا رد اور مشرکین کا انجام بیان ہوا۔ قرآن کریم کی حقانیت کا ذکر

تھیں۔ بعض دوسرے انبیاء کی بھی کئی کئی بیویاں تھیں، لہذا مسیحین کا یہ اعتراض لغو اور بے بنیاد ہے کہ بیوی اور اولاد کا ہونا کمال کے معنی ہے، بلکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک کر یہ ہے کہ مجرد آدمی کو وہ کمال حاصل نہیں ہو سکتا جو ماہل (شادی شدہ) آدمی کو حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے اکثر صاحبین صاحب اہل سے ہیں۔

حدیث شریفین میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کے نکاح میں نو بیویاں موجود تھیں جب کہ دو بیویاں حضرت خدیجہؓ اور زینبؓ وفات پا چکی تھیں حضور علیہ السلام کی ازدواجی زندگی کا آغاز حضرت خدیجہؓ کے نکاح سے ہوا، جو کہ اس سے پہلے دو خاندانوں سے بیوہ تھیں اور ان کی عمر چالیس سال تھی جب کہ آپ کی عمر اس وقت پچیس سال تھی چنانچہ آپ نے جوانی کا بہترین زمانہ (تقریباً پچیس سال) اسی بیوہ کے ساتھ گزارا، اور سوائے حضرت ابراہیمؓ کے، ساری اولدادی پید ہوئی پچیس بیوی کی وفات کے بعد جب آپ کی عمر مبارک باون یا ترہن سال ہوئی تو آپ نے دوسرا نکاح کیا۔ ان حالات میں اللہ کے نبی پر شہوت رانی کا الزام لگانا سب سے ہی لغو ہے۔ دیگر بیویوں سے نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم کے تھا اور اس سے اسلام کی تعلیم کو گھم گھم بنیاد پر مضمود تھا۔ آپ علیہ السلام نے مختلف خاندانوں میں نکاح کئے اور ازواج کے ذریعے تعلیم پھیلائی۔ سورۃ احزاب میں موجود ہے: **وَ اذْکُرْنَ مَکَا مِثْلٰی وَ نِعْمَ بَیُّوٰتٌ کُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَ الْمِکْمٰتِ** لے ازواج مطہرات! اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات اور حکمت جو تمہارے گھروں میں نازل کی ہے اس کا چرچا کرو۔ آیات سے مراد قرآن پاک اور حکمت سے مراد سنت ہے، گویا کہ قرآن و سنت کی تشبیہ کا ایک

ذریعہ حضور علیہ السلام کی بیویاں بھی تھیں اور آپ کے متعدد نکاحوں کا یہی مقصد تھا۔ اگر بیویاں زیادہ ہوں گی تو ذمہ داریاں بھی بڑھیں گی، محنت و مشقت زیادہ کرنی پڑے گی اور صبر بھی کمزور ہوگا، لہذا اس میں اجنبی بھی زیادہ ہوگا۔ غرضیکہ متعدد نکاح کمال کے منافی نہیں

معجزات
کا اظہار

منکرین اپنی من مانی نشانیاں بھی بار بار طلب کرتے تھے، اُس کے جواب میں اللہ نے فرمایا وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ کہ وہ کوئی نشانی یا معجزہ لائے مگر اللہ کے حکم سے۔ معجزے کا اظہار اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے اور نبی اپنی مرضی سے جب چاہے کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کرامت کا اظہار بھی کسی ولی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ ولی کا درجہ تو نبی سے بہت کم ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے جو اختیار نبی کو نہیں وہ ولی اللہ کو حاصل ہو بعض لوگ کرامت کو اولیاء اللہ کا فعل مان کر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ معجزے کا اظہار اللہ کی منیت پر موقوف ہے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا لِكُلِّ نَجْوٍ كِتَابٌ ہر وعدے کے لیے ایک لکھا ہوا نوشتہ ہوتا ہے یعنی ہر چیز کے ظہور کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت مقرر ہوتا ہے، اسی طرح معجزے کے اظہار کا بھی خاص وقت ہوتا ہے اور یہ ہر شخص کی خواہش پر ظاہر نہیں ہوتا۔

نسخ شائع
اور احکام

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ يَمْضُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ اور مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے وَيُثَبِّتُ اور باقی رکھتا ہے جس کو چاہے وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب، کائنات کے تمام امور اللہ تعالیٰ کی

تقدیر میں رکھے ہوئے ہیں اور اس کے باوجود تقدیر کی الٹ الٹ پلیٹ الٹ تقدیر کے اختیار میں ہے، وہ کسی چیز کو مٹا چاہے یا کسی چیز کو راتی رکھنا چاہے تو اس کی مشیت میں کسی کو مجاز دخل نہیں۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے بعض گناہوں کی وجہ سے انسان اپنی روزی سے محروم ہو جاتا ہے اور تقدیر کو دُعَا کے سوا کوئی چیز نہیں بدل سکتی، اور عمر میں زیادتی کرنے والی بجز نبی کے کوئی چیز نہیں۔ نائی اور ابن ماجہ شریفین میں یہ حدیث بھی آتی ہے کہ صلہ رحمی عمر بڑھاتی ہے۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس لوح محفوظ ہے اللہ تعالیٰ اس پر ترسیلہ بار تو ج فرماتے ہے۔ پھر جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے، اہم کتاب اسی کے پاس ہے۔

مشرکین یہ بھی اعتراض کرتے تھے کہ اگر یہ پیغمبر کا ہے اور اس کی کتاب سچی ہے تو پھر پہلے احکام منسوخ کیوں ہو جاتے ہیں، کیا خدا کو علم نہیں ہوتا کہ کون کون حکم بستر ہے۔ پہلے وہ ایک شریعت نازل کرتا ہے۔ پھر اس کی جگہ دوسری لے آتا ہے۔ یہ آیت اس اعتراض کا جواب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور احکام و شرائع کا نسخ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی مصلحت پر ہونا ہے۔ ہر چیز کو ایک خاص وقت تک مناسبت ہوتی ہے۔ اس وقت تک وہ چیز قائم رہتی ہے، پھر اس کو تبدیل کر دیا جاتا ہے مختلف شرائع میں حلت و حرمت کے احکام بدلتے رہتے ہیں اور ایسا زمان و مکان کی مناسبت سے ہوتا تھا۔ اس کی مثال سورۃ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ اے لوگو! میں تو اس کی تعین کرنے والا ہوں وَلَآ اَجِلٌ لَّكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ

عَلَيْكُمْ اور اللہ کے حکم سے تم سے بعض حرام قرار دی گئی چیزوں کو حلال قرار دیتا ہوں۔ گویا نسخ احکام کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر کسی مریض کو ایک وقت میں کوئی دوائی دیتا ہے جب کہ دوسرے وقت میں وہ دوائی تبدیل کر کے اس کی جگہ کوئی اور تجویز کر دیتا ہے۔ ایسا کہ نامریض کے مزاج اور بیماری کی کیفیت پر موقوف ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ ڈاکٹر نے پہلی دوائی تبدیل کیوں کی ہے تو اس کی نادانی ہوگی۔ اسی طرح نسخ شرع کا معاملہ بھی انسانی سوسائٹی کے احوال کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں تغیر و تبدل کرتا رہتا ہے۔ ہر چیز کی حکمت اور مصلحت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہی مختلف شرائع اور احکام جاری فرماتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں مذکور محو اور اثبات سے مراد تقدیر کی تمام چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس تقدیر کو چاہے مٹائے اور جس کو چاہے باقی رکھے۔ البتہ فرماتے ہیں کہ تقدیر کی چار چیزوں کے مٹنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور وہ ہیں: عمر، روزی، سعادت اور شقاوت۔ حدیث میں آتا ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے اور استقرار محل سے چار ماہ کے بعد ایک خاص منزل آتی ہے جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ پیدا ہونے والے انسان کے متعلق لکھ لو کہ اس کی عمر پہ ہوگی، اس کو روزی اس قدر نصیب ہوگی۔ اور یہ سعادت مند ہوگا یا شقی۔ تو گویا ان چار چیزوں میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ تقدیر دو قسم کی ہوتی ہے، یعنی معلق اور مبرم۔ تقدیر معلق میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے جب کہ مبرم یعنی قطعی تقدیر میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی مشہور کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ تقدیر کے پانچ درجے ہوتے ہیں۔ پہلا درجہ ازلی ہوتا

شاہ ولی
سلف

ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ دوسرا درجہ فرشتوں یعنی جبرائیل میکائیل وغیرہ کی پیدائش کا دور ہے جو انسان کی پیدائش سے اربوں سال پہلے پیش آیا۔ ذریعہ انسانی کی مصلحت ان فرشتوں پر موقوف ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تقدیر کا تیسرا درجہ وہ ہے جب احکام و شرائع میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ یہ تغیرات ہزاروں سال کے بعد آتے ہیں۔ چوتھا درجہ وہ ہے جب انسان کے اس لاری جہان میں آنے سے پہلے اس کی تقدیر نکل دی جاتی ہے اور پانچواں درجہ وہ ہے جب انسان اس لاری جہان میں آجاتا ہے اور اپنی طبعی عمر گزارتا ہے۔ بہر حال یہ پانچ درجات ہیں اور ہر ایک کا الگ الگ حکم ہے بعض تقدیریں بدل جاتی ہیں اور بعض قائم رہتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کثیمت پر موقوف ہوتا ہے۔ انسان کی دعا کی وجہ سے اس کی مصیبتیں مٹ جاتی ہیں۔ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ انسان کی دعا اور مصیبت آپس میں لگتی ہیں اور انسان کی دعا مصیبت کو انسان کی طرف آنے سے روکتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری ہے گا۔ بعض تغیرات نیکیوں کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں اور گناہ شتے ہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **اِنَّ الْعَبْدَ لَيَحْرَمُ الرِّزْقَ بِاَلذَّنْبِ** گناہ کی وجہ سے بندہ روزی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ کوئی ایسا گناہ کرتا ہے جس سے مٹنے والی روزی موقوف ہو جاتی ہے۔ یہ سارے تغیرات ازلی درجہ کے بعد واسے درجات میں واقع ہوتے ہیں۔ ازلی درجہ اللہ کے علم والا درجہ ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اسی کو برہم سمجھ لیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **وَإِنْ مَسَا زَيْنَاتٌ بَعْضُكَ الَّذِي نَفْسُهُمْ** اور اگر ہم دکھا دیں آپ کو وہ چیزیں جن کا ہم

غیر اسلام
کلیتاً نہیں
گرتی

ان سے وعدہ کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ آپ کی زندگی میں ہی پورا ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کے مشرکین کو آپ کی زندگی میں ہی مغلوب کر دیا۔ سورۃ قمر میں ہے "سَيَهْتَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الذُّبُرَ" آج یہ مشرکین بڑے جتھے اور طاقت کے مالک ہیں، مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے، اللہ کے نبی اور اس کے پیروکاروں کے جانی دشمن ہیں مگر ایک وقت عنقریب آنے والا ہے جب یہ پشت پھیر کر بھاگیں گے۔ یہ وعدہ اللہ نے حضور کی زندگی میں بدر کے موقع پر ہی پورا کر دیا۔ مشرکین کی جمعیت تتر بتر ہو گئی۔ اور وہ مغلوب ہو گئے۔

فرمایا اَوْ نَسُوْا فَبِئْسَ مَا يَكْتُمُوْنَ اے آپ کو وفات سے دیں گے اگر اسلام کا مجموعی غلبہ آپ کی زندگی میں نہ ہوا تو آپ کے بعد یہ وعدہ پورا ہو جائے گا۔ چنانچہ اسلام کا مجموعی غلبہ خلفائے راشدین کے زمانے میں ہوا۔ صفین کے واقعہ تک مسلمان نصف دنیا پر غالب آچکے تھے اور ان کے سامنے سر اٹھانے والی کوئی طاقت نہیں تھی۔ یہ کیفیت تقریباً ساڑھے چھ سو سال تک قائم رہی۔ پھر مسلمانوں کا تنزل شروع ہو گیا۔ ماناریوں کے حملے نے مسلمانوں کو من حیث القوم درہم بہم کر دیا۔ اُس وقت کا پھسلا ہوا قدم آج تک نہیں سنبھل سکا، ہو سکتا ہے کہ نزول مسیح کے وقت سابقہ پوزیشن پھر بحال ہو جائے، ورنہ اس وقت تو حالات سخت مخدوش ہیں اور بہتری کی کوئی رمق نظر نہیں آتی خلافت راشدہ کے زمانے میں اللہ نے مسلمانوں کی کیفیت اس طرح بیان فرمائی

وَلَيَمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ
 وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اٰمِنًا
 (النور) اللہ تعالیٰ ان کے پسندیدہ دین کو کھپتے اور مضبوط کر دے گا

اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔ اللہ نے فرمایا میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور جس نے کفرانِ نعمت کیا وہ گرفت میں آئے گا یہ ساری باتیں حضور کے بعد واقع ہوئیں۔ خلفائے راشدین کے زمانہ کو خلافت علی مناج النبوة کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے نبوت کے کام کو مکمل کیا۔ اس میں چاروں خلفاء کا زمانہ شامل ہے۔ البتہ چوتھے خلیفہ کے زمانے میں آپس کے اختلاف کی وجہ سے اجتماعی حرکت میں فرق پڑ گیا۔ مہم اسلام کا غلبہ صدیوں تک قائم رہا۔

حضور علیہ السلام کی زندگی میں جب بدر کا معرکہ ہوا تو بڑے بڑے ائمہ کفر جنہم حاصل ہوئے۔ ان کی لاشوں کو گھسیٹ کر قریبی کنوئیں میں پھینک دیا گیا اور حضور علیہ السلام نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ نے ہم سے جو بیخ و نصرت کا وعدہ کیا تھا، اُس کو ہم نے سچا پایا۔ اے مشرکین کے گروہ! تم سے اللہ نے جو مطلوب کئے گا وعدہ کیا تھا کیا تم نے بھی اُس کو سچ پایا ہے یا نہیں؟ کسی کئے دا سے نے کہا، حضور! آپ ان مردار لاشوں سے خطاب فرما ہے ہیں؟ آپ نے فرمایا، اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ مردار اِس وقت تم سے زیادہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔

تو فرمایا ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ چیزیں جن کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں، یا آپ کو وفات دے دیں گے۔ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ پس آپ کے ذمے پہنچا دیا ہے۔ آپ ان لوگوں کو دین اور شریعت کے احکام پہنچا دیں، آپ کا فریضہ یہی ہے۔ وَعَلَيْكَ كَافِئَاتُ الْوَعْدِ اگر حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔ ہم ایک ایک عمل کا حساب لیں گے، گرفت کریں گے اور پھر ان کے اعمال کی ان کو سزا بھی دیں گے۔ آپ اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہیں اور نتیجہ ہم پر چھوڑ دیں۔

وما ابرئى ۱۳

الرعد ۱۳

درس پانزدہم ۱۵

آیت ۴۱ تا ۴۲

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَا نَاتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ
 اَطْرَافِهَا وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ
 سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ
 قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ
 كُلُّ نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عُقِيَ الدَّارِ ﴿٤٢﴾
 وَيَقُوْلُ الَّذِينَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ
 كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ
 عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿٤٣﴾

ترجمہ :- کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک
 ہم آتے ہیں زمین پر ، ہٹاتے ہیں اس کو اس کے اطراف
 سے ۔ اور اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے ، کوئی نہیں ہے پیچھے ہٹانے
 والا اُس کے حکم کو ، اور وہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۴۱﴾
 اور تحقیق محقق چالیں چلیں اُن لوگوں نے جو ان سے پہلے
 تھے ۔ پس تمام تدبیر اللہ کے قبضے میں ہے ۔ وہ جانتا ہے
 جو کچھ کھاتا ہے ہر نفس ، اور عنقریب جان لیں گے کفر کرنے
 والے کہ کس کے لیے ہے آخرت کا گھر ﴿۴۲﴾ اور کہتے ہیں
 وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے تو بھیجا ہوا رسول
 آپ کہہ دیجئے کہ کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے درمیان

اور تمہارے درمیان گواہ، اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے (۴۳)

سورۃ نذاکِ ابتدا میں قرآنِ کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر تھا، پھر مسئلہ توحید اور قیامت کا ذکر آیا اور اب آخر میں اس سورۃ کا اختتام رسالت کے بیان پر ہوتا ہے۔ مشرکین مکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر چون مختلف قسم کے اعتراضات کرتے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے اور پختہ خدا کی رسالت اور نبوت کی تصدیق کی گئی ہے۔ درمیان میں محاورہ اثبات کا ذکر بھی ہوا۔ شراعی کی تسویٰ اور نئے احکام کا اجرا، قضا و قدر میں تغیر و تبدل، کسی چیز کو مٹا دینا اور کسی کو باقی رکھنا، یہ کسب اللہ کی قدرتِ تامہ کے تحت بیان ہو چکا ہے اس کے بعد اللہ نے اپنے نبی اور آپ کے سپرد کاروں کو تسلی بھی دی۔ فرمایا، ہم نے جن چیزوں کا آپ سے وعدہ کر رکھا ہے وہ یا تو آپ کی حینِ حیات میں ہی آپ کو دکھا دیں گے، یا ان کا ظہور آپ کی اس دنیا سے رخصتی کے بعد ہوگا، بہر حال اللہ کا وعدہ حرفِ بھوت پورا ہوا

ربطِ آیت

آج کی آیاتِ مسلمانوں اور ان کے پیغمبر سے کئے گئے اس وعدے ہی سے متعلق ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے لئے درپے شکست اور اہل ایمان کی کامیابی کا ذکر کیا ہے۔ مشرکین بگتے تھے کہ یہ نبیادین ہے، حضورؐ نے عرض میں ہی ہم طے ختم کر کے اس کے ماننے والوں کو مغلوب کر لیں گے مگر اللہ تعالیٰ کا پروردگار اس دین کو غالب کرنے کا تھا۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے أَذْکُرُّ یَرُؤُاْ اَنَّا نَأْتِیْ الْاَرْضَ مِنْ نَحْنُهَا مَنْ اَطْرَافِہَا کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے

کفار کی
پے درپے
ناکامی

گھٹاتے چلے آئے ہیں۔ اس میں مشرکین کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم سمجھی بھراہل ایمان کو ختم کر دیں گے اور خود غالب آجائیں گے، مگر یہ لوگ اپنے گرد و پیش کے حالات کی طرف نہیں دیکھتے ہیں کہ کس طرح ہم ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کو نکال رہے ہیں یعنی ان کے قبضے سے عرب کے مختلف خطے نکلنے جا رہے ہیں اور وہاں پر اہل اسلام غالب آ رہے ہیں۔ چنانچہ ۸۰ھ میں جب مکہ فتح ہو گیا تو وہ سر زمین بھی مشرکین کے قبضہ سے نکل گئی اور دارالکفر دارالاسلام میں تبدیل ہو گیا۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو مدینہ پر غلبہ حاصل ہوا اور یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا گیا، پھر وہ خیبر کے مقام پر جمع ہو گئے اور بالآخر انہیں وہاں سے بھی نکلنا پڑا اور وہ سارا علاقہ اہل ایمان کے تسلط میں آ گیا۔ مدینہ کے گرد و پیش کی صفائی کے ساتھ ساتھ خیران اور یمن والے لوگ خود بخود ایمان لے آئے۔ کفار و مشرکین کی شکست اور اسلام کا غلبہ حضور علیہ السلام کی وفات تک مسلسل جاری رہا اور پھر آپ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی دین پھلتا چلا گیا حتیٰ کہ پورے ملک عرب پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا کہ ہم کافروں کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکالتے چلے جائے تھے **أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ** کیا اب بھی نہیں امید ہے کہ وہ ایمان والوں پر غالب آجائیں گے؟ بہر حال اکثر مفسرین کو اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے اور یہ اہل ایمان کے لیے تسلی کا مضمون ہے۔

حضرت
عبداللہ
بن عباس
کی
توجیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مختلف تفسیر بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اطراف طرف یعنی کنارے کی جمع نہیں بلکہ طرف کی جمع ہے اور اس کا معنی عمدہ گھوڑا یا کوئی دوسری نفیس چیز ہوتا ہے۔ آپ

کی توجیہ کے مطابق اس آیت کا مطلب یہ ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین سے اچھے لوگوں کو اٹھا لے ہیں یعنی بالکمال اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تغیرات اللہ تعالیٰ کے حکم سے واقع ہو رہے ہیں۔ جب اللہ کے پسندیدہ بندے اس دنیا میں باقی نہیں رہتے تو یہ کفار و مشرکین کس خیال میں پرستے ہوئے ہیں، کیا یہ لوگ حق و صداقت کی مخالفت کر کے کفر کے پروگرام کو غالب کر سکیں گے؟ ہرگز نہیں ان کو غور کرنا چاہیے کہ جب اچھے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اٹھا لیتا ہے تو پھر یہ کفار و مشرکین کس گنتی میں ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں کیسے باقی رہ سکتے ہیں، اور کفر کا پروگرام کیسے مسلط کر سکتے ہیں؟ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ زمانے میں ایسا تغیر آئے گا کہ اچھے لوگ ختم ہو جائیں گے اور رومی لوگ باقی رہ جائیں گے۔ وہ لوگ نفسانی خواہشات کی پیروی کریں گے جسکی وجہ سے تمام نظام منحل ہو جائیں گے اور نتیجتاً تباہی و بربادی آئے گی۔ بہر حال سننا یاد رکھنا چاہئے کہ عباد، حکماء، عارف، سالک، عابد اور زاہد لوگ باقی نہیں رہیں گے تو کافر و مشرک بھی نہیں رہیں گے لہذا انہیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہئے کہ وہ ایمان والوں پر غالب آجائیں گے۔

بہر حال اس آیت کریمہ سے مراد کفار و مشرکین کے لیے زمین کی تباہی ہے یا صاحب فضیلت لوگوں کا دنیا سے اٹھ جانا، یہ سارا تغیر و تبدل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وَاللّٰهُ يَخْتَرُ اللہ تعالیٰ ہی ہر معاملے کا حکم اور فیصلہ کرتا ہے لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ اس کے حکم کو کچھ ہٹانے والا کوئی نہیں۔ اس کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔ جب اس نے غلبہ اسلام کا فیصلہ کر رکھا ہے تو اب منکرین اس فیصلے میں کیسے مداخلت کر سکتے ہیں۔ انہیں یہ فیصلہ طرغاً و کرہاً قبول کرنا ہوگا۔

کبھی وہ وقت تھا کہ کافروں کے قدموں تلے سے زمین کو نکال کر اللہ نے مسلمانوں کو عروج عطا کیا، اور آج کے دور میں اس کا الٹ ہوا ہے۔ اللہ کی زمین مسلمانوں کے تسلط سے نکل کر دہریوں، کافروں، مشرکوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے تسلط میں جا رہی ہے۔ یہ برصغیر پورے کا پورا دارالاسلام تھا۔ کابل سے لے کر برہمانک اور نگ زیب عالمگیر کی حکومت تھی۔ لاہور کی شاہی مسجد اور حیدر آباد دکن کی مکہ مسجد اسی کے کا زمے ہیں۔ مگر اس کے بعد اس کے جانشین سخت نالائق ثابت ہونے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا برصغیر انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا، اور دو سو سال کی جدوجہد کے بعد جب برطانیہ کی غلامی کا جوا اُترا تو اس سرزمین کا بیشتر حصہ ہندوؤں کے تسلط میں چلا گیا اور ایک تھوڑے سے حصے کو پاکستان کا نام دیا گیا۔ مگر اس قوم کی نفس پرستی اور حب مال و جاہ کی وجہ سے پاکستان بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کی تاریخ ایسے ہی سانحات سے بھری پڑی ہے۔ شیخ، بخارا، ختن، تاشقند وغیرہ مسلمانوں کے قبضے سے نکل گئے۔ منگیاہگ صوبے میں سات کروڑ مسلمان آباد تھے مگر آج وہاں ایک کروڑ بھی نظر نہیں آتے۔ بخارا میں چالیس ہزار مساجد اور چار ہزار سے زیادہ مدرسے تھے مگر آج وہاں دو ہزار مسجد بھی موجود نہیں۔ البانہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا ملک تھا جو اتر اکیوں کے قبضہ میں چلا گیا، چیکو سلاواکیہ کے مسلمان بھی نہایت تنگ میں گزرے اور قتل کر رہے ہیں، ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل چکی ہے اور وہ بے یار و مددگار مظلومانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ فلسطین کا سانحہ آپ کے سامنے ہے۔ مسلمانوں کا تاریخی خطہ اور انبیاء کی سرزمین یہودیوں کے قبضہ میں جا چکی ہے۔ ترکیب ارسالان نے لکھا ہے کہ ہم سال ہا سال تک مسلمان حکومتوں سے اپیل کرتے رہے کہ اس مقدس سرزمین کی طرف

توجہ دو۔ یہودی اس خطے میں دھڑا دھڑا غیر منظور جاہلیوں کی خرید و بیع کر رہے ہیں اور ان کی یہ سیکم خطہ نامک ثابت ہو چکی ہے، مگر کسی نے توجہ نہ دی۔ بیڑوں نے مسلمانوں سے سبے دلموں زمینیں اور مکانات خرید لیے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فلسطین پر مسلمانوں کی گرفت کمزور ہوتی گئی اور یہودیوں کے پاؤں چمتے گئے اور بالآخر وہ یہاں پر ایک خالص یہودی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آج فلسطینی عوام ہر دنیا میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ بیت المقدس ان کے قبضے سے نکل چکا ہے۔ بچے بوڑھے اور عورتیں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اس شیطانی منصوبے میں برطانیہ، فرانس، امریکہ اور روس چاروں طاقتیں شامل ہیں جنہوں نے فلسطین کے اصل باشندوں کو بے وطن کر کے طاقتور طاقت کو دہاں مسلط کر دیا ہے بہر حال اب مسلمانوں کا معاملہ اٹا ہوا گیا ہے۔ کبھی ان کا تسلط اختیار پر قائم ہوا تھا، مگر اب اختیار ان پر مسلط ہو رہے ہیں۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو حسب مال و جاہ، ذاتی اقتدار اور چہرہ رابٹھ نے تباہ کیا ہے۔ عورت کی ساری لعنت مال کی محبت کا نتیجہ ہے۔ جب تک لوگ ذاتی خواہشات کی تکمیل کو دیکھتے رہیں گے۔ ملی مفاد میں پشت ڈالا جاتا رہے گا، مسلمان من حیث القوم تنزل میں رہیں گے۔ مولانا عبد اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ مفاد پرست لوگ قومی دولت کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر استعمال کرتے ہیں مگر کوئی پرچھنے والا نہیں ہے۔ الہب کے نانے میں لپچنے اور گلانے والوں، ظلم ایجنٹوں اور ایجنٹوں کو بڑی بڑی جاگیروں سے نوازنا گیا۔ بنگال کی بیل چھدری کو بچاس ہزار روپے کا انعام ملا۔ ہجرت ملک ترقی کر رہے لاکھ ہونے۔ یہ کون کا نام ہے جس کی

حسب مال

پذیرائی ہوتی ہے۔ قوم کا سرمایہ کھیل کود اور لہو و لہب میں صرف کیا جاتا ہے۔ کبھی فلک بوس عمارتوں پر کروڑوں روپیہ خرچ کر دیا جاتا ہے جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ لاہور میں تعمیر ہونے والا مینار پاکستان ستر لاکھ روپے میں بنا بسٹر جناح کے مقبرے پر سات کروڑ روپیہ خرچ ہوا ان عمارت سے قوم کی کون سی ضرورت پوری ہوئی ہے۔ اس میں فضول خرچی، نمود و نمائش اور ذہنی عیاشی کے سوا کیا رکھا ہے۔

دوسری تباہ کن چیز ذاتی چوہدر اہٹ ہے۔ عراق اور ایران کے درمیان یہی وجہ تنازعہ ہے۔ تین چار سال کی جنگ میں دو مسلمان ملکوں کے دو لاکھ آدمی لقمہ اجل بن چکے ہیں، جب کہ مالی نقصان کا اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا۔ دونوں فریق مسلمان کہلاتے ہیں۔ شیعہ ہوں یا سنی نام تو اسلام ہی کا لیتے ہیں مگر باہم برسرسپکار ہیں۔ یہی ہماری نالافتی کی علامت ہے ہم میں اسلام کی انقلابی روح باقی نہیں رہی۔ ہم ذاتی خواہشات کے غلام بن چکے ہیں، اور معمولی ذاتی مفاد کی خاطر بڑے بڑے ملی مفاد قربان کر دیتے ہیں۔ بہر حال اس آیت میں حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے اور تغیر و تبدل سے کافروں پر دلیل بھی قائم کی گئی ہے کہ اگر وہ اپنے زعم میں مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو یہ عیبث ہے کیونکہ اللہ کے فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ اور وہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ جب وہ پکڑے گا تو پھر اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔

آگے ارشاد فرمایا وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور تحقیق مخفی تدبیر کی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ عربی میں مکر مخفی چال کو کہا جاتا ہے، اس کے برخلاف اُردو اور پنجابی میں

خدائی تدبیر
کی کامیابی

یہ لفظ دھوکہ اور فریب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے فرمایا حق کو ثبوت کے لیے پہلے لوگوں نے بھی مخنی چال چلی اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ فَلِلّٰهِ الْعَاكِرُ جَمِيعًا ساری ساری مخنی تدبیر اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دشمن کی کسی تدبیر کو کامیاب نہیں ہونے دینگا۔ وجہ یہ ہے يَعْلَمُ مَا تَكْتُمِبْ خُلُ نفس وہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو کوئی نفس کھاتا ہے، گویا ہر شخص کا ہر کام اس کی نگاہوں میں ہے۔ جب خدا تعالیٰ ہر ایک کے ہر کام سے واقف ہے، تو اس کی مخنی تدبیروں سے بھی واقف ہے، مخنی تدبیر جیسی کامیاب ہو سکتی ہے۔ جب کوئی دوسرا اس کے لیے لاطم ہو مگر اللہ تعالیٰ تو اسے ذرے سے واقف ہے لہذا اس کے سلسلے کسی کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔ فرمایا وَسَيَعْلَمُ الْكٰفِرُ لَعْنَتَ عُقْبَى الدّٰرِ اور کافر لوگ عنقریب جان لیں گے کہ آخرت کا گھر کس کے لیے ہے۔ جلدی ہی انہیں پتہ چل جائے گا کہ آخرت کا آرام و آسائش کافروں کے حصے میں آتا ہے یا ایمان والوں کے حصے میں۔ یہ معاملہ تو گذشتہ آیات میں ہی حل ہو چکا ہے، اللہ نے فرمایا کہ جنہوں نے خدا کی رضا کے لیے صبر کیا، نماز قائم کی اور خضیا اور اعلانیہ مال خرچ کیا اور برائی کو نیکی کے ذریعے دور کرتے رہے لَهُمْ عُقْبَى الدّٰرِ آخرت کا گھر تو ایسے لوگوں کے لیے ہوگا۔ یہ تو ایمانداروں کی صفات ہیں اور وہی آخرت کے حقدار ہیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا تِلْكَ عُقْبَى الدّٰرِ الذّٰرِ انفقوا آخرت کا گھر ان کے لیے ہے۔ جنہوں نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا وَعُقْبَى الكٰفِرِيْنَ انکار اور کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہوگا۔

صداقت کی گواہی دیں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام جو یہودی عالم تھے، انہوں نے پہلی ہی نشست میں حضور علیہ السلام کو اپنی کتاب کے علم سے پہچان لیا اور آپ پر ایمان لے آئے۔ آپ کہتے تھے کہ مجھے اپنے بیٹے کے حق میں اتنا یقین نہیں ہے، جتنا حضور علیہ السلام کی رسالت و نبوت پر یقین ہے۔

بعض فرطے ہیں کہ یہاں پر کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اے کفار و مشرکین تم بے شک انکار کرتے رہو مگر کائنات کا خالق تو گواہ ہے جس کے پاس لوح محفوظ کا علم ہے۔ لوح محفوظ میں درج ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیے رسول میں میرے لیے وہی گواہی کافی ہے، لہذا تمہاری گواہی کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ دوسری جگہ بھی موجود ہے **قُلْ أَعْيُنِي لَا تَبْصُرُ مَا هُوَ بَيْنَ يَدَيْهِ** (الانعام) آپ کہیں، اللہ سے بڑھ کر کس کی گواہی ہو سکتی ہے۔ اللہ نے اپنے نبی سے یہ بھی کہا **أَشْهَدُ بِكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّشْفِقٌ** (الانعام) آپ کہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ ہے۔ اس سے بڑی گواہی کے بعد اگر تم بھی انکار کرتے ہو تو اس سے میری رسالت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس انکار کا موازنہ تم سے آخرت میں ہوگا۔



سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِثْنَتَانِ وَخَمْسُونَ آيَةً وَفِيهَا سَبْعٌ اَكُوْرًا
 سورة ابراہیم مکی ہے یہ اہل بیت (۵۲) آیات اور اس میں سات کورخ ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 شروع کرا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحیم مہربان نہایت بڑا ہے

الزّٰنِ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ
 الظّٰلِمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلَى
 صِرٰطٍ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ① اللّٰهُ الَّذِيْ لَهٗ
 مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَيُوْحِىْ
 اِلَى الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ② الَّذِيْنَ
 يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلٰى الْاٰخِرَةِ
 وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا
 عِوَجًا اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ③

ترجمہ :- الزّٰنِ یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے
 اتارا ہے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو
 اندھیروں سے روشنی کی طرف ان کے رب کے حکم
 سے ، عزیز اور حمید کے راستے کی طرف ① وہ اللہ
 جس کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

زمین میں ہے۔ اور ہلاکت ہے کفر کرنے والوں کے لیے سخت عذاب سے (۲) وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں، دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں، اور وہ روکتے ہیں اللہ کے راستے سے اور تلاش کرتے ہیں (اس راستے میں) کبھی۔ یہی لوگ ہیں جو گمراہی میں دُور پڑے ہوئے ہیں (۳)

نام اور نصف

اس سورۃ کا نام سورۃ ابراہیم ہے۔ سورۃ کے چھپے رکوع میں خانہ کعبہ کی تعمیر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اور تبت ابراہیمیہ کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے سورۃ کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ سابقہ سورۃ کی طرح یہ سورۃ بھی مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ اس کی ہادوں آیات اور سات رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۸۲۱ الفاظ اور ۲۲۲۲ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

جس طرح اس سورۃ کا سابقہ سورۃ سے زمانہ نزول ملتا ہے اسی طرح ان دونوں سورتوں کے مضامین بھی ملتے جلتے ہیں۔ اس سورۃ میں بھی دین کے بنیادی محنت، توحید، تردیدِ شرک، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت و صداقت کا ذکر ہے۔ نبوت و رسالت کے متعلق معترضین کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کلمہ حق و باطل کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا ہے۔ تذکرہ انبیاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خصوصی ذکر ہے۔ جب کہ باقی انبیاء کا ذکر اجمالی طور پر آیا ہے، اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کا ایک خاص موضوع مقصد بعثتِ انبیاء بھی ہے۔ چنانچہ اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ نے اپنی بنیادی محنت کی تعلیم و تبلیغ کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا، خصوصاً اللہ کی وحدانیت کا مسئلہ اور ایمانیات کی تفتیش ہمیشہ سے تبت ابراہیمیہ کا مقصد اور دینِ اسلام کی غرض و غایت اور منتہائے مقصد رہا ہے۔ اس کے علاوہ الفاق فی سبیل اللہ، نماز اور بعض دوسری چیزوں کا ذکر ضمناً اس سورۃ میں آنے لگا۔

اس سورۃ مبارکہ میں انبیاء کی تاریخ کا ایک حصہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اگلے درس میں آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنی قوم کو اندھیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں "وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِنَا لِلَّهِ" اور انہیں تادیکھی واقعات یاد دلائیں۔ ایام اللہ سے وہ دن مراد ہیں جب اللہ تعالیٰ نے بعض اقوام پر نعمتیں نازل فرمائیں اور بعض کو سزا میں مبتلا کیا۔ ان کو اصطلاحاً ایام ختم اور ایام تعذیب بھی کہا جاتا ہے۔ ایسے واقعات کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر اور اس کی ناشکری کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں انبیاء علیہم السلام کے طریقہ تعلیم و تربیت اور ان کی تبلیغ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ کافروں کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے وقت انہیں کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

سابقہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کی ابتدا بھی حروف مقطعات سے ہوتی ہے الٰہ۔ مفسرین نے تقریباً فہم کے لیے حروف مقطعات کے بہت سے ممکنہ معانی بیان کیے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ الٰہ سے خود قرآن مراد ہے اور پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ بعض مفسرین یمنوں حروف کے مختلف معانی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ الٰہ انا، اے اللہ اور اے رویت مراد ہے، اور پورا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں اور تمہاری تمام حرکات و سکنات کو دیکھ رہا ہوں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ الٰہ ستمہ کے موضوع کی طرف اشارہ ہے، یعنی وہ نہیں جانتی جو انبیاء کے درمیان عالم بالا سے اس جہان میں متبعین ہوتے ہیں، اسی کا تصادم انزل سے مراد ہونے والے شروع و سید (گنہ شروع) سے ہونا رہتا ہے

حروف
مقطعات

جس کے نتیجے میں حق بات واضح ہوتی رہتی ہے۔ تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر دراصل مقامات انبیاء کی طرف اشارہ ہے اور یہ بات مجھے ذوقی یعنی الہامی طریقے سے معلوم ہوئی ہے کیونکہ اسے عقلی دلیل سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

حروف مقطعات قرآن پاک کی ۲۹ سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں بعض فرماتے ہیں کہ ہر حرف مفرد اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کی طرف اشارہ کرتا ہے اسے اللہ کا اسم ذات اللہ ہو سکتا ہے ل سے لطیف اور اسے رحمان یا رحیم مراد لیا جاسکتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگر اس سورۃ کا نام ہے، گویا اس سورۃ کے دو نام ہیں ابراہیم اور الود۔ قرآن پاک کی بعض سورتوں کے متعدد نام بھی آتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ کے پندرہ نام عرض کیے تھے۔ دسویں صدی کے حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی حروف مقطعات کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ اعلم بمرادہ یعنی ان حروف کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم جو کچھ اُس نے مراد لی ہے، وہ برحق ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حروف ابتلائے عباد یعنی بندوں کے امتحان کی خاطر نازل فرمائے ہیں۔ اسی لیے جب حضور علیہ السلام یہ حروف صحابہ کے سامنے پڑھتے پڑھاتے تھے تو کسی نے بھی ان کے معانی میں کمر نہ کرنے کی کوشش نہیں کی، یعنی کسی نے ان کا مطلب یا مراد دریافت نہیں کی، بلکہ جس طرح حضور نے پڑھایا، صحابہ نے پڑھ لیا اور خاموش ہو گئے۔ حضرت علیؑ کے زمانے میں جب عجمی لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے ان حروف کے معانی دریافت کیے، چنانچہ ان کے متعلق بعض باتیں حضرت علیؑ نے اور بعض حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی بیان کیں تاکہ لوگوں کے اذہان قرآن کریم کے ساتھ مانوس رہیں۔ حافظ

ابن حجر و فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ نے ان حروف کے متعلق حکم دیا نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ایمان لانا ہی ضروری ہے، اگر کوئی کرید کرے گا تو کسی فعلی میں مبتلا ہو سکتا ہے امام ابوحنیفہؒ کے استاد امام شعبیؒ جنہیں پانچ سو صحابہ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا، ان سے حروف مقطعات کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا، یہ اللہ کا راز ہے، اس کے پیچھے نہ پڑو، کیونکہ ان کو نہنے سے گمراہی میں پڑنے کا خطرہ ہے صرف اَمَّا وَصَفَّ قَنَا كَمُو كَرِهَم اَس پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف سے جو بھی مراد لی ہے، وہ برحق ہے۔

حکایت سے
نور کی طرف

حروف مقطعات کے بعد سورہ کی ابتداء قرآن کریم کی صلاقت مختصراً اور اس کی غرض و غایت سے ہوتی ہے، کِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ بِاللَّيْلِ
یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے آپ کی طرف، لفظ کتاب کو نحو و باریا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک عظیم الٹ ان کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔ اور حقیقت میں کتاب کلمائے کی معنی یہی کتاب ہے، اس کے مقابلے میں کوئی دوسری کتاب کتاب کلمائے کی حقدار نہیں ہے سورۃ القصص میں قرآن پاک اور تورات دونوں کے متعلق فرمایا قُلْ فَمَا نُوَئِيكُمْ مَثٌ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْقُرْآنَ كَانُكَارُ كَرْتَهُ يَوْمَ تَبْعَرُ كُوْنِي اِيْسِي
کتاب لے آؤ۔ جہاں دونوں سے بڑھ کر ہدایت دہندہ ہو۔ اپنے
زندے میں تورات بھی عظیم کتاب تھی اور اس میں قانون، شریعت اور عقائد کے تمام احکام تھے۔ مگر اس کی جامعیت قرآن سے کم تھی۔ بہر حال قرآن پاک ایک ایسی عظیم کتاب ہے کہ تمام مخلوق بل کہ بھی اس کی کسی ایک آیت پر بھی حاوی نہیں ہو سکتی۔ اہم شاہد ملی اللہ

محدث مطہری اپنی کتاب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں کہ جب ہی قرآن پاک کی کسی آیت کے متعلق مراقبہ کرتا ہوں تو مجھے اس کے نیچے چھائی و معارف کے لانتہا سمندر نظر آتے ہیں، اور پاک نفوس کو ایسی باتیں نظر آنا بعید از قیاس نہیں۔ قرآن پاک اَنْزَلَ يَعْلَمُ اللّٰهُ اللّٰهُ کے علم سے نازل ہوا ہے اور خدا تعالیٰ کی یہ صفت لامحدود ہے لہذا لَا تَكْتَفِيْ عَجَائِبَاتُہٗ قرآن پاک کے عجائبات لامتناہی ہیں ان میں جتنا بھی غور کریں۔ یہ عجائبات ختم ہونے کی بجائے بڑھتے ہی چلے جائیں گے۔

فرمایا، یہ ایک عظیم کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اور اس کی غرض و غایت یہ ہے لِيُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں، یہ حضور علیہ السلام سے خطاب ہو رہا ہے۔ اس میں رسالت کا بیان آگیا کہ جس طرح یہ کتاب عظیم اٹان ہے، اسی طرح جس رسول پر نازل کی گئی ہے، وہ بھی عظیم اٹان رسول ہے۔ یہاں پر ظلمات سے مراد کفر، بدعت، شرک، نفاق اور جملہ معاصی اور برائیاں ہیں۔ گناہوں کی وجہ سے انسان کے دل اور روح پر تاریکی چھا جاتی ہے اور انسان کی روح ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں سنت ایک روشنی ہے، جس سے روح و قلب اور دل و دماغ روشن ہوتے ہیں۔ قرآن پاک کو بصرہ بھی کہا گیا ہے: "هٰذَا بَصَرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ (اعراف) یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت ہے۔ بصیرت ایسی چیز ہے جو دل کو روشن کرتی ہے۔ دل میں اطمینان اور یقین پیدا ہوتا ہے۔ تو قرآن کی آیات بصیرت کی باتیں ہیں جو انسان کو ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر ایمان، اخلاص، نیکی اور اطاعت کی روشنی کی طرف لاتی ہیں۔

یہ قرآن لوگوں کو رسومات باطلا اور بدعات سے موزر کر سنت کی طرف
 لٹکے۔ دل کی تاریکیاں اگرچہ ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتیں مگر
 ان کی وجہ سے انسان کا فہم اور شعور ختم ہو جاتا ہے اور انسان نیچی اور
 بدی میں قبضہ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ برخلاف اس کے ایمان دار
 قرآن کو برحق سمجھتا ہے اور اللہ کا وعدہ یہ ہے اِنْ سَأَلْتُمُو اللّٰهَ
 يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا (الانفال) اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے
 تو اللہ تعالیٰ ہر جگہ تمہارے لیے فیصلہ کن بات بناتا ہے گا۔ تمہیں
 صحیح اور غلط کی تمیز آجائے گی اور تم تاریکی میں نہیں رہو گے۔ فرقان
 قرآن پاک کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے جس کا معنی حق و باطل
 میں فیصلہ کرنے والا ہے۔ قرآن کے ذریعے انسان ظلمت اور نور
 میں امتیاز پیدا کر لے، اسی لیے فرمایا کہ اُمس کی غرض و غایت ہے
 کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔
 فرمایا، روشنی کی طرف لانا کسی انسان کا ذاتی فعل نہیں بلکہ یا اذنت
 رَبِّهِمْ اَنْ کے پروردگار کے حکم سے ہے۔ جس انسان کے
 متعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی، وہ حق کو مانے گا اور آپ سے
 روشنی کی طرف لے آئیں گے۔ اور جو ضدی اور عنادری آدمی ہوگا، وہ
 اس نور سے استفادہ حاصل نہیں کر سکے گا۔ اور یہ ذر کیا ہے، اِلٰی
 صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ کمالِ قدرت کے مالک اور تعریفوں
 والے پروردگار کی طرف جانے والا راستہ ہے وہ ایسی کمال تعریفوں
 کا مالک ہے کہ اگر کوئی اُس کی تعریف نہ بھی کرے تو اُس کی خوبیوں
 میں کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ بہر حال اپنی جگہ موجود ہیں۔ غرضیکہ اس
 کتاب کا مقصد یہ ہے کہ آپ اُن کے پروردگار کے حکم سے لوگوں
 کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ آگے اللہ تعالیٰ کی یہ

تعریف بھی بیان کی گئی ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اللّٰهُ تَعَالٰی کی ذات وہ ہے کہ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ ہر چیز کا خالق اور مالک وہی ہے، حقیقت میں کوئی دوسری ہستی کسی چیز کی مالک نہیں۔ جو کوئی عارضی طور پر کسی چیز کا مالک بنتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے بنانے سے بنتا ہے۔ انان تو اپنے وجود اور دیگر لوازمات کا بھی خود مالک نہیں ہے۔ ہر چیز کا مالک و تصرف اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ یہ اُس کی تعریف بھی ہو گئی۔

کافروں کا انجام

ان تمام حقائق کے باوجود جو لوگ کفر کرتے ہیں، اللہ نے ان کا انجام بھی بیان فرما دیا ہے وَقَوْلٌ لِّلَّذٰكِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ تباہی و بربادی سے کفر کرنے والوں کے لیے سخت عذاب سے۔ قرآن پاک کے پروردگار کو تسلیم نہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کی سخت سزا کا مزہ چکھیں گے۔

فَرٰى اَلَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلٰى الْاٰخِرَةِ جو لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں یعنی ان کی تمام تگ و دو اسی زندگی کے لیے ہے جیسے فرمایا يٰۤاَعْمٰوْنَ طٰهٰرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (الرّوم) وہ لوگ دنیا کی باریک ترین باتیں بھی جانتے ہیں مگر آخرت سے کلی طور پر غافل ہیں۔ دنیا کے اعتبار سے بڑے عقل مند ہیں مگر آخرت کے لحاظ سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہے، اسی دنیا میں ہے آگے کچھ نہیں۔ اسی لیے وہ اپنے پروردگار سے عرض کرتے ہیں۔ رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْنَآ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (ص) ہمیں جو کچھ دنیا ہے قیامت سے پہلے پہلے اسی دنیا میں عطا کرے

اللہ تعالیٰ نے عباد اور شہود کے متعلق فرمایا ہے کہ بڑے بڑے کلاہجی، انجیز،
صناع اور باہرین تھے، دنیا کے اعتبار سے بڑی بعیت رکھتے تھے،
عقل معاش کے لحاظ سے بڑے ترقی یافتہ تھے مگر عقل معاد کی نسبت
سے بالکل کرے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کی تحقیر میں یہ
دعا بھی سکھائی ہے اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الشَّيْءَ الْاَكْبَرَ مَعَنَا
وَلَا مَبْلَغَ عَلَيْنَا لِيَاكُفِّرَ اللهُ بِصِرْفِ دُنْيَا كُفْرِهِ هِيَ اَرْبَعُ اَنْتَا
مَقْصُودُ دُنْيَا۔ اہل ایمان تو جہش یہ دعا کرتے ہیں رَبَّنَا اِنْتَا فِي
الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقَدْ آتَيْنَاكَ
الشَّيْءَ لِيَاكُفِّرَ اللهُ بِصِرْفِ دُنْيَا كُفْرِهِ هِيَ اَرْبَعُ اَنْتَا
ہیں روزخ کے عذاب سے بچا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مطلقاً دنیا کی پسندیدگی بڑی نہیں ہے
مال، دولت، اولاد، آسائش زندگی وغیرہ ایک فطری چیز ہے مگر اس
کی طلب اور اس سے محبت اگر آخرت پر غائب آجائے تو پھر تباہ کن
ثابت ہوگی۔ سورۃ العادیات میں موجود ہے وَقَالَتْ لِجِبِّ الْمُنْتَبِرِ
لَشِدِيدِ الْاُنْسَانِ فِي مَالٍ كِي مَحَبَّتِ مَرْوَدِہے، مگر جب وہ آخرت
کو فراموش کر کے حقوق و فرائض کو فراموش کر دے گا تو پھر یہی مال اُس
کے لیے وبال جان بن جائیگا۔ کافروں کا یہی طریقہ ہے، خاص طور پر مغربی
تمدن میں تو اس کی انتہا ہو چکی ہے۔ شیطان نے دنیا کے لوازمات کو
اس قدر مزین کر کے دکھایا ہے کہ اکثر لوگ اسی میں شہل ہو کر رہ گئے ہیں
اور آخرت کو بالکل بھول چکے ہیں، دنیا کی زندگی سے محبت کا یہی مطلب
ہے اور اسی کی خدمت کی گئی ہے۔

فرمایا کافروں کی ایک صفت تو یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کو پسند کرتے
ہیں اور دوسری یہ کہ وَقَدْ كَفَرْتُمْ وَلَمْ تَكُونُوا
سَبِيلَ اللّٰهِ وَهَذَا

دین کے
پارہ
میں کافر

راستے سے روکتے ہیں، دوسری جگہ فرمایا کہ خود تو دین سے دور ہوتے ہیں، دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے روک دیا جائے، اس مقصد کے لیے انہوں نے ہمیشہ بڑے بڑے جال بچھائے ہیں، کبھی طاقت استعمال کر کے، کبھی سازش کر کے اور کبھی ہتھیاروں کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے راستے سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ عیسائی مشنریوں، سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں اور رفاہی اداروں کا جال پھیلاتی ہیں اور اس قسم کا پراپیگنڈا کرتی ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں دین سے متعلق شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں تاکہ نوجوان نسل دین سے بیزار ہو جائے یہ لوگ مال و دولت اور عورت کے لالچ میں دین سے بیگانہ کرتے ہیں اور کبھی وسیع لٹریچر کے ذریعے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

ٹیکسٹ اسلام نے لکھا ہے کہ یورپی ممالک میں اسلام کے خلاف چھ لاکھ کتابیں شائع ہو کر تقسیم ہو چکی ہیں۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں یہ کام مکے والے کرتے تھے کبھی رعب کے ذریعے اور کبھی لالچ کے ذریعے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے، آج کی دنیا میں روس، امریکہ اور انگریز اس کام کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔ غرضیکہ تمام کافروں کی یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ لوگوں کو اسلام کے راستے سے روک دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں کی تیسری صفت یہ بیان کی ہے وَيَلْبِغُونَهَا عوجاً یہ لوگ اللہ کے راستے میں کبھی تلاش کرتے ہیں۔ اسلام کو توڑ مڑ کر اس طرح پیش کرتے ہیں جس سے لوگوں کو اسلام کا راستہ ٹیر ٹیر نظر آنے اور وہ اسے چھوڑ دیں۔ کافر، مشرک، منافق، یہود، ہنود اور عیسائی سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا أُولَٰئِكَ

کبھی کبھی تلاش



وما أبرئ ۱۳

دس دوم ۲

ابراہیم ۱۳

آیت ۴ ۶۲

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ
 لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي
 مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ
 أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ
 مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ
 اللَّهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ
 شَكُورٍ ﴿۵﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ
 اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ
 مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ
 وَيَدْبِحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ
 وَفِي ذَلِكَ لَكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۶﴾

ترجمہ :- اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اُس
 کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ بیان کرے اُن کے لیے ۔
 پھر گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اور راستہ
 دکھاتا ہے جس کو چاہے ، اور وہ غالب اور حکمت والا
 ہے ﴿۴﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام
 کو اپنی نشانوں کے ساتھ۔ (پھر اُن سے کہا) کہ نکالو اپنی

قوم کو اذھیروں سے روشنی کی طرف ۔ اور یاد دلاؤ ان کو اللہ کے دن ۔ بلکہ اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر کرنے والا اور شکر گزار ہے ⑤ اور (وہ بت قابل ذکر ہے) جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہ یاد کرو اللہ کی نعمت کو تم پر ، جب کہ اس نے تمہیں سخاوت دی فرعون والوں سے ۔ وہ پہچانتے تھے تم کو بڑا حذاب ، اور ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو ، اور اسیں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی ⑥

سورۃ ہذا کی ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی رسالت اور اس کے نازل کی حکمت بیان فرمائی۔ اس کتاب کے نزول کی طرز و غایت یہ ہے کہ اس کتاب کے ذریعے پیغمبر خدا لوگوں کو اذھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لوٹیں کفر، شرک، نفاق، پستی، بد اخلاق اور بہ اعمال اذھیروں سے، اس کے مقابلے میں توحید، اخلاق، نیکی اور اطاعت بمنزلہ روشنی کے ہیں۔ پھر اللہ نے قرآن کے پروگرام کی مخالفت کرنے والوں کی ذمہ داری بیان فرمائی اور ان کے لیے حذاب کی دھم سنائی۔ فرمایا یہ لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور دین میں کجی تلاش کرتے ہیں، یہود و اعتراضات کرتے ہیں، لہذا گمراہی میں دوڑ پڑے ہوئے ہیں۔

آج کے دور میں اللہ تعالیٰ نے رسالت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے جسکی سورتوں میں یہی بنیادی مسائل توحید، رسالت، معاد، کفر، شرک کی تردید وغیرہ بیان ہوئے ہیں۔ جس طرح قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح تمام انبیاء اور رسل کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وہی الٰہی، مخلوق، تقدیر بھی ایمانیات

مطالعات

رسول اور
نبیوں تو

میں داخل ہیں۔ تَاٰمِرًا اِنْ اٰیٰتٍ مِّنْ رَّسٰلٰتِ كِی تَعْلَمُ اٰرْشٰدٌ هُوَ اَسْمٰی
وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسٰنٍ فَوْصِهٖ ہم نے نہیں بھیجا
کونئی رسول مگر اپنی قوم کی زبان میں گفتگو کرنے والا۔ اللہ نے اسی کی زبان
میں اُسے تعلیم دی لِيُبَيِّنَ لَهُمْ تاکہ ان لوگوں کے لیے وہ تمام
چیزیں بیان کرے جو ان کے لیے ضروری ہیں۔ اگر وحی کسی غیر زبان
میں ہوتی تو لوگوں کا اس سے استفادہ کنزہ شکل ہو جاتا۔ لہذا اللہ نے
ہر نبی کی قومی زبان میں وحی نازل کی، احکام و شرائع دیے اور اسی زبان
میں آگے تبلیغ کی تعلقین کی۔ موسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان بولتے تھے، لہذا
تورات عبرانی زبان میں نازل ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی قومی زبان سریانی
تھی تو انجیل بھی اسی زبان میں آئی۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
کو اللہ نے عربوں اور خاص طور پر قوم قریش میں مبعوث فرمایا، آپ
اسی زبان میں گفتگو کرتے تھے اور قرآن کریم قریش کی عربی زبان میں
نازل ہوا۔ دوسرے مقام پر اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر یہ
غیر زبان میں نازل ہوتا تو لوگ اعتراض کرتے کہ ہم طے سمجھنے سے
قاصر ہیں، مگر اللہ نے اس اعتراض کی گنجائش نہیں رکھی۔ چنانچہ ہر نبی
نے اپنی قومی زبان میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔ دوسرے مقام پر یہ بھی
آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک سزا نہیں دیتا۔ جب
تک ان تمام باتوں کو واضح نہیں کر دیا جاتا جن سے بچنا ضروری ہے
یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور رسول کو اس کی قومی زبان میں
مبعوث فرمایا۔ جزائے عمل کے واقع ہونے کے لیے ضروری ہے
کہ لوگوں کو شرائع اور احکام ٹھیک طریقے سے پہنچا دیے جائیں اور
ان کی اچھی طرح وضاحت کر دی جائے تاکہ کسی کے پاس عدم تبلیغ
کا کوئی بہانہ نہ رہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے اعمال کی جزا چار اسباب کی بنا پر ہوتی ہے۔ پہلا سبب یہ ہے کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ اُس کے لیے جزائے عمل ضرور واقع ہو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ فطرتی طور پر اللہ تعالیٰ نے انسان میں حکمت اور بصیرت کے دو مادے رکھے ہیں جو ہمیشہ اس میں موجود رہیں گے، حتیٰ کہ جنت میں پہنچ کر بھی یہ مادے انسان سے علیحدہ نہیں ہوں گے ان کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی نفس یا نسمہ کا جو رُخ عالم بالا کی طرف ہے وہ حکمت کہلا آہستہ اور جو رُخ مادی جہان کی طرف ہے، اُسے بصیرت کہاجاتا ہے۔ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان میں کمال والی باتیں پیدا ہوں جب کہ بصیرت چاہتی ہے کہ انسان من مریضی کرنا ہے۔ ان دونوں مادوں کی آپس میں کشمکش ہوتی رہتی ہے انسان کا فرض ہے کہ وہ بصیرت پر اس حد تک کنٹرول کرے کہ اُسے ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھنے دے اگر بصیرت نے اس حد کو پار کر لیا تو پھر خرابی پیدا ہو جائیگی حکمت کمزور ہو جائیگی اور انسان حظیرۃ القدس، جنت یا بلند مقام تک نہیں پہنچ سکے گا۔ غرضیکہ حکمت چاہتی ہے کہ اُسے تقویت حاصل ہو اور بصیرت کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس کشمکش کے نتیجے میں جو بھی قوت غالب آتی ہے، اس کے مطابق جزا کا عمل ضروری ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں جزائے عمل کے اسباب میں سے دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر انسان اچھے اعمال انجام دیتا ہے تو فرشتے اُس کے حق میں دعا کرتے ہیں اور اگر برے اعمال کرتا ہے تو فرشتے ہٹکا کرتے ہیں اور اُس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ فرشتوں کی دعایا بدعا ضرور نتیجہ خیز ہوگی اور جزائے عمل بھی ضرور واقع ہوگا۔

جزائے عمل کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ نے ہر دور میں اپنے

پیغمبر بھیجے ہیں اور شریعت نازل فرمائی ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔ اس شریعت یا قانون کی پابندی یا عدم پابندی کا نتیجہ برآمد ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ نزول شریعت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے تو اس سبب سے بھی جزائے عمل کا واقع ہونا ضروری ہے۔

انبیاء کی بعثت جزائے عمل کا چوتھا سبب ہے، ہر نبی اللہ کے احکام امت تک پہنچا دیتا ہے اور ان کو اچھی طرح واضح کر دیتا ہے اور دین و شریعت میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہنے دیتا۔ اس کے بعد اللہ کا واضح فرمان ہے "لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ مَخِيئَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ" (انفال) اب جس شخص کو زندہ رہنا ہے وہ کھلی دلیل کے ساتھ زندہ ہے اور جسے ہلاک ہونا ہے وہ کھلی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو۔ تو گویا انبیاء کی بعثت اور احکام و شریعت کی وضاحت کا تقاضا بھی ہے کہ انسان کے لیے جزائے عمل واقع ہو۔

قوی دین الاقرابی نبی

ایک بات تو واضح ہو گئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی زبان عربی میں تکلم فرماتے ہیں۔ اور قرآن پاک بھی عربی زبان میں نازل ہوا تاکہ آپ کے اولین مخاطبین دین شین کو اچھی طرح سمجھ سکیں مگر دوسری طرف اللہ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللّٰهَ الَّذِي اَلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ دنیا جہاں کے لوگوں کو خطاب ہے۔ اس سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عربوں کی طرف مبعوث ہوئے اور وہی زبان بولتے تھے، تو آپ کی رسالت تمام انہوں کی طرف کیسے ثابت ہوئی۔ اس اشکال کو امام شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب تفسیر الیہ

میں رفع کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی نبوت در رسالت دو حیثیت سے ہے۔ اولاً آپ کو قریش کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اور آپ کے ساتھ انہی کی سعادت والبتہ کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے آپ قریشی نبی ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے قریش کو آکر اور جابر بنا کر اپنا پیغام تمام اقوام عالم کو پہنچایا ہے، تو اس لحاظ سے آپ بن الاقوامی نبی ہیں۔ سورۃ بقرہ میں فرماتا ہے "وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا" مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر شہید کا معنی معلم اور اتا دہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ نبی تمہارا معلم ہے اور تم باقی اہل جان کے لیے بنزلا اساتذ اور معلم ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام عربوں ہی کے ذریعہ ساری دنیا میں پھیلا دیا، تاہم اولاً حضور علیہ السلام کو عربوں کی طرف ہی بعثت کیا گیا تھا۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے "النَّاسُ تَبِعُوا لِقَسْرَتِي فِي الْخَيْلِ وَالشَّيْطَانِي" اور بدی میں سارے لوگ قریش ہی کے تابع ہیں۔ جاہلیت کے زمانے میں بھی قریش کو باقی عربوں پر فوقیت حاصل تھی اور اسلام آنے کے بعد بھی تمام اقوام کے مقابلے میں قریش ہی کو برتری حاصل ہوئی۔ بہر حال قریش کے واسطے آپ بن الاقوامی نبی ہیں۔

امت مسلمہ کی خلافت کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب تک قریش میں دو باصلاحیت آدمی بھی موجود ہیں، خلافت کا سلسلہ انہی میں رہے گا، چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ابتدائے زمانے سے لے کر سارے چھ سو سال تک خلافت قریش میں ہی رہی۔ پھر جب مسلمانوں میں کمزوری آگئی تو خلافت سلجوقیوں کو منتقل ہو گئی، پھر ترکوں کے پاس چلی گئی اور پھر آخر میں یہ سلسلہ ہی ختم ہو گیا۔ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی

مسلمانوں کا
عروج نڈال

۵۲
 باون ریاستیں ہیں مگر سب اغیار کی دست نگر ہیں۔ غیر مسلم اقوام نے
 مسلمانوں کی اجتماعیت سے خائف ہو کر خلافت کا ہمہ گیر تصور ہی
 ختم کر دیا ہے۔ اب مسلمانوں کو اس طرح تقسیم کر دیا گیا ہے کہ وہ ایک
 دوسرے کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ اب ان کی اپنی کوئی ریاست نہیں۔
 نیم غلامانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پوری دنیا میں کفار کو غلبہ حاصل ہے
 ان میں یا تو مذہبی کافر عیسائی ہیں یا پھر دہریے کافر اشترکی ہیں۔ ادھی
 دنیا پر ایک طاقت چھائی ہوئی ہے جب کہ باقی نصف دنیا دوسری
 طاقت کے تسلط میں ہے۔

فرمایا، ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ
 وہ ان کو ہر چیز کی وضاحت کرنے سے پیغمبر کی طرف سے حق تبلیغ ادا
 کرنے کے بعد فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ گمشاؤ و گمراہ کرے
 ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے۔ جو کفر، شرک اور نفاق پر اصرار کرتا ہے
 اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ وہ گمراہی میں پڑا رہتا ہے۔
وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اور ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ
 جس کو چاہے۔ جو ایمان کو قبول کر لیتا ہے، اُسے ہدایت نصیب
 ہو جاتی ہے۔ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْحَكِيمُ اور خدا تعالیٰ کمال قدرت
 کا مالک بھی ہے اور کمال حکمت کا مالک بھی۔ اس آیت کریمہ میں
 اللہ تعالیٰ نے رسالت کے متعلق بنیادی اصول بیان کر دیا ہے۔

رسالت کا بحیثیت مجموعی ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بطور مثال بیان فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا
مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی فیضوں
 کے ساتھ۔ نشانوں سے مراد معجزات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عصا اور
 پدربضا وغیرہ نو معجزات عطا فرمائے تھے جن کا ذکر مختلف مقامات

پر آیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل اور قبیلہ بنو قریظہ کی طرف
 مبعوث فرمایا تھا۔ قبیلوں نے تو آپ کی رسالت کو تسلیم نہ کیا جس کی
 پاداش میں وہ تباہ و برباد ہوئے۔ بنی اسرائیل آپ پر ایمان لانے تو اللہ
 نے انہیں فرعونوں کے ظلم و ستم سے نجات دے کر ان پر طوح طرح
 کے انعام بھی فرمائے، اور یہ سلسلہ ہزاروں سال تک چلتا رہا۔ بہر حال
 موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی مبعوث فرما کر حکم دیا۔ اَنۡتَ
 اَخْرِجَ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ كَمَا
 آپ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ ہر نبی
 کا یہی کام ہوتا ہے۔ سورۃ کی ابتدائی آیت میں محمد حضور خاتم النبیین
 علیہ السلام کو بھی یہی حکم ہوا کہ ہم نے یہ کتاب آپ پر اس لیے اتاری
 ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں
 موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ نے یہی حکم دیا کہ قوم کو کفر، شرک اور سماجی کے
 اندھیروں سے نکال کر ایمان اور توحید کی روشنی میں لے آئیں۔

بظ
 تذکرہ پیام

اور ساتھ یہ بھی حکم دیا وَذَكَرْنَا نَهْرًا بِآيَاتِنَا لِلَّذِينَ
 ان کو اللہ کے دن یاد دلانیں۔ ایام اللہ سے وہ تاریخی واقعات
 مراد ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بعض قوموں پر انعام فرمائے اور بعض کو سزا
 دی۔ بعض قومیں اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کر کے اور ان پر عمل پیرا
 ہو کر کامیاب ہوئیں اور بعض انکار کر کے طوح طرح کے عذاب میں
 مبتلا ہوئیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ علوم قرآن
 پانچ اقسام سے ہیں۔ پہلی قسم علم احکام ہے جس کے ذریعے فرائض،
 سنت، واجبات، حلال، حرام، اور مباح و حذرہ کا پتہ ملتا ہے دوسری
 قسم علم مناظرہ ہے جس کے ذریعہ چار فرقوں یعنی کافر و مشرک، یہود،
 نصاریٰ اور منافقین سے بحث مباحثہ کیا جاتا ہے۔ اس علم کے ذریعہ

ان فرقوں کا رد مطلوب ہوتا ہے۔ علوم قرآن کی تیسری قسم علم تذکیرِ مابعد الموت ہے۔ موت اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ اس حصہ علوم میں کیا گیا ہے تاکہ لوگ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں اور محاسبہ اعمال کے لیے تیار رہیں۔ علوم قرآن کی چوتھی قسم تذکیرِ بآلاء اللہ ہے۔ اس حصہ میں اللہ نے اپنی نشانیوں کا تذکرہ کر کے انسان کو یاد دلانی کرائی ہے کہ وہ ان میں غور و فکر کرے اور عجائبات قدرت کا مشاہدہ کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے۔ قرآن کے علوم کی پانچویں قسم تذکیرِ بایام اللہ ہے جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام پر گزرنے والے واقعات بیان کر کے انسان کو عبرت دلائی ہے تاکہ وہ اپنی کمزوریوں پر نظر رکھے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرے۔ اللہ نے قوم عاد، ثمود، قوم لوط، قوم فرعون وغیرہ کے حالات مختلف مقامات پر ذکر کیے ہیں۔ صرف قوم فرعون کا واقعہ قرآن پاک میں چھیالیس مرتبہ سے زیادہ ذکر ہوا ہے کیونکہ محض علم کے لیے کسی واقعہ کو ایک ہی دفعہ بیان کر دینا کافی نہیں بلکہ بار بار یاد دلانی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ متعلقہ بات لوگوں کے اذہان میں اچھی طرح جم جائے اور وہ نصیحت حاصل کر سکیں۔

فَرَمَّا ابْتِغَاءَ مَنَاجِيٍّ فِي ذَلِكَ كَذَابٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ
 بیشک ان تاریخی واقعات میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو صبر کرتے ہیں۔ مصائب میں صبر اور برداشت سے کام لیتے ہیں۔ اُنے آپ پر کنٹرول کرتے ہیں اور جب کوئی نعمت میسر آتی ہے۔ تو اس کی قدر کرتے ہیں، اس کو بر محل صرف کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں ہی فرمایا۔ وَادَّ قَالَ مُوسَىٰ
 فرعونوں کے بہت سے

لِقَوْمِهِ اذْكَرُوا فَنَحَمَهُ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ جَب كاسم صلی علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہ اللہ کی اُس نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کی۔ اللہ کا احسان یہ تھا اِذْ اَنْجَاكُمْ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ کہ اُس نے تمہیں نہایت ہی فرعون والوں سے۔ اور فرعونوں کی کارگزاری یہ تھی یَسُوذُوْكُمْ سُوْدَ الْعَذَابِ وہ تم کو سہلے تھے بڑا عذاب۔ تمہیں غلامی میں مبتلا کر رکھا تھا جو کہ بدترین عذاب ہے۔ غلامی ایک غیر فطری چیز ہے غلام بے ضمیر ہوتا ہے اور اس کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ غلامی اور آزادی کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے آمدہ سورۃ النحل میں بیان فرمایا ہے۔

فرعونوں کے عذاب کی تفصیل یہ ہے وَیَذِیْبُوْنَ اَبْنَاءَکُمْ تہا سے لڑکوں کو قتل کرتے تھے۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ فرعون نے زتے ہزار بنی اسرائیلی بچے قتل کر لئے، مگر اللہ کی حکمت میں جو بچہ ہونے والی تھی وہ ہو کر رہی اور اتنا عظیم ظلم بھی اُسے روک نہ سکا۔ فرمایا لڑکوں کو قتل کرتے تھے وَیَسْتَحْیُوْنَ اِیْسَاءَکُمْ اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے تاکہ لڑکیاں بن کر ان کی خدمت کریں نہیں خطرہ صرف مردوں سے تھا کہ ان کی سلطنت نہ چھین لیں۔ چنانچہ فرعون کی پویس تعاقب میں رہتی تھی اور بچہ پیدا ہوتے ہی والدین کے سامنے ذبح کر دیا جاتا تھا۔

فرمایا وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ اس میں تمہارے لیے بہت بڑی آزمائش تھی۔ سورۃ اعراف میں ہے بنی اسرائیل نے بڑا صبر کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس ظالم دشمن کو صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا اور زمین میں اقتدار بھی بنی اسرائیل کو عطا فرمایا۔ یہ خدا تعالیٰ کا بہت بڑا احسان تھا۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ بات قوم کو یاد دلاؤ تاکہ وہ اس نعمت کی قدر کریں۔

آزادی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جب یہ نعمت حاصل ہو جائے تو پھر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے وہی کام کرنے چاہئیں جو آزاد لوگوں کے نمایان شان ہیں۔ جھجکڑا، فساد، لڑائی، فرقہ واریت غلامی کے اثرات ہیں جب کہ آزاد قوموں کا اخلاق و کردار بہت بلند ہوتا ہے۔ آزاد لوگوں میں مساوات اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہونا چاہیے۔ نیکی اور طہارت ہونی چاہیے، رسومات باطلہ کو ختم کر دینا چاہیے۔ ہم میں انگریز کی غلامی کے اثرات ابھی تک موجود ہیں، نا معلوم یہ کب ختم ہوں گے۔ جب تک غلامی کے اثرات ختم نہیں ہوتے، تو ہم عزت کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آزادی کی قدر ہی نہیں کی، ورنہ ہمیں اقوام عالم میں بلند مقام حاصل ہوتا۔

وما آبرئ ۱۳
درس نمبر ۲

البراہیمہ ۱۳
آیت ۹۷

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ
وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ﴿۷﴾
وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا فَأَنَا اللَّهُ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۸﴾
الْمَ يَا تَكْفُرُوا نَبُوءَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمٌ نُوْحٌ
وَعَادٌ وَثَمُودٌ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ
إِلَّا اللَّهُ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا
أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا
أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَنَا
إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿۹﴾

ترجمہ :- اور جب خبردار کیا تمہارے پروردگار نے کہ
اگر تم شکر کرو گے تو میں مزید زیادہ دوں گا تمہیں ، اور اگر
تم ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب بہت سخت ہے ﴿۷﴾
اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے ، اگر تم کفر کرو گے ، تم اور جو بھی
زمین میں ہیں سب کے سب ، تو بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے
اور تمہیں ہی دلا ہے ﴿۸﴾ کیا نہیں آئی خبر تمہارے پاس
ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں ۔ قوم نوح ، عاد

اور نمود۔ اور وہ لوگ جو اُن کے بعد آئے۔ نہیں جانتا اُن کو کوئی بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ آئے اُن کے پاس اُن کے رسول کھلی نشانیاں لے کر، پس لوٹائے انہوں نے اُن کے ہاتھ اُن کے مونوں میں، اور کہنے لگے بیشک ہم انکار کرتے ہیں اُس چیز کا جس کو تم لے کر آئے ہو۔ اور بیشک البتہ ہم شک میں ہیں اُس چیز سے جس کی طرف تم ہمیں بلا تے ہو، تردد انگریز شک میں ⑨

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں قرآن کریم کی حقانیت کا مسئلہ بیان ربط آیات کرنے کے بعد رسالت کا مسئلہ بیان فرمایا۔ پہلے فرمایا کہ ہر نبی اور رسول اپنی قوم کی زبان میں مبعوث ہوتا ہے اور اسی زبان میں قوم کو خطاب کرتا ہے تاکہ کسی کا کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بطور خاص ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو رسول بنا کر بھیجا اور انہوں نے لوگوں سے خطاب کر کے کہا کہ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤں اور وہ تاریخی واقعات یاد دلاؤں جو باعثِ عبرت و نصیحت ہیں۔ اللہ نے صبر اور شکر کرنے والوں کا ذکر کیا۔ پھر بنی اسرائیل پر کیے گئے انعامات کا تذکرہ کیا کہ انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دے کر صاحبِ اقدار بنایا اور شریعت عطا فرمائی۔

مقام شکر

آج کی آیات بھی سابقہ آیات سے سلسلہ شکر ہی مربوط ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ اور جب تمہارے پروردگار نے خبردار کیا لَٰكِن شَكَرْتُمْ لَا زَيْدًا نَّكُمْ اگر تم میرے انعامات کا شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید عطا کروں گا۔ گزشتہ آیت میں تھا کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو جو اُس نے تم پر کیں اور اب فرمایا کہ انعام پا کر اگر شکر گزاری کرو گے تو میں اس انعام میں مزید اضافہ کروں گا۔ یہاں پر لاکھ تاکید یہ ہے اور ن ثقید ہے

یہ دونوں حروف عربی زبان میں تاکہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یقین دلایا کہ شکر ادا کرنے کی صورت میں تمہیں ضرور بجز ہر زیادہ دوں گا۔ اس میں کسی قسم کا شک یا تردید نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں جہانی روحانی، دنیوی، اخروی، اندر ملتی اور بیرونی ہر قسم کی نعمتیں شامل ہیں۔ انسان کا ایک ایک بال خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں گھرا ہوا ہے مگر ان میں سے کسی نعمت کا کما حقہ شکر ادا کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا یہ مزید انعام ہے کہ وہ انسان کے ٹھوڑے سے شکر پر راضی ہو جاتا ہے، وگرنہ اُس کے انعامات کے متعلق تو خود اُس کا اپنا ارشاد ہے کہ **وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِينَ لَا يَخْضِعُونَكَ إِلَّا لِلَّهِ أَعَصِمُوا** (ابراہیم) اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار ہی نہیں کیسکتے چہ جائیکہ ان سب کا شکر ادا کر سکو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ستوری ہی شکر گزاری پر بھی غور ہو جاتا ہے اور انسان کو مزید انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔

سعدی صاحبؒ نے اپنی کتاب گلستان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ہر ایک سانس کے لیے انسان کو اللہ کی دو نعمتیں میسر آتی ہیں۔ جب انسان سانس کو باہر نکالتا ہے تو اس کے لیے جسم کے غلیظ بخارات خارج ہو کر انسان کے لیے آرام و راحت کا سبب بنتے ہیں اور جب سانس انسانی جسم کے اندر جاتا ہے تو باہر کی ہریم طیب (رائیسن) اس کے جسم میں داخل ہو کر مہر حیات بنتی ہے۔ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ہر انسان چوبیس گھنٹے میں کم از کم چوبیس ہزار سانس لیتا ہے۔ انسان کو ایک سانس کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا چہ جائیکہ باقی لاکھوں اور کروڑوں انعامات اللہ کی شکر گزاری کرے۔ انسان کے ایک ایک بال میں بے شمار انعامات ہیں۔ ایک گلاس پانی جو انسان پیتا ہے۔ اس میں اللہ کی کروڑوں نعمتیں شامل ہیں جس کے نتیجے میں یہ پانی انسان کے

انسان پر
انعامات
اللہ

لبوں تک پہنچتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے، وہ تھوڑے سے شکر یہ پر بھی راضی ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے ان العبد اذا ياكل الاكل او يشرب شرابا جب کوئی بندہ کھانا کھاتا ہے یا پانی پیتا ہے اور پھر الحمد لله کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرا بندہ میری نعمت کا شکر ادا کر رہا ہے۔ مگر کروڑوں انسان ہیں جو ہر وقت اللہ کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں مگر اس ذات کا شکر ادا نہیں کرتے۔ انسان کی صحت کو ہی دیکھ لیں، عافیت اور سلامتی کو دیکھیں یہ عظیم نعمتیں ہیں جن کی انسان قدر نہیں کرتا۔ ان کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب ان میں سے کوئی چیز ازل ہو جائے۔

حدیث شریف میں آتا ہے جس شخص کی آنکھیں ضائع ہو جائیں اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اس کی دو عزت والی چیزیں اٹھائیں، اس نے صبر کیا، اب میں اسے جنت میں پہنچائے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گا۔ شرط یہ ہے کہ انسان اللہ کا شکر ادا کرتا رہے اور ناشکری کا کوئی کلمہ اپنی زبان پر نہ لائے *يُحْضِرُ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ* نے دعا کھلائی ہے *الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَاعْوِذْ بِاللَّهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ نَارٍ* ہر حالت میں اللہ سے العزت کا شکر ہے اور میں اہل دوزخ کے حال سے پناہ چاہتا ہوں بغیر ضحکہ انسان کی سلامتی، سعادت اور قوت شاملہ وغیرہ ایسی نعمتیں ہیں کہ انسان کسی ایک کا بھی شکر یہ ادا نہیں کر سکتا۔ انسان کی عافیت کے متعلق منداحمد کی روایت میں آتا ہے *مَا أَفْقَرُ نِعْمَةً كَعَفَاةِ الْإِيمَانِ* مثلاً العافیت ایمان کے بعد کسی کو عافیت جیسی عظیم نعمت میسر نہیں، مگر کوئی شخص اس کی قدر نہیں کرتا۔ جہانی

اور دوسری نعمتوں کے علاوہ اللہ نے انسان کو علم جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے
 حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص کو سورۃ اخلاص یاد تھی جنسورۃ علیہ السلام
 نے اس سے فرمایا، تم اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر تمہارے پاس سال و روزت
 نہیں تو کوئی بات نہیں تمہیں تو سورۃ اخلاص جیسی عظیم نعمت حاصل ہے۔
 ایک دوسری حدیث میں آتا ہے۔ نِعْمَ الْاِلٰهُ عَلَي الْعِبَادِ
 كَثِيْرًا وَّ اَجَلُهُمْ حَتَابًا لِّهٖ الْاَوَّلٰ وَاٰخِرٰتِ لِيَعْنِي لَوْ كُوْنُ كَرَّ اللّٰهِ
 کی بہت سی نعمتیں میسر فرمیں اور ان میں سے بڑی نعمت یہ ہے کہ کسی کو فرما بزرگ
 اولاد نصیب ہو جائے۔ غرضیکہ ہر غریب و امیر کو لاتعداد نعمتیں حاصل ہیں۔
 اور ہر شخص پر ان کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

غرضیکہ علم، دولت، صحت، اولاد اور پھر قدرتی انعام میں ہوا، خوبی
 پانی، گرمی اور سردی، بارش ایسی نعمتیں ہیں جو اللہ نے بالکل فری عطا
 کر رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا انتظام یہ ہے کہ جن چیزوں کی بہت زیادہ ضرورت
 ہے ان کو فری رکھا گیا ہے۔ کھانے کے لیے تو لگ و دو کو بنا پڑتی
 ہے مگر یہ چیزیں ایسی ہیں جو صحت حاصل ہو جاتی ہیں مگر پھر بھی انسان
 شکر ادا نہیں کرتے۔ انسان اپنے اعمال سے پانی کے ایک قطرے کی
 قیمت ادا نہیں کر سکتا۔

بہر حال انسان کا فرض ہے کہ اُسے نعمت میسر آئے تو زبان سے
 اللہ کا شکر یہ ادا کرے اور شکر یہ کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ
 نے جو نعمت جس مقصد کے لیے عطا کی ہے اُسے اسی مقصد کے لیے
 استعمال کیا جائے۔ اگر کوئی شخص نعمت کو بربط استعمال نہیں کرنا
 تو یہ ناشکری کے مترادف ہوگا۔ اللہ نے کائنات جیسی نعمت دی ہے
 قرآن سے اچھی باتیں سنو، مولانا غنیمت کی ساعت کرو، تلاوت قرآن پڑھو
 سنو۔ اگر ان کائنات سے یہودہ گانے اور لہجہ باتیں سنو گے تو یہ ناشکری

نعمت کا
 صحیح استعمال

صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات لوگوں پر سخت حاکم مقرر کر دیتا ہے جو انہیں ہر وقت سزا میں مبتلا رکھتے ہیں۔ آج مسلمان ساری دنیا میں ناشکر گزاری کی سزا بھگت رہے ہیں۔ روس جیسی ظالم طاقت کا مسلمانوں کے علاقوں پر قابض ہونا سزا ہی تو ہے۔ بلخ، بخارا، تاشقند اور کابل وغیرہ اسلامی ریاستیں تھیں جنہیں روس پامال کر رہا ہے۔ مسلمانوں نے نہ تو مال و دولت کی قدر کی اور نہ ہی سلطنت کی، یہ صرف چودھراہٹ کے لیے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے۔ افغانان میں ظاہر شاہ نے کیا کیا۔ تیس پینتیس سال برباد کر دیے، اس کے بعد آنے والے بھی ایک دو سکر کی ٹانگیں ہی کھینچتے رہے۔ نہ خدا کا قانون جاری کیا اور نہ ہی مخلوق خدا کی خدمت کی۔ اس کے نتیجے میں روس مسلط ہو گیا اور لاکھوں افغانی خانہ جنگی میں شہید ہو چکے ہیں۔ یہ اللہ کی نعمتوں کی ناقدری نہیں تو اور کیا ہے ہمیں پاکستان پر بڑا فخر تھا کہ ۱۳ کروڑ مسلمانوں کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اختیار سمجھنے تھے کہ اتنی بڑی جمعیت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے، لہذا انہوں نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اب اس کا نام بھی ہندوستان ہے، بنگلہ دیش۔ اسلامی جمہوریہ کا نام ہی ختم ہو چکا ہے ناشکر کی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ اللہ نے دستور کے طور پر بتلادیا کہ اگر شکر گزاری کرو گے تو مزید دوں گا اور اگر ناقدری کرو گے تو سخت عذاب میں مبتلا کروں گا، نہ دین رہیگا اور نہ دنیا، بے ابرو ہو کر رہ جاؤ گے۔

خدا تعالیٰ
کی بے نیازی

فرمایا وَقَالَ مُوسَىٰ حُرِّصْتُ عَلَىٰ السَّلَامِ نِيَّ قَوْمِي مِنْ
يَهِي فَرَمَاتُ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
جَمِيعًا أَلَمْ تَرَ سَارَ اہل زمین مل کر بھی کفر کر دے تو خدا تعالیٰ
کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے فَإِنَّ اللَّهَ كَعَنِي حَمِيدٌ پس بے شک
اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور تعریفوں والا ہے۔ حدیث شریف میں

اب ۱۹۹۱ء سے روسی ریاستیں آزاد ہیں

کہ ام سلفہ کے پاس جو چاہیں وہ ہم رکھے ہیں وہ اس سائل کوٹھے دیں۔
کیونکہ یہ شخص شکر گزار ہے، مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے شکر لیا کیا اس
کو مزید مل گیا۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضور
کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس اور کچھ
نہیں تھا، آپ نے پانی دم کوہ کے دیا۔ وہ لوگ کٹنے لگے کہ ہم اس
پانی سے کون سی ضرورت پوری کریں گے، کوئی روپیہ پیسہ، غلہ وغیرہ مل
جاتا تو ہزار کچھ وقت گزر جاتا اتنے میں حضرت ابو موسیٰ اور آپ کے خاندان
کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے بھی سوال کیا۔ آپ نے
فرمایا کہ فلاں لوگوں نے تو یہ پانی قبول نہ کیا، تم ہی لے لو۔ انہوں نے
بصد شکر یہ وہ پانی قبول کیا، اس کو پیا اور جسم پر چھڑکا کہ یہ حضور کے دست
مبارک سے عطا کردہ متبرک پانی ہے۔ بیچھے مے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ
فرماتیں، انہوں نے کہا کہ اس پانی میں سے کچھ حقہ میرے لیے بھی
رہنے دیا جائے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے یہ پانی قبول کرنے والوں
کو خیر و برکت کی خوشخبری بھی سنائی۔ روزہ مکہ حلدہ میں آئے۔ ہم
ہزاروں نعمتیں ہر وقت استعمال کرتے ہیں مگر انکو بٹھرنے والے کتنے
لوگ ہیں، سورۃ بایں، اللہ نے فرمایا ہے وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ
الشَّكُورُ (سبا) میرے شکر گزار بندے بہت تھوٹے ہیں، اور
اکثر لوگ ہمشکر گزار ہی ہیں۔ نہ تو زبان سے شکر ادا کرتے ہیں اور نہ عملی طور
پر حق شکر ادا کرتے ہیں۔ آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَقَلْبُوْرٌ كَفَّارٌ نے شک اکثر ان بہت ظالم اور ناشکر گزار ہیں۔
اللہ نے فرمایا اگر ظکر ادا کرو گے تو میں مزید دلوں گا اور اگر ناشکری
کرو گے تو میری سزا بھی بڑی سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سزا کی مختلف

ہوگی۔ ظاہری قواہ اور جوارح لامتحہ، پاؤں، آنکھیں اور دماغ ہیں۔ ان کا صحیح استعمال کر دے تو شکر ادا ہوگا اور غلط استعمال کر دے تو ناظری ہوگی، خدا نے قوت دی ہے حکومت دی ہے تو مخلوق خدا کی خدمت بجا لاؤ نہ کہ لوگوں پر ظلم کرو، ناتوانوں کو تنگ کرو اور ضعیفوں کے مال غصب کرو۔ اللہ نے مال دیا ہے تو بخل نہ کرو، اس کی زکوٰۃ ادا کرو، مستحقین کی اعانت کرو۔ عدل و انصاف کو قائم کرو۔ اللہ نے علم دیا ہے تو اس کو دوسروں تک پھیلاؤ۔ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اور ان کا صحیح استعمال کرنے سے ان میں اضافہ ہوگا اور غلط استعمال آخرت میں وبالِ حبان بن جائے گا۔

اللہ نے فرمایا کہ اگر میرا شکر ادا کر دے گا تو مزید دوں گا وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ ۖ اٰرَاكُمْ اَنْتُمْ كٰفِرٌ تَشْكُرُوْنَ اور اگر نہ شکر گزار رہی کر دے گا اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ تو میری گرفت بھی بہت سخت ہے۔ یہاں پر کفر سے مراد کفر ان نعمت ہے کہ دیکھو یہ شکر کے مقابلے میں آیا ہے۔ عام طور پر کفر ایمان کے مقابلے میں آتا ہے جس کا مطلب اللہ کی وحدانیت رسولوں کی رسالت، معاہدہ اور تقدیر وغیرہ کا انکار ہونا ہے، آہم یہاں پر کفر ان نعمت مراد ہے۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر ناقابل اعتبار نہیں کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا۔ اس وقت حضور کے پاس کھجور کا ایک دانہ تھا آپ نے وہی عطا فرما دیا۔ اُس شخص نے اُسے قبول نہ کیا کہ ایسی معمولی چیز سے اس کی ضرورت پوری نہیں ہوگی۔ اُس شخص نے گویا کفر ان نعمت کیا۔ اتنے میں ایک دوسرا سائل حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے بھی کھجور کا ایک دانہ عطا فرمایا، اُس نے الحمد للہ کہہ کر وہ دانہ حضور علیہ السلام کے دست مبارک سے لے لیا۔ آپ بڑے خوش ہوئے اور اپنے ایک آدمی کو بھیجا

شکر مقابلہ
ہاشمی

آتا ہے کہ اللہ نے فرمایا، اے روئے زمین کے رہنے والے انسان! اگر تم میں سے اول آخر، حجت، انسان سب مل کر ایک مستحق آدمی کے دل کی طرح بن جائیں، تو میری سلطنت میں ایک تنکا، برابر بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔ اور اگر سب کے سب ایک بدترین آدمی کے دل کی طرح بن جاؤ، تو میری سلطنت میں ایک تنکا بھر بھی بگاڑ پیدا نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ تو ہر حالت میں بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔ اگر ناشکری کرو گے تو خود ہی تباہی کے مستحق بن گے۔ تمہاری سلطنت، سوسائٹی، اجتماعیت، تجارت، سیاست، سعادت، عرضیکہ ہر چیز میں تباہی آنے لگی اور اس کا نتیجہ تمہیں جگتنا پڑے گا۔

سابقہ
اقوام
سلاطین

اگلی آیت بھی موسیٰ علیہ السلام ہی کے کلام پر مشتمل کھینی چاہیے۔ آپ نے یاد دلانی کے لیے قوم سے فرمایا اَلْاَسْرٰیَاتِ کُمْ نَبُوۡا الَّذِیۡنَ مِنْ قَبْلِکُمْ کیا تمہارے پاس نہیں آئی خبر ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ انہوں نے خدا کی نعمتوں کی ناقدری کی تو ان کا کیا حشر ہوا فرمایا وہ لوگ کون ہیں قَوْمٌ شَوْجٌ وَّکَاۡدٍ وَّشَمُوۡدٌ وہ قوم نوح، عاد اور ثمود کے لوگ تھے۔ قوم نوح کا حال سورۃ ہود میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے اللہ نے اپنے نبی کے ذریعے ایان اور توحید کا پیغام بھیجا، یہ اللہ کا سب سے بڑا احسان تھا، مگر قوم نے اس کی ناقدری کی تو اس کے نتیجے میں غرق ہو گئے۔ قوم عاد کے لوگوں کو اللہ نے بڑی جہانی طاقت عطا کر رکھی تھی مگر یہ قوم کفر، شرک، سرکشی اور تکبر میں مبتلا تھی۔ قوم ثمود کے سترہ سو شہر اور بستیاں تھیں۔ یہ بڑے صنایع اور کارگر تھے۔ ان کے باغات تھے، انڈسٹری تھی۔ ان کے پہاڑوں کو کاٹ کر بندنے لگنے مکانات لوگ آج بھی دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ ان اقوام کی تباہی کے حالات بھی سورۃ اعراف، سورۃ یونس اور سورۃ ہود میں

گزر چکے ہیں۔ اللہ نے قوم عاد کو نہ م تہرین چیز ہوا کے ذریعہ تباہ کیا اور قوم ثمود کو چیخ اور زلزلے نے دلوہج کیا۔ ان لوگوں نے بھی اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی اور بے انجام کہہ بیچے۔

فرمایا ان کے علاوہ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ اور وہ لوگ اور اقوام بھی جو مذکورہ بالا قوم نوح، عاد اور ثمود کے بعد آئے گا لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللّٰهُ جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون لوگ تھے، ان کی شخصیت کیسی تھی اور ان کے مراتب کیسے تھے۔ یہ پوری تفصیل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بعض اقوام نے اجمالی حالات کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے مگر تفصیلی حالات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ یہ آیت پڑھ کر فرماتے تھے كَذَبَتْ كَسَابُونَ نسب نامے بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ بعض لوگ اپنا نسب نامہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تو اتر کے ساتھ ملاتے ہیں مگر ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ درمیان میں بعض اقوام ایسی گزر چکی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حضور علیہ السلام بھی اپنا نسب نامہ عدنان سے آگے نہیں لے جاتے تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ عدنان سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کم از کم تیس قرن یا تیس نسلوں کا فاصلہ ہے جن کے تفصیلی حالات کوئی نہیں جانتا، لہذا اگر کوئی شخص اپنا نسب نامہ ٹھیک ٹھیک آدم علیہ السلام تک پہنچانے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی بات میں صداقت نہیں ہوگی۔ امام مالکؒ اس بات کو مکروہ خیال کرتے تھے کہ کوئی شخص اپنا نسب نامہ حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچائے، کیونکہ اللہ نے پوری تفصیلات کسی کو نہیں بتائیں اور نہ ہی تاریخ نے ان واقعات کو پوری طرح محفوظ کیا ہے۔ بہر حال فرمایا، کیا ان اقوام کے حالات آپ تک نہیں پہنچے کہ ان کا

کی حشر ہوا،

انہا سے
خلوک

فَرَأَىٰ أَجَاءَ تَهُمُ رَسُولُهُمْ بِالنَّبَاتِ مِنْ آئِنِ انْ كِے
 پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں۔ کہ ہنسی گوا آئیدیکہم فَوَ
 أَفْوَاهِهِمْ مِنْ لُؤْمَانِے انہوں نے ان کے ہاتھ ان کے
 سونوں میں اس فعل کو کئی صورتوں پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اس کا معنی
 یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نافرمان لوگوں نے اپنے بیوں کے ہاتھ انہی کے
 منہ میں ٹھونس دیئے تاکہ وہ خاموش رہیں اور فریضہ سلغ ادا نہ کر سکیں۔
 جب کسی کی زیادہ تحقیر مقرر ہوتی ہے تو پھر اسی قسم کا عمل کیا جاتا ہے
 کہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر اُس کے منہ پر رکھ دیا جائے کہ خاموش رہو۔ بہت باری
 بات نہیں سننا پاتے۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان لوگوں نے
 خود اپنے ہاتھ انہا کے منہ پر رکھ کر ان کو خاموش کرانے کی کوشش کی ہو۔
 ایک تیسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے خود اپنے ہاتھ اپنے منوں
 میں ڈال دیئے۔ اور ایسا کرنا درودِ جہ سے ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات۔
 نہایت غصے کی حالت میں کوئی شخص اپنے ہاتھ اپنے ہی منہ میں ڈال
 کر جاتا ہے۔ منافقوں اور کافروں کے متعلق آئے ہے "وَإِذَا نَكَحُوا
 عَصَاتُكُمْ عَلَيْكُمْ إِلَّا نَكَحْتُمْ مِنَ الْعَيْظِ" (آل عمران) وہ
 اپنی انگلیاں غصے کی وجہ سے چباتے تھے کہ مسلمان کیوں کامیاب ہو
 سکتے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان انوس اور حسرت کی بنا پر
 اپنے منہ میں انگلی ڈال لیتا ہے۔ یہ بھی درست ہے اور امام شاہ ولی اللہ
 اسی معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔ تاہم اس مقام پر مذکورہ سلسلے کے معنی ہی درست ہیں
 بِالْاِخْرَانِ نَافِرْمَانِ قُرُوبِے نے خدائی پر درگرم کا صریح انکار کرنا۔ وَ
 قَالُوا ادرکنے لگے اِنَا كَفَرْنَا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهِ ہم اُس چیز کا
 انکار کرتے ہیں جو تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے۔ تمہارا عقیدہ، اشریت

خدا کی
پروردگارا
کا انکار

اور لاکھ عمل ہمیں ہرگز منظور نہیں۔ ہم نہ تمہاری توحید کو ملتے ہیں اور نہ راست
 کو اور نہ معاد کو، وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ
مُؤْمِنِينَ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو، ہمیں اس میں تردد و انگیز
 شک ہے۔ ہمیں تمہاری باتوں پر یقین ہی نہیں آتا۔ جن پرانی اقوام کا ذکر
 اللہ نے اس آیت میں کیا ہے انہوں نے اپنے اپنے انبیا کو اس قسم کا
 جواب دیا کہ اُن کے پورے پروگرام کا ہی انکار کر دیا تاکہ اللہ کے
 نبی انہیں اس پروگرام کی طرف بار بار دعوت دینا بند کر دیں۔ یہ اُن
 اقوام کے لوگوں کی بات بیان ہوئی ہے اب اگلی آیات میں اللہ
 کے نبیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ أِنِّي سَأَلْتُ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ بِدَعْوَتِكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ
 وَيُخْرِجَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوا إِنَّ
 أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُبِذِرُونَ أَنْ تَصُدُّونَا
 عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأَنْتُمْ بِسُلْطِنٍ
 مُّبِينٍ ⑩ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ
 إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ
 يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ
 نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطِنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَىٰ
 اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ⑪ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ
 عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا وَلَنْصَبِرَ عَلَىٰ
 مَا أَدْبَرْنَا وَمَا أَدْبَرْنَا وَمَا أَدْبَرْنَا وَمَا أَدْبَرْنَا ⑫

ترجمہ: کہا اُن کے رسولوں نے، کیا اللہ کے پاس

میں شک ہے جو پیدا کرنے والے ہے آسمانوں اور زمین کا۔

تم کہ جہاں ہے اگر معاف کرے تمہارے کچھ گناہ اور رحمت سے

تم کہ ایک مقررہ وقت تک۔ کہہ اُن (کافروں) لوگوں نے

نہیں ہو تم مگر انسان ہمارے جیسے۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں

روک دو اُس چیز سے کہ ہمارے آباؤ اجداد عبادت کرتے تھے
 پس لاؤ ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل (۱۰) کا ان کے لیے اُن
 کے رسولوں نے، نہیں ہیں ہم مگر انسان تمہارے بیسے۔
 لیکن اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں
 سے۔ اور نہیں ہے ہمارے اختیار میں کہ لائیں ہم تمہارا
 پاس کوئی سند مگر اللہ کے حکم سے، اے اللہ کی ذات پر
 ہی چاہیے کہ بھروسہ رکھیں ایمان والے (۱۱) اور کیا ہے
 ہمارے لیے کہ ہم نہ بھروسہ رکھیں اللہ پر حالانکہ اُس نے
 ہمیں ہدایت دی ہمارے راستوں کی۔ اور ہم ضرور صبر کریں
 گے اُس چیز پر کہ تم ہمیں تکلیفیں پہنچاتے ہو۔ اے اللہ
 کی ذات پر ہی چاہیے کہ بھروسہ کریں بھروسہ کرنے والے (۱۲)

رِطَابَات

رسالت کا بیان وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا سے شروع ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام
 کو حکم ہوا کہ وہ اپنی قوم کو تاریخی واقعات اور اللہ کے انعامات یاد دلائیں۔ پھر اسی
 ضمن میں فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم اللہ کے احسانات کا شکر نہ ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ
 تمہیں مزید عطا کرے گا اور اگر ناقدری اور ناشکری کرو گے تو اس کا عذاب بھی بڑا
 سخت ہے۔ آپ نے قوم کو یہ بات بھی سمجھائی کہ اگر سارے روئے زمین والے
 مل کر بھی خدا تعالیٰ کا انکار کر دیں تو اللہ تعالیٰ کی سلطنت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ
 خدا تعالیٰ غنی اور حمید ہے۔ پھر آپ نے قوم کو یہ بھی یاد دلایا کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ
 تمہارے پاس پہلی قوم کی خبریں آئیں۔ انہوں نے ناشکر گزاری کی تو اُن کا کیا حشر ہوا۔
 قوم نوح، عاد اور ثمود کے بعد آنے والے لوگوں کا بھی یہی حال ہوا جن کی تفصیلات
 اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اُن اقوام کے پاس اُن کے رسول آئے مگر اُن لوگوں
 نے صاف کہہ دیا کہ ہم اُس چیز کا صریحاً انکار کرتے ہیں جس کی طرف تم ہمیں دعوت

ہیے اور اب آج کی آیات میں اُن رسولوں کا حوالہ آ رہا ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ كَمَا أَن لَّي رُسُلُونَ نَبِيٍّ جَنِيٍّ قَوْمِ
 کی طرف آیا ہے اُس نے منکر قوم۔ یہ کہ آفِ اللّٰهِ شَدِيدًا
 کیا تم اللہ کے بارے میں شک کرتے ہو۔ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات
 اور اس کی توحید کے متعلق کوئی تردد ہے اور خدا کی ذات وہ ہے جو
 کہ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جِوَاہِرِ سَمٰوٰتِ الْاَرْضِ
 والا ہے۔ فاطر اور باریع ہم معنی الفاظ ہیں یعنی وہ ذات جو بغیر کسی کرنے،
 آئے اور ارادے۔ جیسے کو ایجاد کر دے۔ کائنات کو
 مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا اور اس تخلیق کے لیے نہ

تر پہلے کوئی نوز موجود تھا اور نہ اس کے لیے کسی آلے اور ارادے کی
 ضرورت تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کے ساتھ اس کائنات
 کو پیدا فرمایا۔ تو اللہ کے رسولوں نے کہا کہ کیا تم اُس خدا تعالیٰ کے بارے
 میں شک کرتے ہو جو ہر چیز کا موجد ہے۔ يَا عٰزِبِمْ لِيَغْفِرْ لَكُمْ
 مِمَّنْ ذُنُوْبِكُمْ وہ تمہیں اپنی طرف اس لیے بلا ہے کہ تمہارے
 کچھ گناہ معاف کر دے۔ روزمرہ زندگی میں انسان سے غلطیاں سرزد
 ہوتی رہتی ہیں اور اگر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا رہتا ہے تو
 وہ اس کی گرفتاریوں سے درگزر کر آ رہتا ہے۔ اور اگر بندہ اپنے پروردگار
 کی طرف بالکل توجہ نہ کرے تو اس کے گناہ جمع ہو کر اُس کے لیے وبال بن
 بن جاتے ہیں۔

مِمَّنْ ذُنُوْبِكُمْ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 سارے کے سارے گناہ معاف نہیں کرتا بلکہ بعض کو معاف فرما
 دیتا ہے۔ ہر انسان سے دو قسم کے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ ایک قسم
 کا تعلق حقوق اللہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی صوابی سے معاف کر

دیتا ہے بشرطیکہ بندہ اس کے دروازے پر آکر معافی طلب کرے۔ گناہوں کی دوسری قسم حقوق العباد سے متعلق ہے، جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جیب تک متعلقہ بندہ اُن گناہوں کو معاف نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اُن کو معاف نہیں کرے گا۔ بعض مقامات پر مطلق گناہوں کی معافی کا ذکر بھی آتا ہے مگر اُن سے بھی وہی گناہ مراد ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے بہر حال فرمایا کہ وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دے۔ وَلْيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ

أَجَلٍ مُّسَمًّى اور پھر تمہیں مہلت دے گا ایک مقررہ مدت تک اللہ تعالیٰ کے علم میں تمہاری جتنی عمر مقرر ہے، اُسے گزارنے کے لیے تمہیں مہلت دے گا تاکہ گناہوں کی معافی کے بعد تم اچھی زندگی بسر کر سکو۔ اسی مضمون کو سورۃ یونس میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کر لو گے اور اس کی طرف رجوع کرو گے۔

يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا أَجَلٍ مُّسَمًّى تو وہ تمہیں ایک مقررہ مدت تک اچھی زندگی بسر کرے گا۔ دوسرے مقام پر حَيٰوةً طَيِّبَةً کے الفاظ بھی آتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ انہیں پاکیزہ زندگی نصیب کرے گا۔ اور پاکیزہ زندگی وہ ہے جس کا تعلق ایمان نبی اور اطاعت کے ساتھ ہے۔ اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے کہلویا کہ تم اللہ کی طرف آ جاؤ، وہ تمہارے گناہ معاف کر کے ایک مقررہ وقت تک پاکیزہ زندگی عطا فرمائے گا۔

بشری
رسالت
کا انکار

اللہ کے نبیوں کی اس دعوت کے جواب میں قَالُوا كَافِرُونَ اور نافرمان لوگوں نے کہا إِنَّكَ مُرِلًا بَشَرًا مِّثْلَنَا نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے انسان۔ ان لوگوں نے نبیوں کی بشریت کے پیش نظر اُن کی رسالت کا انکار کر دیا۔ قرآن میں اس بات کو کئی مقامات

پر بیان کیا گیا ہے۔ کافر کہتے تھے کہ تو بھی تو ہمارے جیسے آدمی ہو نہیں
 کون سے سرخاںب کے پڑ گئے ہیں جو تم رسول بن بیٹھے ہو۔ اگر
 اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنا تا، اس پر وہی نازل کرتا تو وہ کوئی بڑا آدمی ہوتا،
 تم جیسے عزیز آدمی کو کیسے رسول بنا لیا ہے جس کے پاس نہ مال ہو نہ
 ہے، نہ نوکر چاکر ہیں، نہ باغاستہ ہیں، نہ فوج اور جھنڈے ہے۔ ہم تمہاری
 بات کو کیسے تسلیم کریں کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ کہنے لگے لَرَبِّكَ فِى
اَنْ تَصُدَّقَ لَكَ عَمَّا كَانَ يُعْبُدُ اَبَاؤُنَا تَمَّ هَيْسَ اَنْ
 چیزوں سے روک دینا چاہتے ہو جیسی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے
 آئے ہیں۔ ہم تو اسی دین کی پیروی کریں گے جس پر ہمارے باپ
 دادا تھے، تم ان سے زیادہ ممکنہ نہیں ہو جو ان کے طریقے سے ہٹنا چاہتے
 حضرت نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی قوم
 کے لوگوں نے بھی یہی کہا تھا کہ تم ہمیں ہمارے معبودوں سے دور رکھنا
 چاہتے ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے تو خاص طور پر کہا تھا لَا
تَذُرْنَا بِالْهَيْكَلِ الَّذِى نَعْبُدُ (لوگ! نوح علیہ السلام کے کہنے پر اپنے
 معبودوں کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخاطبین نے بھی
 یہی کہا تھا۔ قَالُوا حَسْبُ قَوْمِ وَالصُّورِ وَالْهَيْكَلِ الَّذِى نَعْبُدُ
 کہ ان کو زندہ جلادوں نے معبودوں پر مے رہے رہو۔ ان کو ترک نہ کرنا۔

کہنے لگے اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو قَالَ لَوْ نَا بِسُلْطٰنٍ
مَّبِیْنٍ تو ہمارے پاس اپنی رسالت کی کوئی کھلی سند ہے آؤ۔ اس
 سے ان کی مراد یہ تھی کہ ہماری مرضی کی کوئی نشانی یا معجزہ پیش کرو تب
 ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے ہر نبی کے ہاتھ پر بشارت و معجزات ظاہر فرمائے مگر کافر لوگ محض ضد
 اور عناد کی وجہ سے انہیں تسلیم نہ کرتے تھے بلکہ ان کے مطالبات

اس قسم کے ہوتے تھے کہ ہمارے سامنے سیدھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں کبھی کبھائی کتاب لے کر آؤ۔ یا فرشتے آکر آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔ یا خود خدا تعالیٰ سامنے آکر کہے کہ ہاں! میں نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کھلی سند سے وہ اس قسم کی نشانیاں مراد لیتے تھے کہ ان کے بغیر ہم آپ کو رسول نہیں مانیں گے۔

بشری
رسالت
کی تصدیق

اس سوال کے جواب میں قَالَتْ لَهُمْ رَسُولُهُمْ اَنْ كَيْ
رَسُولُوْنَ لَمْ يَنْبَغِ لَكُمْ انہیں کہا۔ جَاہِلٌ اَنْ اَنْ اَنْ اَنْ اَنْ
اَنْ اَنْ اَنْ اَنْ اَنْ اَنْ انان ہونے کا تعلق ہے انان
نَحْنُ الْاَنْبِيَاءُ اور رسل انان ہوتے ہیں، البتہ رسول۔ انانوں کے علاوہ
فرشتے بھی ہوتے ہیں، لیکن نبی ہمیشہ انان ہی ہوتے ہیں۔ علم عقائد والے
نبی کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں "هُوَ اَنْبِيَاؤُكُمْ بَعَثَهُ
اللّٰهُ لِيَتَّبِعُنَا مَا نَوْحِي اِلَيْهِ" نبی ایک انان ہوتا ہے جس
کو اللہ تعالیٰ اُس چیز کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرماتا ہے جس کو وہ وحی
سے نازل کرتا ہے۔

جہاں تک ماہیت انانیت کا تعلق ہے اس میں انان ہونے
کی حیثیت سے سب لوگ برابر ہیں، سب کے سب آدم علیہ السلام
کی اولاد ہیں، لیکن جہاں تک درجے اور مرتبے کا تعلق ہے، اس میں
عظیم تفاوت ہے۔ نبی انان ہوتے ہیں مگر صاحب کمال۔ انبیاء
علیہم السلام اللہ کے کامل ترین انان ہوتے ہیں جو ہر قسم کے گناہوں سے
پاک ہوتے ہیں اور امت کے لیے بطور نمونہ، باقی امت
اسی کے نقش قدم پر چل کر کمال کو پہنچتی ہے اور پھر اولیاء اللہ میں بعض
وہ ہوتے ہیں جو اپنی ذات میں تو کامل ہوتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ
وہ دوسروں کو بھی کامل بنا سکیں، اور بعض خود بھی کامل ہوتے ہیں۔

اور دوسروں کو بھی کامل بنا نے دلے ہو تے ہیں۔ ان میں بھی فرق ہوتا ہے۔ بعض کاملین دو آدمیوں کو کامل بنا تے ہیں اور بعض ایک جماعت کو کامل بنا تے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو سب سے زیادہ صلاحیت عطا فرمائی اور آپ نے ایک جہان کو کامل بنایا۔ پھر جو لوگ گمراہ ہو تے ہیں۔ وہ آپس کھلتے ہیں۔ ان میں بھی دو گروہ ہوتے ہیں۔ بعض آدمی وہ ہوتے ہیں جو اپنی ذات میں گمراہ ہو جاتے ہیں، وہ ضال کھلتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص راہ راست سے ہٹا ہوا ہے اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ وہ مضل کھلتے ہیں۔ بہر حال نبیوں کا کمال بہت بلند درجے کا ہوتا ہے مگر وہ بھی نسل انسانی سے ہی تعلق رکھتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حضور علیہ السلام کے لیے مِنْكُمْ اور مِنْ أَنْفُسِكُمْ کے الفاظ استعمال کیے ہیں یعنی آپ تمہاری ہی نسل اور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

رسولوں نے فرمایا کہ ہم تمہاری طرح ہی انسان ہیں وَالْكَافِرُ يَكْفُرُ بِكُلِّ مَن يَكْفُرُ مِنْكُمْ۔ اے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے ایمان فرماتا ہے اُسے نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرماتا ہے، اور اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اُس سے گناہ نہیں سرزد ہونے دیا جاتا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے جو انبیاء کو حاصل ہوتا ہے۔ باقی وہ گیا من مانی نشانی ظاہر کرنا تو اس کے متعلق رسولوں نے کہا وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ اور ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم کوئی کھلی سند یا نشانی پیش کریں مگر اللہ کے حکم سے۔ جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے کوئی معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ بہر حال

پر نشانی پیش کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ کسی کو ایسے مطالبات نہیں کرنے چاہئیں بلکہ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ مومنوں کو چاہئے کہ اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھیں۔

توکل خدا

اب اگلی آیت میں اللہ کے نبیوں نے اپنی جماعت کے صبر، توکل اور استقامت کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ اَللّٰہِ اور کیا ہے ہمارے لیے کہ ہم نہ توکل کریں اللہ تعالیٰ کی ذات پر وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا مَا لَنَا اَلَّا نَحْمَدَہٗ اس نے ہمارے لیے ہدایت کے راستے واضح کیے ہیں۔ توکل کا معنی یہ ہے کہ تمام اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے نتیجے کا اعتماد صرف خدا تعالیٰ پر رکھا جائے، اُس کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہ ہو، اگر کوئی شخص اسباب پر بھروسہ رکھے گا۔ تو مشرک ہو جائے گا کیونکہ اس نے اسباب کو مؤثر حقیقی سمجھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص درجے تک اسباب میں اثر رکھا ہے جیسے غذا استعمال کرنے سے بھوک مٹی ہے اور دوائی پینے سے صحت حاصل ہوتی ہے مگر ان کے متعلق ہی گمان رکھنا چاہئے کہ اگر اللہ اثر پیدا کرے گا تو غذا کے استعمال سے بھوک مٹے گی۔ اگر اللہ کی مشیت نہ ہو تو غذا کھانے کے باوجود ہضم نہ ہوتی اور انسان اٹا تکلیف میں مبتلا ہو جاتا۔ بعض لوگوں کو جو ع الکلب کی بیماری ہوتی ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ کھانے کے باوجود ان کی بھوک نہیں مٹی۔ لہذا غذا ایک سبب ہے مگر اس میں اثر ڈالنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اسی طرح بیماری میں دوا استعمال کی جاتی ہے مگر شفا اسی وقت ہوتی ہے، جب اللہ تعالیٰ اُس دوا میں فائدہ ڈال دے۔ تو گویا دوا مؤثر بالذات نہیں ہے بلکہ یہ اُس وقت مفید ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ اس میں اثر پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ کیا ہے ہمارے لیے کہ ہم

اللہ کی ذات پر توکل نہ کریں۔

فہمائے کرام فرماتے ہیں کہ اسباب میں قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم اسباب مقطوعہ ہیں اور یہ ایک حد تک قطعی ہوتے ہیں۔ ان کو ہر حالت میں اختیار کرنا ضروری ہے اور ترک کرنا حرام ہے۔ مثلاً کھانے اور پینے میں بقالے حیات معسر ہے اگر کوئی شخص توکل کرتے ہوئے کھانا پینا چھوڑ کر بھوکوں مر جانے تو یہ توکل نہیں ہوگا بلکہ ایسا شخص حرام موت مرے گا۔ یہ اسباب مقطوعہ ہیں جن کو ترک کرنا حرام ہے، البتہ عقیدہ یہی ہونا چاہیے کہ خوراک اور پانی وغیرہ مؤثر بالذات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ان میں تاثیر پیدا کرتے ہے۔

دوسری قسم کے اسباب منظونہ کہلاتے ہیں۔ اگرچہ گمان غالب ہوتا ہے کہ ان اسباب میں تاثیر ہوگی مگر یہ بالکل ضروری بھی نہیں ہوتا۔ اس کی مثال بیماری میں استعمال کی جانے والی دوائیں ہیں۔ بعض اوقات ان کے استعمال سے شفا حاصل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات نہیں ہوتی ایک ہی بیماری میں ایک دوائی کسی شخص کے لیے مؤثر ہوتی ہے اور دوسرے کے لیے نہیں ہوتی۔ لہذا دوا استعمال کرنے کے بعد دوسرے اللہ کی ذات پر ہی ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شخص ان اسباب کو ترک کر کے محض خدا پر بھروسہ رکھے تو یہ کمال درجے کا توکل ہوگا۔

مدیث شریف میں بعض ایسے لوگوں کا ذکر آیا ہے جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں جاؤں گے یہ ایسے ہی کمال درجے کے متوکل لوگ ہوتے ہیں کہ وہ اسباب منظونہ کو اختیار نہیں کرتے۔

اسباب کی تیسری قسم اسباب مؤہومہ کہلاتی ہے۔ یہ صرف وہم ہوتا ہے کہ ان اسباب کے اختیار کرنے سے ہر ممکن ہے کہ مقصد حاصل ہو جائے۔ ان میں جھاڑ چھنک اور ٹھونڈ گنڈا وغیرہ آتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ان اسباب کو ترک کرے تو یہ ادنیٰ درجے کا توکل سمجھا جائے گا۔ بہر حال یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ کسی سبب میں تاثیر پیدا کر دے یا اسے موقوف کر دے۔

باقی رہی یہ بات کہ اللہ نے ہمارے لیے ہدایت کے راستے واضح کیے ہیں۔ یہاں سُبُلَنَا جمع کا صیغہ آیا ہے یعنی ہدایت کے بہت سے راستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں زندگی کے مختلف شعبوں میں ہدایت کے راستوں کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ سب سے پہلے دین کے معاملے میں اللہ نے راہنمائی فرمائی ہے اور توحید کی طرف دعوت دی ہے۔ کفر، شرک، نفاق، تردّد، شک اور بداعتقادی کو واضح کیا ہے تجارت، معیشت اور سیاست کے راستے واضح کیے ہیں تاکہ ہم اپنی زندگی میں ان راستوں پر چل سکیں۔ اخلاقیات، صلح و جنگ، لین دین، آپس کے معاملات، ایک دوسرے کے حقوق، غرضیکہ تمام شعبوں میں ہدایت کے راستے واضح کیے ہیں۔ لہذا ہمارے لیے کیسے کہ ہم اس ذات پر توکل نہ کریں۔

صبر کی دولت

اللہ کے رسولوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ بھی کہا وَكُنْصَبْرًا عَلٰی مَا اَذِيْتُمْوَنَّا اور ہم ضرور صبر کریں گے اُس پر جو تم ہیں تکالیف پہنچاتے ہو۔ نبی کے متعلق کتنا کہ اسے ہم پر کوئی فوقیت حاصل نہیں یہ تو ہمارے جیسا انسان جیسا بیوی بچے رکھتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا، کاروبار کرتا ہے۔ یہ خود باطن صبری اور کدو ہے۔ اس کے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے، یہ جادوگر ہے۔ وغیرہ وغیرہ سب تکلیف دہ باتیں ہیں، جن سے اللہ کے نبیوں کو ذہنی طور پر بڑی گرفت ہوتی تھی، مگر انہوں نے ان سب باتوں پر صبر کیا جو کہ بہت بڑی حقیقت ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان تمام تر تکالیف کے باوجود وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ بھروسہ رکھنے والوں کو چاہیے



وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ
 مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَىٰ
 إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۝۱۳ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ
 الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ
 مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ۝۱۴ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ
 عَنِيدٍ ۝۱۵ مِّنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ
 صَدِيدٍ ۝۱۶ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ
 الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ
 وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝۱۷

ترجمہ :- اور کہا اُن لوگوں نے جنوں نے کفر کیا اپنے
 رسولوں سے کہ ہم ضرور نکال دیں گے تمہیں اپنی سرزمین
 سے، یا تم پلٹ آؤ ہماری امت میں پس وحی کی اُن (رسولوں)
 کی طرف اُن کے پروردگار نے کہ بیشک ہم ضرور ہلاک کریں
 گے ظلم کرنے والوں کو ۝۱۳ اور ہم ضرور بائیں گے تم کو
 زمین میں ان کے بعد، اور یہ بات اُس شخص کے لیے
 ہے جو خوف کھاتا ہے میرے روبرو کھڑا ہونے سے اور
 خوف کھاتا ہے میری وعید سے ۝۱۴ اور فیصلہ طلب کیا

انہوں نے اللہ ناکام ہوا ہر حکم اللہ عباد کرنے (۱۵) اُس کے آگے جہنم ہے اور چلایا جانے اُس کو پیپ دلو پانی (۱۶) اُس کو گھونٹ گھونٹ کر کے انا سے ۴، اللہ قریب نہیں کر اُس کو خلق سے لاد کے اللہ آئیگی اُس کے پاس موت ہر طرف سے اور وہ مرنے والا نہیں ہو ۴۔

اللہ اس کے آگے سخت قسم کا عذاب ہو ۴ (۱۷)

اس سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت، اس کے کتاب ہدایت ہونے اور اس کے ذریعے لوگوں کو اندھیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لٹنے کا ذکر کیا۔ پھر عظیم قرآن کے انہم کر بیان فرمایا۔ اس کے بعد وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رِسَالَةٍ إِلَّا نَحْنُ نَكْتُبُهَا۔ پھر قوم کوئی نوح، عاد اور ثمود کا ذکر ہوا اللہ انبیاء عظیم السلام کے ساتھ ان اقوام کے مکملے کا بیان آیا۔ پھر نبیوں کے طریق کار کا تذکرہ ہوا کہ انہوں نے کس طرح خدا کی ذات پر بھروسہ کیا۔ راہ حق پر گامزن ہے۔ اور صبر برداشت کا دامن تھلے رکھا۔

مکرمین نے رسولوں کی بشریت پر بھی اعتراض کیا، جس کے جواب میں رسولوں نے کہا کہ ہم نے کب کہا ہے کہ ہم انسان نہیں ہیں کبھی فرشتہ یا دیگر مخلوق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ نیز یہ کہ تمہاری من مانی نشانیاں پیش کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے کسی بھی مجوزے اور نشانی کا اظہار اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ البتہ تم ہمیں جو کچھ تکالیف پہنچا ہے، ہم اس پر ضرور صبر کریں گے کیونکہ اللہ نے ہمارے لیے ہدایت کے راستے واضح کیے ہیں۔ اور ہم پر احسان فرمائے ہیں۔ ہم تو صرف اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

انبیاء عظیم السلام اور اُن کی اقوام کے لوگوں کے درمیان سلسلہ کلام جاری ہے

ربوبیت

کھنڈک
دہلی

جب اللہ کے نبیوں نے اپنی بات کی وضاحت دلیل کے ساتھ کی تو انہی اقوام تشدد پر اتر آئیں۔ وہ دلیل سے تو کوئی جواب نہ دے سکے، البتہ دھمکی دی وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالرُّسُلُ هُمْ اَوْرِكَاۤنٌ لَّوْگُوں نے جنہوں نے کفر کیا اپنے رسولوں سے۔ یعنی اپنے اپنے مانے میں اپنے اپنے رسولوں کو ایک ہی طرح کی دھمکی دی لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤہُمْ ضرور نکال دیں گے تمہیں اپنی سرزمین سے اَوْ لَنَعُوْذَنَّ فِيْٓ مَلِكِنَاۤہُمْ یا واپس پلٹ آؤ ہماری ملت یعنی دین میں۔ مطلب یہ کہ یا تو ہمارا دین قبول کر لو، اپنا دین چھوڑ دو۔ ورنہ ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے۔

زمین سے نکلنے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی صورت یہی ہے کہ کسی کو ملک بدر کر دیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اُسے قید میں ڈال دیا جائے اور اس طرح اس سرزمین میں چلنے پھرنے سے روک دیا جائے۔ تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قتل کر دیا جائے گویا اُس سرزمین کی سطح سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال دیا جائے۔ اللہ کے اکثر نبیوں کے ساتھ ان کی قوموں نے ایسا ہی سلوک کیا۔ چنانچہ لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے یہی کہا اٰخْرِجُوْهُم مِّنْ قَرْيٰتِكُمْ اِنَّهُمْ اَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (الاعراف) یہ لوگ بڑے پاک باز

بنے پھرتے ہیں۔ انہیں اپنی بستی سے نکال دو۔ شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِّنْ قَرْيٰتِنَاۤہُمْ اَوْ لَنَعُوْذَنَّ فِيْٓ مَلِكِنَاۤہُمْ (الاعراف) اے شعیب علیہ السلام! ہم آپ کو اور آپ کے ساتھی ایما نداروں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، یا ہماری ملت میں واپس آ جاؤ۔ غرضیکہ باطل پرستوں کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ حق بات سننے کی بجائے دھینکا مٹی اور تشدد پر اتر آتے ہیں۔ مکے کے مشرکین

بھی ایسا ہی کرتے رہے۔ اللہ نے قرآن میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا ہے، جن کو ملاوحت و تکلیفیں دی گئیں، اور بعض کو جان سے مار دیا گیا۔ نبی تو معصوم ہوتا ہے مگر کافر جان بوجھ کر ان کو تنگ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے نئے دین کو چھوڑ کر ہمارے پرانے دین میں واپس آ جاؤ۔

قرآن پاک میں موجود ہے کہ اللہ کے نبی یہ پیش کش بھی کرتے تھے کہ اگر تمہیں ہماری بات پسند نہیں تو تم اپنے راستے پر کام کرتے رہو، ہم اپنا کام جاری رکھیں گے۔ پھر دیکھنا سناج کس کے حق میں آتے ہیں اور کافر لوگ یہ بات بھی نہیں مانتے تھے اور پیغمبروں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنا سن ترک کر دیں۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کے قتل کا منصوبہ بنا گیا، مگر خدا تعالیٰ نے اُسے ناکام بنا دیا۔ پھر آپ کو مکے سے ہجرت پر مجبور کر دیا گیا۔ ہزار کوشش کے باوجود کفار مکہ نے آپ کی بات کو برداشت نہ کیا۔ حال اللہ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے مخالفین ان کو دکھایا جیتے رہے۔ کہ ہمارے دین میں واپس جاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔

اس آیت کریمہ میں لَتَعُوذُنَّ کے لفظ سے اشکال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا اللہ کے نبی ابتداء کفار کے دین پر ہوتے تھے اور پھر انہوں نے سچا دین اختیار کیا اور اس وجہ سے کفار انہیں پہلے دین پر واپس لانا چاہتے تھے۔ مفسرین کرام اس کا جواب جیتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اللہ کے نبی کبھی ایک لحظہ بھر کے لیے بھی کفر و شرک کے دین پر نہیں ہوتے بلکہ وہ ابتداء سے ہی کفر اور شرک سے بیزار ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا وَلَقَدْ آتَيْنَا ابْرٰهٖمَ رُسُلًا مِّنْ

ایک
اشکال

قَبْلَ (الانبیاء) ہم نے ابراہیم کو ابتداء ہی سے ہدایت عطا فرمائی۔
 لفظ عَوْد کا عام فہم معنی اگرچہ پلٹ آنا ہوتا ہے مگر یہ لفظ محض ہو
 جانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ سورۃ یسین میں موجود ہے
 کہ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ
 الْقَدِيمِ یہاں تک کہ وہ پرانی شاخ کی طرح باکل باریک اور ٹیڑھا
 ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ نبوت ملنے سے پہلے اللہ
 کا نبی اگرچہ ایمان پر ہوتا ہے مگر فریضہ تبلیغ ادا نہ کرنے کی وجہ سے
 کافر لوگ انہیں اپنے زین پر ہی سمجھتے ہوں گے، لہذا انہوں نے اپنے
 زعمِ باطل کے مطابق کہہ دیا کہ تم پہلے بھی ہمارے دین پر تھے۔ اب پھر
 اسی میں پلٹ آؤ۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کافروں نے عود کا لفظ صرف انبیاء
 علیہم السلام کے لیے نہیں بلکہ ان کے پیروکاروں کے لیے بھی استعمال
 کیا ہے اور ان کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ نبی اور اس کے ماننے والے
 سارے کے سارے پرانے دین میں واپس آجائیں۔ ان کی یہ بات
 جزوی طور پر درست ہو سکتی ہے کیونکہ نبی کے پیروکار تو بہر حال
 ابتداءً باطل دین پر ہی تھے اور کافر لوگوں نے ان کی واپسی کے مطالبے
 کے ساتھ پیغمبروں کو بھی شامل کر لیا، حالانکہ اللہ کے نبی کبھی بھی باطل
 دین میں نہیں رہے۔ اس طرح آیت کا معنی یہ ہو گا کہ کافروں نے
 نبی کے پیروکاروں سے کہا کہ تم ہمارے دین میں واپس لوٹ آؤ۔
 اور پیغمبروں سے کہا کہ تم ہمارے دین اختیار کر لو۔

کافروں کی اس دھمکی کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَادْحَىٰ
 إِلَيْهِمْ رُجُومًا کہ ان کے رب نے وحی کی ان (رسولوں) کی طرف اور ان
 کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ فکر نہ کرو کہ اگر یہ لوگ تمہیں تکالیف پہنچا رہے

اللہ کی
 طرف سے
 تسلی

ہیں لَنْهَدِيَكُنَّ الظَّالِمِينَ تَرْهَمُ هِيَ اِنْ ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے
کہ اِنْ شَرِكْ سَبَّ سے بڑے ظلم ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے وَالْكَافِرُونَ
هُمُ الظَّالِمُونَ (البقرہ) کافر لوگ ہی ظالم ہیں اِنَّ الشِّرْكَ
لظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان) شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ منکرین رسول
کفر و شرک کا ارتکاب کر کے ظالموں کی فہرست میں شامل ہو گئے، تو
اللہ نے فرمایا کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے، ظلم حقوق اللہ اور
حقوق العباد میں بھی ہوتا ہے مگر عقیدے میں کفر و شرک کی موجودگی ظلم
عظیم ہے۔ اور ظلم کی دوسری صورت یہ بھی تھی کہ کافر لوگ اہل ایمان پر
تشدد کرتے تھے اور انہیں زبردستی اپنے دین میں لانا چاہتے تھے جب
ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ حق بلند کیا تو کہنے لگے "حَسْبِيَ اللّٰهُ اَسْكُنُ
اِلٰهًا وَاٰلِہٖٓ اَتْمَارًا" کے معنیوں کو بڑا بھلا کہتا ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم
نے آپ کو کہا کہ اے نوح! اگر تم اپنی حکمتوں سے باز نہ آئے۔
لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (الشعرا) تو ہم تمہیں
ہٹا کر دیں گے لوط علیہ السلام سے بھی یہی کہا گیا کہ اگر باندہ آؤ گے
لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُتَخَرِّجِيْنَ تو تمہیں نکال دیا جائیگا
اللہ نے فرمایا، ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے وَ لَنْ يَكُنَّ لَكَ
اَلَا تَرْضٰنَ مِنْ اٰبَعْدِهِمْ اُوْر اَنْ كے بعد ہم تمہیں اس
سرزمین میں آباد کریں گے۔ چنانچہ اکثر و بیشتر ایسا ہوا ہے کہ عبادی لوگ
ہلاک ہوئے اور ان کے بعد اللہ کے نبی معینے متبعین کے وہاں
پر آباد ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کو اللہ نے غرق کر دیا۔ خود
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام مخالفین دب گئے۔ وہ یا تو ایمان
لے آئے، یا مائے گئے یا ملک بدر ہوئے اور بالآخر حضور علیہ السلام
اور آپ کے صحابہؓ اس سرزمین پر غالب آئے فرمایا ذٰلِكَ لِمَنْ

خَافَ مَقَامِي يہ چیز اس شخص کو حاصل ہوگی جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا۔ جس شخص کو مجھ سے اعمال کا خوف ہے ظاہر ہے کہ وہ اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہوگا اور وہی اس زمین میں خلافت کا حق دار ہوگا۔ فرمایا وہ شخص بھی حقدار ہے وَخَافَ وَعَبِدَ جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔ ہم ایسے شخصوں کو زمین میں نیابت عطا کرتے ہیں اور ان کے مخالفین کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ جب اس زمین پر تم آباد ہو جاؤ گے تو پھر تمہاری آزمائش بھی شروع ہو جائے گی کیفَتَ تَعْمَلُونَ کہ تم کس قسم کے کام انجام دیتے ہو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے یہی فرمایا تھا کہ وہ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر کے اس سرزمین میں تمہیں آباد کرے گا۔ فَيَنْظُرْ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (الاعراف) پھر وہ آشکارا کر دے گا کہ تم کیا کاروائی کرتے ہو۔ بہر حال اللہ نے اپنے نبیوں کو تسلی دی کہ وہ ظالموں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ اہل ایمان کو آباد کرے گا۔

آگے ارشاد فرمایا وَاسْتَفْحَمُوا اور فیصلہ طلب کیا انہوں نے۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے مخالفین کا ذکر ہو رہا ہے تو فیصلہ کس نے طلب کیا، انبیاء نے یا مخالفین نے؛ مفسرین کہہ کر ام فرماتے ہیں کہ فیصلے کی ضمیر انبیاء کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے اور ان کے مخالفین کی طرف بھی۔ مخالفین کی طرف اس طرح کہ جب بھی اللہ کے نبی انہیں خدا کا پیغام سناتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے فیصلہ طلب کرتے تھے تھے اللَّهُمَّ اِن كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اَوْ اَنْزِلْنَا بِعَذَابٍ اَلِيمٍ (انفال) اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری سچی کتاب ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسایا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے

فیصلے کا مطالبہ

ہم تو اس کتاب کو لکھنے کے لیے تیار نہیں جو ہمارے معبودوں کی خدمت
 کرتی ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے یہی کہا تھا فَاتَّيْنَاكَ
 بِعِبَادِنَا (تھو) جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو، اُس کو لے
 آؤ۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے بھی اسی قسم کا فیصلہ طلب کیا گیا۔
 فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ وَالشَّعْرَاءِ) اگر
 تو اپنے دعوئے میں سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دے۔

وَاسْتَفْتَحُوا كِي ضَمِيرِ ابْنَادِ كِي طَرَفِ ثَمَانِي دَرَسْتِ هِيَ۔ اکثر
 انبیاء کے واقعات میں ملتا ہے کہ اُن کی پوری سنی کے باوجود جب
 قوم راہِ راست پر نہ آئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے آخری فیصلہ طلب
 کیا۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے تنگ آ کر رب العزت سے دُعا کی فَافْتَحْ
 بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتَحَا بِرُودِ دُكَارِ مِيرِے اور ان کے درمیان اب
 فیصلہ کر دے وَبَيْنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
 (الشعراء) اور مجھے اور میرے ایماندار ساتھیوں کو نجات دے دے۔
 لوط علیہ السلام نے بھی یہی عرض کیا تھا۔ کہ مولاکریم! میں ان ظالموں سے
 تنگ آچکا ہوں۔ اب تو اپنا فیصلہ دے۔ رَبِّ بِنْتِي وَأَهْلِي
 مِمَّا يَعْمَلُونَ مجھے اور میرے لاکھین گوان کے گندے
 کاموں سے نجات دے یہ بھی فیصلے کی درخواست تھی۔ شعیب علیہ السلام
 نے بھی ان الفاظ کے ساتھ فیصلہ طلب کیا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا
 وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَرِجَيْنِ (القصص)
 پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے
 اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ سورۃ یونس میں موسیٰ علیہ السلام
 کا ذکر بھی آتا ہے کہ انہوں نے بارگاہِ رب العزت میں اس طرح دُعا کی۔
 اے پروردگار! تو نے فرعون اور اُس کے حواریوں کو مال و دولت دے دی ہے

یہ تو نعمت ہے۔ کیا یہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے عطا کیا ہے۔ ”رَبَّنَا
 اَطْمَسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ پُرُوْدًا
 ان کے مالوں کو مٹائے اور ان کے دلوں کو سخت کرے اور پھر یہ عذاب
 الیم کا شکار بن جائیں۔ بہر حال فیصلہ طلب کرنے والے انبیاء بھی ہو سکتے
 ہیں اور اللہ کے مخالفین بھی۔ حضرت مولانا شیخ الحداد نے اس در خواست
 کو انبیاء کی طرف منسوب کرنے کو ترجیح دی ہے۔

منکرین
 کے لیے
 سزا

فرمایا، انہوں نے فیصلہ طلب کیا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ
 اور ہر ضدی آدمی ذلیل و خوار ہوا۔ عناد رکھنے والے ظالم لوگوں کو کبھی ہمت
 نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ تو سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ فرمایا مِنْ
 وَدَائِهِ جَهَنَّمَ اس کے آگے جہنم ہے۔ عنادی لوگ جب
 لگے جہان میں پہنچیں گے تو جہنم ان کے آگے پیش کر دی جائے گی۔
 وءاء کا لفظ ظرف ہے، اور یہ آگے اور پیچھے دونوں معانی میں استعمال
 ہوتا ہے، تاہم یہاں پر آگے کا معنی زیادہ موزوں ہے۔ اس معنی کی مثالیں
 دو سر مقامات پر بھی موجود ہیں جیسے مِنْ وَدَائِهِمْ بَرَزَخٌ
 الْيَوْمَ يُبْعَثُونَ (المومنون) جب مرتے ہیں تو ان کے
 آگے بَرَزَخٌ ہوتا ہے۔ مِنْ وَدَائِهِ الْمَدَاءُ مَا يَعْلَمُ اَدَمٰی
 کے آگے وہی چیز ہوتی ہے جس کو وہ جانتا ہے۔ فرمایا انسان کی زندگی
 دائمی نہیں ہے اور اس کے آگے جہنم ہے، اس میں وَيَسْقٰ
 مِنْ مَّاءٍ صَدِيْدٍ پلایا جائے گا وہ ٹھنڈا پپ ملا ہوا پانی بوزخیر
 کو زرد رنگ کا بولبولدار پانی پینے کے لیے دیا جائے گا جو جہنمیوں کے
 زخموں سے نکالے گا۔ جب پیاس کی شدت محسوس ہوگی يَكْتُمِرَعَةً
 تو اس پانی کو گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا وَلَا يَكَادُ لِيَسْبَغَهُ
 اور قریب نہیں کر اس کو حلق سے نیچے اتار سکے۔ سیاحت کا معنی اخراجات

کے ساتھ نکلنا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دفنی آدمی اس پیپے پانی کو آسانی کے ساتھ حلق سے نیچے نہیں آتا۔ یہ پانی اس قدر گرم ہوگا کہ سز کے قریب آکر اسے جلا ڈالے گا۔ سورۃ محمد میں موجود ہے کہ پانی اتنا گرم ہوگا جس سے قَطَّعَ اَمْعَاؤُ هُمْ اَنْ كِيْ اَنْتِيْ كَيْتُ رَحِيْحِيْ كَرِيْبِيْ گی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آجائیں گی اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔ اس طرح جہنمی اُس پانی کو آسانی سے نہیں پی سکے گا۔ یہ اُس کو دی جانے والی سزا کا ذکر ہو رہا ہے۔

ایسے شخص کے متعلق اللہ نے سزا فرمائی وَ يَأْتِيَهُ الصَّوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ اس کو ہر طرف سے موت آئے گی۔ موت سے مراد اسباب موت ہیں، یعنی ایسی کئی سزائیں ملیں گی کہ ہر سزا موت کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ مگر وہ شخص مرے گا نہیں۔ وہاں تو اس رہی ہوگا۔ كُلُّهَا لَيَضْحَكُنَّ جَلُوْدُهُمْ بَدَا لَهُمْ جَلُوْدًا غَيْرَهَا (النار) جب جسم کی کھال آگ کی پیش سے جل جائے گی تو اس کی جگہ فوراً دوسری کھال پناہی جائے گی۔ فَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ اور اُس شخص کو موت نہیں آئے گی۔ بِكُرُوْهِ ہمیشہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہی رہے گا۔ وَمِنْ قَوْلِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ اور اس کے آگے سخت قسم کا عذاب ہوگا، جس کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

یہ جواب ہے ان لوگوں کو جو اللہ کے نبیوں کو دیکھیاں دیتے تھے کہ تم ہمارے دین کو قبول کر لو، ورنہ ہم تمہیں اپنی سزا میں سے نکال دیں گے۔ اللہ نے اپنے نبیوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ایسے لوگوں کا یہ انجام ہونے والا ہے۔

وما آبرئ ۱۳

البرہیم ۱۴

درششم ۶

آیت ۱۸، ۲۰

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ
 اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ
 مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ
 الْبَعِيدُ ⑱ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنَّ كِشَاةَ يَدَيْكَم مِّمَّا وَجَّعَ
 جَدِيدٌ ⑲ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ⑳

ترجمہ:۔ مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا ہے اپنے
 رب کے ساتھ، اُن کے اعمال مثل راکھ کے ہیں کہ سخت
 ہوگئی ہے اس کے ساتھ ہوا شدید آندھی کے دن۔ نہیں
 قادر ہوں گے وہ اس چیز میں سے کسی شے پر بھی جس کو
 انہوں نے کمایا، اور یہ گمراہی ہے دور کی ⑱ (اے مخاطب)
 کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیک اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے
 آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ اگر وہ چاہے تو تم
 کو لے جائے اور لانے وہ نئی مخلوق ⑲ اور نہیں
 ہے یہ اللہ تعالیٰ پر کوئی دشوار ⑳

گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے کہ کافر لوگ اللہ کے نبیوں کو دھکی دیتے
 تھے کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے
 اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے اور ان کے بعد

اس زمین میں تمہیں آباد کریں گے۔ فرمایا یہ سعادت اس شخص کو حاصل ہوگی جو محاسبہ اعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کے درمیان پیش ہونے اور اس کی عیب سے خوف کھاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام یا ان کی قوموں نے اللہ سے فیصلہ طلب کیا جس کے نتیجے میں ہر شخص اور کئی آدمی ہلاک ہوا۔ ایسے لوگوں کو جہنم میں پیپ ملا پانی پینے کو دیا گیا۔ جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے نکلنے کی کوشش کریں گے مگر اس کا نکلنا مشکل ہوگا۔ جنہی لوگوں کو اسباب موت ہر طرف سے گھیریں گے مگر انہیں موت نہیں آئے گی۔ بلکہ وہ موت و حیات کی کشمکش میں عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

انبیاء علیہم السلام کو تسلی دینے اور کفار کا انجام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا حال ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے

کفار کے
اعمال
کی مثال

ارشاد ہوتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا كَمَثَلِ الْفَخْرِصَةِ عَلَى الْحَذِّ يُكَفِّرُ بَعْضُهُمْ أَمْعَالَ الْآخَرَةِ۔ یعنی جو لوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں ان کی مثال ہے فخریصہ جو تیز رفتاری سے چلتی ہے اور اس کے پیچھے کھینچا ہوا ٹھیکڑا ہے جو ہوا کے ساتھ سخت ہموںگی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کفار کے اعمال کا کفار کے ڈھیر کے مانند ہیں کہ جب تیز ہوا چلے تو سارا ڈھیر اڑ جائے اور ان کے پاس کچھ نہ رہے۔ کفر سے مراد اللہ کی ذات، صفات، اس کی صفات، نبوت و رسالت، قیامت، ملائکہ اور تقدیر کا انکار ہے۔ اعمال سے مراد اگر کفر یہ اور شرکیہ اعمال ہیں تو ظاہر ہے کہ اللہ کے نزدیک ان کی کیا وقعت ہے۔ وہ جتنے بھی اعمال کرتے ہیں۔ ان کے لیے وبال جان بن جائیں گے۔ البتہ کافروں کے بعض نیک اعمال بھی ہو سکتے ہیں۔ بعض کافر لوگ بھی صدقہ خیرات کرتے ہیں، انسانی ہمدردی کے جملہ امور انجام دیتے ہیں، سکول اور ہسپتال بناتے ہیں، لڑکھانوں کے یہ اعمال بھی اکارت جانتیں گے، فرمایا فِي كَوْمٍ تَخَابَسُهَا أَمْمِي

کے دن یعنی جب قیامت کی آندھی آئیگی تو یہ سب اعمال رکھ کی مانند اڑ جائیں گے۔ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ اِسْمٰوِن
اپنی کمائی کی کسی چیز پر قادر نہیں ہوں گے۔ اور ان کے رفاہِ عامہ کے کام بھی ضائع ہو جائیں گے۔

ایمان
شرط قبولیت
ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کی قبولیت ایمان پر موقوف ہے۔ اگر ایمان نہیں ہے تو بڑے سے بڑا عمل بھی کام نہیں آئے گا قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے کہ پسندیدہ لوگ وہ ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ جو ایمان لائے اور پھر نیک اعمال انجام دیے جب تک ایمان نہیں ہوگا، اعمال کی کچھ قدر نہیں ہوگی۔ سورۃ الانبیاء میں ہے۔ "فَمَنْ يَعْمَلْ مِّنَ الصَّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِّسَعْيِهِۦٓ حَسْبُ شَخْصٍ نے نیک اعمال انجام دیے بشرطیکہ وہ مومن ہے تو اس کی محنت کی ناقدری نہیں کی جائے گی اس سے بھی معلوم ہوا کہ قبولیت اعمال کے لیے ایمان کا ہونا شرط ہے۔ اگر انسان کا ایمان درست نہیں، فکر پاک نہیں، عقیدہ صحیح نہیں تو اچھے سے اچھا عمل بھی فائدہ نہیں دیگا۔ جس طرح نماز کے لیے طہارت شرط ہے اسی طرح اعمال کی قبولیت کے لیے ایمان شرط ہے مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ کافر لوگ اپنے زعم میں جو بھی اچھے کام کرتے ہیں، ان کا بدلہ انہیں دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے۔ اور پھر آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ دنیا میں ہی ان کی شہرت ہو جاتی ہے۔ مال و دولت حاصل ہو جاتا ہے، اقتدار مل جاتا ہے اولاد حاصل ہوتی ہے، مگر آخرت سے خالی ہوتے ہیں۔ جب تک ایمان درست نہیں ہوگا، اعمال میں نقل نہیں ہوگا اور وہ قیامت کی آندھی میں رکھ کی طرح اڑ جائیں گے۔ بے وزن اور ہلکے اعمال کے متعلق

سورة الفارص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَإِنَّمَا حَقُّهُ مُوَازِينَةُ
فَلْتَدْعُوا حَوِيلَهُمْ إِنَّ كَاتِحًا يَفْعَلُ"۔

آج کی دنیا میں بھی ایمان سے خالی کافر، مشرک، یسوی، عیسائی،
کیمونسٹ، دہریے، ہنود اور کچھ ہیں جو رفاہ عامہ کے بڑے بڑے کام
انجام دیتے ہیں۔ برطانیہ، امریکہ اور روس نے یونیورسٹیاں اور ہسپتال
قائم کر رکھے ہیں، دنیا میں جہاں کہیں تباہی آتی ہے، فحطہ واقع ہوتا
ہے، سیلاب اور زلزلہ آتا ہے، ٹو فریڈ کو سینچتے ہیں اور انہیں ان
کاموں پر بڑا فخر ہے۔ پرانے زمانے میں بھی بڑی بڑی تہذیبیں گزری ہیں
جنہوں نے بڑے بڑے کام کیے۔ ٹیکسلا کے مقام پر گندھارا تہذیب
آج سے تین ہزار سال پہلے بڑے عروج پر تھی، ان کی عمارت، برتن
صنعت و حرمت آج بھی لوگوں کو حیرت میں ڈال رہی ہے جو ڈھار
اور ہڑپہ میں ملنے والی چھ ہزار سالہ پرانی تہذیب کے عجیب و غریب
نشانات ہیں۔ پرانی قوموں میں قوم عباد اللہ کے پہاڑوں کو تڑپنا
کر بنائے گئے مکانات آج بھی دنیا کی لڑجہ کام کر رہے ہیں۔ باب
کی پرانی عمارتیں، چین اور جاپان کے بڑے بڑے معبد، مصریوں کے
اہرام وغیرہ ان قوموں کی عظمت کے نشان ہیں۔ آج کے زمانے میں
بھی لوگ بڑی بڑی عمارتوں، کھیل کے میدانوں، ناچ گھروں اور آرٹ
گیلریوں پر فخر کرتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ ایمان کی عدم موجودگی
میں ان کے تمام کام رکھ کے ڈھیر کی طرح اڑ جائیں گے اور وہ لوگ
خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ سوکا قائم کردہ ہسپتال، دیال سیکھ کلج اور
لائبریری، گلاب دیوی اور سنگارم کا ہسپتال، ان کے ہزاروں لڑکے
اور رفاہ عامہ کے کام قیامت والے دن بے سود ثابت ہوں گے
آج دنیا میں ان کا نام لیا جا رہا ہے، ان کو شہرت حاصل ہے مگر

یہ اسی دُنیا تک محدود ہے آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ایمان سے خالی گئے۔

دور کی
گمراہی

فرمایا ذَلِك هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ یہ سب کچھ دور کی گمراہی ہے۔ کافر لوگ باطل زعم میں مبتلا ہیں کہ وہ انسانی ہمدردی کے کام کر رہے ہیں مگر حقیقت میں وہ بہک کر دور جا رہے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو کتنا بھی مذہب، شائستہ اور ترقی یافتہ سمجھیں، حقیقت میں وہ جہنم کے کندہ نامتراش ہیں۔ صدر ہو یا وزیر، تاجر ہو یا صنعت کار، منڈا ہو یا فلاسفر، اگر ایمان سے خالی ہے تو کچھ بھی نہیں، چونکہ انہیں ایمان کی قدر و قیمت نہیں، اس لیے وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

مخلوق
کی تبدیلی

فرمایا، اے مخاطب! اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ بجا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق ان چیزوں کو ایسا ہی پیدا کیا ہے جیسا ان کو ہونا چاہیے تھا۔ تو جس طرح ان چیزوں کا آغاز ہوا ہے، اسی طرح ان کا انجام بھی ہوگا اور پھر جزائے عمل واقع ہوگی ورنہ حکمت ہی باطل ہو جائیگی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے قانون کی پابندی پر مامور کیا ہے۔ ملکیت کی ترقی اور بحیثیت کی کمزوری اس قانون پر عمل درآمد سے ہی ممکن ہوگی۔ نبیوں کی بات برحق ہے اور بہتر انجام کے لیے ایمان لازمی ہے۔ فرمایا، جس طرح اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق ہے، اسی طرح وہ عظیم کل اور قادر مطلق بھی ہے۔ اگر تم اس کے قانون کی خلاف ورزی کرو گے، مقصد تخلیق کا حق ادا نہیں کرو گے، تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری کچھ پرواہ نہیں اِنَّ كَيْدَ هٰكُمْ اِگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے وَيَا تَرَى جَلْدَ اَوْ تَمَارِي جگہ کوئی دوری

مخلوق لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سابقہ اقوام کی مثالیں بیان کی ہیں کہ وہ کیسے کیسے تمدن، سلطنتوں کے مالک، جیسم اور طاقتور تھے مگر انفرانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحاقۃ میں قوم عاد کا ذکر کر کے فرمایا "قَهْلَ مَرِي كَهْمُ قَوْمٍ بَاقِيَةٍ كَمَا اَنَّ مِنْ سَفْوَاهِ" بھی باقی بچا؛ سب نابود ہو گئے۔ اللہ نے ان کو چند جن کر ہلاک کیا۔ آج بھی اگر اللہ چاہے۔ تو تمام کافروں اشرکوں، ایسود و نصاریٰ اور یہودیوں اور بے دینوں کو ہلاک کر دے، مگر یہ اہل کی حکمت اور صلحت ہے کہ وہ مہلت دیا رہتا ہے "اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَاتِ" (العنبر) تیرا رب تو نگھات میں رہتا ہے۔ وہ حظیرۃ القدس سے نگرانی کر رہا ہے جب چاہے گا نافرمانوں کی رسی کھینچ لے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو تم کو اس دنیا سے ہٹا دے اور تمہاری جگہ کوئی نئی مخلوق مقرر فرماتا "وَمَا ذَلِكْ اَعْلَمُ اللّٰهِ بِعَزِيزٍ" اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ دشوار نہیں۔ وہ ہر کام کرنے پر قادر ہے۔ اس میں اہل ایمان کے لیے عبرت ہے کہ اگر وہ دین پر قائم نہ ہے، تو ان کا حشر بھی سابقہ قوموں سے مختلف نہیں ہو گا۔ جو وہی سابقہ اقوام پر آئی وہ ان پر بھی آسکتی ہے۔ اللہ کافر مان ہے کہ اگر تم اس کے احکام پر عمل نہیں کرو گے تو اس کو حق ماحصل ہے کہ "وَكَيْتَبَلِّغُ قَوْمًا عَنِ كُفْرٍ" (التوبة) تمہیں پیامیٹ کر کے تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے۔ جو تم جیسے پہلے نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو کھڑا کر دے گا۔ جو تمہاری طرح ناہنکارہ مند شرارتی، امارہ پرست، اجاہ طلب اور خود عرض نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون انبیاء کی تسلی کے لیے نازل فرمایا ہے

اور ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے عبرت کا مقام بھی ہے۔ کہ اگر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے، کفر، شرک، نفاق اور اتحاد کا راستہ اختیار کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی ختمِ کمر کے دوسروں کو ان کی جگہ پر لانے پر قادر ہے۔ کافروں کو زعم تھا کہ انہوں نے دنیا میں بڑے اچھے اچھے کام کیے، دنیا میں ان کی پوزیشن بھی اچھی خاصی تھی مگر ان کے سارے اعمال راکھ کا ڈھیر ثابت ہوئے۔ اگر کسی کو اس دنیا میں مہلت مل رہی ہے، تو اسے مغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ جب چاہے گاری کھینچ لے گا اور ایسا کہہنا اس کے لیے کچھ دشوار نہیں۔

وما ابرئى ۱۳
درس نمبر ۷

ابراہیم ۱۳
آیت ۲۱

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ
اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَقَهْلَ أَنْتُمْ
مُغْنُونَ عَنْكُمْ مِنَ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ
قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْنَا
أَجْرَعْنَا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّجِيصٍ ۚ (۲۱)

ترجمہ :- اور ظاہر ہوں گے یہ لوگ سب کے سب
اللہ کے سامنے۔ پس کہیں گے کمزور لوگ اُن لوگوں سے
جنہوں نے تکبر کیا۔ بیشک ہم تمہارے تابع، پس کیا
ہر تم بھاننے والے ہم سے اللہ کے عذاب میں سے کچھ
وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دینا تو ہم تم کو ہدایت
کرتے۔ برابر ہے ہمارے اُڑپ کر ہم بے قرزی کا اظہار
کریں یا ہم صبر کریں۔ نہیں ہے ہمارے لیے غمسی کی
کوئی صورت (۲۱)

رسالت کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے متحرکین کو حیدر رسالت کا انہم
جی بیان فرمایا اور یہ بھی کہ جو کفر شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اور جن کا عقیدہ پاک نہیں،
ان کے اچھے اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے دن ایسے اعمال راکھ
کے ڈھیر کی مانند ہوں گے جنہیں آدمی اڑالے جلنے۔ فرمایا اعمال کا درود ایمان
پر ہے۔ جب تک ایمان درست نہیں ہوگا، عقیدہ خالص نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ

ربط آیت

کی نگہداشت پر یقین نہیں ہوگا۔ اس وقت تک اعمال بے سود ہونگے ایسے لوگوں نے کارخانہ قدرت کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ اس بات کو نہیں پا سکے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں برحق پیدا کیا ہے اور جزائے عمل واقع ہو کر سہے گی۔

اب آج کی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے منکرین کی اس حالت کا ذکر کیا ہے جو قیامت کے دن پیش آئے گی اور جس میں انہیں نادم اور شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا اور ظاہر ہوں گے یہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے دربار میں پیشی ہوگی۔ بَرَزُوا کا لغوی معنی ظاہر ہونا ہے اور اس کے مقابلہ میں کمون آتا ہے جس کا معنی اچھپ جانا ہے۔ بروز اور کمون فلسفے کی اصطلاح بھی ہے جب پانی ٹھنڈا ہوتا ہے تو اس کی برودت ظاہر اور حرارت مخفی ہوتی ہے اور جب اسے گرم کیا جائے تو برودت چھپ جاتی ہے اور حرارت ظاہر ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا ظاہر ہو جانا بروز کھلانا ہے۔ اسی طریقے سے ہر انسان کے اندر بھی بروز اور کمون ہے۔ آج کی دنیا میں مادیت اور بہیمیت ظاہر ہے اور نوع انسانی پر غالب ہے اس کے مقابلے میں کھیت دبی ہوئی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ جہان تبدیل ہو جائے گا تو پھر بہیمیت غائب ہو کر ملکیت نمایاں ہو جائے گی اس وقت لوگوں کو بڑی تکلیف ہوگی۔ کیونکہ انہوں نے دنیا میں ملکیت کو طاقتور نہیں بنایا۔

مفسرین کرام اس مسئلہ کو مختلف طریقوں سے سمجھاتے ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ کافر، نافرمان اور اصحاب معاصی لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں جو کام چھپ کر کرتے ہیں، وہ کبھی ظاہر نہیں ہوں گے۔

خدا کے
حضور پیشی

مخفی کاموں
کا ظہور

نے قرآن میں کئی سفاقت پر بیان فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ اس دنیا میں کسی کے پیچھے بلا سوچے سمجھے انصاف دھند چلنے والے قیامت کے دن کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکیں گے، بلکہ اس دن انہیں اس فعل پر حسرت اور ندامت ہوگی۔ سورۃ بقرہ میں ہے کہ قیامت کے دن تابع اور متبوع کے تمام اسباب ٹوٹ جائیں گے، وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اس وقت تابع متبوعین سے کہیں گے کہ اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم تم سے اسی طرح بیزار ہو جاتے جس طرح آج تم نے برات کا اظہار کر دیا۔ سورۃ احزاب میں ہے کہ اَبَع کہیں گے رَبَّنَا اِنَّا اطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُنَّا لَعَنَةً ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا تو انہوں نے ہمیں صراطِ مستقیم سے گمراہ کر دیا۔ اب ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، آج سب کو دگنا عذاب دیا جائیگا کیونکہ تمہارے بڑوں نے تمہیں بسکایا اور تم نے آگے دوسروں کو گمراہ کیا، اس لیے تمہارے لیے بھی ڈبل سزا ہے۔

غرضیکہ تابع اور متبوع آپس میں جھگڑیں گے۔ آنکھیں بند کر کے کسی کا اتباع کہنا بڑی خطرناک بات ہے۔ زندگی بھر سوچا ہی نہ کہ یہ ہیں کہ ہر لے جا رہا ہے۔ وہ تو اپنی چوہدراہٹ، خود غرضی اور مقصد باری کے لئے لوگوں کو پیچھے پیچھے چلا رہے تھے مگر تابعین اپنے اعمال کو ضائع کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل جیسا عظیم جوہر عطا کیا تھا، ہدایت کے جملہ اسباب جمیاد کیے تھے مگر انہوں نے ان سے کوئی کام نہ لیا اور انصاف دھند اتباع کرتے رہے جس کے نتیجے میں شرمندگی اٹھانا پڑی۔

یہی ہی تابعین اور متبوعین کے متعلق فرمایا کہ جب وہ سب کے

سب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے فَقَالَ الضَّعْفُورُ
 لَلَّذِي نَسْتَعِينُ اسْتَغْبِرُوا لَكُمْ يَوْمَ كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ
 اپنے بڑے سے۔ اِنَّا كُنَّا كُفْرًا تَبِعًا بِهٖمْ دِيَارًا مِّنْ قَبْلِكَ
 تابع تھے، تمہارے کہنے پر چلتے تھے، تمہاری دلوں میں دلوں چلتے
 تھے۔ تم نے جو نسی رسم ادا کرنے کو کہا ہم کرتے تھے اور جو
 افعال تم انجام دیتے تھے، وہ ہم بھی انجام دیتے تھے فَهَلْ
 اَنْتُمْ مَّعْتَبِرُونَ عَنَّا مِمَّنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ
 تو کیا آج تم ہم پر سے اللہ کے عذاب میں سے کچھ ڈال سکتے ہو
 یعنی آج ہیں عذاب الہی سے تخفیف دلا سکتے ہو؟ فَالَّذِي
 وہ لوگ جواب دیں گے۔ كُوْهَدْنَا اللّٰهُ لَهْدَيْنَا كُفْرًا
 اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں ہمیں ہدایت دیتا تو ہم نہیں بھی ہدایت کے
 راستے پر ڈال دیتے۔ مگر ہم تو خداوند کی بھر پور عبادت سے، تمہیں پوجا
 راستے کیسے دکھاتے؟

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ متبوعین کا یہ کہنا کہ اگر اللہ نہیں
 ہدایت دیتا تو ہم تمہیں بھی اُس راستے پر ڈال دیتے، خدا پر الزام
 دینے کے مترادف ہے۔ وہ سمجھیں گے کہ ایسا کہنے سے بچ
 جائیں گے کہ ہیں تو اللہ نے ہدایت ہی نہیں دی، ہم کیا کر سکتے
 تھے؟ فرمایا اس قسم کا عذر مشرکین بھی کریں گے اور کہیں گے "لَوْ
 شَاءَ اللّٰهُ مَا اشْرَكْنَا بِالْاِلٰهَامِ" اگر اللہ چاہتا تو ہم
 شرک نہ کرتے۔ سورۃ النحل میں مشرکین کے یہ الفاظ بھی آتے ہیں
 لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عٰهَدْنَا مِنْ دُوْنِهِ مِنْ شَيْءٍ اگر
 اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے۔ فرمایا
 اس طرح کے جملے بدلنے سے کفار و مشرکین اپنی بے گناہی کا جواز

پیدا کرنا کوشش کریں گے۔ مگر رب العزت کی عدالت میں کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔

بعض فرماتے ہیں کہ لَوْ هَدَانَا اللَّهُ سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ افسوس کا اظہار کریں گے کہ ہماری ضد اور عناد کی وجہ سے ہمیں ہدایت کی توفیق ہی نہ مل سکی۔ اگر ہم کو توفیق نصیب ہوتی تو ہم تمہاری رہنمائی بھی ہدایت کی طرف کرتے، ہم تو خود بھٹکے ہوئے تھے، تمہیں سیدھے راستے پر کیسے آتے۔ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، اور سارے ہی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

متبرہین یہ بھی کہیں گے سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْنَبْنَا أَمْ صَلَبْنَا بے قراری یا صبر برابر ہے ہمارے لیے، اب ہم بے قراری کا اظہار کریں یا صبر کریں ہم اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ کافر اور نافرمان لوگ آپس میں مشورہ کر کے کہیں گے کہ چلو بے صبری اور جنس فرزع کریں، چیخ و کار کھریں، شاید ہمارے عذاب میں کچھ کمی واقع ہو جائے۔ چنانچہ وہ لوگ پانچ سو سال تک گریہ و زاری کرتے رہیں گے مگر کوئی جواب نہیں آئے گا۔ پھر مشورہ کریں گے اور کہیں گے کہ اچھا صبر کر کے دیکھتے ہیں۔ پھر وہ خاموش ہو جائیں گے اور مزید پانچ سو سال گزر جائیں گے مگر کوئی جواب نہیں آئے گا۔ امام زہریؒ اور بعض دیگر بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ ایک ہزار سال گزرنے کے بعد یہ جواب آئے گا کہ تم اسی میں ذلیل ہو کر رہو وَلَا تَكَلِّمُوا اور کوئی بات نہ کرو کہ تمہاری بات نہیں سنی جائے گی۔

غرضیکہ وہ کہیں گے کہ بے صبری کا اظہار کریں یا صبر کریں سَمَلْنَا مِنْ تَحْتِمْ ہمارے لیے خلاصی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ ہمارا روزناپٹنا اور گڑ بگڑانا کسی کام نہیں آئے گا اور ہم عذاب سے کسی



وما آبرئى ۱۳
درجہ ششم ۸

ابراہیم ۱۳
آیت ۲۲ تا ۲۳

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ
اللَّهَ وَعَدَّكُمْ وَعَدَّ الْحَقُّ وَوَعَدْتِكُمْ
فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ
سُلْطٰنٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتَكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي
فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ مَا أَنَا بِمُصَوِّرِكُمْ
وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِي ۗ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ
مِنْ قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۲﴾
وَأَدْخِلِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ ۱۔ اور کہے گا شیطان جب کہ فیصلہ کر دیا جائیگا
معاذ کا۔ بیشک اللہ نے وعدہ کیا تھا تمہارے ساتھ سچا
وعدہ، اور میں نے وعدہ کیا تھا تمہارے ساتھ، پس میں نے
اس کی خلاف ورزی کی۔ اور نہیں تھا میرے لیے تمہارے
اوپر کوئی غلبہ مگر یہ کہ میں نے تم کو دعوت دی تو تم نے
میری بات قبول کر لی۔ پس نہ ملامت کرو مجھ کو اور
ملامت کرو اپنی جانوں کو۔ میں نہیں فریادری کرنے والا

تہاری ہر ذمہ میری فریادیں کرنے والے ہو۔ بلکہ میں نے
انکار کیا اس چیز کا کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے
بلکہ ظالموں کے لیے عذاب الیم ہے (۳۲) اور داخل کیے
جانیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے مجھے کلمہ
یکے بشتوں میں۔ سچا ہی ان کے نیچے نہیں۔ ہمیشہ ہونے
والے ہوں گے ان میں اپنے رب کے حکم سے۔ ان کی
حکامات انی (بشتوں) میں حکم سے ہو گی (۳۳)

تلاوت

گزشتہ آیات میں جامع اور مجموعہ کا ذکر تھا۔ جن لوگوں نے کفر، شرک اور مصلیٰ
میں ایک دوسرے کا اتباع کیا، عقل سے کلمہ نہ لیا اور آنکھیں بند کر کے ایک دوسرے
کے نیچے چلتے رہے، اللہ نے ان کا حال بیان کیا جو قیامت کے دن پیش آنے
والا ہے اُس وقت دیکھے چلنے والے کمزور لوگ اپنے لیٹوں اور پیٹوں سے کہیں
گئے کہ دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے، تم جس طرح کہتے رہے، ہم کرتے رہے،
لہذا آج اللہ کے عذاب میں کچھ تخفیف کر کے دو۔ مگر مہربان صاف جواب
دیں گے کہ ہم کفر، شرک اور گمراہی میں غرق تھے۔ تمہیں راہِ راست پر کیسے
لہتے۔ اب ہم سب برابر کے مجرم ہیں اور سزا کے مستحق ہیں۔ ہم بقراری کا اظہار کریں
یا صبر کریں۔ اب جہاں سے رہانی ممکن نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے جامع اور مجموعہ کا
مسئلہ اور ان کی پریشانی کا حال بیان کیا ہے۔

اب اسی سلسلے میں اللہ نے شیطان کا حال بیان کیا ہے۔ جو تمام
گمراہوں کا سرکار اور تمام انہوں کا اذی دشمن ہے۔ وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا
صُفِيَ الْأَمْرُ أُرِيدُ أَنْ أَكْفُرَ بِكَ يَا بَارِئُ رَبِّي. يَا بَارِئُ
فَأَلْهَمْنِي مَا يَصِفُ اسْتَعْمَالَ كَيْفَ يَصِفُ اسْتَعْمَالَ كَيْفَ يَصِفُ اسْتَعْمَالَ كَيْفَ يَصِفُ اسْتَعْمَالَ
پیش آنے والی ہے۔ قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے کہ قطعی طور پر پیش آنے

جنہوں نے
اسے سنا ہے

والی چیز کیلئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس بیان میں کسی قسم کا شک نہیں، یہ ضرور ہو کر رہے گا۔ قیمت بیا ہونے کے بعد جب تمام ان لوگوں کا حساب کتاب ہو کر جزائے عمل واقع ہو جائے گی، انک لوگ جنت میں اور کفر اور شرک کرنے والے دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو اس وقت یہ واقعہ پیش آئے گا۔ دنیا میں شیطان کی پیروی کرنے والے لوگ شیطان کو گلے سے پکڑ کر ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تیرے بھلانے کی وجہ سے بڑے مقام میں پہنچے ہیں۔ اب ہمیں یہاں سے بچ نکلنے یا عذاب میں تخفیف کے لیے کوئی تدبیر بتا، تو اس وقت شیطان ان کو یہ جواب دیگا۔ جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں آرہا ہے۔

بعض مفسرین لَتَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ سے اللہ تعالیٰ کا وہ آخری فیصلہ مراد لیتے ہیں کہ جس کے ذریعے جنت اور دوزخ والوں کا باہل آخری فیصلہ کر دیا جائے گا۔ حساب کے نتیجے میں بعض لوگ جنت میں چلے جائیں گے اور بعض دوزخ میں۔ بعض ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کا عقیدہ صحیح اور ایمان سچتہ تھا۔ مگر انہوں نے اعمال میں کوتاہی کی تھی یا مخلوق کے حقوق تلف کیے تھے۔ ایسے لوگ اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔ پھر ان کی سفارش کا ذکر بھی صحیح احادیث میں ملتا ہے کہ انبیا، شہداء اور صالحین اور سب سے بڑھ کر حضور علیہ السلام لوگوں کی سفارش کریں گے تو انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ بعض کو سزا بھگتنے کے بعد رہائی مل جائے گی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس آدمی کا حال بھی بتلایا جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا۔ بڑے عرصے کے بعد وہ آہستہ آہستہ بندرتج جنت کے دروازے میں داخل ہو سکے گا۔ حضور کا فرمان ہے کہ

اب دوزخ میں رہی لوگ رہ جائیں گے، جن کو قرآن نے روک دیا ہے وہ قطعی طور پر پختہ لوگ ہوں گے اور انہیں وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔ ایسے موقع پر ابھی جنہی شیطان کو کہیں گے کہ تو نے ہمیں بھلایا تھا، اب تہی ہیں یہاں سے خلاصی کی کوئی تدبیر بنا، تو اس وقت ان دوزخیوں کے سامنے یہ تقریر کرے گا۔

امام ابوحنیفہ کے استاد امام شعبیؒ عظیم المرتبت، امام محدث اور فقیہ تھے آپ نے پانچ سو صحابہ کی زیارت کی ہے اور اس لحاظ سے تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں اور کہنے میں قیام تھا۔ آپ کے علم و دوح کی بنا پر حکومت وقت نے آپ کو عدو قضا پر فائز کرنا چاہا مگر آپ اس ذمہ داری سے بچا پاتے تھے کیونکہ آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول یاد تھا کہ جس کو قاضی بناواں وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا آج تہج کی تہی قدر منزلت ہے اور خوب چلتے ہیں مگر تہ تراں وقت چلے گا، جب خدا کی عدالت میں فیصلے ہوں گے امام شعبی کی طرح امام ابوحنیفہؒ کو بھی قضا کی پیش کش کی تھی مگر آپ نے قبول کی کیونکہ آپ کو خطرہ تھا کہ وقت کے حکمران کوئی غلط کام نہ کر دے۔ امام اکث کو بھی اسی نے سزا بھگتانی تھی کہ وہ حکومت وقت کی غلط کاروائیوں پر تصدی کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کو بھی ایسے ہی حالات سے گزرنا پڑا۔ یہ سب لوگ دین کے معاملہ میں بڑے محتاط تھے، ان میں تقری اور پرہیزگاری تھی، جنہی تو کہ ٹوں آدمی ان حضرات کے متبعین میں سے ہیں۔ غرضیکہ امام شعبیؒ نے قضا سے بچنے کے لیے کئی چلے کیے۔ ایک موقع پر ہاتھی اُٹھایا تو بچے دیکھنے کے لیے اس کے گرجے جمع ہو گئے، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امام صاحبؒ بھی پورے

میں شامل ہو گئے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ کوئی اعلیٰ مرتبے کے آدمی نہیں ہیں، لہذا یہ عمدہ قضا کے قابل نہیں۔ ایک دفعہ کبوتر اڑنے والے بچوں کا تماشہ دیکھنے چلے گئے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ کوئی لالباالی قسم کے آدمی ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ مجھ سے بدظن ہو جائیں اور قضا کے بارے پر فائز نہ ہو سکیں، آپ اتنے محتاط تھے۔ یہ واقعات امام سرخسی نے اپنی کتاب سیر الجبر میں نقل کیے ہیں۔

الغرض! امام شافعی کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں نے درمختصر کو بہت مبغوض دیکھا جن میں سے ایک جنوں میں سے ہے اور دوسرا انسانوں میں سے۔ جنوں میں سے شیطان ہے کہ اللہ نے اُسے سجدے کا حکم دیا تو اس نے انکار کر دیا۔ اور انسانوں میں سے فرعون ہے جس نے کہا تھا اَنَا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰی (المنزعت) کہ میں تمہارا رب ہوں۔

شیطان
کی تعریف

بہر حال جب اہل دوزخ شیطان کو گھبریں گے اور اس کو ملامت کریں گے کہ ہماری رہائی کی کوئی صورت پیدا کر تو اس وقت شیطان یہ جواب دیکھائے گا اللہ وَعَدَّكُمْ وَعَدَّ الْحَقُّ بِيَاكِ اللّٰهُ نَمْرُ سے وعدہ کیا تھا سچا وعدہ کہ اگر ایمان لاؤ گے، یہی اختیار کرو گے تو تمہیں کے مقام تک پہنچاؤں گا اللہ نے تمہیں حکم دیا تھا کہ اس کی وحدانیت کو تسلیم کرو۔ اس کے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لاؤ، قیامت کو بروحق مانو تو میں تمہیں عزت کا مقام عطا کروں گا۔ اللہ نے تو تم سے بالکل سچا وعدہ کیا تھا۔ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا، پس میں نے اس کی خلاف ورزی کی یعنی میں نے تم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ سورۃ نساء میں شیطان کا یہ قول موجود ہے وَلَا ضَلٰلَہُمْ وَلَا مُدِیْنٌ وَلَا ضَلٰلَہُمْ وَلَا مُدِیْنٌ وَلَا مِّنْہُمْ وَلَا مِّنْہُمْ فَلْيَبْتَکُنَّ

اِذْ اَنَّ الْاَنْعَامَ فِيْ اَوْلَادِ اٰدَمَ كَوْضُرٍ مَّغْرَاهُ كَرُوْنَ مَا اَنَّ كُوْجُوْنِيْ .
 آرزوئیں دلاؤں گا اور انہیں جانوروں کے کان کاٹنے کا حکم دوں گا
 اگلی آیت میں ہے **يَعْبُدُوْهُمْ وَيُؤْتِيْنَهُمْ شَيْطٰنُ اٰنِيسِ**
 جھوٹے وعدے اور جھوٹی آرزوئیں دلا آئے۔ **وَمَا يَعْبُدُوْهُمُ**
الشَّيْطٰنُ اِلَّا اَعْوَابًا مَّا كَفَرَ بِيْنَهُمُ کے وعدے تو نرا دھوکا ہیں
 سورۃ النعام میں ہے **قَدْ زَيَّنَّا لَكُمْ الشَّيْطٰنَ مٰا**
كَتَبُوْا كَيْفَ يَمَلِكُوْنَ شَيْطٰنُ اِنَّ كَيْفَ اَعْمٰلُ كُوْمَرِيْنَ کہ
 کے دکھائے۔ کھیل تماظر، لہو و لعب اور بڑی رسومات کو
 خوش کن بنا کر پیش کرے اور آخر کار لوگوں کو گمراہ کر دیتے۔
 بہر حال شیطان اُن دوزخ والوں سے کہے گا کہ میں نے
 تم سے جو بھی جھوٹا وعدہ کیا تھا، اس کو الٹا کیا اور حقیقت یہ ہے
وَمَا كَانَ لِيْ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اور میرا
 تم پر کوئی غلبہ تو نہیں تھا۔ میں نے تم سے کوئی چیز زبردستی تو نہیں
 منگوائی تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ **اَلَا اِنَّ دَعْوَتَكُمْ كَرِيْمٌ** نے
 تمہیں دعوت دی، تم نے اُڑ دیکھا نہ تاز قاسم **جِيْتُمْ لِيْ** میں تمہیں
 میری دعوت قبول کر لی۔ میں نے تمہیں جس طرف لگایا تم اسی طرف چلے
 گئے۔ تم نے اللہ کے سچے وعدے کا کوئی خیال نہ کیا۔ بائبل کے بیان
 کے مطابق شیطان نے کہا کہ انہوں نے اس مقام سے کہ میرے جھوٹے وعدے
 پر تم نے یقین کر لیا۔ اور ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ کی زبان پر یقین
 نہ کیا۔ اب صورت حال یہ ہے **فَلَا تَكُوْنُوْا مَوْذُوْبًا** کہ اب مجھے
 ملامت نہ کرو۔ اُس وقت تو تم نے خدایے عقلی کا ثبوت دیا، میرے
 جھوٹے وعدے اور جھوٹی آرزوئیں پر یقین کر لیا اور اللہ کے برگزیدہ
 پیغمبروں کی زبان پر یقین نہ کیا، لہذا تم اپنے انجام کے خود ذمہ دار ہو۔

علامت
کے قابل
کون

شیطان کے گنا کہ مجھے علامت نہ کرو وَلَوْ مَوَّأَ الْفَسْكَمُ مَرَّجَ اٰیٰتِی
جانوں کو علامت کرو۔ تم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ ایک جھوٹے، غلط کار
اور بدترین دشمن کی بات پر یقین کر رہے ہو اور خدا تعالیٰ اور اس کے
انبیاء کے وعدوں پر تمہیں اعتماد نہیں۔ اب مجھے کیوں علامت کرتے
ہو۔ میں تو خود مبتلائے عذاب ہوں۔ مَا اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ
اور تمہاری فریاد رسی نہیں کر سکتا وَمَا اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیْ اور
نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ اگر میں تمہیں پکاروں کہ میرے عذاب میں
تخفیف کا بندوبست کرو تو جس طرح تم آج میری مدد نہیں کر سکتے
اسی طرح میں بھی بے بس ہوں۔

شیطان مزید کہے گا اِنَّ كَهْفَتُ بِمَا اَشْرَكْتُمْ
مِنْ قَبْلُ میں تو انکار کرتا ہوں اس چیز کا کہ تم نے مجھے اس کے
ساتھ شریک بنایا اس سے پہلے۔ تم نے خدا کی بات کو نہ مانا اور مجھے
اس کے ساتھ شریک ٹھہرا کہ میری بات کے پیچھے لگ گئے۔
میرے ہی کہنے پر تم کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا ہوئے۔ میں نے تو
تمہیں صرف دعوت دی تھی۔ مگر تم نے بلا سوچے سمجھے اور بغیر عذر و فخر
کیے مجھے اللہ کا شریک بنا لیا۔ میں ان سب چیزوں کا انکار کرتا ہوں
اور حقیقت بھی یہی ہے اِنَّ الظَّالِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ
اَلِیْمٌ ظلم کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ شیطان
نے صاف کہہ دیا کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں اور اب
اس کا جھگٹان عذاب کی صورت میں کرنا ہوگا۔

اہل ایمان
کی کامیابی

کفر اور شرک کے مقابلے میں ایمان اور اہل ایمان کی کامیابی کا
ذکر بھی ہو رہا ہے کیونکہ قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جہاں جہیب
کی بات ہوتی ہے ساتھ ترغیب کا ذکر بھی کیا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے

وَأَدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ
 اور داخل کیے جائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے
 نیک اعمال انجام دیے جنت میں۔ نیک اعمال میں نماز، روزہ،
 زکوٰۃ اور حج بیادری طہارات شامل ہیں اور باقی تمام نیک امور انہی کے
 تابع ہیں وہ باغاتِ بہشت ایسے ہوں گے جتنی بھی
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ جن کے سامنے نہریں ستی ہوں گی۔ یہ باغات ہر
 وقت سرسبز و شاداب اور پھلوں سے لہے ہونے ہوں گے۔ ان
 میں نہ کوئی گندگی ہوگی اور نہ آلودگی۔ انانی ذہن کے مطابق اللہ نے جنت
 کی روحانی مادی اور جسمانی راحتوں کا ذکر کیا ہے جو دل کو میسر ہوں گی۔
 اور پھر یہ ہے کہ یہ نعمتیں عارضی نہیں ہوں گی اور نہ اہل جنت کو کچھ عرصہ کے
 بعد وہاں سے نکال لیا جائے گا۔ بلکہ حیلہ نیت۔ فِئْهَا يَازُف
 دیکھو اپنے پروردگار کے حکم سے جنتی وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے
 لیے رہیں گے، وہاں سے نکلے جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔
 دنیا میں کتنی بڑی سے بڑی نعمت میسر ہو مگر اس کے معین جانے کا
 خطرہ ہر وقت سر پر سوار رہتا ہے، اگر نہ موت تو انسان کے سر
 پر ہر وقت کھڑی ہے جو تمام دنیاوی نعمتوں کو کھیر ختم کر دینے
 والی ہے۔ مگر جنت کی نعمتیں ایسی ہیں جو کسی ختم نہ ہوں گی کہ یہاں پر
 تو نہریں خشک ہو جاتی ہیں۔ پھل جو کھیں گئے ہیں مگر جنت کی نہریں بھی
 سدا بہار اور اس کے پھل بھی سدا سال قائم رہیں گے۔ جو نبی ایک پھل توڑ
 کر استعمال کیا جائے گا، اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل آجائے گا۔

ان بہشتوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سنے والے
 لوگ ایک دوسرے کو سلام کے ساتھ ملیں گے جِئْتَهُمْ بِسَلَامٍ
 سلام کا یہی مطلب ہے کہ ہر طرف سلامتی کا پرچا ہوگا، اور فرشتے

سلامتی
 کی صفیں

ہی اہل جنت کو سلام کریں گے۔ اُدھر پروردگار کی طرف سے بھی بیخبر
سلام ہی آئے گا۔

سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ (یس) اے میرے
بندو! تم پر سلامتی ہو۔ شاہ عبدالقادرؒ یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ سلام ایک
دُعَا ہے، اسی لیے تلاوات کے وقت سلام مسنون قرار دیا گیا ہے
حضور کافران ہے اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ عَلٰی
عَرَفَتُهُ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْهُ اَپْسَ مِنْ سَلَامٍ كَوْمَيْلَا وَخَاہ كَسَى كُو جانتے
ہو یا نہیں جانتے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ سلام میں پہل کرنے والے کا
اجر بھی زیادہ ہے۔ مطلب یہی ہے کہ تمہیں دینی، دنیاوی، مادی،
اور روحانی اعتبار سے سلامتی نصیب ہو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔
کہ جنت میں سلام کا مطلب مبارک باد ہے۔ تمام جنتی ایک دوسرے
کو اس کامیابی پر مبارکباد پیش کریں گے۔

وما آتینا ۱۳
در سنہم ۹

ابن ہشام ۱۳
آیت ۲۳ ۲۶۲

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً
كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي
السَّمَاءِ ۚ ﴿٢٤﴾ تَوْنِي أَكْلَمَا كُلًّا حِينٍ بِإِذْنِ
رَبِّهَا ۖ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ
كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ
الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾

ترجمہ یہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کیسے اللہ نے
بیان کی ہے مثال پاک کلمے کی جیسا کہ ایک پاکیزہ درخت
ہوتا ہے۔ اس کی جڑ ثابت مضبوط اور اس کی شاخیں فضا
آسمان میں ہوتی ہیں ﴿۲۴﴾ وہ بنا ہے اپنے پھل بہت
اپنے رب کے حکم سے، اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ
شامیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۲۵﴾
اور مثال گندے کلمے کی جیسا کہ ایک گندہ درخت ہوتا ہے
جس کو اکھاڑ دیا گیا ہے زمین کے اوپر سے۔ نہیں اس
کے لیے ٹھکانہ ﴿۲۶﴾

اس سے پہلے رسالت اور قیامت کے متعلق ذکر تھا اور اب ترجمہ
کا بیان آرہا ہے۔ آج کی آیت کریمہ اللہ کی وحدانیت کی بنیاد ذکر کی جا رہی

ربط آیت

ہے جب کہ اس کے دلائل اگلی آیات میں آئے ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ دروس میں بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ مکی سورتوں میں دین کے بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے۔ جن میں توحید، رسالت، قیامت اور جزائے عمل کے معنی شامل ہیں۔ ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے معترضین کا رد اچھے طریقے سے لیا ہے۔

کلمہ طیبہ
کی مثال

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا مسئلہ ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔ بعض اوقات مثال کے ذریعے کسی چیز کی کما حقہ وضاحت ہو کہ وہ چیز انسانی ذہن کے قریب تر آجاتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے قرآن میں بہت سے مسائل کو مثالوں کے ذریعے سمجھایا ہے۔ اس درس میں کلمہ طیبہ کی مثال ایک پاک درخت سے اور کلمہ خبیثہ کی مثال گندے درخت کے ساتھ دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے الْحَدَّثُ تَرَكَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مثال بیان فرمائی ہے۔ ضرب کا لغوی معنی مارنا اور مضر کرنا ہوتا ہے اور یہ بیان کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس مقام پر بیان کرنے والا معنی ہی موزوں ہے۔ الْحَدَّثُ کی ترکیب کسی بات کی طرف خصوصی توجہ دلانے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بھی یہی اسلوب اختیار فرمایا ہے کہ اے مخاطب! کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مثال بیان فرمائی ہے كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ پاک کلمے کی مثال پاک درخت کی سی ہے۔ اور اس درخت کی خصوصیات یہ ہیں أَصْلُهَا ثَابِتٌ اس کی جڑ مضبوط ہے وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ اور اس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ ایسا سرسبز و شاداب اور بار آور درخت ہے تَوَاتَتْ أَكْطُفَهَا كَلَّ حِينَ كِبَادِنِ رَيْبَهَا کہ اپنے

رب کے چمک سے ہر وقت پھل دینا رہتا ہے۔

اس مقام پر پاک کلمے سے مراد کلمہ توحید ہے جو کہ تمام شرائع اللہ کی بنیاد ہے۔ اللہ نے اس کی مثال ایک درخت کے ساتھ دی ہے۔ درخت بھی مختلف الانواع ہوتے ہیں، کوئی خوبصورت اور شیریں پھل والے جب کہ بعض دوسکرہ صورت اور ذائقہ میں کڑوے۔ درخت اور دیگر نباتات کی اللہ نے اتنی قسمیں پیدا کی ہیں جو انسانی شاد سے باہر ہیں، علم نباتات (BOTANY) یا بیجی کے ماہرین نباتات کی دس لاکھ قسمیں بتاتے ہیں یہ سب انسان کی مصلحت کے لیے ہیں۔ بعض درخت چھوٹے قد کے اور بعض بہت لمبے ہوتے ہیں۔ بعض کے تنے باریک اور بعض کے بہت موٹے ہو جاتے ہیں۔ بعض درختوں کی چھاؤں بہت کم ہوتی ہے اور بعض بڑے گھنے اور دور دروز تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے پھل بھی مختلف ہوتے ہیں، بعض شادیت شیریں اور ذائقہ دار جبکہ بعض دوسکرہ کڑوے کیلے اور بدبودار۔ نلکے والے بھی مخلوق کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات۔ سب پر اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمے یعنی کلمہ توحید کو نباتات میں سے پاکیزہ درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

درخت اور
مسلم مڑ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ بعض اوقات کسی بات کو سمجھانے کے لیے سوالیہ انداز اختیار فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مجلس میں آپ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: **إِنَّ مِنْ شَجَرَةٍ كَرَجِيلٍ قَسِيْلٍ حَدِيْكَ كَوْنِيْفٍ مَا هِيَ دَرَجَتُوْنَ** میں سے ایک درخت مسلم رو کی مانند ہے، اس کے صحابہ! باؤ وہ کون سا درخت ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ اس مجلس میں بڑے بڑے اکابر صحابہ موجود تھے جن میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے

مگر کسی نے لب کثافی کی جرأت نہ کی۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے سوال کا جواب میرے ذہن میں آچکا تھا مگر اکابر صحابہ کی موجودگی میں اپنی کم سنی کی بدولت میں نے جواب دینے کی ہمت نہ کی بالآخر حضور علیہ السلام نے خود ہی جواب دیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے جسے مردِ مسلم کے ساتھ مشابہت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے بعد میں اپنے والد گرامی سے اس جواب کے متعلق ذکر کیا کہ یہ میرے ذہن میں آچکا تھا مگر آپ کی موجودگی میں خاموش رہا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم یہ جواب مجلس میں دے دیتے تو یہ میرے لیے نہایت خوشی کا مقام ہوتا اور مجھے تمہاری ضمانت پر فخر ہوتا۔

پاک درخت
کی خصوصیات

امام بغویؒ، امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ جس پاک کلمہ کی مثال اس مقام پر دی گئی ہے، وہ کلمہ توحید ہے۔ اور جس درخت کے ساتھ مثال دی گئی ہے، وہ کھجور کا درخت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک پاک درخت کی تین خصوصیات ہو سکتی ہیں یعنی اس کی جڑ مضبوط ہو، تنا قائم ہو اور شاخیں پھیلی ہوئی ہوں۔ یہ تینوں خصوصیات کھجور کے درخت میں پائی جاتی ہیں۔ کھجور کے درخت کی جڑ بہت مضبوط اور زمین کے اندر دور دور تک پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ صحرائی علاقوں میں جہاں پانی نایاب ہوتا ہے۔ کھجور کی جڑ دور دور سے مادہ حیات جذب کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ درختوں کو غذا تو زمین سے جڑ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے جب کہ تازہ ہوا پتوں کے ذریعے ملتی ہے۔ چنانچہ درختوں کی یہ خصوصیت ہے کہ رات کے وقت اپنا گند ابخار باہر نکالتے ہیں جب کہ دن کے وقت گند ہی ہوا پتوں کے ذریعے اپنے اندر جذب کرتے ہیں۔ اسی لیے دن کے وقت درختوں کی ٹھنڈی ہوا انسانی صحت کے لیے مفید اور رات کو درختوں کے نیچے سونا مضر ہوتا ہے۔

جس طرح پاکیزہ درخت کی تین خصوصیت ہیں، اسی طرح پاکیزہ کلہ بھی تین صفات کا حامل ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ کلہ توحید **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کے لیے تصدیق قلبی کا ہونا ضروری ہے۔ یہ تصدیق درخت کی جڑ کی مانند ہے۔ جس طرح جڑ کے بغیر درخت قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح تصدیق قلبی کے بغیر کلے کا کچھ اعتبار نہیں۔ بیہوش اور منافق میں یہی فرق ہے کہ منافق زبانی اقرار کے باوجود دل سے تصدیق نہیں کرتا، لہذا وہ ایما نذر نہیں ہوتا۔ دوسری صفت یہ ہے کہ ان کی زبان سے اس کا اقرار کرے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص زبان سے کلہ توحید کا اقرار نہیں کرتا، اُسے مسلمان نہیں سمجھا جاتا، اُسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاتا ہے۔ اور نہ اس پر اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں۔ تو گویا اجرانے احکم کے لیے اقرار باللسان ضروری ہے۔ جس طرح درخت کے لیے تنا ضروری ہے۔ اسی طرح زبانی اقرار کے ساتھ کلہ توحید کو ثبات حاصل ہوتا ہے۔ زبانی اقرار کے ساتھ ہی کوئی شخص صاحب ایمان سمجھا جاتا ہے، اُس سے رشتے منقطع کیے جاتے ہیں اور مسلمانوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب کوئی کافر یا مشرک زبان سے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہے گا، **مَنْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کا کلہ ادا کرے تو اس کی عزت و آبرو، جان و مال محفوظ ہو جاتا ہے، اور اس سے لڑائی ختم ہو جاتی ہے۔ گویا زبانی اقرار درخت کے تنے کی مانند ہے۔ کلہ توحید کے لیے تیسری صفت نخل بالادکان ہے، یعنی انسان تصدیق قلبی اور اقرار باللسان کے بعد کلہ توحید کے احکام پر عمل بھی کرے، ہر ایما نذر پر بلا سزا ہو جاتا ہے، کردہ احسن، و بطرح کے ذریعے سے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کی بات کہے۔ اور اسی طرح جاری ہوئی ہے تمام احکام پر کا حقہ عمل کرنے کی سزا و جزا کی بنا پر کی مانند ہے جو جنس میں پسلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسی طرح انسان کا عمل بھی نوری ہو

ہمک ہر شعبہ زندگی میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ یہ پاکیزہ درخت اور کلمہ طیبہ کی مثال کا ذکر ہو گیا۔

مرد مسلمان
اور کھجور کا
درخت

مفسرین فرماتے ہیں کہ کھجور کے درخت کو ایک مرد مسلمان سے اس لحاظ سے بھی تشابہت ہے کہ جس طرح کھجور کا درخت سدا بہار ہوتا ہے، نہ اس کے پتے گرتے ہیں اور نہ شاخیں خشک ہوتی ہیں، اسی طرح مرد مومن بھی ہمیشہ ایمان اور نیکی کے ساتھ متلبس ہوتا ہے۔ اس کے دل میں نور ایمان اور نور توحید ہوتا ہے اور زبان سے اس کا اقرار ہوتا ہے۔ اس کے اعضا و جوارح ہمیشہ اعمالِ صالحہ انجام دیتے رہتے ہیں اور ایسا شخص ہر آن بنی نوع انسان کے لیے مفید ہوتا ہے۔

اس درخت کے ساتھ مرد مومن کی تشابہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس طرح انسان کا سر کٹ جانے سے کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح اگر کھجور کے درخت کا اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے تو وہ بھی خشک ہو جاتا ہے، اس کی چوٹی دوبارہ پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ بھی مقولہ ہے کہ اگر آدمی کے سر کے اوپر سے پانی گزر جائے تو جس طرح وہ زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح سیلاب میں اگر کھجور کے درخت کا سر ڈوب جائے تو وہ بھی مر جاتا ہے۔ غرضیکہ کھجور کے درخت اور مرد مسلمان میں یہ بھی تشابہت پائی جاتی ہے۔

سدا بہار اور
کھجور

کھجور کے درخت کے بار آور ہونے کے متعلق کُلِّ حَیْنِ کے الفاظ آئے ہیں حَیْن کا اطلاق مطلق وقت پر ہوتا ہے۔ مگر امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ یہاں پر حَیْن سے مراد چھ ماہ ہیں کہ جن کے دوران کھجور میں تازہ پھل آجاتا ہے۔ کھجوریں دیر تک ذخیرہ کی جاسکتی ہیں اور دیگر پھلوں کی طرح یہ جلدی گل سڑ کر خراب نہیں ہوتیں ابھی سابقہ فصل کی کھجوریں گھروں اور منڈلیوں میں موجود ہوتی ہیں۔ جب کہ تازہ پھل بھی اتنا

شروع جاتا ہے۔ اس لیے اسے سدا بار آور درخت بھی کہا جاتا ہے۔ ہر من
 آہی کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ وہ ہر وقت اعمال صالحہ انجام دیتا رہتا ہے
 جس سے دوسرے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں۔ ایسا آدمی تینوں شرائط
 پوری کرتا ہے، اس کے ایمان کی جڑ مضبوط ہوتی ہے یعنی وہ دل سے
 تصدیق کرتا ہے، زبان سے اقرار کرتا ہے اور اعمال صالحہ بھی انجام
 دیتا رہتا ہے۔

شاہ ولی اللہ
 کی توجیہ

اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ہر من آدمی کا کلمہ توحید
 تمام شرائع الہیہ کی بنیاد ہے اور شرائع الہیہ کا منبع عالم حکومت میں ہے
 اس کی شاخیں اور پھل اس جہان میں ہیں جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں
 اس کے برخلاف کفر و شرک کا کلمہ ناپاک ہے۔ عالم حکومت میں اس کا کوئی
 استقرار نہیں ہوتا اگرچہ دنیا میں کسی وقت تھوڑا بہت پھیلاؤ ہو جاتا
 تو پاک کلمہ سے کلمہ توحید مراد ہے۔ اگر انسان زبان سے خدا کی تسبیح
 تترتیب، تمجید اور تحمیر بیان کرتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ
 انجام دیتا ہے یا نصیحت کی کوئی بات کرتا ہے تو وہ سب کچھ کلمہ توحید
 کے ضمن میں آئے گا۔ جس طرح درخت کی بنیاد اس کی جڑ ہوتی ہے اسی
 طرح تمام شرائع کی بنیاد عالم حکومت میں قائم ہے جو سرور زمین کے دل میں
 راسخ ہے۔ اور اس کا عمل دور دور تک پھیلا ہوتا ہے۔ درخت کی شاخوں
 کے پھیلاؤ کے لیے فی السماء کا لفظ استعمال کیا گیا ہے
 عربی زبان میں السماء آسمان کے علاوہ چھت اور ہر اس بلند چیز کے
 کے لیے استعمال ہوتا ہے جو سر پر سایہ منگن ہو۔ چوہو پاکیرہ اخلاق دور
 دور تک پھیل جاتے ہیں، اس لیے اس کا اطلاق انہما پر بھی کیا گیا ہے
 اس کی جڑ تصدیق قلبی، اس کا تازا زبانی اقرار اور اس کی شاخیں عمل
 بالارکان ہیں۔

فَرَمَا وَكَضَرْبِ اللَّهِ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ اللَّهُ تَعَالَى مَثَالِيں بِيَان
 كَرْتَابِ لُوكُوں كِي لِي كَعَلَهُمْ يَتَذَكَّرُونَ اَكْرُو نَصِيحَت
 مَاصِل كَرِيں مَثَال بِيَان كَرْنِي سِي بَعْض اَوْقَات بَات اِجْمَعِي طَرَح
 وَاضِح هُو جَاتِي سِي ، لِنْدَا اللّٰهُ نِي جَك جَك مَثَالِيں بِيَان فَرَمَاتِي هِيں ۔

فَرَمَا وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَيْثُ كَشَجَرَةٍ خَيْثُ
 اَوْر كَنْدِي كَلِي كِي مَثَال كَنْدِي دَرِخْت كِي هِي اِجْتَمَعَتْ مِنْ
 قَوِّ الْأَرْضِ حِي زِيں كِي اَوِپَر سِي اَكْهَارُ دِيَا كِي هُو ۔ اِس دَرِخْت
 كِي جُزْ مَبْحِي مَبْضُوط نِيں اَو رِي بِدُو دَار اَو رُكُوط اَبْحِي هِي مَبْضُورِيں كَرَام نِي
 خَبِيث دَرِخْت سِي مَخْتَلَف دَرِخْت مَرَامِي لِي هِيں ۔ تَاهُم زِيَادَه شُور
 يِي هِي كِي اِس سِي اَمْرَانُ عِيْنِي تَبَدُّل كَا پُودَا مَرَامِي هِيں ۔ اِس كِي بِلِي زِيں
 پِيصَلِي هُونِي هُونِي هِي ۔ جُزْ بَا كَل كَمُزُور جُزْ رَا سَا كِيغْنِي سِي اَكْهَر جَانِي
 اَو رُكُوط اَبْحِي پَارِي مِيں كَر جَلَابِي حَلَقَ لَكُمْ مَافِي
 الْأَرْضِ جَمِيْعَا اللّٰهُ نِي زِيں كِي هَر جِيْز تَمَار سِي فَاؤ سِي كِي
 لِي پِيَا كِي هِي ، جِنَا كِي بَعْض كُروِي ، كِي لِي اَو رِي هَر مَلِي جِيْزِيں مَبْحِي كَارَام
 بِنَاتِي مَاتَحِي هِيں ۔ اِقْبَال نِي جَمِي تُو كَابِي ، مِيں وَه هُونِي كَر نَبَر سِي
 مَبْحِي شَهَادَه تَرِيَا ق بِنَالِيَا هُونِي ؛ اللّٰهُ تَعَالَى نِي اِنْسَان كُو كَمَال عَطَا فَرَمَا
 هِي كِي وَه مَبْضُورِيں سِي مَبْحِي مَفِيْد جِيْزِيں بِنَالِيَا هِيں ۔ چَانْخِي
 طَبِيْب لُوكُ نِي جِي سِي كُروِي جِيْز سِي اِجَار ، مَرْتَبِ اَو رَا سَمَال لَانِي وَالِي
 دَوَاتِي تِيَار كَر لِيَا هِيں ۔ تَاهُم بِنَايِي طُور رِي پُودَا نَا بِنَجْتَه ، بِدُو دَار اَو
 اِس كَا پِيْل كَر لِيَا هِي ۔ كُفْر وَشُرْك وَالا كِنْدَا كَلِمَه مَبْحِي اِس پُورِي كِي طَرَح
 بِي بِنَايِي ، بِدُو دَار اَو رِي مَذَلِقَه هُونَا هِي ۔ فَرَمَا يِي خَبِيث پُودَا اِلِيَا هِي
 مَا لَهَا مِنْ ثَبَاتٍ حِيں كُو ثَبَات مَاصِل نِيں هِي حَق كُو
 ثَبَات مَاصِل هُونَا هِي اَو رَا سِي كِي نَتَا جُ تَمَام جَبَان وَالُوں پَر وَاضِح

كَلِمَتِي
 كِي مَثَال



يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْأُخْرَةِ وَيُضِلُّ
اللَّهُ الظَّالِمِينَ قَدْ وَفَعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿۲۷﴾

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھتا ہے ان لوگوں کو جو
ایمان لانے مضبوط بات کے ساتھ دنیا کی زندگی میں اور آخرت
میں، اور گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو، اور
کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے ﴿۲۷﴾

گذشتہ آیات میں رسالت، قیامت اور جزائے عمل کا ذکر تھا۔ اب توحید کا ذکر
ہو رہا ہے۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے بات سمجھائی
کہ توحید کے پاک کلمے کی مثال پاکیزہ درخت کی ہے جسکی جڑ مضبوط، تنائبات اور شاخیں
فضا میں دور دور تک پھیلی ہوتی ہیں۔ ایسا درخت سدا بار آور ہوتا ہے۔ اسی طرح کلمہ
توحید کی جڑ عالم ملکوت میں ہے۔ اور اس کلمے کو دنیا میں اپنا کر لوگ اس سے فائدہ
اٹھاتے ہیں۔ مومن کے دل میں اس کلمے کی تصدیق قلبی بہت گہری ہوتی ہے۔ زبان
سے اس کا اقرار بھی بڑا سچا ہوتا ہے اور اعضا و جوارح کے ساتھ وہ ہمیشہ صداقت
کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ اس کے اعمال و اخلاق ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

فرمایا برخلاف اس کے کلمہ کفر کی مثال گندے درخت کی ہے جس کا پھل
بدبودار اور کڑوا ہو مفسرین اس ضمن میں تنبیہ کا ذکر کرتے ہیں اس پودے کی جڑیں
زمین میں مضبوط نہیں ہوتیں بلکہ زمین کے اوپر ہی ہوتی ہیں اور ذرا سی جنبش سے اکھڑ
جاتی ہیں۔ ایسے کلمے کو عالم ملکوت میں کوئی استقرار نہیں ہوتا۔ امام شاہ ولی اللہ

فرماتے ہیں کہ بعض اوقات دنیا میں اس کا بڑا پھیلاؤ ہوتا ہے، غمخواری
دیکھ کے لیے ابھرتا ہے مگر جلد ہی ناپید ہو جاتا ہے۔

ثابت قدمی
کا وعدہ

یہ مثال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومن آدمیوں کی
ثابت قدمی کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا ہے يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ
آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ اللَّهُ تَعَالَى مَضْبُوطٌ رَكْعَتَا سَعَى
کو جو ایمان لانے مضمبوطات کے ساتھ فَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
دنیا کی زندگی میں وَفِي الْآخِرَةِ اور آخرت میں بھی مضمبوطات
سے مراد کلمہ توحید و رسالت ہے۔ چونکہ اہل ایمان کی اس کلمے کے ساتھ
تصدیق ہوتی ہے اور اس پر راسخ ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے ایمان
اور توحید کی بدولت اللہ تعالیٰ انہیں اس دنیا میں ثابت قدم رکھتا ہے
اور گمراہی کی ہر منزل سے بچاتا ہے۔ ایسے لوگ کفر، شرک، بدعات
اور معاصی سے بچے رہتے ہیں۔ بغیر طریقیان کا اعتقاد صحیح ہو۔ اگر دل
میں شک، تردید یا نفاق ہوگا۔ قرآن ان ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور
شروع اور فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر آخرت کا حال یہ ہے
يَهْدِي لَهُمْ رَبُّهُمْ مَا يُكْرَهُ لَهُمْ (یونس) اللہ تعالیٰ ایمان
کی بدولت ان کی راہنمائی فرمائے گا اور وہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔

قبر کی
منزل

مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ یہاں پر آخرت سے مراد قبر کی منزل ہے
جس وقت کوئی انسان اس جہان کی مادی زندگی پوری کر لیتا ہے، تو
حشر سے پہلے برزخ کا جہان آتا ہے، یہ قبر کی زندگی ہے، وَمِنْ
قَدَرًا مَرَّحِمًا بِرُوحِ الْمَيِّتِ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ
مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے درمیان برزخ یعنی قبر کی
زندگی ہے۔ حشر میں تو دوسرے حالات پیش آئیں گے، یہ درمیانی
منزل ہے۔ غرضیکہ انسانی زندگی میں ایک تسلسل ہے۔ اس زندگی کے

بعد بزخ اور بزخ کے بعد حشر کا سلسلہ ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اس کلمہ توحید کی بدولت مومن آدمی کو اللہ تعالیٰ قبر میں ثابت قدم رکھتا ہے اور وہ صحیح جواب دیتا ہے قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ جب قبرستان جلتے تو اتنا روتے کہ دائھی تر ہو جاتی۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِّنْ مَّتَازِلِ الْاٰخِرَةِ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر آدمی اس امتحان سے بچ گیا تو آگے بھی بچتا چلا جائے گا اور اگر سیال پھنس گیا تو اگلی منزل میں اور زیادہ مشکل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ جب میں قبر کا حال سنتا ہوں یا طے دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار رونا آجاتا ہے۔

قبر کا حال

صحیحین کی روایت میں ہے کہ جب قبر میں کسی مرد مومن سے سوال کیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل کو ثابت قدم رکھتا ہے اور وہ صحیح جواب دے پاتا ہے اور اُسے آرام و سکون حاصل ہوتا ہے قبر کا عذاب اور راحت دونوں برحق ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا علم عقائد پر ایک چھوٹا سا رسالہ فقہ اکبر ہے، جس میں صاف موجود ہے کہ کافروں اور بعض گنہگار مسلمانوں کے لیے عذاب قبر برحق ہے۔ قبر میں رنج کا جسم کی طرف اعادہ بھی برحق ہے، اور منکر نکیر کا سوال بھی برحق ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مرنے والے کو اس کے ساتھی دفن کر کے قبر سے پیچھے ہٹتے ہیں تو مردہ اُن کے جو تلوں کی آہٹ بھی سنتا ہے اس وقت منکر اور نکیر نامی دو فرشتے قبر میں آتے ہیں اور اس کو بٹھاتے ہیں۔ اگر مرنے والا مومن آدمی ہے تو فرشتوں کی ہیئت بہت اچھی ہوتی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ

مومن آدمی کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے عصر کے بعد سورج غروب ہونے کے قریب ہو۔ چنانچہ جب فرشتے اُس سے سوال کرنا چاہتے ہیں تو وہ شخص کہتا ہے **ذَعُوْنِيْ اَصْحٰبِيْ** مجھے وقت دور کہہ میں نماز عصر لوانا کر لوں۔ اُسے کوئی دہشت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اُس کا دل مضبوط رکھتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ زندگی کے دور انفرادی بھی ہوتے ہیں اور اجتماعی بھی۔ جب انسان ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو انفرادی حیثیت میں ہوتا ہے۔ اُس کا کچھن کا دور بھی انفرادی ہوتا ہے۔ پھر چول چول پڑا ہوتا ہے تو اس کا میلان اجتماعی کی طرف ہو جاتا ہے۔ وہ سوسائٹی کا رکن بنتا ہے، کوئی عہدہ قبول کرتا، ذمہ داریاں نبھاتا ہے اور اجتماعی کام انجام دیتا ہے۔ گویا عالم شباب میں انسان اجتماعی میں آ جاتا ہے۔ پھر جب انسان مر جاتا ہے تو ایک لحاظ سے برونز میں پھر انفرادی زندگی ہی گزارتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے قبر میں جو چیز مفید ہو سکتی ہے وہ عقیقہ کی درشتی ہے، دنیا میں اس کی لٹری پاک ہو، ایمان صحیح ہو۔ توجید خالص ہو اور کفر، شرک اور لفاق سے بچا ہوا ہو۔

بہر حال جب ایسا لڑ آدمی کو قبر میں دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو وہ فرشتے قبر میں داخل ہوتے ہیں، اُس کو اٹھا کر جھانکتے ہیں اور پوچھتے ہیں **مَنْ هٰذَا تَبِيْثُ تِيْرَابِ كُنْ**؟ تو مومن آدمی جواب دیتا ہے **رَبِّيْكَ اللّٰهُ مِيْرَابِ اللّٰهِ** ہے۔ پھر فرشتے پوچھتے ہیں **مَا دِيْثُ تِيْرَادِيْنِ كِيَا** ہے؟ وہ کہتا ہے **دِيْثِي الْاِسْلَامُ** ميرا دين اسلام ہے۔ پھر تیسرا سوال ہوتا ہے **مَنْ تَبِيْثُ تِيْرَابِي كُنْ** ہے؟ تو وہ کہتا ہے **بِنْتِي مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**۔

قبر کے
سوال جواب

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے مَا تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي
لُبِثَ فِيكَ مِثْرًا ثُمَّ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جسے تمہارے
درمیان مبعوث کیا گیا بمومن آدمی جواب دیتا ہے هُوَ سَأَلَ اللَّهَ
وَهُ الْعَرُّ كَيْ رَسُولٍ هِيَ - میں ان پر ایمان لایا ہوں۔ اس پر فرشتے کہتے
ہیں کہ تو کامیاب ہے۔ پھر آگے اور بھی بہت سی باتیں ہوتی ہیں جو ہمیشہ
میں مذکور ہیں۔ پھر اُس کے لیے جہنم کی طرف سے ایک دروازہ کھولا
جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر تو ایمان نہ لاتا تو تیرا ٹھکانا یہ ہوتا۔ پھر
اس دروازے کو بند کر کے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا
ہے جسی خوشبو مرنے والا محسوس کرتا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں، تیرا
ٹھکانا یہ ہے یہاں تک کہ تجھے اس مقام سے اٹھایا جائے۔ یعنی
قیامت تک تو یہیں رہیگا، اور اس کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔
بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ فرشتے اُس شخص سے کہتے ہیں -
لَسَوْ كَتَبُوا الْعُرْوَةَ دَلِيلًا لِيُطْرَقَ سَوْجَاؤُكُمْ وَأَنْتُمْ سَوْجَاؤُكُمْ
اس کے برخلاف جب کافر، منافق اور بد عقیدہ آدمی کو دفن کیا جاتا
ہے تو اسکے پاس دو فرشتے آتے ہیں اَسْوَدَانِ سِيَاهِ نَاسِ كَيْ
آنکھیں خَضْرَاءَ تَانِي نِيلَاوَنِ ہوتی ہیں اور انہیں دیکھ کر دہشت طاری
ہوتی ہے جب اُس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو
وہ جواب دیتا ہے هَا هَا هَا لَا اَدْرِي اَفْسُوسَ مَجْجَ كَيْ عِلْمَ نَيْسِ -
پھر فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے، تو وہ وہی جواب دیتا
ہے هَا هَا هَا لَا اَدْرِي مَجْجَ كَيْ عِلْمَ نَيْسِ - نبوت کے متعلق تیسرے
سوال کا جواب بھی یہی دیتا ہے صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ یہ جواب
سُنَّ كَيْ فرشتے لپٹے گا گنیز اس شخص کو مارتے ہیں جس کی آواز کوہنزل
اور انسانوں کے سوا اور گرد کی تمام مخلوق سنتی ہے۔ بعض نافرمانوں پر

قبر کا عذاب

خانوہر سانپ مسلط کر دیے جاتے ہیں جو اس کو ٹٹے کھٹے ہیں وہ سانپ اتنے زہریلے ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک سانپ اس دنیا میں ایک پھونک مار دے تو دنیا میں کوئی نیا آت پیدا نہ ہو۔ بعض لوگوں پر پھونک مسلط کر دیے جاتے ہیں جو ان کو کاٹتے ہیں۔ ان پر یہ آزمائش بھی آتی ہے کہ قبر کو حکم ہوتا ہے۔ سمٹ جا۔ پھر جب وہ سمٹتی ہے تو مرٹے کے جسم کی پٹلیاں لیک ایک دوسری کے اندر دھنس جاتی ہیں۔ بعض اوقات یہ کیفیت اہل ایمان پر بھی طاری ہو جاتی ہے۔ حضور کے صحابی سعد ابن معاذ غزوہ خندق میں زخمی ہو کر شدید ہوئے۔ ان کی بڑی فضیلت آئی ہے حدیث میں آئی ہے کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شامل ہوئے تھے۔ جب آپ کو دفن کیا گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبر پر دیر تک بیچ و بچیر بیان کرتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس عبد صالح پر بھی غلطی (قبر کی جٹی) آئی تھی۔ پھر اللہ نے اس کو اٹھا دیا۔ یہ ابتلا تھی۔

فتنہ قبر

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے إِنَّكُمْ تَبْتَلُونَ فِي قُبُورِكُمْ بِبَعْضِ تَمَلُّقِ قُبُورِكُمْ فِي أَنْبَاءِ جَانِكُمْ۔ فرمایا قبر کی آزمائش اتنی بڑی ہوگی جیسے کفن شدہ اللہ جال جیسے دجال کا فتنہ ہے تخلیق آدم سے لے کر صومرا سفر تک اتنا بڑا فتنہ نہیں ہوگا جتنا دجال کا فتنہ ہوگا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے تعلیم دی ہے لَعُوذٌ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ یعنی غداً قبر کے اللہ کی ذات کے ساتھ پناہ چاہو۔ آپ نے یہ دعا بھی سکھائی ہے أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ مَسِيحِ الدَّجَالِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَخْيَا وَالْمَمَلَاتِ وَمِنْ الْمَأْكِرِ وَالْمُعْجَمِ۔ غرضیکہ صحیح عقیدے والے لوگ اس استخوان میں پورے اترتے ہیں اور صحیح جواب دیتے ہیں۔ اور غلط عقیدے والے لوگ صحیح جواب نہ

دے کر ناکام ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے اگلی منزل مزید دشوار ہو جاتی ہے بہر حال عذابِ قبر برحق ہے مگر اس کی کیفیت کو اس دنیا میں کوئی نہیں جان سکتا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ وہ آنکھ نہیں جو ان حالات کو دیکھ سکے کیونکہ یہ عالم ملکوت سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں۔ یہ چیزیں اُس وقت سمجھ میں آئیں گی جب خود وہاں انسان پہنچیں گے۔

انگٹہ یزوں اور بعض دوسرے محققین نے قبر کی کیفیت معلوم کرنے کی بڑی کوشش کی ہے مگر انہیں ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ پارہ ایک نہایت ہی حساس چیز ہے۔ مقرر میٹر میں پارہ ہی ہوتا ہے جو ذرا ہی حرارت پر اور پر کوڑھنے لگتا ہے، بعض پرانے زمانے کے منکرین نے تازہ مردے کی آنکھوں میں پارہ ڈال کر دفن کیا اور پھر دوسرے یا تیسرے دن اکھاڑ کر دیکھا تو پارہ اسی طرح موجود تھا، اس پر کسی چیز کا کوئی اثر نہیں تھا۔ اس سے انہوں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قبر میں مردے کے ساتھ کوئی معاملہ پیش نہیں آتا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہاں کسی کو کوئی مار نہیں پڑتی، وہاں کوئی سانپ بچھو وغیرہ مشاہدہ میں نہیں آئے۔ وہاں کسی کی پسلیوں کو آپس میں لگڈنڈ نہیں دیکھا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ ان آنکھوں سے وہاں کی دنیا کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں جو کہ ممکن نہیں۔ اس کا حال قبر میں جا کر ہی معلوم ہو سکے گا۔

روح از جسم
کا تعلق

بعض گمراہ فرقے کہتے ہیں کہ قبر میں روح اور جسم کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا، حالانکہ تمام محدثین، متکلمین اور مفسرین اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ قبر میں عذاب یا راحت روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے جب تک جسم سلامت رہتا ہے، روح کا تعلق اس سے قائم رہتا ہے اور تکلیف و آرام کا احساس دونوں کو ہوتا ہے جسم کے گل رطوبت جانے کے بعد بھی حضور علیہ السلام کا صحیح حدیث میں فرمان موجود ہے کہ انسانی جسم کی

دیکھی کی بڑی کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور باقی رہتا ہے جس کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے اور پھر مرنے والے کو عذاب یا راحت کا احساس بھی ہوتا رہتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ اور بعض دوسرے بزرگملاں کا قول ہے کہ روح کا تعلق انسان کے جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ جسم مادی روح ہوتی ہے یہ جسم سے لطیف اور روح سے کثیف ہوتا ہے۔ جسم مادی روح کی سولاری ہوتا ہے۔ انسان کا ظاہر ایک شکل اور اندر جسم ہے جس سے موت واقع ہوتی ہے تو جسم بالکل نمایاں ہو جاتا ہے۔ جسم سے روح کبھی جدا نہیں ہوتی وہ ایک لحاظ سے مادی چیز بھی ہے کیونکہ جسم مادی عناصر سے پیدا ہوتا ہے اور روح عالم بالا سے تعلق رکھنے والی چیز ہے۔ تاہم فقہاء اور محدثین کہتے ہیں کہ جسم خواہ سا ارفا ہو جائے مگر اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور باقی رہتا ہے جس کے ساتھ روح کا تعلق قائم ہوتا ہے اور انسان کو جزا اور سزا کا احساس ہوتا رہتا ہے۔

عذاب قبر کا انکار کرنے والے معتزلہ وغیرہ اہل بدعت میں شمار ہوتے ہیں مجددہ زمانے کے نحوی بھی اسی فاش سے ہیں اور بنیگی چیزوں کا انکار کرتے ہیں۔ مگر جیسا کہ عرض کیا اس جہاں کی کیفیت کو اس دنیا کی زندگی میں معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ اس مسئلہ پر علمائے کرام نے بڑا کلام کیا ہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلیم میں اور امام شاہ ولی اللہؒ نے اس پر بڑی بحث کی ہے۔

بہر حال ثابت قدمی سے مراد قبر میں ثابت قدمی ہے، اور قبر کا جہان برزخ میں داخل ہے۔ علیین اور قبر دونوں برزخ کا حصہ ہیں قبر میں روح کا تعلق قائم رہتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک قبر میں جزا اور سزا کا احساس بھی ہوتا ہے۔ محقق امام ابن صہام نے شرح

ہاں میں لکھا ہے کہ شفاعت اور عذابِ قبر کا منکر گمراہ ہے، اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

ظالموں کی
گمراہی

فرمایا پختہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو سخت بات یعنی کلمہ الین اور توحید کے ساتھ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت یعنی برزخ میں بھی اس کے بعد جب حشر کا موقع آئے گا تو فرمایا وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔ یہ لفظ خود تبتلا رہا ہے کہ جو شخص ظلم پر مصر ہوتا ہے شرکیہ رسوم کو ترک نہیں کرتا، کسی کے سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتا، ایسے لوگوں کو اللہ گمراہی میں ہی مبتلا رکھتا ہے۔ راہِ راست اس شخص کو میسر آئے گا جو کفر، شرک، نفاق اور معاصی کو ترک کرے گا۔ ایسے شخص ہدایت کے طالب ہوتے ہیں وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ (محمد) ان کی ہدایت میں فزید اضافہ کیا جاتا ہے۔ سورۃ بقرہ میں فرمایا وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں۔ سورۃ لقمان میں ہے ان الشُّرَكَاءَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ شرک سب سے بڑا ظلم ہے تو اس قسم کے لوگوں کو کبھی ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی بلکہ وہ گمراہ ہی رہیں گے۔

فرمایا وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کا ہر کام اس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ حکیم ہے، اپنی حکمت کے مطابق جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہی میں رکھے۔ اور پھر اس کے نتیجے میں جس کو چاہے راحت دے اور جس کو چاہے سزا میں مبتلا کر دے۔

وما ابرئ ۱۳

ابراہیم ۱۳

درس یازدهم ۱۱

آیت ۲۸ تا ۳۱

اَلَمْ تَوَالِي الْذِيْنَ بَدَلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا
 وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۙ (۲۸) جَهَنَّمَ يَصَلُّوْنَهَا
 وَيَتَسَوَّوْنَ الْعِزَّارَ ۙ (۲۹) وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا
 عَنِ سَبِيْلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنْ مَّصِيْرِكُمْ اِلَى
 النَّارِ ۙ (۳۰) قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا
 الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَعَلٰنِيَةً
 مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّآئِيْ يَوْمٌ لَاْ يَبِيْعُ فِيْهِ
 وَلَا يَخْلَعُ ۙ (۳۱)

ترجمہ :- کیا تو نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف
 جنہوں نے تہلیل کیا اللہ کی نعمت کو کفر کے ساتھ ، اور
 انہیں اپنی قوم کو جہنم کے گھر (۲۸) جنم میں ، جس میں داخل
 ہوں گے وہ ، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے (۲۹) اور کھڑے
 انہوں نے اللہ کے لیے شریک بنا کر گزارہ کریں وہ اُس
 کے راستے سے ۔ (لے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے کہ نادمہ اٹھا لو
 پس بیشک تمہارا ٹوٹا دوزخ کی طرف ہے (۳۰) (لے
 پیغمبر) آپ کہہ دیجئے میرے بندوں سے جو ایمان دے گئے کہ وہ
 قائم کریں نماز اور خرچ کریں اس میں سے جو ہم نے اُن کو
 رزق دیا ہے ، پوشیدہ طور پر اور ظاہر طور پر پہلے اس

کے کہ آجائے ایسا دن کہ جس میں نہ سوداگری ہوگی اور نہ دوستی (۳۱)

ربط ایات

سب سے پہلے قرآن کی حقانیت اور صداقت بیان ہوئی پھر قیامت کا ذکر آیا۔ اس کے بعد رسالت کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا پھر اللہ نے ایمان اور کلمہ توحید کی مثال پاکیزہ درخت کے ساتھ بیان فرمائی اور کفر و شرک کے کلمے کو ناپاک اور بد ذائقہ درخت کے ساتھ تشبیہ دی۔ پھر اللہ نے اہل ایمان کے ثابت قدم ہونے کی بات کی کہ اللہ تعالیٰ اسی پاک کلمے کے ساتھ اہل ایمان کو اس دنیا میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور مرنے کے بعد قبر میں اور پھر حشر میں بھی ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔ اب آج کی آیات میں اللہ نے کفر اور شرک کھینے والوں کا شکوہ بیان کیا ہے اور ان کے شرک کی تردید کی ہے۔ ساتھ ساتھ ایمان والوں کو ترغیب بھی دی ہے کہ وہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہیں۔ ان میں دو اصولوں کا خاص طور پر ذکر ہے جن پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

نعمت کفران

ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشِرْكٍَ كَبُرُوا اللہ کفرًا اے مخاطب! کیا تو نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا یعنی تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں ہوا، جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری کے ساتھ تبدیل کر دیا۔ ان کے لیے لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا کرتے مگر انہوں نے ناشکری اور ناقدر دانی کا شیوہ اختیار کیا۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ وَلَحَلُّوا قُلُوبَهُمْ دَارَ الْبُورِ اپنی قوم اور برادری کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں اتار دیا۔ وہ خود تو راہ راست سے ہٹ چکے تھے، اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بھی بنے اور انہیں بھی اپنے ساتھ جہنم میں لے گئے۔

اس سوال کے جواب میں کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے کفرانِ نعمت کیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے قریش مکہ مراد ہیں۔ جو قرآن پاک کے اولین مخالفین ہیں۔ یہی لوگ قرآن پاک کی مخالفت اور کفر و شرک کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ پھر ان کے بعد سارے عرب تھے جو کفر و شرک کے بڑے گرام کو ہی غالب کرنا چاہتے تھے۔ حضرت علیؑ نے بھی اس سے قریش مکہ ہی مراد لے لی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بے شمار نعمتیں نازل فرمائی ہیں انکی آیت میں آ رہا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ کئی انہیں شہد کرنے پر بھی قدرت نہیں رکھتا، چہ جائیکہ ہر ایک کی تفصیل معلوم ہو۔ اب سوال یہاں ہوتا ہے کہ وہ کون سی نعمت ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بطور خاص ذکر فرمایا ہے اور جس کی لوگوں نے قدر نہیں کی۔ مفسرین کرام نے اس کی بہت سی توجیہات کی ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس نعمت سے اللہ کا عظیم المرحمت رسول مراد ہے۔ اس کا ذکر انکی سورۃ میں آئے گا وہاں نعمت کے ساتھ رسول کی تصریح موجود ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے مگر قریش مکہ نے ان دونوں نعمتوں کی قدر نہ کی۔ اللہ کی ایک اور بڑی نعمت یہ تھی کہ اُس نے قریش مکہ کو خانہ کعبہ اور حرم کا متولی بنایا۔ سورۃ قریش میں اس کی تصریح موجود ہے لَا تَلْبِسُوا اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو پورے عرب میں ان کی عزت و وقار کی وجہ سے مانوس کر دیا تھا۔ لوگ ان کی عزت و احترام کرتے تھے، چنانچہ موسمِ گرمی یا سرما میں جب بھی قریش تجارتی سفر پر جلتے تھے تو لوگ ان سے مانگتے تھے۔ اللہ نے انہیں یہ عزت بیت اللہ شریف کا متولی ہونے کی بنا پر ہی عطا کی تھی۔ اسی لیے اللہ نے اُن کو حکم دیا تھا فَلْيَتَّعِزُّوا رَبَّ

هَذَا الْبَيْتِ اس گھر کے رب کی عبادت کرو جس کی وجہ سے اُس نے تمہیں عزت بخشی ہے۔ بہر حال یہ بھی اللہ کی عظیم نعمت تھی مگر قریش نے اس کی بھی قدر نہ کی۔ انہوں نے کفر اور شرک کا راستہ اختیار کیا جو کہ حدیث کی نمک حرامی اور ناشکری تھی۔ امام جعفر صادقؑ کے قول سے ملتا ہے کہ دنیا کی مادی نعمتیں تو ہر مومن اور کافر کو میسر ہیں مگر اہل ایمان کے حق میں اللہ کی دو عظیم نعمتیں ہیں۔ ایک اللہ کا قرآن ہے اور دوسری علیہ السلام کا وجود مبارک ہے۔ قریش نے ان دونوں نعمتوں کی قدر نہ کی۔

حضرت علیؑ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس نعمت سے مراد ایمان اور توحید لیا ہے مگر ان لوگوں نے اس سے انکار کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی جہنم میں گئے اور دوسروں کو بھی وہیں اتارا۔ شیخ ابن عربیؒ صاحب فتوحات مکیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس نعمت سے مراد وہ صلاحیت بھی ہو سکتی ہے جو اللہ نے ہر فرد بشر کو عطا کی ہے۔ "فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" یہ اللہ کی فطرت سلیمہ ہے جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا فرمایا۔ كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ہر بچہ فطرت سلیمہ پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی اللہ کا بڑا انعام ہے مگر دنیا میں آکر لوگ اس فطرت کو خراب کر لیتے ہیں اور اس نعمت کی ناقدری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ ایسا انعام ہے جو ہر انسان کو بلا استثناء حاصل ہے اِنَّ الْاِمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَنْدِ قُلُوبِ الرِّجَالِ خدا تعالیٰ نے یہ صلاحیت ہر شخص کے دل میں رکھ دی ہے۔ اگر اس کو صحیح طریقے سے استعمال کرے تو ایمان پر قائم رہ سکتا ہے اور کامیابی حاصل کر سکتا ہے اکثر لوگ اس صلاحیت کو خراب کر لیتے ہیں ہیں اور پھر کوئی بیودیت کی طرف چلا جاتا ہے، کوئی نصرانیت کی

طرف، کوئی کافر بن جاتا ہے اور کوئی مشرک، اس صلاحیت کو بجا ٹھٹے کی وجہ سے انسان جنم کا شکار بنتے ہیں۔ بہر حال یہ شکوہ ہے کہ دیکھو! اللہ نے انسانوں کو کسی بھی نعمتیں عطا کیں۔ انسان کا اپنا وجود بہت بڑی نعمت ہے اور اسکو تمام مادی نعمتوں کے علاوہ روحانی ترقی کے تمام اسباب بھی میدیے مگر انہوں نے کچھ قدر نہ کی۔

فرمایا اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری کے ساتھ تبدیل کر دیا وَآخَلَوْا قَوْلَهُمْ سَخِرَ بِكَ وَالنَّبِيُّونَ اور انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جنم میں اندر دیا جَهَنَّمَ كَيْفَ لَكُم كُنُفًا یہ جنم ہی تو ہے جس میں داخل ہوں گے کفر و شرک کے نتیجے میں خود بھی جنم رسید ہونے اور اپنی قوم کو بھی ساتھ ہی لے گئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں ارجل اور ابولسب نے قوم کو کس طرح ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا۔ بڑے کے مقام پر ان کے ساتھ کیا ہوا۔ بڑے بڑے آئمہ الکفر اپنی قوم سمیت جنم رسید ہوئے۔ اعداد و دو سکے مقامات پر جتنے کافر مرے، سب جنم میں گئے۔ ان کے لیڈر اپنے وقار کے لیے مخالفت کرتے تھے مگر ان کے پیروکار جو بلا سوچے سمجھے ان کی اتباع کرتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچے۔ موجدہ دور میں غیر ملکی مشنریاں بھی یہی کام انجام دے رہی ہیں۔ بیرونی ہوں یا عیسائی، ہندو ہوں یا افغان سب مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف خود گمراہ ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ جنم میں لے جاتا جاتے ہیں وہیں الْقَوْمِ الضَّالِّينَ اور وہ بہت ہی بڑا ٹھکانا ہے۔ وہاں پہنچ کر کسی کو چین مانا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہاں تو سر آن دکھ ہی دکھ ہوں گے۔

فرمایا وَجَعَلُوا لِكُلِّ دِينٍ سَكَنًا اور اللہ نے انہوں نے اللہ کے

قوم کی
جنم
رہنما

شکر کی
گڑھی ہے

یہ شریکِ مذہبِ مقابل کو کہتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کا کوئی بدمقابل نہیں
 نہ ذات میں، نہ صفات میں اور نہ عبادت میں۔ مگر انہوں نے انسانوں
 اور جنوں کو خدا کا شریک بنایا، کسی نے عجب و معجز کی پوجا شروع کر دی اور
 کسی نے ستاروں اور سیاروں میں کمر تھما لیا یہ سب شریکِ بائیں ہیں
 اور اس کا مقصد یہ ہے لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ تاکہ لوگوں کو
 اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں۔ سورۃ بقرہ میں اللہ کا یہ ارشاد بھی گزر چکا ہے
 "فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ اُنْدَادًا وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ" اللہ کے مقابل
 نہ بناؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔

اللہ نے اُن کی اس قباحت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا قُلْ اے
 پیغمبر! آپ کہہ دیں تَمَتَّعُوا مِنْ اَمْوَالِكُمْ حَتَّىٰ تَرْضَوْا مِنْهَا
 اٹھا لو یہاں مَصِيْرٌ كَمِ الْمَآءِ الَّذِي كُنْتُمْ بِالْاٰخِرِ مَتَّارًا لوٹنا
 دوزخ ہی کی طرف ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی ڈاکٹر مریض
 سے کہے کہ تو بد پرہیزی کہے۔ تیری موت آنے ہی والی ہے۔ اللہ
 نے فرمایا کہ تم دنیا میں عیش و آرام کر لو، کفر، شرک اور ناشکری کا ارتکاب
 کر لو، تم اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو، اسی سورۃ کے دو سکر رکوع میں
 گزر چکا ہے "وَلٰكِنْ كَفَرْتُمْ عَنْ اٰتِ عَذَابِيْ لَسَدِيْدٌ اَگے
 تم نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر یہ ادا نہ کیا تو اس کا عذاب بھی بڑا
 سخت ہے۔ یہ چند دن کی مہلت ہے اس سے فائدہ اٹھا لو، پھر
 تمہیں عذابِ الہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون اعمال
 و تدبیر ہے کہ وہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ سورۃ اعراف میں اُس کا فرمان
 ہے "وَاْمَلِيْ لَهُمْ سُدُوْرًا كَيْدِيْ مَتِيْنٍ" میں ایسے
 لوگوں کو مہلت دیتا رہتا ہوں۔ میری گرفت بڑی مضبوط ہے۔ جب
 چاہتا ہوں، اُن کو پکڑ لیتا ہوں۔ مہلت دینا خدا تعالیٰ کی مصلحت ہے۔

وگرنہ وہ فوراً گرفت کرنے پر بھی قادر ہے۔

کفار و مشرکین کے لیے تڑپ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے تڑپ کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، قُلْ لَیْسَ بِخَبْرٍ اَیُّكُمْ دَیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ اِنَّ بِنَدْوٰی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ اِنَّ بِنَدْوٰی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ اِنَّ بِنَدْوٰی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ اِنَّ بِنَدْوٰی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ۔ اس سے مراد ہے کہ جو ایمان لائے۔ میرے وہ بندے جنہوں نے اللہ کی عبادت کو تسلیم کیا، کتاب الہی، قیامت اور رسالت کی گواہی دی، افرایا میرے ان بندوں سے کہہ دو، کہ تمہارے ایمان کے کچھ تعلقے بھی ہیں جنہیں پورا کرنا ضروری ہے۔ ان تعلقوں کی تکمیل سے ہی تمہیں مکمل فلاح نصیب ہوگی۔ ان میں سے درج ذیل کا اللہ نے بطور خاص ذکر کیا ہے یُغْنِمُوا الصَّلٰوةَ۔ پہلی بات یہ ہے کہ نماز کو قائم رکھیں۔ نماز ایک بہت بڑی چیز ہے وَلَا تَمَسُّوا الصَّلٰوةَ كَیۡدًا اَلَا عَلٰی الْخِشَعِیۡنِ (البقرہ)۔ یہ منافق صفت لوگوں پر بڑی بوجھل ہوتی ہے، البتہ شروع کرنے والے لوگوں پر آسان ہوتی ہے۔ وہ اس کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ یہ انسان کی طرف سے اپنے پروردگار کی وفاداری اور غلامی کا ثبوت ہے اِنَّ الْعِبَادَةَ۔ الْعِبَادَةَ خدا کا قرب دلانے والی عبادتوں کی یہ جڑ اور بنیاد ہے۔ یہ اللہ کے ساتھ تعلق قائم رکھنے والی عبادت ہے۔ اسی لیے اللہ نے اسے ہر بائع مرد اور عورت پر فرض قرار دیا ہے۔ اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔ حضور کا فرمان صَلِّ مَا تَسْمَعُ نَازًا كَمَا تَسْمَعُ ہو کر پڑھو فَاِنْ لَمْ تَسْمَعُ فَمَقَاعِدًا اگر گھڑے ہو کر پڑھنے کی استطاعت نہیں۔ ترمیٹھ کر پڑھ لو۔ اگر ایسا بھی نہیں کر سکتے تو ایٹھ کر پڑھو۔ چھوڑنا نہیں کیونکہ یہ تعلق اللہ کی دستگی کا ذریعہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے گروہوں کو امر اسلام بھیجا تھا جس میں یہ بھی لکھا کہ جس نے نماز

کی حفاظت کی۔ اُس نے سارے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو برباد کیا، اس نے ساری چیزوں کو برباد کیا۔ نماز وہی مقبول بارگاہ ہوگی جو سمجھ کر اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جائے، وگرنہ اللہ کی وعید یہ بھی ہے "قَوْلًا لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَدَقَاتِهِمْ سَاهُونَ" (الماعون) ہلاکت، تباہی اور بربادی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، جنہیں اس کی حقیقت کا ہی علم نہیں اور جو ربی کاری کی خاطر نمازیں پڑھتے ہیں۔ لہذا نماز کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے کہ یہ کیا چیز ہے اور کیوں ضروری ہے۔

انفاق
فی سبیل اللہ

فرمایا میرے بندوں سے کہ دو کہ وہ نماز ادا کریں وَيَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً اور جو ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے پوشیدہ طور پر خرچ کریں اور ظاہری طور پر بھی۔ ساتھ یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ یہ روزی ہماری عطا کردہ ہے، تم گھر سے نہیں لائے۔ ہم نے وسائل مہیا کیے اور پھر تمہیں ان اشیاء کا مجازی طور پر مالک بنایا کہ تم اس میں تصرف کر سکتے ہو۔ ہم نے سارے مال کا مطالبہ نہیں کیا، بلکہ اس کا کچھ حصہ ہماری راہ میں خرچ کرو۔ زکوٰۃ سے تو چالیسواں حصہ دو، عشر ہے تو دو سوواں یا بیسواں حصہ ادا کرو۔ پھر صدقہ فطر ادا کرو، قربانی دو، خویش واقارب کا حق ادا کرو، غریبوں اور محتاجوں کی ضروریات پوری کرو۔ سورۃ محمد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارا سارا مال طلب نہیں کرتا، کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا، تو اُسے حق حاصل تھا مگر تم نخل میں مبتلا ہو جاتے اور پھر تباہی بربادی آتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد مال کا کچھ حصہ نکلنے کا حکم دیا ہے، اُس کی راہ میں خرچ کرو گے تو فضیلت حاصل ہوگی۔ فرض سے سبکدوشی ہوگی اور اگر روک رکھو گے تو تمہارے لیے شرک باعش ہوگا۔ فرض واجب اور سنت ادا نہیں کیا تو پکڑے

جاؤ گے اور اگر مستحب سے محروم ہے تو فضیلت سے محرومی ہوگی۔
 اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کل مال کا چوتھا حصہ خرچ کرنے کا
 حکم دیا تھا، جب کہ ہماری امت کے لیے چالیسواں، بیسواں اور دسواں
 حصہ مقرر فرمایا۔ البتہ کانوں کی پیداوار میں سے پانچواں حصہ خرچ کرنا ضروری
 ہے۔ اگر انسان نخل کا مظاہرہ کرے گا تو اس کے لیے وبال جان ہوگا۔ نماز
 تعلق باللہ کی درستی کا ذریعہ ہے جب کہ العاق فی سبیل اللہ مخلوق کے
 ساتھ تعلق کی درستی کا پیش خیمہ ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے
 ہیں کہ زکوٰۃ کا فلسفہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے بخل کا مادہ نکل جاتا ہے
 اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات فروغ
 پاتے ہیں فرمایا میرے ایمان دار بندوں کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ
 نماز قائم کریں اور ہمارے لیے ہوئے مال میں سے ہمارے راستے
 میں خرچ کریں۔

بر محل اہل
 بروقت
 خرچ

العاق فی سبیل اللہ کے مختلف معاملات اور مختلف اوقات
 میں۔ بعض اوقات ظاہری خرچ کرنا بہتر ہوتا ہے۔ جب کہ دوسرا
 کہ توہم غیب دانا مقصود ہو۔ اور جب رضا الہی اور فضیلت مقصود
 ہو تو پوشیدہ طور پر خرچ کرنا افضل ہے۔ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے
 "اِنَّ تَبَدُّوْا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ اِنَّظٰرًا لِّطٰوْرٍ يَّرٰوْنَهَا كَلِمٰةٍ
 لَّوْ يَ اُحْسِبُوْنَ اَنَّهَا لَمَلَمٰةٌ سَآءٌ لِّمَنْ يَّرٰوْنَهَا وَتَوَلَّوْهَا الْفٰقِرٰءُ
 فَهُوَ وَخٰیۙ لَكُمْ" اور اگر پوشیدہ طور پر محتاجوں کو روکے تو
 یہ مزید بہتر ہوگا۔ ریاکاری سے بچ جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کے ہاں مقبولیت
 بھی زیادہ ہوگی۔

فرمایا ہمارے لیے ہونے رزق سے خرچ کریں میں سبیل
 اَللّٰہِ یَاۤئِزُّ یَوْمَ لَا یَبِیْعُ فِیْہِ قَبْلَ اَسْکَہِ وَہِ دِن

آجائے جس میں کوئی سوداگرمی نہیں ہوگی۔ اس دنیا میں انسان کاروبار کرتا ہے اور تجارت کرتا ہے تاکہ فائدہ اٹھا سکے۔ مگر قیامت کا دن ایک ایسا دن ہوگا جس میں اس قسم کی کوئی سودے بازی نہیں ہو سکے گی۔ اگر کوئی چاہے کہ وہاں جا کر اس دنیا کی فوٹ شدہ نمازیں خریدے، روزوں کی تجارت کرے یا کوئی دیگر نیکی خریدے تو ایسا ممکن نہیں ہوگا۔ جو کچھ کھانا اور خریدنا ہے، وہ اسی دنیا میں ممکن ہے۔ بیس کی کمانی ہوئی نیکی وہاں کام آئے گی۔ اسی لیے فرمایا کہ اِس دِن سے پہلے خرچ کر لو جس دِن کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی۔

وَلَا خِيَلٌ اور نہ ہی اِس دن کوئی دوستی کام آئے گی۔ اس دنیا میں بعض کام دوستی کی بنا پر بھی حل ہو جاتے ہیں۔ سفارش کام آجاتی ہے کہیں جتھے کام نکالتے ہیں، دوست دوست کی مدد کرتے ہیں مگر قیامت کے دن یہ بھی ناممکن ہوگا۔ ہر شخص کو اپنے اعمال کی خود جوابدہی کرنا ہوگی سورۃ الرحمٰن میں ہے "الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِکَ يَوْمَئِذٍ لِّبَعْضِكُم مِّنْ اٰمِنٍ" آج کے دوست وہاں دشمن بن جائیں گے البتہ وہ متقی لوگ جن کی دوستی تقویٰ اور ایمان پر قائم تھی، وہ وہاں بھی قائم رہیں گی اور اُن کی کوشش اور سفارش بھی وہاں کام آئے گی، وہ ایک دوسرے کی نجات کے لیے پوری کوشش کریں گے اس کے علاوہ دنیا کی تمام دوستیاں ختم ہو جائیں گی۔ لہٰذا اللہ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ وہ دو باتوں میں ایمان کے تقاضے ضرور پورے کریں ایک نماز قائم کریں اور دوسرا ہمارے عطا کردہ مال میں سے ہمارے حکم کے مطابق خرچ کریں۔ چنانچہ جہاں پر اللہ نے جماعت المسلمین کا ذکر فرمایا ہے، وہاں ارشاد ہے "فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ فَلِحَبْوٰتِكُمْ فِي الدِّیْنِ (التوبة) اگر کافر،

مشک، منافق، بے دین کو بہ کر لیں، نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ شروع کر دیں تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ گریبا نماز اور زکوٰۃ جماعت جو یہ کام کرتا ہے، وہ ہماری جماعت کا آدمی ہے اور جو نہیں جماعت المسلمین کا ممبر نہیں ہے۔ یہی جماعتی خصوصیت اور کی پہچان ہے۔ ایک بدنی عبادت ہے اور دوسری مالی۔ ان دونوں کا بیاں بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ
 السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ
 رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي
 الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۝ (۲۲) وَسَخَّرَ
 لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ
 اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ (۲۳) وَأَشْكُرُ مِنْكُمْ كُلَّ مَا سَأَلْتُمُوهُ
 وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ
 لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝ (۲۴)

ترجمہ اللہ جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو
 اور اتارا ہے آسمان کی طرف سے پانی۔ پس نکلا ہے اس
 کے لیے پھلوں سے رزق تمہارے لیے۔ اور اُس نے مسخر
 کیا ہے تمہارے لیے کشتیوں کو تاکہ چلیں وہ دریا میں اُس
 کے حکم سے۔ اور مسخر کیا ہے تمہارے لیے نہروں کو (۲۲)
 اور مسخر کیا ہے اُس نے تمہارے لیے سورج اور چاند کو
 جو مسلسل چلتے ہیں۔ اور اُس نے مسخر کیا ہے تمہارے لیے
 رات اور دن کو (۲۳) اور دی ہیں اُس نے تمہیں تمام اُن
 چیزوں میں سے جو تم نے اُس سے مانگی ہیں۔ اور اگر تم
 شمار کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو، تو اس کو پورے طریقے سے

نہاں نہیں کہہ سکے۔ بیشک انسان بہت بے انصافی

کرنے والا اور ناشکر گزار ہے (۳۲)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا اثبات اور کفر و شرک کا رد فرمایا تھا۔ اس سلسلہ میں کلمہ توحید کی مثال پاکیزہ درخت کے ساتھ اور کلمہ کفر و شرک کی مثال ایک گندے درخت کے ساتھ بیان فرمائی فرمایا کہ دنیا و آخرت میں ایمان والوں کی نابت قدمی کلمہ توحید کے ساتھ فلک ہوتی ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ منکرین نے اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کی جس کی وجہ سے خود بھی جہنم میں پہنچے اور دوسروں کو بھی ساتھ لے گئے۔ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ فرمایا، یہ لوگ چند دن تک فائدہ اٹھالیں، بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔

رابطہ آیات

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ایمان کے تقاضے میں دو باتوں کو پورا کرتے رہیں۔ نماز ادا کریں اور انفاق فی سبیل اللہ بھی کرتے رہیں تاکہ اپنے لیے اس دن سے پہلے کوئی سامان پیدا کر لیں، جس دن نہ کوئی سوداگری ہوگی۔ اور نہ کوئی دستہ کام آئیگی۔ گویا ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اشقیاء اور سعداء دونوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اشقیاء وہ ہیں جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی نعمت کا انکار کرتے ہیں، اور سعداء وہ ہیں جو ایمان لانے کے بعد نماز قائم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی روزی میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔

اب اس درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کے دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ ان دلائل کو قرآن کے مختلف مقامات پر بتکرار بیان کیا گیا ہے تاکہ یہ باتیں لوگوں کے اذہان میں بیٹھ جائیں اور وہ ان سے نصیحت حاصل کریں جو شخص خدا تعالیٰ کو پہچان کر اس کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا، وہ سعدا میں شامل ہو کر فلاح پاجائے گا، ورنہ ناشکر گزاروں

خدا تعالیٰ
کی پہچان

کے ٹولے میں شامل ہو کر جنم کا شکار بنے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ بخران کے نصاریٰ کو سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دینا۔ **فَإِذَا عَدَوْا اللَّهَ** اور جب وہ اللہ تعالیٰ کو صحیح طریقے سے پہچان لیں تو پھر انہیں کہنا کہ اللہ نے دن میں پانچ نمازیں، ایک ماہ کے روزے اور اگر استطاعت ہو تو زکوٰۃ اور حج بھی فرض کیا ہے۔ دین اسلام میں خدا کی پہچان سب سے پہلا مرحلہ ہے جب تک صحیح پہچان نہیں ہوگی، انسان اپنے دل میں توحید کو جگہ نہیں دے سکے گا اور نہ ہی کوئی عبادت مقبول ہوگی۔ **مَا قَدَّرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ** انہوں نے خدا تعالیٰ کو کما حقہ پہچانا ہی نہیں۔ اگر پہچان صحیح ہو جاتی تو پھر نہ شرک میں مبتلا ہوتے اور نہ رسالت کا انکار کرتے۔

امام شاہ ولیؒ فرماتے ہیں کہ حجابات میں سے تیسرا حجاب سور معرفت ہے۔ لوگوں کی اکثریت اسی حجاب میں مبتلا ہے، یعنی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح پہچان نہیں ہوتی۔ وہ یا تو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دے کر عقیدہ لٹبیہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا خدا تعالیٰ کی صفات مخلوق میں مان کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ توحید کو وہی سمجھے گا۔ جسے اللہ کی صحیح پہچان ہوگی۔ جب توحید کو سمجھ لے گا تو فکر پاک ہو جائے گی اور اس کی عبادت بھی ٹھکانے لگے گی۔

اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کو اس کی ذات سے پہچانا چاہے، تو یہ ممکن نہیں، کیونکہ وہاں تک کسی مخلوق کی رسائی نہیں، اللہ تعالیٰ درواہ الوداد ہے۔ اس کی صفات کو بھی انسان براہ راست نہیں پہچان سکتا۔ اس کی پہچان اس کی مخلوق پر غور کرنے سے ہوتی ہے جب اللہ کی صفت سمجھ میں آجائے تو پھر انسان اللہ کی ذات کو سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔

آسمان
زمین کی
تخلیق

اپنی پہچان ہی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدائش کے ہیں آسمان اور زمین۔ تخلیق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ "اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ آسمان اور زمین ہمیں نظر آتے ہیں اور ان کے ساتھ ہمارا تعلق ہے۔ آسمانی چیزوں سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں اور زمین پر چلتے پھرتے اور اس سے ضروریات زندگی حاصل کرتے ہیں۔ ان کو پیدا کرنا خدا کا کام ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کو ابداع اور فاطر کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے جیسے فرمایا يَدْبَعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ "یا فاطر السموات والأرض" دونوں کا معنی ایک ہے کہ آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا لفظ اللہ ہے۔ اللہ کی ان صفات میں ابداع یعنی ایجاد کرنا پہلے نمبر پر ہے اس نے آسمان اور زمین کو بغیر کسی مادے، آلے اور نمونے کے پیدا فرمایا پھر دوسری صفت خلق ہے۔ اس نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور جنات کو آگ کے مادے سے پیدا کیا۔ آگے تیسرے نمبر پر صفت تدبیر ہے۔ "يُدْبِرُ الْأُمُورَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ" (المعجہ) عالم بالا سے لے کر عالم زیریں تک تمام چیزوں کی تدبیر وہ خود کرتا ہے اللہ کی یہ تینوں صفات آگے پیچھے آتی ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اسی حصہ آیت میں اپنی صفت ابداع کا ذکر کیا ہے جس کے ذریعے اس کی پہچان ممکن ہوتی ہے۔

اللَّهُ تَعَالَى نے اپنی پہچان کی یہ دلیل بھی دی ہے وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اس نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا۔ سماء و مینہ کا اور فضا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ سمندروں سے بخارات اٹھتی ہیں، ہوائیں انہیں فضا میں چلاتی ہیں اور بادلوں میں پانی کے قطرات

بارش اور
اس کے
فائدہ

مخند ہو کہ زمین پر برسنے لگتے ہیں۔ بارش کے پورے نظام میں محض بخارات سے اٹھنے والی مون سون ہواؤں ہی کا دخل نہیں بلکہ اس میں عالم بالا کا حکم بھی شامل ہوتا ہے، تب جا کر بارش برستی ہے۔

فرمایا، آسمان کی طرف سے پانی نازل کیا فَاحْجِبْ بِهٖ مِنَ السَّمٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ پھر اس پانی کے ذریعے پھل اگلے جو تمہارے لیے روزی کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ پانی ہی کے ذریعے زمین میں نشوونما پیدا کرتا ہے اور پھر نارج اور پھل پیدا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر موسم کے لیے حسب ضرورت مختلف رنگ، ذائقے اور تاثیر کے پھل پیدا کرتا ہے۔ کسی پھل کی تاثیر سرد ہوتی ہے کسی کی گرم، کسی کی خشک اور کسی کی مرطوب۔ انسانی غذا کے طور پر یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے لوگ ہر موسم میں بے دریغ پھل استعمال کرتے ہیں مگر جیسا کہ آگے آ رہا ہے اس مالک ارض و سما کا حکم یہ ادا نہیں کرتے۔

پانی کی اور بھی بہت سی حکمت بیان کی گئی ہے پھلی سورۃ میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ پہاڑوں پر بارش برسا کہ پانی کو ندی نالوں کی صورت میں بہاتا ہے، جس سے دور دور تک آبپاشی ہوتی ہے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسانوں اور حیوانوں کی غذائی ضرورت پوری کرتا ہے۔ اسی طرح زمین بھی بڑی ضروری چیز ہے۔ اگر زمین نہ ہو تو انسانوں اور حیوانوں کے قدم کہاں لگیں، اُن کی خوراک کا انتظام کہاں سے ہو، معدنیات کہاں سے حاصل ہوں۔ اسی طرح آسمان کے بغیر چاند، ستارے اور سورج کہاں چلیں۔ ان سے روشنی اور حرارت کیسے حاصل ہو۔ اللہ نے انسان کی بنیادی ضروریات کو فری رکھا ہے۔ ذی روح مخلوق کو سب سے زیادہ ہوا کی ضرورت ہوتی ہے جسے اللہ نے بالکل مفت عطا کیا ہے۔ اس کے بعد انسانی ضروریات میں پانی کو سب سے

زیادہ اہمیت حاصل ہے اور وہ بھی اللہ نے دافر مقدار میں پیدا فرمایا ہے اس کے ذرائع میں بارش، ندی، نالے اور کنوئیں وغیرہ ہیں جہاں سے یہ آب سانی دستیاب ہے اس کے بعد خوراک لازمی چیز ہے جس کے لیے محنت کی ضرورت ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عام نعمتیں ہیں جو اُس نے انسان پر کی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ پروردگار! تیری ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کون سی ہے، فرمایا، سانس لو۔ جب آپ نے سانس لیا تو اللہ نے فرمایا یہ میری ادنیٰ سی نعمت ہے جو مدارِ حیات ہے۔ ہر سانس کے ذریعے انسان کو خدا تعالیٰ کے دو انعامات حاصل ہوتے ہیں۔ ہر چوبیس گھنٹے میں انسان چوبیس ہزار سانس لیتا ہے تو اندازہ لگائیے کہ صرف سانس کے ذریعے انسان کو کتنے انعامات حاصل ہوتے ہیں مگر اس کے مقابلے میں انسان کی طرف سے شکر یہ کی ادائیگی صفر کے برابر ہے۔

تیسری ذیل یہ بیان فرمائی ہے وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ اور تمہارے لیے کشتیوں کو سخر کیا۔ تجزی فی البحر بامرہ تاکہ وہ اٹس کے حکم سے دریاؤں میں چلیں۔ پانی پر چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہازوں تک کا تیرنا اللہ تعالیٰ کے خاص قانون کے مطابق ہے۔ اگر قدرت کا یہ قانون موجود نہ ہوتا تو کوئی چیز پانی میں نہ تیر سکتی۔ آبی شاہر ہوں کے ذریعے انسانوں کے علاوہ لاکھوں ٹن وزنی اشیاء ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے مال بردار جہاز ایک ایک ماہ تک ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک محو سفر ہتے ہیں۔ ابھی چند سال کی بات ہے کہ فیصل آباد کے ایک شخص نے اپنے سمندری سفر کا حال بیان کیا۔ کہنے لگا ہم کچھ تر ہزار ٹن لوہا بذریعہ کجری جہاز لے کر جا رہے تھے۔ خدا کی قدرت سمندر میں زبردست طوفان آیا جس میں جہاز

کشتیوں
کی تسخیر

پھنس گیا اور اس کے بچ نکلنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ بعض انگریز ملازمین نے شراب پی کر کمند میں جھپلاٹا لگا دی جب کہ میں نے ایک چھوٹی کشتی کے ذریعے جان بچائی۔ جہاز ڈوب گیا، میں ہسپتال میں بیہوشی کی حالت میں پڑا ہوا اور کئی روز بعد ہوش آیا۔ غرضیکہ پانی بڑی زبردست طاقت ہے مگر قانونِ خداوندی کے تحت اس پر جہاز اور کشتیاں تیرتی رہتی ہیں اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ڈوب بھی جاتی ہیں۔ فرمایا

وَمَسْحَرَكُمُ الْاَنْهَارُ اور تمہارے لیے ندی، نالوں اور نہروں کو بھی مسح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق ندی نالوں کو زمین کے اندر چلا آتا ہے جن سے وہ لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں جہاں بارش نہیں ہوتی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے دلائلِ توحید میں سے ہے۔

تسخیرِ شمس
قمر

آگے فرمایا وَمَسْحَرَكُمُ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسح کر دیا۔ دَابِّينَ جو دستور کے مطابق چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو راستے مقرر کر دیے ہیں، ان پر بلا کم و کاست رواں دواں ہیں اور اس میں منٹ سیکنڈ ٹیک کا فرق بھی نہیں آتا۔ تسخیر کا ایک معنی تو کسی چیز کا کسی کے قابو میں آنا ہوتا ہے جیسے جانور نوکر غلام وغیرہ انسان کے قبضے میں ہوتے ہیں اور وہ ان سے حربِ نڈا کام لیتے ہیں مگر تسخیر کا دوسرا معنی فائدہ اٹھانا بھی ہے۔ شمس و قمر کی تسخیر کا یہی معنی ہے۔ اللہ نے انہیں انسان کے فائدے کے لیے کام پر لگا دیا ہے۔ سورج ان نالوں کو روشنی اور حرارت فراہم کرتا ہے۔ جب کہ چاند کے ذریعے دسمی روشنی اور پھولوں میں رس پیدا ہوتا ہے اسی طرح ستارے، بیارے اور ہوائیں بھی انسان کی خدمت پر مامور ہیں، اسی لیے فرمایا کہ ہم نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسح کر دیا ہے دَابِّينَ کا مطلب یہ ہے کہ سورج اور چاند مسلسل حرکت کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ

ابن عباسؓ اور امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ان سیاروں کی دو حرکتیں ہیں۔ سورج کی یومیہ حرکت مشرق سے مغرب کی طرف ہوتی ہے، اور پھر کئی عرصے کی حرکت مغرب سے مشرق کی طرف ہوتی ہے۔ شمس و قمر کسی مکان یا احاطہ میں جا کر چھپ نہیں جاتے بلکہ یہ مسلسل چلتے رہتے ہیں۔ ان کا طلوع و غروب باعتبار ایک افق کے ہوتا ہے، لیکن ان کی حرکت بند نہیں ہوتی۔ ان مختلف منزلوں کی تبدیلی سے موسم بدلتے ہیں اور یہ بھی انسانی ضرورت میں سے ایک اہم ضرورت ہے۔ اگر سارا سال ایک ہی موسم سے تو ایک ہی قسم کے الماح یا پھل پیدا ہوں گے جس سے انسانی زندگی پر بڑے اثرات مرتب ہوں گے۔

فرمایا وَ سَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور سَخَّرَ کے تہارے لیے رات اور دن۔ رات دن کی ادلا بدلی بھی انسانی صحت کے لیے نہایت ضروری ہے دن لوگوں کو کام کاج فراہم کرتا ہے جب کہ رات کو سکون حاصل ہوتا ہے اور پھر انسان تازہ دم ہو کر اگلے دن دوبارہ کام میں لگ جاتا ہے غرضیکہ اللہ نے رات اور دن کو بھی انسانی خدمت پر مامور کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چند نعمتوں کا ذکر کر کے اپنی پہچان کی دلیل قائم کی ہے۔

پھر اللہ نے بطور قانون فرمایا وَ اَلْتَّكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ اور دیتا تم کو جو کچھ تم نے مانگا۔ انسان کی طلب کبھی زبانِ قال سے ہوتی ہے کہ انسان زبان سے بول کر کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے، اور کبھی یہ طلب زبانِ حال سے ہوتی ہے۔ یعنی انسان کی حالت جس چیز کا تقاضا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے بغیر مانگے ہی عطا کر دیتا ہے۔ یہ عطا کرنے کا قانون اللہ نے بیان کر دیا ہے اس مقام پر مَنْ تَبِعَ ضَيْضًا سَبَّ عَيْنِي تَمَّ نَعْمًا مَنْ تَبِعَ ضَيْضًا سَبَّ عَيْنِي بَلْكَ اس

مطلوبہ
نعمت
کی عطا

میں سے کچھ دے دیا۔ دُعا کے بارے میں یہی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا، اس کی عبادت کے مترادف ہے، اس سے مانگنا چاہیے وہ کسی کی دعا رد نہیں کرتا۔ البتہ یہ ہے کہ انسان کی مصلحت کے مطابق کبھی مطلوبہ چیز فرما عطا کر دیتا ہے۔ اور اگر مصلحت میں مضید نہیں ہوتی تو اس کے بدلے میں کوئی مصیبت طامال دیتا ہے۔ اگر ایسا بھی نہ ہو تو دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا لیتا ہے۔ وہ اس مانگنے والے کے لیے آخرت میں مضید ہوگی۔ چونکہ انسان کا علم محدود ہے اس لیے بعض اوقات وہ ایسی چیز طلب کر لیتا ہے جو اس کے لیے مضر ہوتی ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سی چیز مضید اور کون سی مضر ہے لہذا وہ اس کے مطابق ہی عطا کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

نعمت
شماری
پر علم
قدرت

آگے ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ ہر نعمت مخلوق ہے اور ہر مخلوق محدود ہوتی ہے جو کہ شمار کی جاسکتی ہے، مگر اللہ نے فرمایا کہ میری نعمتیں شمار نہیں کی جاسکتیں۔ مضرین کرام فرماتے ہیں کہ ایسا کہنا باعتبار انسان کے ہے کیونکہ بوجہ ضعف وہ ان نعمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ سورۃ النّٰء میں موجود ہے "وَخَلِقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا" انسان کہہ باطبع کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ لہذا اس کا محدود چیزوں پر حاوی ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو شمار بھی نہیں کر سکتے۔ جب شمار نہیں کر سکتے۔ تو حق لشکر یہ کیسے ادا ہو سکتا ہے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان کے تین دفتر پیش ہوں گے، ایک میں نیکیاں، دوسرے میں گناہ اور تیسرے میں نعمتیں درج ہوں گی۔ پھر نعمتوں میں سے ایک نعمت کھڑی ہو کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کریگی، پروردگار! مجھے اس شخص کی نیکیوں میں سے بدلہ دیا جائے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کی نیکیوں میں

سے اپنا حق وصول کر لو۔ جب وہ ایک نعمت اپنا حق لینا شروع کرے گی تو اس آدمی کی تمام نیکیاں ختم ہو کر صرف گناہ باقی رہ جائیں گے۔ وہ نیکی پھر عرض کرے گی وَعَذِّبَكَ مَا اسْتَوْفَيْتُ تیری عزت کی قسم مجھے پورا حق ابھی تک نہیں ملا۔ اگر اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم نہیں فرمائے گا تو کہے گا کہ اے بندے! تیری نیکیاں تو ایک نعمت ہی کھا گئی، اب تیرے پاس کچھ نہیں بچا۔ جب ایک نعمت کا پورا حق ادا نہیں ہو سکا تو باقیوں کا کیسے ہوگا۔ اور اگر اللہ اس شخص پر رحم کرنا چاہے گا تو کہے گا، جاؤ! ہم نے تمہاری نیکیاں دگنی چوگنی کر دی ہیں اور تمہاری غلطیاں معاف کر دیں اور وہ شخص نچ جائے گا۔ بصورتِ دیگر اُسے ایک نعمت ہی پکڑ کر بیٹھ جائے گی اور وہ شخص جان نہیں چھڑا سکے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اس قدر زیادہ ہیں مگر انسان اس کی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ انسان کے منہ میں جانے والے ایک لقمہ میں اللہ تعالیٰ کے بیشمار احسانات پوشیدہ ہیں۔ ذرا غور فرمائیں، کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر محنت کروا کے اور بارش کا انتظام کر کے گندم کو کس طرح پیدا کیا۔ پھر اُس کے اٹا بننے تک اُسے کتنے مراحل سے گزرنا پڑا۔ گندم کے لگنے، پکنے، ہر داشت کرنے، پیسنے اور روٹی پکنے تک کتنے ہاتھوں اور مشینوں نے کام کیا، تب جا کر انسان کو ایک لقمہ نصیب ہوا۔ اگر کسی کل کا ایک پرزہ بھی خراب ہو جائے تو سارا کام ادھورا رہ جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے گندم کے دانے کو تمام مراحل سے کامیابی کے ساتھ گزارنے کے بعد انسان کے منہ تک ایک لقمہ کھنچا یا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں ہیں جو واقعی شمار سے باہر ہیں۔ یہ تو ایک لقمہ جیسی نعمت کی بات ہے، اس کے علاوہ انسان کو لاکھوں کروڑوں نعمتیں میسر ہیں

جن کو نہ شمار کہہ سکتا ہے اور نہ اُن کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ کر سکو گے۔

فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ كَذَلُّوْمٌ كَفَّارٌ بِيَكِ اِنْسَانِ الْبِنَةِ
 بہت ہی بے انصاف اور ناشکر گزار ہے۔ شب و روز خدا تعالیٰ کے انعامات میں غرق ہے مگر اُس مالک کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبأ میں فرمایا قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِيْنَ میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں۔ جب کہ شکر گزار بہت زیادہ ہیں۔

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کرانی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے یہ تمام نعمتیں مہیا کی ہیں۔ اگر انسان ان میں غور فکر کرے تو اُسے معرفت الہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اُسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان تمام نعمتوں کو دیا کرنے والا صرف اور صرف اللہ و مددہ لا شریک ہے جب یہ بات سمجھ میں آجائے تو توحید کا مسئلہ خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے یہ تو اللہ نے عام نعمتوں کا ذکر کیا ہے، آگے خصوصی نعمتوں کا ذکر بھی آ رہا ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا
 وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۝ (۳۵)
 رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ
 فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي
 فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (۳۶) رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ
 مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ
 الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ
 أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ
 وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝ (۳۷)

ترجمہ :- اور (اس بات کا خیال کرو) جب کہ کہا ابراہیم
 علیہ السلام نے اے پروردگار! بنا دے اس شہر کو امن والا ،
 اور دور رکھ مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم
 بتوں کی عبادت کریں (۳۵) اے پروردگار! بیشک انہوں نے
 گمراہ کیا ہے بہت سے لوگوں کو۔ پس جس نے میری پڑی
 کی بیشک وہ مجھ سے ہے ، اور جس نے میری نافرمانی کی ،
 پس بیشک تو بخشش کرنے والا مہربان ہے (۳۶) اے
 ہمارے پروردگار! بیشک میں نے بایا ہے اپنی اولاد میں

سے ایسی داری میں جو کھیتی باڑی والی نہیں ہے تیرے
محترم گھر کے پاس۔ اے ہمارے پروردگار! تاکہ یہ نماز
قائم کریں۔ پس بنائے لوگوں کے دلوں کو کہ مائل
ہوں ان کی طرف، اور روزی سے ان کو پھلوں سے
شاید یہ شکر ادا کریں (۲۷)

ربط آیات

پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عام نعمتوں کا ذکر تھا جن میں سے
ہر نعمت اللہ کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے۔ اب اللہ نے خاص نعمتوں
کا ذکر فرمایا ہے۔ اس ضمن میں قریش مکہ کو یہ بات سمجھائی ہے کہ تم ابراہیم
علیہ السلام کو اپنا پیشوا اور جد امجد مانتے ہو۔ انہوں نے جس خانہ کعبہ کی تعمیر کی
تھی اس کی بنیاد توحید پر تھی مگر تم کفر اور شرک میں کیسے مبتلا ہو گئے ہو۔ پھر
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی ان دعاؤں کا ذکر کیا ہے جن سے کفر و
شرک سے بیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی وجہ سے
سرزمین مکہ پر جو خصوصی انعامات فرمائے تھے، ان کا ذکر بھی کیا ہے۔
توحید کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ کفار و مشرکین کو تنبیہ بھی کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ
کی وحدانیت کو اختیار کریں اور خدا کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کریں۔

شہر امن

ارشاد ہوتا ہے وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ اٰسْ وَتَقْت كُو دِهِيَانِ مِيں
لاؤ جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا
اے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے۔ شہر سے مراد شہرِ مکہ ہے جسے ابراہیم
علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے آباد کیا تھا۔ دراصل آپ نے خانہ کعبہ کی عمارت
از سر نو تعمیر کی اور پھر اپنی بیوی ہاجرہ اور بچے اسماعیل علیہ السلام کو وہاں چھوڑ گئے
اس وقت یہ ایک بے آب و گیاہ داری تھی مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا کہ اس
جگہ پر عظیم الشان اور فضیلت والا شہر آباد ہوگا، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اس
شہر کے ناموں ہونے کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا جس کا ذکر

قرآن پاک میں دو سکر مقامات پر بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر احسان
 جتلاتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے ارد گرد امن وامان نام کی کوئی چیز نہ تھی۔
 يَتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ لَوْ كُنُوا كَوَّابِحًا لِيَا جَانًا، اس نے
 حرمت والے مہینوں کے کوئی آدمی سفر نہیں کر سکتا تھا۔ سال کے آخر
 میلے تک لوگ افزائری کے عالم میں گزارتے، پھر باقی چار ماہ میں تجارت
 وغیرہ اور دو سکر سفر کرتے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان فرمایا کہ حرم مکہ کو
 بالکل پر امن بنا دیا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے
 شہر مکہ کو امن والا شہر بنا دیا۔ اس کا ذکر سورۃ التین میں آتا ہے اللہ تعالیٰ
 نے جن چار چیزوں کی قسم اٹھائی ہے ان میں ”هَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ“
 یہ امن والا شہر بھی شامل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شہر مکہ کو مومن بنانے کی دعا کی اور شرک
 سے پناہ بھی مانگی۔ وَاجْنِبْنِي وَمَنْ بِيْنِي اَنْ تَعْبُدُوا الصُّنَامَ اے پروردگار
 مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے دور رکھ۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتے
 کہ اللہ کے نبی تو کفر و شرک بلکہ ہر گناہ سے پاک ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ
 کی طرف سے گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ وہ کسی معصیت میں مبتلا نہیں ہوتے
 تو اس صورت میں ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے بت پرستی میں طوث نہ
 ہونے کی دعا کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کے
 انبیاء جس قدر بلند مرتبت ہوتے ہیں اسی قدر وہ اللہ سے زیادہ ڈرنے
 ولے ہوتے ہیں اور اسی بنا پر وہ خدا تعالیٰ کی کبریائی کے سامنے ہمیشہ عاجز
 اور انکاری کا اظہار کرتے رہتے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی اللہ کے
 حضور نیاز مندی کی ایک علامت ہے۔

شرک سے
 بیزاری

امام رازی فرماتے ہیں کہ بت دو قسم کے ہوتے ہیں۔ جو بت کسی
 خاص شکل و صورت پر بنایا گیا ہو اسے صنم کہتے ہیں اور جو بغیر شکل کے ان گھڑا

ہو۔ وہ وثن کہلاتا ہے۔ عربوں میں بھی دو قسم کے بت پائے جاتے تھے۔ جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ حدیث، شریفین میں صلیب کو بھی وثن کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جب عدی بن حاتم طائی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے گلے میں صلیب لٹکا رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا اَلِقِ هَذَا الْوَثْنَ اَسْ بَتِ كُوَاتَارِ بَيْتِكُمْ۔ غرضیکہ صنم یا وثن وہ بت ہوتا ہے جس کے متعلق زعم ہو کہ یہ نفع نقصان کا مالک ہے یا کسی کی حاجت برائی اور مشکل کشائی کہہ سکتا ہے۔ اس قسم کے بت خانہ کعبہ میں اور اس کے ارد گرد رکھے ہوئے تھے، صفا اور مردہ سپاڑیوں پر بھی بت موجود تھے اور مکے کے لوگ ان کی پستش کرتے تھے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں یہ دعا کی کہ انہیں اور ان کی اولاد کو اصنام سے پاک رکھا جائے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دعائے ابراہیم میں مِنْ ذُرِّيَّتِي جی کے الفاظ آئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دعا پوری نسل ابراہیمی کے لیے نہیں تھی بلکہ اس میں سے بعض کے لیے تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابوجہل وغیرہ آپ کی نسل میں آپ کی اولاد ہونے کے باوجود شرک پر تلبس ہے اور اسی پر ان کی موت آئی۔ البتہ آپ کی صلیبی اولاد یعنی آپ کے براہ راست بیٹے مکمل طور پر شرک سے مبرا ہے۔ دعا کی قبولیت کا یہی مطلب ہے۔

گمراہی اور
معانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی کارگزاری کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مزید عرض کیا رَبِّ اَنْصَلِنَا مِنْ اَصْنَانِ كَثِيرٍ مِّنَ النَّاسِ اے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے یہاں پر پھر اشکال پیدا ہو آئے کہ بت تو مچھتر اور مٹی کے بے جان بت ہوتے ہیں، وہ کسی کو گمراہ کیسے کر سکتے ہیں؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وہ خود تو گمراہ نہیں کر سکتے، البتہ تَسْبَبُ مِنَ الْاَصْنَانِ گمراہی کا سبب

ضرور بنتے ہیں۔ انہی بتوں کی پوجا کر کے لوگ گمراہی کے گڑھے میں گرے لہذا اسے بتوں کی گمراہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگے یہ بھی عرض کیا، پروردگار! **فَمَنْ يَتَّبِعْنِي فَإِنَّهُ مِنِّي** جس نے میری پیروی کی، وہ مجھ سے ہے یعنی میری جماعت کا آدمی ہے۔ اور جو آپ کے گروہ میں شامل ہو گیا، وہ حنیف ہو گیا اور اُس نے اللہ کی توحید کو تسلیم کر لیا۔ ایسا شخص کفر اور شرک سے بیزار ہو گیا۔ **فَرِيًّا وَمَنْ عَصَانِي** اور جس نے میری نافرمانی کی **فَانَاكَ عَفْوًا رَحِيمًا** تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عاجزی، نرمی اور رافت کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ پر یہ بات خوب واضح ہے کہ کافر اور مشرک جس کا خاتمہ اسی باطل عقیدے پر ہوا ہو، اس کی بخشش کی کوئی صورت نہیں۔ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ایسا شخص کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا **حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ** حتیٰ کہ ایک اونٹ سوئی کے نمکے سے گزر سکتا ہے مگر مشرک جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے **إِنَّهُ مَنْ يَشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَمَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ** (المائدہ) جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ تاہم ابراہیم علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ مولا کریم! تیرا فیصلہ تو یہی ہے کہ تو مشرک کو معاف نہیں کرے گا، مگر تو غفور اور رحیم بھی ہے۔ تیرے اختیار سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اگر تو معاف کر دے تو تو غفور اور رحیم ہے ایسا کر سکتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا **رَبِّ ارْحَمْهُ** اس کنت

اولاد
ابراہیم
کی آبرو

مصر: ذَرَّتْ يَدَيَّ اِے پروردگار! میں نے بسایا ہے اپنی اولاد میں سے
یہاں پر من تبعیضیہ ہے یعنی ساری اولاد نہیں بلکہ اس میں سے بعض
کو آباد کیا ہے۔ آپ کے بیٹوں میں سے اسحاق علیہ السلام تِشام اور
فلسطین کے علاقے میں ہی ہے۔ البتہ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے
اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ کی بے آب و گیاہ زمین میں آباد کیا۔ اللہ تعالیٰ
کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ جب ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی
سارہ کے ہمراہ مصر پہنچے تو شاہ مصر نے حضرت ہاجرہ کو بطور خادمہ لئے
دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح کر لیا تو ان سے حضرت
اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس پر آپ کی پہلی بیوی سارہ کو رشک
ہوا اور اس نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو
کہیں دور چھوڑ آئیں۔ چنانچہ ان حالات میں ابراہیم علیہ السلام نے ان
دونوں کو اس سرزمین عرب میں آباد کیا۔ غرضیکہ جس طرح آدم علیہ السلام
کا دانہ کھانے کی وجہ سے زمین پر نزل ہوا۔ اسی طرح حضرت سارہ
کا رشک سرزمین مکہ کی آبادی کا سبب بن گیا۔

فرمایا میں نے بسایا ہے اپنی اولاد میں سے بَوَادٍ غَيْرِ ذِي
زُرُوعٍ کھیتی باڑی کے ناقابل وادی میں۔ یہ خط بکراہم سے اٹالیس
میل کے فاصلے پر گرم خشک، پتھر لایا اور بے آب و گیاہ علاقہ ہے
جہاں پر بارش کے علاوہ سیرابی کی کوئی صورت نہیں۔ یہاں پر بظاہر
کشش کا کوئی سامان موجود نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محترم گھر کے
لیے اسی خط کو منتخب کیا۔ اب اسی بیت اللہ شریف کی کشش کا یہ
عالم ہے کہ اطراف عالم سے لوگ کھینچ کھینچ کر یہاں پہنچ جاتے ہیں
سخت گرمی ہو یا سردی، بارش ہو رہی ہو یا آندھی چل رہی ہو، چوبیس
گھنٹے میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا۔ جب کہ اس گھر کا طواف

ذہور عالم ہو۔ یہ عاشقانِ الہی کی بستی ہے، ایک دفعہ جا کر تسلی نہیں ہوتی اور ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ وہاں کی حاضرین کا بار بار مریعہ ملتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے قریبی زمانہ میں تَصِيْرُ اَرْضِ الْعَرَبِ مُرُوجًا وَاَيْلًا اَعْرَبَ کی سر زمین سبزہ زار اور باغات میں تبدیل ہو جائیگی۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے، مگر اب وہاں پر سبزہ اور باغات کی ابتدا ہو چکی ہے۔ سعودی عرب کے دار الحکومت ریاض کے علاوہ مکہ اور مدینہ کی شاہراؤں پر بھی درخت لگانے جا رہے ہیں عرفات کے پورے میدان میں درختوں کی لمبی لمبی قطاریں اب نظر آرہی ہیں اور اس طرح حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے۔ سبزہ زار اور عام استعمال کے لیے میٹھے پانی کی اشد ضرورت ہے وہاں پر زیر زمین پانی تو موجود نہیں، قریبی سمندر کا پانی سخت کٹوا ہے جسے صاف کرنے پر بہت زیادہ خرچ آتا ہے، لہذا سعودی حکومت اب قابل استعمال پانی کی بہم رسانی کے لیے دو سکر ذرائع تلاش کر رہی ہے اس منصوبے میں دور دراز کے دریاؤں سے پانی کی پلائی یا پمپنگ مکنجنڈ سے بڑے بڑے تودوں کی ترسیل شامل ہے۔

فرمایا میں نے بسایا اپنی اولاد میں سے بے آباد زمین میں عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ تیرے محترم گھر کے پاس حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ نے جس دن سے زمین کو پیدا کیا ہے، اسی دن سے اس خطہ ارض کو عزت والا مقام عطا کیا ہے۔ یہاں پر لڑائی جھگڑا قطعاً حرام ہے۔ فتح مکہ کے دن اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اجازت دی تھی کہ اگر کافر مقابلہ کرے تو ان کے خلاف ہتھیار اٹھا سکے ہیں۔ وگرنہ

خطہ عرب
میں سبزہ زار

محترم
گھر

اس کے بعد قیامت تک کے لیے یہ سرزمین واجبہ الامت مسلم ہی رہے گی۔

فرمایا میں نے اپنی اولاد کو یہاں اس لیے آباد کیا ہے رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ اے پروردگار! تاکہ وہ نماز قائم رکھیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دُعا میں اپنی اولاد کے لیے نماز جیسی اہم ترین عبادت کا ذکر کیا۔ نماز کا قیام ایک عظیم مقصد ہے جسے انبیاء علیہم السلام خود اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کو تلقین کرتے آئے ہیں۔ نماز کے بغیر انسان کا تعلق اُنے پروردگار کے ساتھ درست نہیں رہ سکتا۔ نماز کوئی پرائیویٹ معاملہ نہیں کہ جس نے چاہا ادا کر لی اور جس کے دل نے نہ مانا اُس نے چھوڑ دی بلکہ یہ تو اہم ترین عبادت ہے جس کی دُعا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کیلئے کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا، اے پروردگار! **فَلْجَعَلِ لَنَا مِنْكَ لُتْفًا كَمَا لَمْ كُنْ لَكَ غَنًّا وَكَأَنَّكَ تَكْتُمُ إِلَهُنَا فَتُجَاهِلُنَا**۔ اللہ کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔ آپ نے بعض لوگوں کے لیے دُعا کی جو مستجاب ہوئی اور اب دنیا کے تمام انسان تو اس سرزمین کی طرف نہیں آتے، البتہ کچھ اہل ایمان نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اللہ کے اس گھر کی زیارت کے لیے دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہیں یہاں پر تجارت بھی کرتے ہیں اور دل کی پیاس بھی بجھاتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے اس سستی کے باشندوں کے لیے یہ دُعا بھی کی کہ اے پروردگار! **وَارْزُقْهُمْ مِنْ ثَمَرِهَا إِنَّ كَوْمًا مِنْهَا كَفُّوا عَنْ رِزْقِ اللَّهِ وَأَكَلْتُم بِالطَّغْيٰنِ**۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دُعا بھی قبول فرمائی۔ اس طرح اب دنیا کی زمین میں کہیں کہیں کھجور کے نخلستان یا ریختان کے کسی حصہ میں تریز تو ہو سکتا ہے عام پھلوں کا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اللہ نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ دنیا بھر کے بہترین پھل تو روزانہ حالت میں اس سرزمین میں پہنچ رہے

دلوں کی
کشش

ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ انہیں عرفات کے میدان میں لمبوں کی ضرورت محسوس ہوئی تو اللہ نے وہاں بھی حیا کر دیا۔ وگرنہ عام حالات میں وہاں لمبوں نیچنے کے لیے کون جاتا ہے؟ الغرض! اب مملکت سعودی عربیہ میں ہر موسم میں ہر قسم کا پھل با افراط میسر ہے۔

فرمایا ان کو پھلوں سے روزی عطا فرما لَعَلَّكُمْ كَيْدٌ كَرِيمٌ
 تاکہ یہ تیرا شکر یہ ادا کر س۔ اسی سورۃ میں پہلے گنہ چکا ہے "لَئِنْ شِئْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" اگر تم شکر یہ ادا کرو گے تو میں مزید عطا کروں گا۔ مگر عام طور پر "إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكْفُورٌ" انسان بے انصاف اور ناشکر گنہگار ہی ہوتے ہیں کفر اور شرک سے بڑھ کر کون سی ناشکری ہو سکتی ہے۔ مگر آج بھی انسانوں کی اکثریت اس میں مبتلا ہے۔ بہر حال ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے حق میں یہی دعا کی کہ وہ اپنے پروردگار کے شکر گزار بندے بن جائیں۔

رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نَعْلَمُ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۚ (۲۸) الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ۚ (۲۹) رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۚ (۳۰) رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۚ (۳۱)

ترجمہ

ترجمہ ۱۔ اے ہمارے پروردگار! بیشک تو جانتا ہے جس چیز کو ہم چھپاتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور نہیں ہے مخفی اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں (۲۸) سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام بخشے۔ بیشک میرا پروردگار البتہ دعاؤں کو سننے والا ہے (۲۹) اے میرے پروردگار! بنا دے مجھے نماز قائم کرنے والا، اور میری اولاد میں سے بھی۔ اے ہمارے پروردگار! اور ہماری دعا مستجاب فرما (۳۰) اے ہمارے پروردگار! بخشش دے مجھے اور میرے والدین کو، اور مومنوں کو کہ جس دن حساب قائم ہوگا (۳۱)

گذشتہ درس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا تھی جس میں انہوں نے قریش مکہ پر ہونے والے خصوصی الغامت کا ذکر کیا تھا۔ خود مکہ مکرمہ کے حق میں آپ کی دُعا تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے پُر امن شہر بنا دے۔ پھر اپنے لیے اور اپنے متعلقین کے لیے شرک سے بچنے کی دُعا کی کیونکہ اصنام پہلے ہی بہت سے لوگوں کی گمراہی کا سبب بن چکے تھے۔ پھر عرض کیا کہ میں اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے گھر کے قریب بے آب و گیاہ سرزمین میں چھوڑ رہا ہوں تاکہ نماز قائم کریں کیونکہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس سے تعلق باللہ قائم ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی دُعا کی کہ اے اللہ! لوگوں کے دلوں کو میری اولاد کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے روزی عطا کر تاکہ یہ خدا کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کریں۔ ظاہر ہے کہ جب دل اس طرف مائل ہوں گے تو آمد و رفت میں اضافہ ہو کر وسائلِ رزق میں توسیع ہوگی۔ چنانچہ آج سے تقریباً پانچہزار سال پہلے مانگی گئی دُعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اب مکہ مکرمہ کی طرف مخلوق خدا کا سارا سال تانا باندا رہتا ہے اور موسمِ حج میں توبے انتہائش ہو جاتا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کی قبولیت کا صلہ ہے کہ اُس سرزمین میں اچھے سے اچھا پھل اور ہر چیز دستیاب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا بھی کی رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نَعْلَمُ اے ہمارے پروردگار! بیشک تو جانتا ہے جس چیز کو ہم مخفی رکھتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں۔ ارض و سما میں کوئی چیز تیری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ تو ہماری نیت، ارادے اور عزائم کو بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس اخلاص اور نفاق کو بھی جانتا ہے جو دلوں کی گمراہیوں میں پنہاں ہوتے ہیں اور جو لوگ ریکارڈ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے بھی واقف ہے۔

اللہ کا
علم محیط

اس دعا کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حضور نہایت عاجزی اور
انکاری کا اظہار کیا۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ چونکہ آگے ابراہیم علیہ السلام
کی اولاد کا ذکر بھی آرہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دعائیں حضور خاتم النبیین
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خاص اشارہ پایا جاتا ہے۔ سورۃ بقرہ اور دیگر سورتوں
میں آپ کی واضح دعا بھی موجود ہے ”رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا
مِّنْهُمْ“ یعنی اے اللہ! ہماری اولاد میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث
فرما۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کے چھپانے اور ظاہر کرنے میں آپ کا
اشارہ حضور علیہ السلام کی بعثت کے متعلق ہی تھا۔ بہر حال آگے پھر وضاحت
کی وہ مآخضیٰ علی اللہ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ
خدا تعالیٰ پر آسمان و زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ چھپنی سے چھوٹی
اور بڑی سے بڑی چیز کائنات کے کسی گوشے میں موجود ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ
کے علم میں ہے۔

عطا اولاد
پر شکر

آگے ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا ہے کہ اُس نے
بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ
لِي عَلَى الشَّيْخِ إِسْمَاعِيلَ وَاسْتَحَقَّ اس خد تعالیٰ کا شکر ہے
جس نے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام جیسے فرزند عطا فرمائے
امام بیضاوی کی روایت کے مطابق جب ابراہیم علیہ السلام کی عمر سنانوے
بیس کی ہوئی تو اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہ آپ کی دوسری
بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے جو کہ شاہ مصر نے آپ کو خادمہ کے
طور پر دی تھی۔ پھر جب آپ کی عمر مبارک ۱۱۲ سال ہوئی تو پہلی بیوی حضرت
سارہ کے بطن سے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ آپ کی چچا زاد تھی اور
اس نے آپ کے ساتھ عراق سے ہجرت بھی کی تھی۔ آپ کو ساری عمر اولاد
کی خواہش رہی مگر اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا کہ اُس نے جوانی کے بعد

برہا پے میں بیاعطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ بھی خاص مہربانی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹے یعنی اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر ہوئے اور پھر اپنی کنسل سے انبیا کا سلسلہ آگے بھی چلا۔

اس ضمن میں بائبل کی روایت قدرے مختلف ہے۔ اس کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کا پہلا بیٹا ۸۳ سال کی عمر میں اور دوسرا بیٹا سو سال کی عمر میں پیدا ہوا۔ جب کہ آپ یابوسی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ پھر اللہ نے بیٹے کے ساتھ پوتے کی بشارت بھی دی، فرمایا **وَصِدِّ ذُرِّيَّاهُ اسْتَحَقَّ يَعْقُوبُ** (رہو) یعنی تم اپنی زندگی میں پوتے کو بھی پالو گے۔ چنانچہ اپنی زندگی میں ہی حضرت یعقوب علیہ السلام بھی پیدا ہوئے۔ وہ بھی اللہ کے عظیم رسول تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۵۷ برس عمر پائی۔ آپ نے یہ بھی کہا **اِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ** بیشک میرا پروردگار البتہ دعا کو سننے والا ہے۔ اس نے ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشا **رَبِّ هَبْ لِي مِنْ الصَّالِحِينَ** (انصفت) اے پروردگار! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ اللہ نے اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام جیسی نیک اور صلح اولاد عطا فرمائی، جس پر آپ نے پروردگار کا شکر یہ ادا کیا۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اقامتِ صلوٰۃ کی دعا بھی کی۔ **رَبِّ اجْعَلْ لِي صَلٰوةً مِّنَ الصَّالِحٰتِ** اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا دے۔ **وَمِنْ ذُرِّيَّتِي** اور میری اولاد میں سے بھی ایسے لوگ پیدا فرما جو نماز کو قائم کریں اقامتِ صلوٰۃ بہت بڑی حقیقت ہے جس کے ذریعے تعلق باللہ درست ہوتا ہے۔ تو آپ نے اپنے اور اپنی اولاد کے حق میں یہی دعا کی کہ جہیں مکمل شرائط اور اخلاص کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لئے بنا دے۔

اقامتِ صلوٰۃ
کی دعا

اگر نماز درست ہوگئی تو ہر چیز درست ہو جائیگی، اور اگر نماز ہی درست نہ ہوئی، تو نہ دین درست ہوگا اور نہ دنیا۔ انسان اسکا اور بد عملی کا شکار ہی ہے گا۔

ہمارے بزرگوں میں سے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کاشمیریؒ ایک دفعہ دیوبند سے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں بارہ چودہ کوس کا سفر پیدل طے کر کے پہنچے۔ حضرت گنگوہیؒ نے آمد کا مقصد پوچھا تو عرض کیا کہ میرے حق میں دعا کریں کہ میں نماز ٹھیک طریقے پر ادا کر سکوں میرا یہاں آنے کا اور کوئی مقصد نہیں۔ اس پر حضرت گنگوہیؒ نے عجیب جملہ ارشاد فرمایا، کہنے لگے اگر نماز ٹھیک طریقے پر آگئی تو سب کچھ آگیا، پھر باقی کیا رہ گیا۔ فرمایا اسی بات تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے جس کام کی جڑ بنیاد صحیح ہوگئی اس کے سارے معاملات صحیح ہو گئے۔ اللہ کے ساتھ تعلق بھی درست ہو جائے گا اور دنیا کے سارے معاملات بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ سیاست ہو یا عیشت، حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد نماز کی درستگی کے ساتھ ہی سب کچھ درست ہو جائے گا۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہی دعا کی کہ مولا کریم! مجھے اور میری اولاد کو نمازی بنا دے۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب آدمی نماز پڑھو کر فارغ ہوتا ہے تو اس کی نماز کا صرف دو سوال حصہ قبول ہونا ہے جبکہ نو حصے ضائع ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا نواں حصہ بعض کا اٹھواں حصہ اور بعض کی نصف نماز قبول ہوتی ہے۔ جس کی آدمی نماز قبول ہو جائے تو وہ بڑی شان والا آدمی ہوتا ہے اور جس کی پوری کی پوری

نماز قبول ہو جانے وہ مقررین الہی میں شمار ہوتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی قبولیت کا دار و مدار اخلاص، صلاحیت اور نیکی پر ہے نماز میں جس قدر ان چیزوں کا حصہ ہوگا، اسی قدر نماز کی قبولیت بھی ہوگی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں عرض کیا رَبَّنَا وَقَبَّلْ دُعَاءَنَا اے ہمارے پروردگار ہماری اس دعا کو قبول فرمے۔ پھر آخر میں عرض کیا رَبَّنَا اعْفِرْ لِي اے ہمارے پروردگار! مجھے معاف فرمادے۔ مجھے بخش دے۔ جو کوتاہی اور لغزش ہوئی ہے اس سے درگزر فرما۔ نہ صرف مجھے معاف کر دے وَلَوْ اَلِدَيْ ^۱ بلکہ میرے والدین کو معاف فرمادے وَلِلْمُؤْمِنِينَ ^۲ یَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ اور جس دن حساب قائم ہو، تمام مومنوں کو بھی بخش دے۔ سب کی خطاؤں کو معاف فرمادینا۔

یہاں پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تو کفر پر تھے اور اسی پر اُن کا خاتمہ ہوا تو ایسی حالت میں ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے لیے مغفرت کی دعا کیسے کی جب کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ" (النّٰد) وہ مشرک کو نہیں بخشے گا۔ اس کے علاوہ جسے چاہے معاف کر دے۔ مفسرین کرام نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں بعض فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لیے دعا ابتدائی دور میں کی تھی۔ پھر جب ان کو علم ہو گیا کہ اُن کا خاتمہ کفر پر ہی ہے تو آپ نے اپنے والد سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ سورۃ توبہ میں موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی باپ کے لیے دعا ایک وعدہ کی بنا پر تھی فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ پھر جب آپ پر واضح ہو گیا کہ ان کا باپ دشمن خدا ہے تو آپ نے بیزاری کا اعلان کر

مشرک کے
لیے دعا
مغفرت

دبا بغرضیکہ جب تک کسی کے کفر پر خلتے کا یقین نہ ہو جائے اس کے لیے بخشش کی دعا کی جاسکتی ہے اور دعا کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ اے اللہ! اس کو مغفرت کا اہل بنا دے یعنی اسے توبہ کی توفیق عطا کر دے۔ ملتِ ابراہیم کا یہ مسئلہ اصول ہے کہ مومنین کے لیے دعائے مغفرت کرنی چاہئے خواہ وہ فاسق اور گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔

بعض نے یہ توجیہ بھی کی کہ جس شخص آذر کے حق میں اللہ نے مشرک ہونے کا ذکر کیا ہے، وہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا بلکہ چچا تھا اور آپ کے والد کا نام تاریخ تھا۔ شیوعہ حضرات کا یہ مسلک درست نہیں ہے۔ سورہ النعام میں صاف موجود ہے "وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَذْرُكَ قَالَ أَبْرَاهِيمُ عَلَيْكَ اللَّهُمَّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا بَلَغَتُ النُّبُوَّةَ لَوْلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ لَعَلَّيْكَ أَشْكُرُ"۔ دراصل آذر اور تاریخ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے والد بڑے مندر کے پر وہت تھے، اس لیے ان کا لقب آذر تھا اور نام تاریخ ہی تھا۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک نو مسلم جس کے والدین کفر و مشرک پر ہوں وہ بھی "وَبِنَاءِ الْغَفْسِ لِي وَلِوَالِدَيْهِ" کہہ کر اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت کر سکتا ہے۔ امام بیضاوی، صاحب کشاف زمخشری اور صاحب تفسیر جیلانی نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ ایسے شخص کے والدین سے مراد اس کے حقیقی والدین نہیں ہوں گے جن کا خاتمہ کفر اور مشرک پر ہوا، بلکہ اس سے مراد اس کے اولین والدین حضرت آدم علیہ السلام اور حوا ہوں گے۔ لہذا اس اصول کے تحت کوئی مسلمان اپنے غیر مسلم والدین ہونے کے باوجود دعائے مغفرت کر سکتا ہے اور اس سے مراد اولین والدین ہوں گے، نہ کہ وہ والدین جن کے گھر میں اس کی پیدائش ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی اسی اصول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے ان کی والدہ کے متعلق تو تفصیلات

قائم ہوگا۔ اس دعا میں ملت اربعہ کا پورا تذکرہ آگیا ہے اس کے
اصولوں اور خصوصی نعمتوں کا تذکرہ ہوا ہے پہلے عام نعمتوں کا ذکر
پھر خصوصی انعامات کا ذکر ہوا، اور محاسبہ اعمال کی بات ہوئی۔
سورۃ کے آخر میں قرآن کی دعوت کو عام کرنے کا بیان ہوگا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۗ
 إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿۴۲﴾
 مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ
 طَرْفُهُمْ ۗ وَافِدَتْهُمْ أَسْوَابُهُمْ ۗ ﴿۴۳﴾ وَانذِرِ النَّاسَ
 يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ ۗ فَيَقُولُ الَّذِينَ
 ظَلَمُوا رَبَّنَا آخِرْنَا إِلَىٰ آجَلٍ قَرِيبٍ ۗ نَجِّبْ
 دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا
 أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَالِكُمْ مِّنْ
 زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ ۗ وَسَكَنْتُمْ فِي مَسَاكِينِ الَّذِينَ ظَلَمُوا
 أَنفُسَهُمْ ۗ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ
 وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ
 وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ
 لِيَتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾

ترجمہ :- اور نہ خیال کرو اللہ تعالیٰ کے بارے میں
 کہ وہ غافل ہے اُن کاموں سے جو ظالم لوگ کرتے ہیں
 بیشک وہ اُن کو ہلکتا دیتا ہے اس دن کے لیے کہ

جس دن اُوپر اٹھی رہیں گی آنکھیں (۴۲) دوڑنے والے ہوں گے اور سر اُوپر اٹھانے ہوئے ہوں گے۔ نہیں پلٹیں گی اُن کی طرف اُن کی نگاہیں اور دل اُن کے اڑ رہے ہوں گے (۴۳) اور آپ ڈرا دیں لوگوں کو اُس دن سے کہ آئیگا اُن کے پاس عذاب۔ پس کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا، اے ہمارے پروردگار! ہمیں مہلت دے دے تھوڑی مدت کے لیے تاکہ ہم قبول کریں تیری دعوت کو، اور ہم پیروی کریں رسولوں کی (اُدھر سے جواب آئیگا) کیا نہیں تھے تم قسمیں اٹھاتے اس سے پہلے کہ تمہارے لیے کوئی زوال نہیں ہے (۴۴) اور ٹھہرے تم ان لوگوں کے گھروں میں جنہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر، اور واضح ہو گیا تمہارے لیے کہ ہم نے کیا سلوک کیا اُن کے ساتھ، اور بیان کیں ہم نے تمہارے سامنے مثالیں (۴۵) اور تحقیق ان لوگوں نے تمہارے لیے تمہارے پاس تھی اُن کی تدبیر، اگرچہ، اُن کی تدبیر ایسی تھی کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں اپنی جگہ سے (۴۶)

ربط آیت

پہلے قرآنِ کریم کی حقانیت اور قیامت کا ذکر ہوا، پھر رسالت اور توحید کا بیان آیا۔ اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہوا جن میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے۔ پھر اللہ نے قریش مکہ و عرب پر ہونے والی خاص نعمتوں کا تذکرہ کیا اور اس ضمن میں شرک اور اُن کی بے عقیدگی کا ذکر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر کیا جن میں توحید کی ترغیب اور شرک سے بیزاری کا سبق ملتا ہے۔ اُدھر انعامات الہی کے حصول پر اس کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اور

کفر و شرک سے بڑھ کر کوئی ناشکری نہیں، لہذا اس سے بچنا چاہئے۔ پھر اللہ نے قیامت کے مہلے کا ذکر کیا اور پھر اس ضمن میں دعائے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا کہ اے پروردگار! مجھے، میرے والدین اور سب مومنوں کو معاف کر دے، کل بیان کیا تھا کہ یہاں پر والدین سے مراد ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی والدین نہیں ہیں بلکہ ان کے اولین ماں باپ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا مراد ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور امام زہری کی قرأت کے مطابق وَالِدَيَّ كَرَفَدَيَّ پڑھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مولا اکرم مجھے اور میرے دونوں بیٹوں کو بخش دے۔ وہ آپ کی آخری عمر کی اولاد حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام ہیں۔ اب اس قرأت میں یہ اعتراض باقی نہیں رہتا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک والدین کے لیے کیوں دعا کی۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے محاسبہ اعمال کی منزل کا ذکر کیا ہے۔

ظالموں کے
لیے مہلت

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهُ عَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ اللہ تعالیٰ کو ان کاموں سے غافل نہ سمجھو جو ظالم لوگ کرتے ہیں۔ ظالم لوگ کون ہیں؟ اس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَالِمٌ كَفَّارٌ بیشک اکثر انسان ظالم اور ناشکر گزار ہیں، جو منعم حقیقی اور مالک حقیقی کی توحید میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ ان کافر، مشرک اور معاصی کے مرتکب لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کارگزاری سے غافل ہے، بلکہ وہ علیم کل ہے اور سب کچھ اس کے سامنے ہو رہا ہے۔ البتہ اس کا قانون یہ ہے اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْاَبْصَارُ وہ ان کو مہلت دیتا ہے اس دن کے لیے جب آنکھیں پھتر جائیں گی یعنی اوپر اٹھی رہیں گی۔ وہ سرکشوں کو فوری طور پر گرفت نہیں کرتا یہ مضمون سورۃ اعراف میں بھی گزر چکا ہے کہ جو لوگ

ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں "سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ" ہم انہیں تدریجاً ایسے طریقے سے پکڑیں گے جہاں سے انہیں علم ہی نہ ہو۔
 وَأَمَّا لِيُكَلِّمَهُمُ فِي مَعْنَىٰ مِثْلِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ لِيَوْمِ يَكُونُ لِمَن يَدْعُ بِدَعْوَتِهِمْ يُؤْخَذُ عَلَيْهِمْ الْقِسْفَاتُ لَمَّا كَانُوا هُمْ يَتَنَزَّهَاتُ فِي أَصْحَابِ الْمَقَابِلِ" میری تدبیر بڑی مضبوط ہے لوگ قدرت کے قانونِ انہماک سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں اور گرفت کے موخر ہونے کی وجہ سے مغرور ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم کوئی غلط کام نہیں کر رہے ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں اُس دن تک کے لیے مہلت دیتا ہے جب اُن کی آنکھیں پھڑپھڑ جائیں گی اور مَهْطِعِينَ وہ دوڑنے والے ہونگے
 صُنِعِي رَدُّوْ سِيْهٍ اِنِّى سِرُّوْ كُوْ اُوْ اِطْلُوْ هُوْوْ گے۔ اس حالت میں لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرَفُهُمْ۔ ہر ان کی نگاہیں اُن کی طرف واپس نہیں پلٹیں گی یعنی اوپر ہی لگی رہیں گی اور نیچے کی طرف آہی نہیں سکیں گی، اتنی تکلیف دہ حالت ہوگی۔ اس کے علاوہ وَاَوْدَتْهُمُ الرَّحْمٰنُ۔

دہشت کے مارے اُن کے دل اڑے جائے ہوں گے۔ یہ قیامت ہے۔
 دالے دن کے مناظر ہیں۔ سورۃ فرقان میں ہے "وَكَيْفَ تَسْفِكُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنَزَلَ الْمَلَائِكَةُ نَزِيلاً اُس دن آسمان بھٹ جائے گا اور فرشتے نیچے اترتے ہوئے نظر آئیں گے۔ سورۃ النبائیں "وَ فَتَحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَاباً اُس دن آسمان کو کھول دیا جائیگا اور اس میں دروازے دروازے بن جائیں گے۔ جہاں بہ قیامت کے دن لوگوں کے دوڑنے کا ذکر ہے تو سورۃ القمر میں ہے "مَهْطِعِينَ اِلَى الدَّرَاجِ بِلَانِى دَالِى كِى طَرَفِ دُوْرُوْ تُوْ جَائِى كُوْ۔ سورۃ المعارج میں ہے "يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِجَاعاً" اس دن قبروں سے نکل کر تیزی کے ساتھ دوڑیں گے کَا نَهُمْ اِلَى نَصِيبٍ يُوْفِضُوْنَ كُوْ بَا كُوْ وَهْ شَكَرَ كُوْ جَالِ كِى طَرَفِ دُوْرُوْ تُوْ

ہیں۔ ہر حال اللہ نے فرمایا کہ ظالموں کو اسی دن کے لیے مؤخر کیا گیا ہے، یعنی اس وقت تک ہمت دیدی گئی ہے۔

اگے اللہ نے حکم دیا وَ أَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ لوگوں کو اس دن سے ڈرا دیں کہ جس دن ان کے پاس عذاب آجائے گا۔ اُس وقت یہ لوگ جیلے ہلنے کریں گے مگر وہ کچھ مفید نہیں ہوں گے۔ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا پھر کہیں گے ظالم لوگ رَبَّنَا احْرُسْنَا اَلْفِ اَجَلِ قَرِيبٍ اے ہمارے پروردگار! ہمیں محتوڑی دیر کیلئے ہمت دے مگر دنیا میں واپس بھیج دے نَجِبٌ دَعْوَتِكَ اب ہم تیری دعوت کو قبول کریں گے وَنُذِيعِ الرُّسُلَ اور رسولوں کا اتباع کریں گے۔ سورۃ المنافقون میں ہے کہ جب کسی کو موت سامنے نظر آجاتی ہے فَيَقُولُ رَبِّ كَوْلَا اَخِيَّتِي اَلْفِ اَجَلِ قَرِيبٍ پھر وہ کہتا ہے کہ پروردگار! مجھے محتوڑی دیر کے لیے ہمت دے دے فَاَمْتَدِّقْ وَ اَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ اب میں صدقہ خیرات اور نیکی کے کام کروں گا اور نیچو کاروں میں ہو جاؤں گا۔ مگر ادھر سے جواب آتا ہے وَ كُنْ يُفَوِّضُ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاءَ اَجَلُهَا جب وقت آجاتا ہے تو پھر ایک سیکنڈ کی ہمت بھی نہیں دی جاتی اور فوری طور پر کام تمام کر دیا جاتا ہے۔

جاں تک دعوت قبول کرنے کا تعلق ہے تو وہی دعوت ایمان ہے جو اللہ نے اپنے انبیاء کے ذریعے اپنے بندوں کو بھیجی۔ جب یہ دعوت اس کے بندوں کو پہنچتی ہے تو وہ پکار اٹھتے ہیں رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (آل عمران) ہم نے ایمان کی دعوت سنیے دلے منادی کفندہ کو سن لیا اور اس کو قبول کر لیا۔ اس کے بجائے ظالم لوگ کہیں گے کہ دنیا

دنیا میں والی
کی خواہش

میں ہم تیری دعوت کو قبول نہ کر سکے۔ اب ہمیں ایک اور موقع دے کہ دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ تیری دعوت کو قبول کر لیں اور تیرے رسولوں کی پیروی کر لیں۔ اللہ نے بعض دوسرے مقامات پر بھی قیامت کے دن پیش آنے والے ایسے واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً سورۃ آلہ سجده میں ہے کہ مجرم لوگ سر جھکانے اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے اور عرض کریں گے "وَبْنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا لِنَفْعَلْ صَالِحًا إِنَّهُ لَذُو عَرْفٍ أَلَمَ إِذْ سَمِعْنَا بِمَا كُنَّا نَفْعَلُ وَإِنَّنَا بِهَذَا لَكَاذِبُونَ" ہم نیک اعمال انجام دیں گے۔

خدا تعالیٰ
کا جواب

ادھر سے اللہ تعالیٰ کا جواب آئے گا "أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ كَآئِمٍ نَّهَىٰ عَنْ يَدَيْكُمْ وَأَنَّ لَكُمْ مِنَّا لَأَرْزَاقًا وَسِعًا" اس سے پہلے دنیا میں قسمیں نہیں اٹھائی تھیں مآلکم مِّنْ زَوَالٍ کہ تمہیں کبھی زوال نہیں آئے گا۔ دنیا میں تم غرور میں مبتلا تھے اور کہتے تھے کہ ہم اسی طرح شان و شوکت کے ساتھ ہی رہیں گے، ہمارے اقتدار کو کبھی زوال نہیں آسکتا "وَمَا كُنْتُمْ بِمُعْذِيبِينَ" ہمیں کون سزا دیگا۔ سورۃ النحل میں اللہ نے فرمایا "وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن مِّنْكُمْ" اللہ کی پختہ قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ مرنے والے کو اللہ دوبارہ نہیں اٹھایگا اللہ فرمائے گا کیا تم وہی لوگ نہیں جو دنیا کی زندگی پر مغرور و مفتون تھے۔ اور پھر جن لوگوں نے زبانی قسمیں نہیں اٹھائی تھیں، ان کی حالت بتلا رہی تھی گویا کہ وہ اسی شان و شوکت کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو مزید یہ بھی فرمائے گا کہ تم وہی لوگ ہو۔ وَ سَكَنَتْكُمْ فِي مَسَاكِينٍ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جو ان لوگوں کی رہائش گاہوں میں پھرے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تم نے قوم عاد اور ثمود جیسی بڑی بڑی قوموں کی عالیشان عمارت میں رہائش

اختیار کی۔ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ اور تمہیں واضح ہو چکا تھا کَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ سابقہ اقوام کے انجام سے تمہیں عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ قوم عاد، ثمود، قوم لوط، قوم صلح اور قوم فرعون کے ساتھ ہم نے کیا معاملہ کیا۔ یہ لوگ بڑی بڑی تہذیبوں کے وارث تھے، بڑے کاریگر اور انجینئر تھے مگر جب ہماری گرفت آئی تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ آج تم انہیں کے بنائے ہوئے عالیشان محلات میں رہ کر بھی ان سے عبرت نہیں لے پڑتے فرمایا وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ ہم نے تمہارے سامنے ان لوگوں کو بطور مثال پیش کر دیا ہے۔ یہ نافرمان قومیں تھیں جنہیں اللہ نے نیست و نابود کر دیا ہے۔ پھر تم کس بات پر مغرور ہو۔ اگر تم بھی نافرمانی اور ظلم سے باز نہ آئے تو تمہارا حشر بھی ویسا ہی ہو سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی۔

کفار کی
معنی تدبیریں

فرمایا وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ انہوں نے مخفی تدبیریں
کیے دیکھ لیا وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ اور ان کی تدبیریں تو اللہ
کے پاس تھیں وہ جو کچھ بھی مخفی طور پر تدبیر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے
علم میں تھا۔ پنجابی زبان میں مکر کا معنی فریب اور دھوکہ ہوتا ہے جب کہ
عربی زبان میں یہ لفظ پوشیدہ تدبیر کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس
کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا وَيَكْمُرُونَ وَيَمْكُرُ
اللَّهُ ذُو مَعْنَى تدبیر اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسی ہی تدبیر کرتا
ہے۔ ظالموں کی یہ مخفی تدبیریں اللہ کے انبار کی مخالفت میں اور قرآن پاک
کے پروگرام کو ناکام بنانے کے لیے ہمیشہ سے ہوتی آئی ہیں اور آج بھی
دنیا میں ہو رہی ہیں۔ غیر مسلم اقوام نہیں چاہتیں کہ دنیا میں اللہ کا دین اور قرآن
کا پروگرام غالب آئے۔ پرانی اقوام میں سے فرعون، عمرو، اہل تبرک اور
اہل تجر نے کیا کیا تدبیریں اختیار کیں؟ امین کے باشندوں اور مصریوں نے اللہ

کے دین کے خلاف کیسے کیسے پروگرام بنائے، جسمانی اور ذہنی تکالیف پہنچائیں اور لوگوں کو دین کے راستے سے روکنے کے لیے بڑے بڑے لالچ دیے اور مال صرف کیا۔

آج بھی دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ یہود، نصاریٰ، ہنود، دہریے، قرآن پاک کے خلاف طرح طرح کے حربے استعمال کر رہے ہیں۔ کہیں ہسپتال کھول کر لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے اور کہیں سکول و کالج جاری کر کے لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ عورتوں اور ایڈ کی پیش کش کر کے اہل ایمان کو دین سے برگشتہ کر نیچی گوشتش کی جاتی ہے۔ کیا یہ بہت بڑا سانحہ نہیں کہ پاکستان بننے کے بعد اس سرزمین میں تیس چالیس لاکھ لوگوں کو عیسائی بنایا گیا ہے۔ یہ سب اُن کی مخفی تہذیب کا نتیجہ ہے مگر مسلمان اس سے بالکل غافل پڑے ہیں اور اس کا کوئی نوٹس ہی نہیں لے رہے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے مغربی ممالک میں مستشرقین کے نام پر اڈے قائم کر رکھے ہیں جو اہل مغربی باشندوں کو مشرقی علوم کی تربیت دی جاتی ہے۔ ان کی یونیورسٹیوں میں قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے، انہیں ڈگریاں دی جاتی ہیں اور پھر انہی سے اسلام کے خلاف کتابیں اور مضامین لکھائے جاتے ہیں تاکہ لوگ دین اسلام سے محروم ہو جائیں اُن کا مقصد یہ ہے کہ لوگ دین کا فتویٰ علما نے حق سے لینے کی بجائے یہودی اور عیسائی ماہرین علوم شرقیہ کی طرف رجوع کرنے لگیں اور اس طرح اسلام کا پروگرام تہ وبالا ہو جائے۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ آج ہندو، عیسائی اور یہودی تو اپنے مذہب پر کار بند ہیں مگر مسلمان اپنے سچے دین سے غافل ہیں ہندوؤں نے اپنے مبلغ مغربی ممالک میں بھیج رکھے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے امریکن ہندو مت قبول کر چکے ہیں۔ مگر مسلمان اپنے حال میں مست

مسلمانوں کے
لیے لکھی یہ

ہیں۔ انہیں اپنے دین کی کوئی فکر نہیں۔ اگر تبلیغ کے نام پر کوئی بیرون ملک جاتا ہے تو وہ اپنی کے رنگ میں رنگ کر رہ جاتا ہے، اور اپنی بات کو بھول جاتا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے لیے وظائف پانے والے مسلمان کتنے ہیں جو اپنا ایمان سلامت لے کر واپس آتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس وسائل موجود ہیں مگر صلاحیت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان آج ساری دنیا میں انحطاط کا شکار ہیں۔ یہ سب کافروں کی باریک تدبیروں کا نتیجہ ہے۔

فرمایا ان کفار کی تدبیریں اتنی بڑی بڑی تھیں وَ اِنْ كَانَ مِنْكُمْ
لِتَرْوُلَ مِنْهُ الْجِبَالُ کہ اُن کی وجہ سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے

مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بقا کی خاطر انہیں ناکام کیا۔ پہاڑوں کو سرکا دینے والی محض تدابیر بھی کارگر نہ ہو سکیں۔ انگریزوں نے قرآن پاک کے متن میں تغیر و تبدل کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔ انہیں بعد میں پتہ چلا کہ قرآن ایک معجزہ ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا میں مسلمانوں کی ایک ارب کی آبادی میں کم و بیش ایک کروڑ حافظ قرآن موجود ہیں۔ اگرچہ مسلمان قومی اور اخلاقی لحاظ سے تنزل کا شکار ہیں مگر پھر بھی قرآن کو کوئی نہیں ٹسا سکتا۔ حضور نے فرمایا تھا کہ یہ تو وہ کتاب ہے جس کو نہ پانی دھو سکتا ہے اور نہ آگ جلا سکتی ہے۔ یہ مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ آج ساری دنیا میں انجیل کا ایک بھی حافظ موجود نہیں مگر قرآن کے حافظ آپ کو چسے چسے میں ملیں گے، لہذا اغیار کی مخفی تدبیریں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۴﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهُهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾

ترجمہ :- آپ نہ خیال کریں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہ وہ وعدے کی خلاف ورزی کرے گا جو اپنے رسولوں کے ساتھ کیا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے اور انتقام لینے والا ہے ﴿۴۴﴾ جس دن تبدیل کی جائے گی زمین اس زمین کے علاوہ دوسری زمین کے ساتھ اور (اسی طرح تبدیل کیے جائیں گے) آسمان (دوسرے آسمان کے ساتھ) اور لوگ ظاہر ہوں گے اللہ کے سامنے جو اکیلا اور زبردست ہے ﴿۴۸﴾ اور دیکھے گا تو مجرموں کو اُس دن کہ جکڑے ہوئے ہوں گے زنجیروں میں ﴿۴۹﴾ اُن کے کُرتے گندھک کے مارے سے ہوں گے اور ڈھانچے گی اُن کے چہروں کو آگ ﴿۵۰﴾ تاکہ بدلے اللہ تعالیٰ ہر نفس کو جو اُس نے کمایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۵۱﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں کافروں کی مکاری اور چالبازی کا ذکر تھا کہ حق کے مقابلے میں وہ کس قسم کی تدبیریں اختیار کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں، مشرکوں اور کافروں کی بری حالت کا ذکر کیا کہ کس طرح وہ قیامت والے دن ذلیل و خوار ہوں گے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تلی دی ہے اور ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ اگر دنیا میں کفار کو ہمت ملتی رہتی ہے۔ وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں تو اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے اور نہ بد دل ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حالات کا ذکر کیا ہے جو ان بد بختوں کو آخرت میں پیش آنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ

ارشاد ہوتا ہے فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ خَائِفًا فِی رُسُلِهِ، آپ یہ نہ گمان کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں سے کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی کرے گا۔ اور اس کا وعدہ یہ ہے کہ وہ اپنے انبیاء کے مشن کو ضرور غالب کرے گا اور دین حق کے مخالفین بالآخر مغلوب ہو جائیں گے۔ سورۃ المجادلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے كَتَبَ اللَّهُ لَأَنَا وَرُسُلِي أَنَّهُ لِي الْغَلْبَةُ، یعنی یہ بات بکھدی ہے کہ مجھے اور میرے رسولوں کو ضرور غلبہ حاصل ہوگا۔ یعنی دنیا میں انہی کے مشن کو کامیابی حاصل ہوگی اللہ تعالیٰ صحیح بات کو غالب کرنا ہے چاہے بظاہر کتنی ہی کمزوری نظر آئے اور کتنی ہی آزمائشوں سے گزرنا پڑے۔ سورۃ المؤمن میں بھی اللہ کا فرمان ہے إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ بیشک ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی ضرور مدد کرتے ہیں۔ دنیا میں بھی اور اس دن بھی مدد کریں گے جس دن گوڑہ کھڑے ہوں گے یعنی جو قیامت کا دن ہوگا۔ بہر حال اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے رسولوں کے مشن کو ضرور غالب کرے گا۔ لہذا کافروں کی

ظاہری حالت سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے اور یہ کبھی گمان نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ بِشُكِّ اللّٰهِ تَعَالٰی کمالِ قدرت کا مالک اور غالب ہے وہ ذُو اَنْتِقَامٍ یعنی انتقام لینے والا بھی ہے وہ مہلت دیتا ہے، مگر مجرموں کو چھوڑتا نہیں۔ وہ اُن سے ضرور انتقام لے گا کیونکہ وہ حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگر دنیا میں پوری زندگی بھی اُن کی گرفت نہ ہونو آخرت میں تو ضرور ہی پکڑے جائیں گے اور انہیں اپنے اعمال کی سزا بھگتنا ہوگی۔

زمین و آسمان
کی تبدیلی

فرمایا یہ مجرم خدا تعالیٰ کے انتقام کا کب شکار ہوں گے یَوْمَ تَبْدَلُ الْاَرْضُ عَيْنِ الْاَرْضِ جس دن تبدیل کر دی جائے گی زمین دوسری زمین کے ساتھ وَالسَّمٰوٰتُ اور یہ آسمان بھی تبدیل کر دے جائیں گے، گویا قیامت کے دن یہ زمین و آسمان نہیں ہوں گے بلکہ ان کی جگہ دوسرے لائے جائیں گے مفسرین کہہ رہے ہیں کہ آسمان اور زمین کی یہ تبدیلی دو صورتوں میں ہوگی، یعنی ان کی صفت بھی تبدیل کر دی جائے گی اور حقیقت بھی۔ صفت کی تبدیلی کے متعلق سورۃ الانشقاق میں آتا ہے۔ "وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ اَوْ رَیْمِیْنِ کُو اس طرح پھیلا دیا جائے گا جیسے کھال کو کھینچا جاتا ہے اور اس کی تمام سلوٹیں نکل جاتی ہیں۔ اسی طرح جب زمین کو پھیلا دیا جائے گا تو اس پر نہ کوئی غار رہے گا اور نہ پہاڑ بلکہ سب ہموار ہو جائیں گے یہ تو صفت کی تبدیلی ہوگی۔ اور حقیقت کی تبدیلی اس طرح ہو گی کہ پہلے صور پھونکے جانے پتو اس کی اونچ نیچ ختم ہو جائیگی اور جب دوسرے صور پھونکا جائے گا اور حساب کتاب کی منزل آئے گی تو اس زمین کی جگہ بالکل دوسری زمین لائی جائے گی اور محاسبہ اعمال کی ساری کاروائی اسی نئی زمین پر کی جائیگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ نئی زمین برید سے

یا چاندی کی طرح سفید ہوگی۔ یہ زمین کی حقیقت کی تبدیلی ہوگی۔ جس موجودہ زمین پر انسان گناہ کا ارتکاب کیا کرتے تھے، اس کو یکسر بدل دیا جائے گا۔ البتہ محاسبہ اعمال کے وقت اللہ تعالیٰ اس زمین کے جس خطے کو چاہے گا گواہی کے لیے حاضر کر دے گا۔ صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، حضور! جب یہ زمین تبدیل کی جائے گی تو اس وقت انسان کہاں ہوں گے تو آپ نے فرمایا علی الصراطِ جدون الجسر اس وقت سارے لوگ پل صراط کے ایک تار یک کنارے پر کھڑے ہوں گے۔ اسی طرح موجودہ آسمان بھی تبدیل کر دیے جائیں گے، نہ یہ آسمان باقی رہیں گے اور نہ یہ گتے، بلکہ یہ سارا نظام ہی تبدیل کر دیا جائے گا۔ موجودہ تمام چیزیں درہم برہم ہو جائیں گی۔

اللہ کے
حضور
ایشی

فرمایا جب زمین و آسمان تبدیل ہو جائیں گے تو اس وقت وَكُنْزُ مَا
لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهْقَارِ۔ تمام لوگ اس اللہ تعالیٰ کے سامنے نکل کھڑے
ہوں گے جو اکیلا بھی ہے۔ اور قہار بھی یعنی زبردست طاقت کا مالک ہے
فرمایا اس وقت حق کے مشرکین، توحید کو مٹانے والے، کفر و شرک کے پروردگار
کو غالب بنانے، شریک پر موم قائم کرنے والے اور انبیاءِ امی بات کو ٹھکرانے
والے لوگوں کا حال یہ ہوگا وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ تو اس دن
اِنْ مَجْرِمُونَ كَوْدِيحِي گا مقررین فِي الْاَصْفَادِ کہ وہ زنجیروں میں
جکڑے ہوئے ہوں گے۔ سورۃ الاحقاف میں ہے تَوَّافٍ سِلْسِلَةٍ
ذَرَعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا ستر ستر گز لمبی زنجیروں میں جکڑے ہوئے
ہوں گے جنہیں فرشتے گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ سورۃ یس میں ہے
فِيْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلَالًا ان کے گلے میں طوق پڑے ہوں گے۔ وہ
اس وقت اس قدر ذلیل و رسوا ہوں گے۔ یہی محاسبہ اور انتقام کی منزل
ہوگی۔

فرمایا سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطْرَانِ اِنَّ كے کرتے گدھک آمیز مادے سے بنائے گئے ہوں گے۔ ان کی قمیضوں کا خام مال تارکول، گدھابروزہ یا گدھکت وغیرہ کا ہوگا جو فوراً آگ پکڑے گا۔ عربی میں قطر ان اُس مرکب وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو اونٹوں کی خارش زدہ جگہوں پر لگایا جاتا ہے تاکہ ساتھ جگہ سے زہریلا مادہ گل سڑ جلے اور جسم میں تندرست گوشت آنے لگے۔ بہر حال اس دن مجرمین کے کپڑے اس قسم کے ہوں گے جو خود آگ کو دعوت دیں گے اور فوراً بھڑک اٹھیں گے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اُس زور کرنے والی عورت کو بھی گدھک کا کرتہ پہنایا جائے گا اِذَا لَمْ تَتَّبِ قَبْلَ مَوْتِهَا جِوْمَنِي سے پہلے اس قبیح فعل سے توبہ نہیں کر لیتی۔

اس قسم کے بارود آمیز کپڑوں کا نتیجہ یہ ہوگا وَتَعْنَشِي وُجُوهُهُمْ النَّارِ اَنَّ كے چہروں کو ڈھانپ لیگی۔ چہرہ چونکہ جسم کا افضل عضو ہے اس لیے اس کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے، دگر نہ تو سارا جسم ہی بھڑک اٹھے گا۔ دوسری جگہ دل کا ذکر آتا ہے کہ دوزخ کی آگ سب سے پہلے دل پر اثر انداز ہوگی اور ظاہری اعضاء میں سے اس کا پہلا شکار چہرہ ہوگا۔ اور یہ اس لیے لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ تاکہ اللہ تعالیٰ ہر جان کو اس کی کمائی کا بدلہ دے۔ چونکہ مجرمین نے دنیا میں کفر، شرک، احماد، انکارِ معاد، انکارِ توحید، انبیاء کی مخالفت اور کفر کے پروگرام کی حمایت جیسے اعمال کھائے، لہذا ان اعمال کا بدلہ انہیں دوزخ کی آگ کی صورت میں ہی ملے گا اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے اگر وہ دنیا میں چند دن مہلت بھی دے دے تو ہو سکتا ہے مگر بالآخر وہ پکڑے گا اور ایک ایک عمل کا حساب لے گا کیونکہ وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان والوں کو تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں، اپنا کام کرتے جاؤ کیونکہ ہمیشہ فتح حق کی ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا

میں کافروں کو ہدایت مل جائے مگر آگے وہ دن یقیناً آنے والا ہے جس
دن مہجروں کا یہ حال ہوگا جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے وہ لوگ آتشیں
لباس میں طبوس ہوں گے جو فوراً آگ بکڑے گا اور ان کا چہرہ فوراً جھلس جائے
گا۔ یہ ان کے لئے کا بدلہ ہوگا۔

هَذَا بَلَّغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا
 أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌُ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

ترجمہ ۱- یہ پیغام ہے لوگوں کے لیے تاکہ ان کو
 ڈرایا جائے اس کے ساتھ اور تاکہ وہ جان لیں کہ بیک
 وہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ نصیحت حاصل کریں معتد
 لوگ ﴿۵۲﴾

یہ سورۃ ابراہیم کی آخری آیت ہے۔ یہی سورۃ ہونے کی بنا پر اس میں بھی زیادہ
 تر اسلام کے چار بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے۔ پہلی بات قرآن کی صداقت و حقایقت
 اور اس کا وحی الہی ہونا ہے۔ اس سورۃ میں قرآن پاک کی ضرورت اور اس پر اعتراض
 کرنے والوں کا خاص طور پر رد کیا گیا ہے۔ اس کی غرض غایت اس کے ابتدائی حصے
 میں ہی بیان کی گئی ہے "لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ"
 کہ آپ اس قرآن کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں
 کفر، شرک، نفاق، بعقیدگی اور باعملی سب اندھیرے ہیں جن کی وجہ سے انسان کی
 روح اور عقل تاریک ہو جاتی ہے اور انسان بصیرت سے محروم ہو جاتے ہیں
 اس کے برخلاف ایمان، توحید، اخلاص اور نیکی روشنی ہے۔ جس کی دعوت یہ
 قرآن حکیم دیتا ہے۔

خلاصہ
 مضامین

اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ معاد بھی اس سورۃ میں بیان ہوا ہے۔ قیامت
 پر ایمان، اس کا وقوع، بعث بعد الموت اور جزائے عمل اس عقیدہ کی جزئیات
 ہیں۔ اس سورۃ میں ان موضوعات پر بھی بحث کی گئی ہے اور معتزین کے اعتراضات

کے شافی جوابات دیے گئے ہیں۔

اس کے بعد تمییز بنیادی عقیدہ رسالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں بعض انبیاء کے تذکرہ میں اُن کی اقوام کی نافرمانی اور پھر اُن پر آنے والے عذاب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔

اسلام کا چوتھا اور اہم ترین بنیادی عقیدہ توحید پر ایمان ہے توحید تمام مسائل کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے یہ مسئلہ سمجھایا ہے۔ پھر ابراہیم کی دُعاؤں کا ذکر ہے جن میں تمّت حنیفیہ کے اصول ہیں اور آخر میں اللہ نے محاسبہ اعمال کا ذکر کیا ہے، یہ تمام باتیں بنیادی عقائد سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ نے بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادت کا ذکر بھی اس سورۃ مبارکہ میں کیا ہے "قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَجَهْرًا" اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں مذکورہ چار بنیادی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ اکثر سورتوں کے آخر میں ان کا خلاصہ بیان ہوتا ہے اب اس سورۃ کے آخر میں بھی اللہ نے خلاصے کے طور پر چار باتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) پیغام خداوند

ارشاد ہوتا ہے "ذٰلِكَ الَّذِي يُبَلِّغُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّكُمْ وَيُخْرِجُكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ" اسے یہ پیغام ہے لوگوں کے لیے اس سے مراد اس سورۃ مبارکہ کے مندرجات بھی ہو سکتے ہیں، اور پورا قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے یعنی جو کچھ اس سورۃ یعنی لوہے قرآن حکیم میں ہے وہ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پیغام ہے مفسرین کہہ ام بلسغ کے دو معانی بیان کرتے ہیں۔ پہلا معنی تو کفایت ہے اور مطلب یہ ہے کہ سورۃ مبارکہ یا قرآن پاک میں جو کچھ بھی ہے۔ وہ انسان کی نصیحت حاصل کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے کافی ہے، اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور دوسرا

معنی اجیہا کہ میں نے ترجمے میں عرض کیا پیغام ہے تمام لوگوں کے لیے ظاہر ہے کہ اگر یہ پیغام ہے تو پھر اس کو پہنچانے والے بھی ہونے چاہئیں تاکہ اس کی تعلیمات تمام متعلقین تک پہنچ سکیں۔ قرآن پاک اللہ نے اپنے نبی پر براہ راست نازل فرمایا اور پھر اہل ایمان کو پابند کیا ہے کہ وہ اس پیغام کو آگے پہنچائیں۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے انان خود اس پر عمل پیرا ہو، اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو، اس کی صحت پر یقین ہو کہ سو نہ کہ خود قرآن پاک کا بیان ہے کہ اس کلام الہی پر یقین نہیں رکھو گے۔ "فَاَيُّ حَدِيثٍ مَّبْعَدَهُ يُؤْمِنُونَ" (المسرات) تو پھر اس کے بعد کون سی چیز آئی ہے جس پر ایمان لاؤ گے۔ غرضیکہ انان کو یقین ہو جائے کہ یہ اللہ کا آخری اور جامع کلام ہے اور حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شرح ہے اس کا متن وحی مجلی ہے اور اس کی تشریح وحی خفی ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی بھی فرماتے ہیں کہ "تمام احادیث صحیحہ قرآن کی شرح ہیں، اور یہی بات شاہ ولی اللہ امام شافعی اور امام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھی ہے۔ الغرض اس یقین ایمان اور عمل کے ساتھ اگر اس پیغام کو پہنچانا ہی اپنی ذمہ داری کی تکمیل ہے۔ تو یہ لے عرض کیا کہ بلاغ کا لفظ عام ہے اور اس پیغام کہلے جانے کے لیے ضروری ہے کہ اس بات پر یقین ہو کہ یہی پروگرام صحیح ہے چنانچہ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں ہے "ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" یہ وہ کتاب ہے جو شک و شبہ سے پاک ہے۔ پھر اس کی تعلیمات اور پروگرام پر عمل پیرا ہونے والوں کے متعلق فرمایا "وَالَّذِيْنَ هُمْ الْمَفْلُحُونَ" یہی لوگ ہیں کہ جن کو فلاح نصیب ہوگی، اور جو قوم قرآن پاک کے پروگرام کو قبول نہیں کرے گی۔ وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتی۔ اگر اس کتاب کے پیروکار اس پر عمل کرتے ہوئے بغیر شک و تردد کے اسے لے جائیں گے، تو اس کا یقین اثر ہوگا۔ اور اگر اس کی تعلیمات کا علم ہی نہ ہو اس پر

یقین ہی نہ ہو، اس کی شرح اور اپنے اعمال سے ناواقفیت ہو اور اس کے عقائد اور فکر کا علم نہ ہو، تو یہ قرآن موثر نہیں ہو سکتا، بلوغ کے لفظ سے یہ ساری بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور اگر قرآن کے مننے والوں کے پاس کوئی سلطنت اور ملک ہی نہ ہو جہاں اس کے پروگرام کو عملی طور پر نافذ کر سکیں تو وہ اس کی دعوت دوسروں کو کیسے دے سکتے ہیں۔ دوسرے لوگ اس کی حقانیت کو جیھی سمجھیں گے جب کہ وہ دنیا کے کسی خطے میں اس پر عمل ہوتا اور اس کے متبعین کو فیض یاب ہوتا دیکھیں گے امیر شکیب ارسلان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب میں روس گیا تو میں نے طالبان اور اس کے حواریوں کے سامنے اسلام کی حقانیت پر تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو واقعی بڑا اچھا پروگرام ہے مگر یہ بتائیں کہ اس پروگرام پر عمل کہاں ہو رہا ہے اور اس کے ثمرات کیا مرتب ہو رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ کیونکہ دنیا کی پچاس سے زیادہ مسلم ریاستوں میں سے کسی ایک میں بھی اسلام کے پروگرام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ اسلام کی ترویج کے لیے اور اس کی تبلیغ کے لیے انفرادی طور پر ترقی کوشش ہو رہی ہے اور یہ بھی مبارک بات ہے کہ تبلیغی جماعتوں کے گشت دنیا بھر میں ہو رہے ہیں مگر یہ اجتماعی فریضہ کہاں ادا ہو رہا ہے وہ کون سا ملک ہے جس نے قرآنی پروگرام کو اپنے ملک میں نافذ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حدود و تعزیر کے قوانین نازل فرمائے ہیں مگر کہاں ہیں وہ لوگ جو ان کو اپنے سینوں، معاشرے اور ملک میں جگہ دیں۔ جب یہ بات نہیں ہے تو ہم ابلاغ کا فریضہ ادا نہیں کر رہے ہیں اور قرآن کے پیغام حق ہونے کا حق ادا نہیں کر رہے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اسلام میں دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ اخلاقی تعلیم اور تعزیرات، اگر کوئی اخلاقی تعلیمات سے

مستفیہ نہیں ہوتا اور قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پھر اس کے لیے تعزیرات کا نظام ہے تاکہ معاشرے میں فساد برپا نہ ہو، مگر تعزیرات کا نظام اجتماعیت اور حکومت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ اور جو حکومتیں اس وقت موجود بھی ہیں ان کے کارپردازان بھی اسلامی تعزیرات نافذ کرنے کی بجائے من مانی کاروائیاں کر رہے ہیں۔ کافروں کی شاگردی اختیار کرتے ہیں۔ ان سے سیکھیں بولتے ہیں اور پھر اپنی کے مطابق دولت خسر جی کرتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ نہ تو قرآنی پروگرام پر عمل ہوتا ہے اور اس کے بہتر نتائج برآمد ہو گئے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمان خود اپنی عقل کو استعمال کرتے، سلف صالحین کی طرح ہر کام کے خود بانی مبنی بنتے، دوسروں سے رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے خود دنیا کے اساتذہ بنتے تو انہیں عزت کا مقام حاصل ہوتا، مگر انہوں نے قرآن کریم کے پروگرام کو نہ خود سمجھا ہے اور نہ اس پر عمل کیا ہے حالانکہ یہ تمام لوگوں کے لیے پیغام ہے اور اس کی تبلیغ کا کام خود اس کے پیروکاروں کو آگے بڑھ کر کرنا چاہیے تھا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے متعلق سبلی بات تو یہ فرمائی کہ یہ لوگوں کے لیے پیغام ہے اور دوسری بات یہ **وَلَيْسَ نَذْرٌ وَّابِهٖ** تاکہ اس کے ساتھ ڈرا یا جائے، لوگوں کو خبردار کیا جائے۔ منذر انبیاء کی صفت ہے اور لوگوں کو محاسبہ عمل اور جبر سے انجام سے خبردار کرنا ان کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ اس وقت جب کہ دنیا فسق و فجور سے بھری پڑی ہے، انذار کی زیادہ ضرورت ہے۔ لوگوں کو خبردار کرنا چاہیے کہ اگر قرآن پاک میں مذکورہ اصولوں کو تسلیم نہیں کریں گے تو انجام بہت بُرا ہوگا۔ انذار ایک عظیم مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو بھی فرمایا **قُمْ فَأَنْذِرْ** (المذثر) آپ انھیں اور لوگوں کو ان کے انجام سے خبردار کر دیں۔

(۲)
انذار بذریعہ
قرآن

اب صورت حال یہ ہے کہ دنیا کی پانچ ارب آبادی میں سے سوا چار ارب کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا ہیں، لہذا قرآن کے سپرد کاروں کا فرض ہے کہ وہ اس پروگرام کو لے کر اٹھیں اور لوگوں کو ان کے برے انجام سے خبردار کریں اور ڈرائیں۔

(۳)
دعوتِ
توحید

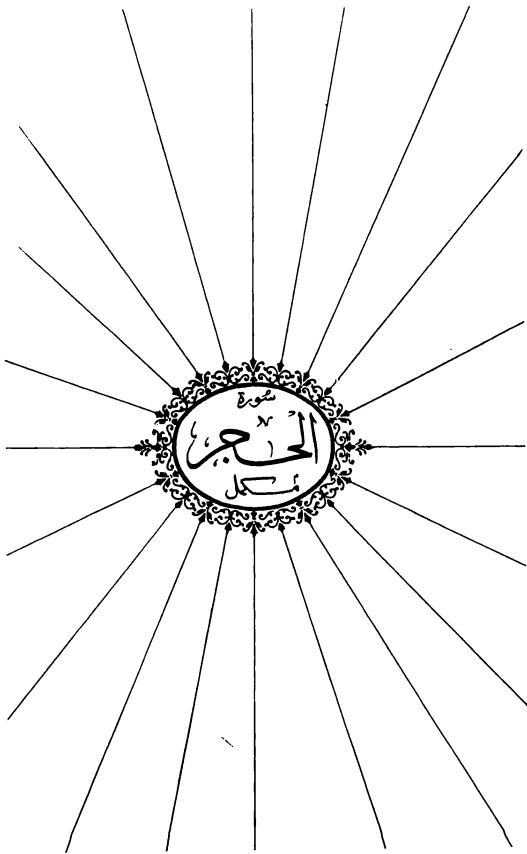
سورۃ نذاکہ آخری آیت میں اللہ نے تیسری بات یہ بیان کی ہے۔
وَلْيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ اللَّهُ وَاحِدٌ ۖ تَاكِرَهُ جَان لِيَسْ كَه بِيَك وَه اِيَك
ہی معبود ہے۔ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی پہچان نہایت ہی ضروری ہے یہ پورے دین کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام میں توحید کے بیشمار عقلی اور نقلی دلائل پیش کر کے توحید کی بات سمجھائی ہے امام رازی فرماتے ہیں کہ یاد رکھو! انسان کی سعادت دو باتوں میں ہے ایک انسان کی فکری قوت پاک ہو اور دوسرے اس کی عملی قوت کمال درجے کی ہو۔ اگر انسان کو فکری یا نظری قوت میں کمال حاصل ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کو صحیح طور پر پہچان لیا ہے اور یہی چیز انسان کے عروج اور سعادت کی انتہا ہے۔ اور یہی چیز قرآن پاک پیش کرتا ہے۔

جہاں تک انسان کی قوت عملی کا تعلق ہے تو یہ بھی کمال درجے کی ہوتا کہ وہ بدنی اور مالی عبادت انجام دے سکے، اور ان دونوں چیزوں کا تذکرہ اس سورۃ مبارکہ میں ہو چکا ہے لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ وَهُوَ نَمَا زَقَامٌ كَرِيْمٌ کہ یہ بدنی عبادت ہے اور ہمارے دیے ہوئے مال میں سے انفاق فی سبیل اللہ کر کے مالی عبادت کا حق بھی ادا کریں۔ بہر حال اس آیت کریمہ میں تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت کو پہچاننا ہی سعادت ہے جس کو یہ چیز حاصل نہیں، وہ سعادت مند نہیں بلکہ شقی اور بد بخت ہے۔

چوتھی چیز کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے وَلْيَذَكِّرُوا وَلُوا الْأَلْبَابِ
 تاکہ عقل مند لوگ نصیحت حاصل کریں۔ یہ بھی قوتِ عملی کا کمال ہے کہ لوگ
 اچھی بات سے نصیحت حاصل کریں اور تمام عبادات بمثلہ بدنی اور مالی،
 نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تبلیغ، اور جہاد وغیرہ انجام دیں اور یہی چیز قرآن پاک
 انسانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ کہ انسانوں کی قوتِ فکری اور عملی دونوں
 درست ہوں تاکہ وہ اللہ کی وحدانیت کو پہچان سکیں۔ یہ چاروں باتیں
 ہو گئیں۔

اب آپ اس سورۃ مبارکہ کے تمام مضامین پر نظر ڈالیں گے
 تو خلاصہ یہی نکلے گا جو اس آخری آیت کریمہ میں ذکر کر دیا گیا ہے اور
 وہ یہ ہے کہ قرآن پاک اللہ کا آخری پیغام ہے، اس کے ذریعے لوگوں
 کو ان کے برے انجام سے خبردار کر دیا جائے کہ آگے محاسبے کی منزل
 آنے والی ہے۔ نیز یہ بھی کہ لوگ اللہ کی وحدانیت پر یقین کر لیں کہ موجود
 برحق ایک ہی ہے۔ جب وہ قرآنی دلائل، شواہد اور انعاماتِ الہی
 میں غور کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین آجائے گا۔
 اور پھر یہ بھی کہ اس نصیحت پر عمل کرنا عقل مندوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ
 نے سورۃ آل عمران میں عقل مندوں کی یہ صفت بیان کی ہے الَّذِينَ
يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ
 جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔
 حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ
ذِكْرِ اللَّهِ تمہاری زبان ہمیشہ ذکرِ الہی سے تر رہنی چاہیے۔ اگر دلائل
 قدرت میں غور و فکر کر دے تو روح اور قلب کا ذکر ہوگا اور زبان کا
 ذکر تو عام ہے اور ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ حضرت ام المؤمنین
 فرماتی ہیں كَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ يَذْكُرُ اللَّهَ فِي كُلِّ أَحْيَانٍ
 لے تو مذی ص ۲۸۶ - لہ ابو داؤد ص ۱۴

حضور علیہ السلام ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے کہ عقلمندوں کا
یہی کام ہے۔ دیکھو کہ، فریب اور برائی عقلمندوں کا کام ہرگز نہیں۔
یہ بات عقل معاش تو ہو سکتی ہے مگر عقل معاد نہیں ہو سکتی۔ نو سنر یا
صحیح معنوں میں عقلمند وہ لوگ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، بدنی اور مالی
عبادات انجام دیتے ہیں اور قرآن پاک کے پروگرام پر یقین رکھتے
ہیں۔ اللہ نے سورۃ کے آخر میں خلاصے کے طور پر چار باتیں فرمائی ہیں



سُورَةُ الْحَجْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ آيَةً وَفِيهَا سِتُّ رُكُوعَاتٍ
سورة حجر مکی ہے اور یہ ننانوے آیت اور اس میں چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو مجید مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الرَّافِعَاتِ ۱
رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۲
ذَرَّهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِمُ الْأَمَلُ
فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۳ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قُرْيَةٍ
إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ
أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۵

ترجمہ ۱۔ الرافعات یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور قرآن کی
جو کھول کر بیان کرنے والا ہے ۱) با اوقات آرزو
کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، کاش کہ وہ
مسلمان ہوتے ۲) چھوڑ دیں ان کو کھا لیں اور فائدہ
اٹھالیں اور غفلت میں ڈالے ان کو آرزو۔ پس
غفرت وہ جان لیں گے ۳) اور نہیں ہلاک کیا ہم
نے کسی بستی کو مگر اس کے لیے ایک نوشتہ تھا

مقرر نکھا ہوا (۴) نہیں سبقت کرتی کسی امت سے
اُس کی اجل (یعنی موت کا وقت) اور نہ وہ کسی سے
سہٹے ہیں (۵)

نام اور
کوالف

اس سورۃ کا نام سورۃ الحجر ہے۔ حجر ایک وادی کا نام ہے جو مکہ اور شام کے
درمیان تبوک کے قریب واقع ہے۔ ہزاروں سال پہلے ثمود جیسی تمدن قوم اس
وادی میں آباد تھی۔ یہاں پر ان کے سترہ سو بڑے بڑے شہر اور قصبات تھے۔
اس سورۃ کا نام اسی وادی کے نام سے الحجر موسوم ہے ان لوگوں نے اپنے رسول
کی تکذیب کی جس کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب آیا اور وہ ہلاک ہوئے
یہ سورۃ مبارکہ مکی دور میں نازل ہوئی۔ اس کی ۹۹ آیات اور چھ رکوع ہیں۔
یہ سورۃ ۶۵۴ الفاظ اور ۲۷۷۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

سابقہ مکی سورتوں کی مانند اس سورۃ مبارکہ میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد
قرآن پاک کی حقانیت، معاد، رسالت اور توحید ہی کا ذکر ہے۔ گزشتہ سورۃ میں
رسالت کا بیان تفصیل کے ساتھ آیا تھا جب کہ اس سورۃ میں مجرمین کی جہالت
کے مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ گزشتہ سورۃ میں حضرت ابراہیم اور
موسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ تھا تو اس سورۃ میں حضرت شعیب اور لوط علیہما السلام کی قوم کی
نافرمانی کا ذکر ہے۔ البتہ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس سورۃ میں بھی آیا ہے۔ توحید کے
عقلی اور نقلی دلائل اس سورۃ میں بھی بیان ہوئے ہیں اور دلائل قیامت اور محاسبے
کا عمل حسب سابق بیان ہوا ہے۔ بہر حال اس سورۃ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد
ہی بیان کیے گئے ہیں۔

گزشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کا بھی ایک اہم مضمون حضور علیہ السلام اور
آپ کے ماننے والوں کے لیے تسلی کا مضمون ہے۔ اللہ نے اہل ایمان
کو فرمایا کہ آپ مجرمین کی ریشہ دونوں سے گھبراتیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جہالت

وے رملہ سے مکہ بالآخر اُس کی گرفت میں آجائیں گے۔

اس سورۃ مبارکہ کا آغاز بھی حروف مقطعات اَلُو سے ہو رہا ہے۔
جیسا کہ سورۃ ابراہیم کی ابتدا میں بھی عرض کیا تھا مفسرین نے ان حروف کے
مختلف معانی بیان کیے ہیں تاکہ لوگوں کے اذہان قرآن پاک سے مانوس
رہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں اے انا، ل سے اللہ اور اے
رؤیت مراد ہے اور تینوں حروف کو ملانے سے انا اللہ اذی بنتا
ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہاری تمام حرکات و سکنات
کو دیکھ رہا ہوں۔ گویا یہ جزائے عمل کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اے
میرے بندو! تمہارا کوئی عمل میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ میں ایک
ایک عمل کا حساب لوں گا اور پھر اس کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ
کر دوں گا۔

بعض فرماتے ہیں کہ اے اللہ ل سے جبرائیل اور رآ سے رسول
مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کے حقائق اللہ رب العزت نے
جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل
فرمائے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
ذوقی طریقے سے میرے ذہن میں ڈالا ہے کہ ان حروف سے مقدمات
انبیاء کی طرف اشارہ ہے۔ عالم غیب کے حقائق الیہ اس مادی جہان میں
اکم متعین ہوتے ہیں اور نافرمان لوگوں کے باطل عقائد اور بڑے اعمال کے
ساتھ ٹکراتے ہوتے ہیں۔ پھر انبیاء کی کوشش سے باطل باتیں مٹتی رہتی ہیں
اور حق ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ یہ گویا مقامات انبیاء کی طرف اشارہ ہے۔ تاہم
جیسا کہ صاحب جلالین فرماتے ہیں، زیادہ سلاخی والا طریقہ یہ ہے اللہ
اعلم بِمُرَادِهِ ان کی حقیقی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، لہذا اس پر
ایمان لگا کہ اللہ کی جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے۔ ہر چیز کی حقیقت کو جانتا
لے جلالین ص ۴

ہمارے لیے ضروری نہیں۔

ارشاد ہوتا ہے تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور کتاب سے مراد ہے وَقُرْآنٍ مَّبِينٍ کہ وہ قرآن ہے جو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ صحیح معنوں میں کتاب کہلانے کی حد درجہ صرف یہی کتاب قرآن پاک ہے جو پڑھ کر سنائی جا رہی ہے اور جس کی یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں پوری انسانیت کی فلاح اور نجات کا پروگرام موجود ہے۔ جہاں تک قرآن کے مہین ہونے کا تعلق ہے تو اس کی یہ صفت خود قرآن میں بتواریح بیان ہوئی ہے قرآن اپنے مطالب کبھی خود براہ راست کھداتا ہے۔ اگر کسی ایک مقام پر کسی معاملہ میں اجمال پایا جاتا ہے تو دوسرے مقام پر اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک کی وضاحت کا دوسرا ذریعہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس بات کا پابند کیا ہے لِتَبَيِّنَ لِلنَّاسِ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کر دیں۔ چنانچہ قرآن پاک کی تفسیر و تشریح احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ اگر کوئی بات نبی کی زبان سے بھی واضح نہ ہوئی ہو یعنی اس کے بعض جزوی مسائل کی تشریح مطلوب ہو تو خود اللہ کا فرمان ہے لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَكْفِرُونَ (النساء) کہ اسے استباط اور اجتہاد کرنے والے ائمہ کے سپرد کر دو، وہ تحقیق کر کے مسئلہ کا حل بنا دیں گے۔ امام ابو بکر جصاص چوتھی صدی کے عظیم المرتبت حنفی امام گزیرے ہیں جنہوں نے تفسیر الاحکام، جیسی عمدہ تفسیر لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، کہ قرآن پاک کی تبیین کبھی براہ راست قرآن سے ہوتی ہے، کبھی نبی کی زبان سے اور کبھی مجتہد اور علماء قرآنی اصولوں کے مطابق تشریح کرتے ہیں۔ یہ سارے طریقے قرآن کی وضاحت میں داخل ہیں۔ بہر حال اس سورۃ کی پہلی

قرآن کی
حقانیت

آیت میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجرمین کے متعلق فرمایا ہے وَلَقَدْ جَاءَ بِسَادِقَاتٍ لِّكُوفٍ الذَّيْنِ كَفَرُوا کافر لوگ آرزو کریں گے لَوْ كُنَّا نُوَاعِلُهُمْ کاش کہ وہ مسلمان ہوتے۔ یہ اس وقت کی بات اللہ نے بیان کی ہے جب کافر لوگ عذاب میں مبتلا ہو چکے ہوں گے مگر بعض لمحات ایسے بھی آئیں گے جب وہ تنہا کر سکیں گے، کہ کاش وہ بھی ایمان لے آتے تو یہ روزِ بدر دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حساب کتاب کے مرحلے سے گزرنے کے بعد بعض ایمان والے بھی اپنے گناہوں کی پاداش میں کچھ عرصہ کے لیے جہنم میں جائیں گے تو اس وقت کافران کو طعنہ دیں گے کہ تم نے تو دنیا میں ایمان کو قبول کیا، اب ہمارے ساتھ جہنم میں کیوں پڑے ہو۔ پھر وہ سزا بھگتنے کے بعد آہستہ آہستہ جہنم سے نکلنے جائیں گے تو اس وقت کافر لوگ آرزو کریں گے کہ اگر ہم بھی دنیا میں ایمان لے آتے تو آج ان کے ساتھ ہی دوزخ سے نکل جاتے۔ مگر اس وقت کا کچھ سنا کچھ کام نہ آنے لگا، کیونکہ عمل کا وقت طعم ہو کر جزا کا وقت اچکا ہو گا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کفار کی یہ حسرت صرف آخرت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے اور اس کا اطلاق اس دنیا پر بھی ہو سکتا ہے چنانچہ بدر اور بعض دوسرے مواقع پر جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور کفار کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، تو انہوں نے اس وقت آرزو کی کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو آج ذلیل و خوار نہ ہوتے۔ تاہم زیادہ قرین قیاس یہی بات ہے کہ کافر لوگ آخرت میں یہ آرزو کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ارشاد فرمایا ذُرُّهُوَ آپ ان کو چھوڑ دیں۔ يَا صَلُّوا وَيَسْمَعُوا یہ کھالیں اور نائمہ اٹھالیں۔ فرمایا آپ

ان کی طرف سے زیادہ تشویش میں نہ پڑیں بلکہ انہیں دنیا کی ترغیبات سے مستفہ ہونے دیں۔ انہیں ہمت دیں کہ یہ فائدہ اٹھالیں۔ سورۃ محمد میں کفار کے متعلق آتا ہے يَتَصَعَّبُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْإِبْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ کہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جیسے مویشی کھاتے ہیں مگر بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ وَيَأْكُلُهُمُ الْاَمَلُ اور غفلت میں ڈالے ان کہ ان کی آرزو اس دنیا میں تو یہ بلا تیز حلال و حرام چوپالیوں کی طرح کھاتے رہتے ہیں اور دنیا کے لوازمات سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں انہیں کوئی فکر نہیں مگر هُنُوفٌ يَعْلَمُونَ انہیں غنقریب پتہ چل جائے گا کہ ان کی غفلت، لاپرواہی اور عیش و عشرت کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ یعنی کافر آدمی سات آنتوں میں کھانا کھاتا ہے وہ خوب پیٹ بھرتا ہے کیونکہ اسے آخرت کی کوئی فکر نہیں ہوتی اس کے برخلاف وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعَى وَوَلِدٍ مومن آدمی صرف ایک آنت میں کھاتا ہے۔ یعنی وہ صرف اتنا کھانا کھاتا ہے جس سے اس کی روح اور جسم کا رشتہ برقرار رہ سکے اور اس میں اتنی قوت موجود ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دیگر فرائض انجام دے سکے اسی لیے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دیں، کھانے دیں اور فائدہ اٹھانے دیں، انہیں جلد ہی نتیجے کا پتہ چل جائے گا۔

حضور ﷺ
صلی علیہ وسلم
کا تشویش

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ دو چیزوں کے متعلق میں اپنی امت کے لوگوں پر خوف رکھتا ہوں یعنی اتباع الہوی و طول الامل ان میں سے ایک خواہشات کی پیروی ہے اور دوسری ایسی لمبی آرزوئیں ہیں۔ اتباع الہوی کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کے قانون

کو چھوڑ کر شیطان کے پیچھے چلتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا
 وَلَا تَسْبِعُوا حُطُوتِ الشَّيْطَانِ (البقرہ) لوگو! شیطان کے نقش قدم پر
 زچلو، کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ حق کے مقابلے میں رسم و رواج اختیار
 کرنا خواہشات اور شیطان کی پیروی کے مترادف ہے۔ اگر سنت کا خیال
 نہیں رکھو گے، خدا تعالیٰ کے حکم اور شریعت کی پرواہ نہیں کرو گے، خوشی
 اور غمی کے موقع پر قوم، خاندان اور برادری کے کہنے پر چلو گے، تو یہی خواہشات
 کی پیروی ہے۔ فرمایا، مجھے دوسرا خطرہ لمبی لمبی آرزوؤں کا ہے۔ انسان
 بے شمار منصوبے بناتے ہیں کہ یہ کریں گے، پھر وہ کریں گے، اتنا فائدہ ہو
 گا، اتنی شہرت ہوگی، انسان اسی بات میں لگا رہتا ہے آخرت کی طرف
 توجہ ہی نہیں دیتا حتیٰ کہ اُسے موت آجاتی ہے اور اس کی ساری آرزوئیں
 دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے اتبع ہوا ایسی
 چیز ہے یَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ بِمَوْجِعَاتِهَا سے روکتی ہے وَأَمَّا طَوْلُ
 الْأَمَلِ فَيُؤَسِّسُ الْأَخْرَجَةَ اور لمبی آرزو وہ ہے جو آخرت کو فراموش
 کر دیتی ہے۔ انسان کو آخرت کی فکر کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ جتنی لمبی
 آرزو ہوگی اتنی ہی آخرت سے غفلت ہوگی۔

مقررہ وقت
پر ہلاکت

فرمایا کہ کافر لوگ جو کچھ کہتے ہیں انہیں کرنے دیں، اس وقت انہیں
 ہلاکت مل رہی ہے مگر ہر فرد اور قوم کے لیے ہم نے ایک وقت
 مقرر کر رکھا ہے وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا
 كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کی ہلاکت
 کا مقررہ وقت لکھ دیا گیا تھا۔ ہم نافرمان قوموں کو ہلاکت دیتے ہیں، پھر
 جب ان کا مقررہ وقت آ گیا تو وہ گرفت میں آئے اور ہلاک ہو گئے۔
 فرمایا یہاں پر ایک یہ قانون بھی ہے مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا
 وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ کسی امت کی موت آگے پیچھے نہیں ہوتی، مگر

عین وقت مقررہ پر وارد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس سورۃ میں اللہ نے کئی قوموں کے حالات بیان کیے ہیں جن کو مہلت دی گئی اور پھر جب ان کی ہلاکت کا وقت آگیا تو لحظہ بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہوا، بلکہ عین وقت پر ان کا کام تمام کر دیا گیا۔

اس میں حضور علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہو گیا کہ کفار کے جوش و جذبے اور ان کے غلبے کو دیکھ کر گھبرانا نہیں چاہیے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہلت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور آخرت میں ان کا انجام بہت بُرا ہو گا۔ فرمایا ان کو چھوڑ دیں اور دنیا کے لوازمات سے فائدہ اٹھانے دیں۔ ایک مقررہ وقت آنے والا ہے جب خدا تعالیٰ کی گرفت اُٹے گی اور یہ مجرم لوگ پکڑے جائیں گے اگر دنیا میں مصلحت خداوندی کے مطابق سزا سے بچ بھی گئے تو اگلے جہان میں یقینی طور پر سزائیں مبتلا ہوں گے۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ
 لَمَجْنُونٌ ﴿٦﴾ لَوْ مَا تَلَّيْنَا بِالْمَلَكَةِ ابْنَ
 كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٧﴾ مَا نُنزِلُ الْمَلَكَةَ
 إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذَا مُنْظَرِينَ ﴿٨﴾ إِنَّا نَحْنُ
 نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ
 أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْعِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾
 وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ
 يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١١﴾ كَذَلِكَ نَسْلُكُ فِي قُلُوبِ
 الْمُجْرِمِينَ ﴿١٢﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ
 الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنْ
 السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿١٤﴾ لَقَالُوا إِنَّمَا
 سُكَّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ ﴿١٥﴾

ترجمہ ۱۔ اور کہا اُن لوگوں نے، اے وہ شخص کہ

آتا گیا ہے جس پر ذکر، بیشک تو البتہ دیوانہ ہے ﴿٦﴾

کیوں نہیں لاتا تو ہمارے پاس فرشتوں کو، اگر

تو سچا ہے ﴿٧﴾ (فرمایا) نہیں امارتے ہم فرشتوں کو

مگر حق کے ساتھ۔ اور نہیں ہوں گے وہ بہت یافتہ

لوگوں میں سے ⑧ بیشک ہم نے اٹارا ہے ذکر کو، اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ⑨ اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول، پہلے گروہوں میں ⑩ اور نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے ⑪ اسی طرح ہم چلاتے ہیں اس کو مجرموں کے دلوں میں ⑫ نہیں ایمان لاتے اس پر، اور تحقیق گزر چکا ہے دستور پہلے لوگوں کا ⑬ اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ اس میں چڑھنے بھی لگ جائیں ⑭ تو کہیں گے بیشک ہماری آنکھوں کی نظر بندی کر دی گئی ہے، جبکہ ہم ایسے لوگ ہیں جن پر سحر کر دیا گیا ہے ⑮

ربط آیات

سورۃ ہذا کی پہلی آیت کریمہ میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت بیان ہوئی پھر کفر کرنے والوں کا آخرت میں آرزو کرنا مذکور ہوا کہ وہ کہیں گے کاش کہ وہ مسلمان ہوتے تو اس دن کی ذلت سے بچ جاتے پھر اس مہلت کا ذکر ہوا جو کافر، مشرک اور معصیت شعار لوگوں کو دنیا میں حاصل ہوتی ہے۔ فرمایا، ان کو چھوڑ دیں اور کھانے پینے دیں، یہ دنیا میں فائدہ اٹھاتے رہیں اور آرزوئیں ان کو غفلت میں ڈالتی رہیں، بالآخر ان کو پتہ چل جائے گا کہ حق کیا تھا اور باطل کیا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر قوم اور جماعت کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر ہے جس پر وہ اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ مجرموں کو مہلت دیتا ہے مگر انہیں سزا دینے بغیر چھوڑتا نہیں۔

دیوانی کا
الزام

اب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بعض حرکات کا شکوہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقَالُوا إِنَّمَا نَزَّلَ عَلَيْهَا لُذُنٌ أَلْفٌ نَزَّلَ عَلَيْهَا الذِّكْرُ اور

شخص کہ جس پر ذکر انا آ گیا ہے کفار و شرکین کا یہ خطاب حضور علیہ السلام سے ہے کہ آپ ہی پر ذکر یعنی قرآن پاک انا آ گیا۔ قرآن پاک کے بہت سے ناموں میں سے ذکر بھی ایک نام ہے جس کا معنی نصیحت ہے تو نافرمان اور سرکش لوگ کہتے تھے إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ کہ تو تو دیوانہ ہے (العیاذ باللہ) وہ لوگ اپنے تعصب غدار، نادانی اور حماقت کی بنا پر آپ سے استہزاء کرتے تھے کہ آپ تو دیوانوں جیسی باتیں کہتے ہیں مثلاً آپ کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے، وہ وحدہ لا شریک ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی عقلمندی کی بات ہے؟ أَجَعَلَ إِلَّا لِلَّهِ الْمُلْكَ وَالْحُدُودَ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (ص ۲) کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک الہ کو مان لیں، یہ تو عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ یا آپ کہتے ہیں کہ قیامت برپا ہوگی، محاسبہ کا عمل آئیگا، اور پھر جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ بھلا یہ بھی کوئی قابل یقین بات ہے کہ مرنے کے بعد پھر سارے جی اٹھیں گے؟ یہ تو پانچلوں جیسی باتیں ہیں ہم ان کو نہیں مانتے۔

کہنے لگے اگہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں لَوْ مَا مَاتَيْنَا بِالْمَلٰئِكَةِ تَرَهَارے پاس فرشتے کیوں نہیں لے آتے اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اگہ آپ صحیح ہیں اللہ کے فرشتے ہمارے سامنے آکر گواہی دیں کہ آپ اللہ کے صحیح رسول ہیں تو پھر ہم مائیں گے۔ کہ اللہ نے واقعی آپ کو ہماری طرف مبعوث فرمایا ہے۔ اور آپ پر قرآن بھی نازل کیا ہے، اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا مَا نُنزِلُ الْعَلْبٰبِ كَلَّا اِلَّا بِالْحَقِّ هُمْ نٰسِرٌ فَرِشْتُوْنَ كِرَاٰر تے مگر حق کے ساتھ۔ جب اللہ کی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے، تو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ جب فرشتے آئیں گے وَمَا كَانُوْا اِذَا مُنْظَرِيْنَ تُوپھر انہیں مصلحت بھی نہیں ملے گی، فوری گرفت ہوگی اور عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

نزل ملائکہ
کی فرمائش

حفاظت
قرآن کا ذمہ

اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ قرآنِ کریم میں تردد کرتے ہیں اور طے سے خدا کا کلام نہیں مانتے مگر حقیقت یہ ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ہم ہی نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ اور بیشک ہم ہی البتہ اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ منکرین اس مذہبی پروردگار کو مٹانے کی جتنی بھی کوشش کر لیں، ہم خود اس کے محافظ ہیں۔ اس قرآن کو کوئی گنہگار نہیں پہنچا سکتا اور یہ اپنی اصلی حالت میں قیامت تک محفوظ رہے گا۔ مشرکین نے جنگ و بدل کے ذریعے قرآن کو ختم کرنے کی کوشش کی جب کہ یہودیوں نے سازشوں کے ذریعے اہل ایمان اور ان کی کتاب کو مٹانا چاہا، مگر اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھایا۔

حدیثِ قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا أَنْزَلْتُ الْكِتَابَ الْكِتَابَ میں نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل فرمائی ہے، جسے نہ آگ جلا سکتی ہے اور نہ پانی دھو سکتا ہے۔ اللہ نے سورۃ العنکبوت میں یہ بھی فرمایا ہے بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُورِ الذِّبْنِ أَوْ ذُوا الْعِلْمِ یہ تو ایسی واضح آیات ہیں جو اللہ نے اہل علم کے سینوں میں جمع کر دی ہیں لہذا اسے کون مٹا سکتا ہے؛ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ نے اس کتاب کی حفاظت کا ایسا انتظام کر دیا ہے جس سے متعصب اور مغرور مخالفین کے سر بھی نیچے ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس کی حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے۔

میور ایک انگریز پادری تھا، ہندوستان میں یورپی کا گورنر بھی رہا، شدید متعصب عیسائی تھا۔ اس کا مقولہ ہے کہ دو چیزیں انسانیت کی دشمن ہیں ایک محمد کا قرآن اور دوسری محمد کی تلوار۔ اس کے باوجود وہ کہتا ہے کہ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے دنیا بھر میں ایک بھی کتاب ایسی نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک تحریف سے پاک رہی ہو۔ بعض دوسرے یورپی محققین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ جس طرح مسلمان قرآنِ پاک کو خدا کا کلام سمجھتے

ہیں اسی طرح ہم بھی اُسے بعینہ محمد کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ اگرچہ قرآن کو خدا کا کلام نہیں مانتے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ وہ بھی ماننے پر مجبور ہیں۔

کبار سنج گواہ ہے کہ ہر زمانے میں علماء کا ایک عظیم گروہ موجود رہا ہے جس نے قرآن پاک کے علوم و مطالب اور اس کے لافہما عجائبات کی ہمیشہ حفاظت کی ہے۔ یہ حضرات ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کو یاد کرتے رہے ہیں اور آئندہ نسلوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ قرآن پاک کا رسم الخط بھی اس کی حفاظت کا ذمہ دار رہا ہے۔ پرانے کوئی رسم الخط بتلیق نسخ اور دیگر خطوں میں قرآن پاک ہمیشہ محفوظ رہا ہے۔ حفاظ نے اس کو حرف بکرت نبائی یاد کر کے اور قادی حضرات نے اس کی صحت لفظی کے لحاظ سے حفاظت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی جزئیات کو شمار کر کے اس کی حفاظت کی ہے۔ کسی نے قرآن کے رکوع شمار کیے تو کسی نے آیات، کسی نے اس کے الفاظ کو گنا ہے اور کسی نے حروف کو شمار کر لیا ہے۔ نزول قرآن کے زمانے سے لے کر آج تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں لاکھوں کی تعداد میں حفاظ موجود نہ ہوں، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ آٹھ دس سال کا پاکستانی یا ہندوستانی بچہ، افریقی یا ملائی، جس کی اپنی مادری زبان بھی عربی نہیں اور وہ خود اپنی زبان میں چھوٹی سی کتاب بھی یاد نہیں رکھ سکتا، مگر قرآن پاک اُسے حرف بکرت زبانی یاد دے۔ کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی اگر تلاوت میں غلطی کرتا ہے تو وہ بچہ فوراً ٹوک دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا ایسا اچھا نظام قائم کر رکھا ہے۔

صاحب معارف القرآن، مفتی محمد شفیع نے امام قرطبی کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کا راوی خلیفہ مامون الرشید عباسی کا بڑا قاضی اکثم تھا۔ خلیفہ کے دربار میں بڑے بڑے فقہاء، عالم اور ماہرین جمع ہو

حفاظت
قرآن کا
قدر کی نظام

قبول اسلام
کا ایک واقعہ

کر مختلف مسائل پر بحث کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسی ہی ایک بحث چل رہی تھی کہ ایک نہایت ہی وجیہ شخص محفل میں شامل ہوا اور اس نے نہایت فصیح و بلیغ زبان اور عالمانہ انداز میں بحث میں حصہ لیا۔ اختتام مجلس پر خلیفہ نے اس شخص سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ یہودی مذہب رکھتا ہے خلیفہ مامون الرشید نے کہا کہ اگر تم مسلمان ہوتے تو ہم تمہاری بہت قدر و منزلت کرتے، اس شخص نے کہا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور چلا گیا۔ کوئی ایک سال بعد دربار میں پھر اسی قسم کی مجلس برپا تھی کہ وہ شخص پھر داخل ہوا اور بحث میں پورا پورا حصہ لیا۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو مامون الرشید نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تم وہی شخص نہیں جو گذشتہ سال بھی یہاں آئے تھے؟ اس نے کہا میں وہی شخص ہوں۔ اس وقت میں یہودی تھا۔ مگر اب مسلمان ہو چکا ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تم نے اسلام کیسے قبول کر لیا حالانکہ تم اپنا پلاند مذہب چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ آپ کی گذشتہ سال کی پیش کش پر میں نے بڑا غور و فکر کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے مختلف مذاہب پر تحقیق کرنے کے بعد کسی نتیجے پر پہنچنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ میں نے نہایت عمدہ خط میں تو راسخ کا ایک نسخہ لکھا اور اس میں کہیں کہیں تغیر و تبدل کر دیا۔ وہ نسخہ میں نے یہودی علماء کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے خوشی سے قبول کر لیا۔ پھر میں نے انجیل کی بڑی خوش خط کتابت کر کے عیسائیوں کے سامنے پیش کی، تو انہوں نے اُسے شکر یہ کے ساتھ قبول کر لیا۔

میر تقی میر اثنانہ قرآن پاک تھا۔ میں نے اس کو بھی بہت اچھے خط میں تحریر کیا اور حسب معمول اس میں تحریف بھی کر دی۔ پھر جب میں نے اُسے مسلمان علماء کی خدمت میں پیش کیا تو کسی نے بھی بلا تحقیق اسے قبول نہ کیا۔ انہوں نے حفاظ سے اس کی تصدیق چاہی مگر جب معلوم ہوا کہ اس میں

رد و بدل کیا گیا ہے تو نسخہ واپس کر دیا کہ یہ ہمارے کام کا نہیں ہے۔ وہ
مغضض کئے لگا کہ اس بات پر مجھے یقین آگیا کہ قرآن پاک ہی ایک واحد
کتاب ہے جو ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اور یہی اس کی صداقت کی
دلیل ہے۔ اس پر میں نے اسلام قبول کر لیا۔

لفظی اور
معنوی
حفاظت

جب حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے تو قاضی اکثم نے یہ واقعہ امام سفیان
ابن عیینہ کے سامنے ذکر کیا۔ آپ امام ابوحنیفہ کے تلمیذ اور امام بخاری کے
استاد ہیں اور نئے زمانے کے امام، محدث اور فقیہ ہیں اس پر امام سفیان
ابن عیینہ نے فرمایا کہ یہ واقعہ ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ اللہ نے تورات وغیرہ
کے متعلق فرمایا ہے ﴿مَا اسْتَفْظَوْا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ (المائدہ)
کہ ان لوگوں کو کتاب الہی کا محافظ بنایا گیا تھا مگر وہ اس کی حفاظت میں
ناکام ہے۔ پھر اللہ نے قرآن پاک کے متعلق فرمایا ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا
لذِكْرٍ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ کہ اے ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس
کے محافظ ہیں، لہذا قرآن کریم ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف سے بالکل
پاک ہے اگر کوئی بد بخت اس کے معانی میں غلط بیانی کی جارت کرتا
بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اہل علم کو کھڑا کر دیتا ہے جو فوراً اس غلطی کی نشاندہی
کر دیتے ہیں۔ سرسید جہاں، پیرویز، نیاز فتحپوری اور غلام احمد قادیانی وغیرہ
نے غلط سطر معانی کیے تو علمائے حق نے ان کے دجل و فریب کو چاک کر دیا
اہل بدعت اور رافضی وغیرہ جو بھی خرابی کہتے ہیں، اہل علم اس کو ظاہر کر
دیتے ہیں۔ حضور کافرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے لوگوں کو کھڑا کر
دیتا ہے جو قرآن پاک کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ یہودیوں نے
قرآن میں تحریف کرنے کی بڑی کوشش کی اور فرقہ کے نو مسلموں کو تحریف
شدہ نسخے بھیجے مگر اللہ نے مصر میں کرنل ناصر کو کھڑا کر دیا جس نے اس
سازش کو چاک کیا، لاکھوں کی تعداد میں غلطی سے پاک نسخے تیار کر لئے اور انہیں

پوسے افریقہ میں تقسیم کر دیا۔

رسولوں کے
ساتھ استہزاء

اگے تلی کا مضمون آ رہا ہے وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْعِ الْأَوَّلِينَ اور تحقیق ہم نے بھیجے آپ سے پہلے رسول پہلے گروہوں میں۔ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ اور نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ کتے لاؤ ہمارے سامنے فرشتوں کو انا رو، ماتم تو دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہو، اللہ نے فرمایا كَذَلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ اسی طرح ہم چلاتے ہیں اسی مجرموں کے دلوں میں یعنی مجرم لوگ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ اس رسول پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اُسے جھٹلاتے ہیں۔ وَقَدْ خَلَّتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ اور پہلے لوگوں سے یہی دستور چلا آ رہا ہے۔ کہ وہ اپنے رسولوں کے ساتھ استہزاء کرتے ہے ہیں اور اللہ کی کتاب کا انکار کرتے ہے میں فرمایا، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو آپ کو پیش آرہی ہے بلکہ پہلے رسولوں کے ساتھ بھی اسی قسم کے معاملات پیش آتے ہے ہیں۔ مجرم لوگ پہلے رسولوں کا بھی انکار کرتے ہے اور ان کو مجنون، شاعر اور کاہن کا خطاب دیتے ہے۔ بہر حال یہ حضور علیہ السلام کے لیے تلی کا مضمون بھی ہو گیا۔

کفار کا
مسلانگنا

کفار کے اس مطالبے کے جواب میں کہ آسمان سے فرشتے کیوں نہیں نازل ہوتے، اللہ نے فرمایا وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ بھی کھول دیں فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ کہ یہ اس میں بیٹھی کے ذریعے چڑھتے رہیں، تو پھر بھی یہ متعصب اور ضدی لوگ لَقَالُوا أَيْسَىٰ كَيْسٍ لَّهِ إِنَّمَا تُسْكِرُ الْإِبْرَاطُ کہ ہمارے ہی نظر بندی کر دیکھی ہے۔ بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ بلکہ ہم ایسے لوگ ہیں جن پر پھر کو دیا گیا ہے طلب یہ کہ لوگ آسمان پر چڑھ کر بھی اپنی ہڈی دھری سے باز نہیں آئیں

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا
 لِلنَّاظِرِينَ ۝۱۶ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ
 رَجِيمٍ ۝۱۷ إِلَّا مَنْ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ
 شَهَابٌ مُبِينٌ ۝۱۸ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا
 فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
 مَّوْزُونٍ ۝۱۹ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ
 وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرِزْقَيْنَ ۝۲۰ وَلَنْ مِّنْ شَيْءٍ
 إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِلُ إِلَّا بِقَدْرِ
 مَعْلُومٍ ۝۲۱

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق بنائے ہم نے آسمان میں بُرج
 اور مزین کیا ہم نے ان کو دیکھنے والوں کے لیے ۝۱۶
 اور ہم نے حفاظت کی ہے ان کی ہر شیطان مردود
 سے ۝۱۷ مگر وہ جو چوری چھپے سنا ہے، پس بچھا کرنا
 ہے اس کا ایک روشن شہاب ۝۱۸ اور زمین کو پھیلا
 ہم نے اور رکھے ہیں ہم نے اس میں بوجھل پہاڑ، اور
 اٹائی ہم نے ہر چیز اس میں ایک اندازے سے ۝۱۹ اور
 بنائے ہیں ہم نے تمہارے لیے اس (زمین) میں

معیشت کے سامان ، اور اُن کے لیے بھی کہ نہیں ہو تم اُن
 کہ روزی پہنچانے والے (۲۰) اور نہیں ہے کوئی چیز مگر ہمارے
 ہی پاس ہیں اس کے خزانے ۔ اور نہیں اتارتے ہم اس
 کو مگر ایک معین اندازے پر (۲۱)

کافر اور مشرک قرآن حکیم کی حقانیت پر شبہ کرتے تھے اور صاحب قرآن
 کو کہتے تھے کہ تو دلیلا نہ ہے ۔ اور اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہمارے سامنے
 فرشتوں کو نازل کر تاکہ وہ تیری اور قرآن پاک کی صداقت کی گواہی دیں ۔ اللہ نے مشرکین
 کے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو حق کے ساتھ
 اتارتا ہے اور جب اتارتا ہے تو پھر نافرمانوں کو مہلت نہیں مٹی بلکہ ان کا کام تمام کر
 دیا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کے حق میں گواہی دیتے ہوئے فرمایا کہ اس
 کو ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں ، لہذا حفاظت کے
 سامان ہم خود پیدا کریں گے ۔

ربط آیات

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے نشانیاں طلب کرنے کے جواب میں
 فرمایا ہے کہ تمہارے ارد گرد قدرت کی بیشمار نشانیاں بھری پڑی ہیں ۔ اگر نیت صاف
 ہو تو ایمان لانے کے لیے یہی کافی ہیں ، اور اگر ضد اور عناد پر ہی قائم رہنا چاہے تو پھر
 کوئی بھی نشانی کارگر نہیں ہو سکتی ۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا البتہ تحقیق ہم
 نے آسمانوں میں بُرج بنائے ہیں ۔ پرانی ریاضی اور ماہرین فلکیات بارہ برجوں کا تصور پیش
 کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چاند اور سورج ہر ماہ جدا جدا بُرج میں ہوتے ہیں ۔ ہر برج یا محل
 کی تاثیر مختلف ہوتی ہے ۔ جس سے سوکھوں کا تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے ۔ بارہ برجوں
 کا تصور یونانیوں سے آیا ہے ۔ انہوں نے یہ تصور ایرانیوں سے اور ایرانیوں نے
 بابلیوں یعنی آشوریوں سے اخذ کیا تھا ۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ برجوں

آسمانی برج

سے مراد مطلق سارے یا بڑے بڑے سیارے ہیں۔ جہاں سے فرشتے اللہ کے حکم سے نیچے اترتے ہیں۔ وہاں پر دروازے بنے ہوئے ہیں۔ جہاں سے فرشتے آتے جاتے ہیں۔ اور پھر برجوں، ستاروں یا ستاروں کو اللہ نے اس طریقے سے ترتیب دیا ہے وَرَزَقْنَاهَا مِنَ السَّمَاءِ کہ دیکھنے والوں کے لیے بڑے بڑے پُر رونق معلوم ہوتے ہیں۔ دن کے وقت تو سورج کی حکومت ہوتی ہے اور رات کو چاند روشن ہوتا ہے اور جب چاند بھی موجود نہ ہو تو اس وقت سارے خوب روشن ہوتے ہیں جن کا منظر بڑا خوش گُن ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے ستاروں کو دیکھنے والوں کے لیے مزیں کر دیا ہے۔ اندھیری راتوں میں ستاروں کا نظارہ بڑا خوبصورت ہوتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ اور ہم نے آسمانوں کی حفاظت کی شیطان مردود سے۔ ان کو اُپر جانے سے روک دیا گیا ہے الْاَمِنِ اسْتَرْقِ السَّمْعَ مگر وہ جو چوری چھپے سُن کر بھاگنا چاہتا ہے فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ۔ پھر اس کے پیچھے روشن انکار آتا ہے۔ اُسے شہابِ ثاقب کہتے ہیں جو کسی سارے سے ٹوٹ کر شیطان کا پچھا کرتا ہے۔ سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق اُپر اٹھنے والے بخارات میں حرارت ہوتی ہے۔ پھر جب اُن میں آگ لگتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ٹوٹا ہوا ستارہ ہو۔ اس نظریے کی نفی نہیں کی جاسکتی کیونکہ قرآن پاک نے اس قسم کے اسکان کی نفی نہیں کی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح سورج میں ایک بہت بڑا لاوہ ہے جو جلتا رہتا ہے، روشنی اور حرارت دیتا ہے، اس طرح ستاروں کے اندر کوئی ایسا مادہ ہو جو پھٹ جاتا ہو اور وہ ٹوٹا ہوا ستارہ نظر آتا ہو۔ بہر حال قدیم زمانے سے ہی کچھ مشاہدے میں آ رہا ہے۔ اس

شیطان کے
یہ شہاب

ضمن میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جنات کی تخلیق سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک شیاطین کے لیے آسمان پر جانے میں کوئی خاص رکاوٹ نہیں تھی، لہذا وہ اُدر پر جا کر فرشتوں کی کچھ کچھ باتیں سن لیتے۔ پھر وہ اسے واپس آ کر اپنے چیلوں، اکاہنوں وغیرہ کے کانوں میں پھونکتے جو اس میں سو جھوٹ ملا کر آگے چلا دیتے۔ پھر جب حضور علیہ السلام کا زمانہ آیا اور قرآن کا نزول شروع ہوا تو شیاطین کے اُدر پر جانے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ اب اگر یہ اُدر پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ کے فرشتے ان پر شہاب پھینکتے ہیں۔ پھر ان شیاطین میں سے کچھ زخمی ہو جاتے ہیں اور بعض ہلاک ہو جاتے ہیں۔ سورۃ جن میں ہے کہ جنات نے کہا کہ جب ہم اُدر پر جاتے ہیں "مَلَّاتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَ شَهْبًا تَسْحَتُ" پہرے لگ جاتے ہیں اور آگ سے شہاب پڑتے ہیں۔ بعض جدید ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ اُدر پر فضا میں کائناتی شعاعیں (COSMIC RAYS) کا سک ریزا ہیں جو ہر اُدر والی چیز کو بلا لیتی ہیں اسی لیے فضا میں بھی جانے والی خلائی گاڑیوں کی حفاظت کا خصوصی انتظام کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو بھگالنے کے لیے شہاب مقرر کر رکھے ہیں۔ بہر حال یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کا یقین آ جاتا ہے۔ انصاف پسند آدمی ایسے دلائل سے بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

یہ تو عالم علوی کا حال تھا، آگے اللہ نے عالم سفلی کا حال بھی بیان کیا ہے۔ "وَ الْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا" اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے۔ اگرچہ زمین بظاہر چپٹی نظر آتی ہے مگر حقیقت میں بالکل گیند کی طرح گول ایک بہت بڑا کمرہ ہے۔ چونکہ اس کا حجم بہت بڑا ہے اس لیے یہ ہر حصے سے پھیلی ہوئی نظر آتی ہے اور اس کی گولائی محسوس نہیں

زمین کے
فوائد

ہوتی، فرمایا ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِي اور اس میں جو جھل پہاڑ رکھ دیے ہیں۔ راسیہ جیسے ہوئے پہاڑ کو کہتے ہیں۔ ان پہاڑوں کو بھی اللہ نے بے سود نہیں پیدا کیا بلکہ ان کے ساتھ بھی انسانی زندگی کے بہت سے مفادات وَالْبَتَّةَ ہیں۔ اگر پہاڑ نہ ہوں تو انسان ان سے پیدا ہونے والے پھلوں، جڑی بوٹیوں اور معدنیات سے محروم ہو جائیں۔ تو پہاڑ بھی اللہ نے انسان کی خدمت کے لیے پیدا فرمائے ہیں۔

فَرَمَّا وَأَلْبَسْنَا فِيهَا مِنْ صَلْدٍ مَشْيٍ مَّوْزُونٍ اور ہم نے اس زمین میں ہر چیز ایک اندازے کے مطابق اگائی ہے۔ انسان کی قدرت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نباتات کی ہر قسم کو موزون پیدا فرمایا ہے۔ اناج کا دانہ ہو یا پھنسیاں اور پتے۔ چھوٹی سی بل ہو یا تناور درخت، ہر چیز میں موزونیت پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر گئے والی چیز میں مختلف قسم کے رنگ، خوشبو اور تاثیر رکھی ہے جو انسان کی بے شمار ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر دل نہ نگاہ خوش ہو جاتے ہیں۔ ذرا غور فرمائیں کہ جس قسم کا بیج بوٹیں گے، ہزار دفعہ بھی اگائیں تو اسی قسم کا پودا، درخت اور پھل پیدا ہوں گے اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، وہی رنگ، وہی ذائقہ اور وہی شکل و صورت ہوگی۔ مگر حیرت کا مقام ہے کہ اتنے بڑے بڑے نشاناتِ قدرت دیکھ کر بھی لوگ کفر و شرک کو چھوڑ کر اللہ کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔ یہ ان کی ناشکر گزاری کی علامت ہے۔

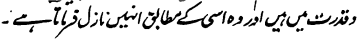
ارشاد ہوتا ہے وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ اور ہم نے تمہارے لیے زمین میں معیشت کے سامان پیدا کیے ہیں۔ ہم نے تمہاری زندگی کے لیے اسباب فراہم کیے ہیں۔ ان اسباب

کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ انسان انہیں شمار بھی نہیں کر سکتے۔ فرمایا ہم نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تمہاری روزی کا سامان بھی کیا ہے، اور ان کو بھی پیدا کیا ہے وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرِزْقَيْنِ جن کی روزی کے ذمہ ڈر تم نہیں ہو۔ اللہ نے تمہاری خدمت کے لیے کتنے غلام اور نوکر چاکر پیدا کیے مگر ان کا روزی رسال بھی میں ہوں، تم نہیں ہو۔ پھر اللہ نے کتنے چوپائے، اپرندے، درندے، پھلیاں، کیڑے مکوڑے اور لاتعداد مخلوق پیدا کی ہے اور ان کے لیے معیشت کے سامان بھی خود ہی پیدا کیے ہیں۔

اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اللہ نے کسی دوسری مخلوق کی روزی تمہارے ذمے نہیں لگائی، بلکہ ہر جاندار کا روزی رسال وہ خود ہے، تو فرمایا یہ باتیں اہل خرد کے لیے بڑے بڑے دلائل ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آنا چاہیے، نہ کہ من مانی نشانیاں طلب کی جائیں اللہ نے تو پہلے ہی بیشمار نشانیاں پھیلا رکھی ہیں جنہیں تم ہر وقت دیکھتے ہو، مگر ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔

آگے فرمایا وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خِزْيَةٌ اور ایسی کوئی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ آج کی کوئی عجم لے لیں، پھولوں اور پھلوں پر نگاہ ڈال لیں، پانی، ہوا، جادات، نباتات، اور معدنیات کو دیکھ لیں، ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہی انہیں تقسیم کر رہے ہیں۔ انسانی دل و دماغ، شکل و صورت، حسن، علم اور صحت، ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے عطا کر رکھی ہے۔ اور اس کے خزانے اتنے وسیع ہیں کہ ان میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔ فرمایا وَمَا نُنزِّلُ إِلَّا بِقَدْرِ مَعْلُومٍ ہم یہ تمام نعمتیں ایک معین اندازے کے مطابق نازل فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کو دوسری کوئی مخلوق نہیں سمجھ سکتی، وہ اپنی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ

قدرت کے خزانے



وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ
السَّمَاءِ مَاءً فَاسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ
بِخَرِينِينَ ﴿۲۲﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ
الْوَارِثُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ
مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿۲۴﴾ وَإِنَّ
رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۲۵﴾

ترجمہ :- اور بھیجیں ہم نے ہوائیں برجبل ۔ پس اہل ہم نے
آسمان کی طرف سے پانی ۔ پس ہم نے پلایا وہ پانی تم کو
اور نہیں تھے تم اس کو خزانہ کرنے والے ﴿۲۲﴾ اور بیشک
البتہ ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور
ہم ہی وارث ہیں ﴿۲۳﴾ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں
اُن لوگوں کو جو آگے بڑھنے والے ہیں تم میں سے، اور
البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں اُن لوگوں کو جو پیچھے رہنے
والے ہیں ﴿۲۴﴾ اور بیشک تیرا پروردگار ان کو اکٹھا کئے
گا ۔ بیشک وہ حکمت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۲۵﴾

سورۃ کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت
کا ذکر کیا، اور اس کی حفاظت کا قانون بتلایا۔ پھر منکرین قرآن کی خدمت بیان فرمائی
پھر اللہ نے اپنی وحدانیت اور قیامت کے دلائل ذکر کیے۔ پہلے علوی دلائل

بیان کیے یعنی آسمانی بروج اور اُن کی حفاظت کا ذکر کیا۔ پھر سفلی دلائل میں زمین کا پھیلانا، اس میں پہاڑوں کو پیدا کرنا اور ہر چیز کو موزوں طریقے سے رکھنا بیان ہوا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر چیز کے خزانے اسی کے پاس ہیں۔ پانی صحت، علم اور مادی زندگی کے تمام لوازمات اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، وہ ہر چیز کو معلوم مقدار کے مطابق نازل فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت کے علمی اور سفلی دلائل کے بعد اب تیسری دلیل یہ بیان فرمائی ہے وَ اَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ اَوْرَہِمَ نَے بوجھل ہوائیں چلائیں۔ شاہ عبدالقادرؒ اس کا ترجمہ رس بھری ہوائیں کہتے ہیں۔ یعنی وہ ہوائیں جو پانی سے بھر پور ہوتی ہیں۔ لقمہ حاملہ یا دودھ سینے والی مادہ کو کھا جاتا ہے۔ تلیقح کا معنی پیوند کا بھی ہوتا ہے۔ اس سے بھی چیز بوجھل ہو جاتی ہے اور آگے دوسری چیز نکلتی ہے آجکل کی میڈیکل سائنس میں اسے ٹیکہ لگانا

(INOCULATION انسولیشن) کہتے ہیں۔ اس عمل کے ذریعے انسانی جسم میں خاص قسم کے جراثیم پنپائے جاتے ہیں جس سے بیماری کو ابھارنا مقصود ہوتا ہے تاکہ اس کا واضح طور پر علاج کیا جاسکے یا خود انسانی طبیعت کو اس قابل بنایا جاسکے کہ وہ بیماری کا مقابلہ کر سکے۔

بہر حال یہ بوجھل ہوائیں سمندر سے اٹھنے والے بخارات کو اٹھاتی ہیں اور پھر قدرت کو جہاں بارش برسانا مقصود ہوتا ہے۔ وہاں لے جاتی ہیں۔ بارش برستی ہے جس سے انسان، حیوان، کیڑے مکوڑے اور نباتات سیراب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا خود کار انتظام کر رکھا ہے جس سے پانی جیسی بنیادی ضرورت ہر ایک تک فرمی پہنچتی ہے اللہ نے اس نظام کو اس حکمت کے ساتھ قائم کیا ہے کہ بارش حسب ضرورت کبھی کبھی ہوتی ہے اگر ہر وقت بارش برستی ہے تو دنیا کا سارا

پانی کی
قدرتی
بہم سانی

کاروبار ہی ٹھہر ہو جائے اور زمین اس قابل ہی نہ ہو سکے کہ اس میں کاشت کی جاسکے اور وہ بار آور ہو سکے، اللہ تعالیٰ کی ایک اور حکمت یہ ہے کہ اس نے سمندری پانی کو کھاری بنایا ہے اس میں ایسی تیز آہٹ پائی جاتی ہے کہ پانی میں سپنجے والی غلاظت اور اس میں مرنے والے جانور اس طرح گل سڑ جاتے ہیں کہ ان کا تعفن باقی نہیں رہتا۔

پانی کی بہم رسانی کا اللہ نے یہ عجیب نظام قائم کیا ہے کہ سمندروں کے کھاری پانی سے بخارات اٹھتے ہیں۔ ہوائیں انہیں اٹھا کر مختلف سمتوں میں پھیل جاتی ہیں اور پھر ان سے مختلف مقامات پر بارش ہوتی ہے مگر کڑوے سمندر کے بخارات جب پھر پانی میں تبدیل ہوتے ہیں تو وہ پانی میٹھا ہوتا ہے جو حیوانات اور نباتات کے استعمال کے قابل ہوتا ہے۔ یہی پانی اونچے پہاڑوں پر برساتا ہے تو ندی نالوں کی صورت میں میدانی علاقوں میں پہنچ کر یہاں زمین کو میٹھا کرنا ہے جس سے کھیتی باڑی ہوتی ہے، انسان اور جانور سیراب ہوتے ہیں۔ اور کچھ پانی برف کی صورت میں جم جاتا ہے۔ پھر موسم گرما میں برف پگھلتی ہے جس سے چشمے، ندی نالے اور پھر دریا سارا سال جاری رہتے ہیں اور اس طرح سال بھر کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کچھ پانی کو زمین کی گہرائی میں اتار دیتا ہے جسے کنوؤں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعے نکال کر انسانی ضروریات اور کھیتی باڑی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم نے جو جیل ہوائیں چلائیں فَاَنْزَلْنَا مِنْ السَّمَاءِ مَاءً اور آسمان کچھ طرف سے پانی نازل فرمایا۔ آسمان کا اطلاق فضا پر بھی ہوتا ہے مبادل فضا میں ہی گھومتے پھرتے ہیں جن سے بارش ہوتی ہے۔ اگرچہ بادل ہی بظاہر ذریعہ

بادشس ہیں مگر اس کے لیے عالم بالا کا حکم بھی ضروری ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو بارش نہیں ہوتی، ہوا، روشنی، خوراک، لباس، مکان کی طرح پانی بھی انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے جو بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ ہی نازل فرماتا ہے فرمایا فَأَسْقِيَنَّكُمْ مَوَدًّا ہم نے یہ پانی تمہیں پلایا اور تمہارے ساتھ دیگر جانداروں اور نباتات کو بھی سیراب کیا۔ پانی مدار حیات ہے۔ اس کی اصل قدر صحرائی علاقوں کے باشندوں کو ہوتی ہے۔ جہاں سینکڑوں میلوں تک اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔

فرمایا پانی ایک ایسی چیز ہے کہ بنیادی ضرورت ہونے کے باوجود وَمَا أَنْتُمْ بِخَازِنِينَ تم اس کو ذخیرہ (STORE) نہیں کر سکتے۔ تم چند دن کے لیے تو پانی جمع کر سکتے ہو مگر سالوں تک اس کی بہم رسانی کے لیے تمہارے پاس کوئی انتظام نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ اللہ نے چشموں، جھیلوں، ندی نالوں، دریاؤں اور برف کے تودوں کی صورت میں ایسا مربوط نظام قائم کر دیا۔ کہ انسان، حیوان اور نباتات سال بھر کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں اور اللہ کے یہ خزانے ختم نہیں ہوتے موجودہ دور میں پانی ذخیرہ کرنے کے لیے بڑے بڑے ڈیم بنائے گئے ہیں مگر پھر بھی سال میں کسی موقع ایسے آتے ہیں کہ ضرورت کے مطابق پانی میسر نہیں آتا جس کا اثر نہ صرف کھیتی باڑی پر پڑتا ہے بلکہ ہمارے ملک کی کھلی کی پیداوار میں بھی کمی آجاتی ہے اور پھر لوڈ شیڈنگ کرنا پڑتی ہے۔

میڈیکل سائنس والے بتاتے ہیں کہ انسان کی رگوں میں گردش کرنے والے خون پر زندگی کا دار و مدار ہے اور اس خون میں اسی فیصد پانی اور بیس فیصد باقی غذائی اجزاء ہوتے ہیں۔ اگر پانی جیسی عظیم نعمت نہ ہوتی تو نہ کوئی انسان زندہ رہ سکے، نہ کوئی جانور، اور نہ ہی نباتات پیدا ہو سکے۔ اسی لیے

تو اللہ نے فرمایا ہے ”وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيًّا“
 (الانبیاء) ہم نے ہر چیز کی زندگی کا انحصار پانی پر رکھا ہے۔ اور پانی بھی ایسا
 کہ جو گنڈا یا بدبو دار نہیں بلکہ ”وَ أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
 طَهُورًا“ (الفرقان) ہم نے پاکیزہ پانی نازل فرمایا ہے جو خود بھی پاک
 ہے اور دوسری چیزوں کو بھی پاک کرتا ہے۔ چنانچہ غلاظت کو دور کرنے
 کے لیے بھی پانی ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم
 نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا کہ تمہیں سیراب کیا ہے۔ اب تمھارا
 یعنی تمام حکومتوں کا بھی فرض ہے کہ لوگوں کے لیے پانی کی فری سپلائی
 کا بندوبست کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی یہ میسری دلیل بیان
 فرمائی ہے۔

زندگی اور
 موت کا نظام

اب اپنی وحدانیت کی چوتھی دلیل اللہ نے یہ بیان فرمائی ”وَإِنَّا لَنَحْنُ
 الْحَيُّ وَالْحَمِيدُ“ اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی موت دے
 کرتے ہیں۔ گویا موت و حیات اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے
 یہ کسی انسان، جن، فرشتہ یا دیوی دیوتا کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس کی حکمت
 بالغہ کے مطابق جب تک کسی کی زندگی مقصود ہوتی ہے، اُسے زندہ رکھتا
 ہے اور پھر موت سے بھگنا کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب تک چاہے گا
 کائنات کو مجموعی طور پر زندہ رکھیگا اور جب چاہے گا قیامت برپا کر کے
 ہر چیز کو فنا کر دیگا۔ غرضیکہ جس طرح پیدائش اس کے اختیار میں ہے اسی
 طرح موت بھی اُس کے ہاتھ میں ہے اس کی مرضی کے خلاف نہ کوئی پیدا
 کر سکتا ہے اور نہ کسی کو مار سکتا ہے پھر فرمایا ”وَإِنَّا لَوَارِثُوكُمْ“
 اور ہر چیز کے وارث بھی ہم ہی ہیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
 کے وارث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص موت کی آغوش
 میں چلا جاتا ہے تو اس کی چھوڑی ہوئی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں

ہوتی ہے۔ یہاں پر اولاد والی وراثت مراد نہیں بلکہ ہر انفرادی موت اور پھر قیامت کو مجموعی موت کے بعد ہر چیز کا وارث اللہ ہی ہے سب کی کماٹی اسی کے قبضہ قدرت میں ہوتی ہے۔

متقدمین
اور متاخرین

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ
اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں پیچھے بنے والوں کو بھی۔ مفسرین کرام نے متقدمین اور متاخرین کی تفسیر مختلف طریقے سے بیان فرمائی ہے۔ امام ابن جریر طبری اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ متقدمین سے پہلی امتوں کے لوگ مراد ہیں اور متاخرین سے حضور علیہ السلام کی امت یعنی آخری امت کے لوگ مراد ہیں۔ فرمایا ہم تمام اولین اور آخرین کے حالات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا علم تمام چیزوں پر محیط ہے بعض فرماتے ہیں کہ متقدمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو نبی میں آگے بڑھنے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے حکم دیا ہے فَاسْتَبِقُوا الْفَعَالَاتِ (المائدہ) نیکی کے کاموں میں آگے بڑھو۔ اور متاخرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے متقدمین سے مراد نماز اور جہاد کی صفوں میں آگے بڑھنے والے لوگ ہیں بعض لوگ سستی کرتے ہیں نماز کی اگلی صفوں میں سینچنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ کچھلی صفوں میں ہی میٹھ جاتے ہیں حضور علیہ السلام کی صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اگر لوگوں کو تہ چل جانے کہ اذان کہنے کا کتنا اجر ہے اور اگلی صفوں میں نماز پڑھنے کی کتنی فضیلت ہے تو لوگ اگلی صفوں میں شامل ہونے کے لیے قرعہ اندازی کرنے لگیں۔ حضرت کعب احبارؓ ہا جمعی میں سے ہیں۔ امام قرطبی نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام کی امت میں بعض ایسے مقبول بندے بھی ہوں گے کہ ان سے کچھلی

صف میں نماز ادا کرنے والے لوگوں کی بھی بخشش ہو جائے گی۔ اگر کوئی مقبول لہجہ بندہ اگلی صف میں نماز ادا کرتا ہے تو پیچھے والوں کے سب کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ تاہم فضیلت اگلی صف کو ہی حاصل ہے اور اگلی صف والے کی وجہ سے ہی پچھلی صف والوں کے گناہوں کی معافی کا ذکر آیا ہے لہذا حتی الامکان اگلی صفوں میں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں ایک خوبصورت عورت نماز باجماعت کے لیے مسجد میں آتی تھی اس لیے بعض آدمیوں کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اگلی صف میں چلی جائے تاکہ ان کی نگاہ عورت پر نہ پڑے۔ اور بعض منافق صفت آدمی ایسے بھی تھے کہ وہ پچھلی صفوں میں رہنا پسند کرتے تھے تاکہ انہیں تاک جھانک کا موقع مل سکے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ہم جانتے ہیں آگے بڑھنے والوں کو اور پیچھے ہٹنے والوں کو۔ ان کی نیت اور ارادہ بھی ہمارے علم میں ہے اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مردوں میں سب سے اچھی اگلی صفیں ہیں اور عورتوں میں اچھی صفیں پچھلی ہیں۔ مرد و عورتوں کا امتلاط سے جتنے دور رہیں گے اتنے ہی فتنے سے محفوظ رہیں گے اس سے یہ مراد بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نبی میں آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے والوں کو جانتے ہیں۔ یا میدان کارزار میں آگے بڑھ کر حصہ لینے والوں کو کبھی جانتے ہیں اور پیچھے ہٹنے والوں سے بھی واقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے حالات، نیت اور عزم کو جانتا ہے۔

دلائل توحید کے بعد اللہ نے فرمایا **وَإِنْ رَبُّكَ هُوَ يُحْشِرُهُمْ** اور بیشک اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا، اور سب کو جزائے عمل کے مرحلے سے گزرنا پڑے گا۔ اور سب کو اپنے اپنے حصے کی جزایا سزا بھگتنا ہوگی۔ فرمایا **إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ** وہ اللہ تعالیٰ کمال حکمت

عورتوں اور
مردوں
کی صفیں

قیامت اور
جزائے عمل

کا مالک ہے۔ اس کی ہر بات حکیمانہ ہے اور اسی کے مطابق وہ فیصلے کرتا ہے۔ وہ علیم بھی ہے کہ ہر شخص کے محض عزائم کو بھی جانتا ہے۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کی نیت اور ارادے اور عمل کے مطابق جزا دے گا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ
 حَمِئٍ مَسْنُونٍ ﴿٢٦﴾ وَالْجَبَّارِ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ
 مِنْ نَارِ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ
 إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمِئٍ
 مَسْنُونٍ ﴿٢٨﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ
 رُوحِي فَقَعُوهَا سَاجِدِينَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ الْمَلَكَةُ
 كُلُّهُنَّ اجْمَعُونَ ﴿٣٠﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى أَنْ
 يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ يَا بَلِيسَ
 مَا لَكَ إِلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ
 أَكُنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ
 مِنْ حَمِئٍ مَسْنُونٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ
 رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَى يَوْمِ
 الدِّينِ ﴿٣٥﴾

ترجمہ۔ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان
 کو بجنے والے، متغیر، سڑے ہوئے مٹارے سے ﴿۲۶﴾
 اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا اس سے پہلے آگ کی
 رُ سے ﴿۲۷﴾ اور (اس بات کو دھیان میں لاؤ) جبکہ

فرمایا تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہ بیشک میں پیدا کرنے والا ہوں انسان کو ایک بجھنے والے، متغیر سڑے ہوئے گارے سے (۲۸) پس جب میں اس کو برابر کر لوں، اور پھینک دوں اس میں اپنی طرف سے روح۔ پس گر پڑو تم اس کے سامنے سجدے میں (۲۹) پس سجدہ کیا فرشتوں نے سب کے سب نے (۳۰) لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ اس نے انکار کیا کہ ہو وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ (۳۱) فرمایا (اللہ نے) اے ابلیس! کیا ہے تجھ کو کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا (۳۲) کہنے لگا، میں نہیں ہوں کہ سجدہ کروں انسان کے سامنے جس کو پیدا کیا ہے تو نے بجھنے والے، متغیر، سڑے ہوئے گارے سے (۳۳) فرمایا (اللہ نے) نکل جاؤ یہاں سے۔ بیشک تم مردود ہو (۳۴) اور بیشک تجھ پر لعنت ہے اوصاف کے دن تک (۳۵)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کے دلائل بیان ہوئے۔ پہلے بیرونی دلائل کا ذکر ہوا جن میں آسمانوں کی تخلیق، اس میں ستاروں اور سیاروں کو چلانا، پھر زمین کو پھیلانا اور اس میں طرح طرح کی چیزیں پیدا کرنا۔ پھر زمین و آسمان کے درمیان فضاؤں میں ہواؤں کو چلانا، بادلوں کو اٹھانا، باران رحمت کا نزول، انسانوں، جانوروں اور نباتات کے لیے پانی کی سہم رسانی اور اس کے نتیجے میں خوراک کا دنیا کرنا وغیرہ بیرونی دلائل تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے قیامت کا ذکر بھی فرمایا "إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ" تیرا پروردگار ان سب کو اس دن اکٹھا کرے گا۔ وہ انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر

قدرت رکھتا ہے۔ پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی اور جزائے عمل واقع ہوگی کہ یہ انسان کی پیدائش کے ساتھ لازم ہے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور اس میں اپنی قدرت اور وحدانیت کے اندرونی دلائل ذکر کیے ہیں۔ بیرونی دنیا کے علاوہ اللہ نے انسان کے اندر بھی عجز و فہم کھسنے والوں کے لیے بہت سے دلائل رکھے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں دوسری جگہ موجود ہے "وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ اَفْلاٰ تَبْصِرُوْنَ (الذّٰرئیت)" تمہارے نفسوں کے اندر بھی اللہ نے بہت سے دلائل رکھے ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں؟ اسی طرح حشر اموات بھی خود انسان کے اندرونی دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔

متعلق
انسان

اللہ نے انسان کو پیدا کر کے اور اس کو وجود عطا کر کے بہت بڑا احسان فرمایا کہ اس سے نوع انسانی قائم ہوئی ہے انسان میں اگرچہ نافرمانی کا مادہ بھی پایا جاتا ہے، مگر اللہ نے اس میں کمالات بھی بہت زیادہ پیدا کیے ہیں۔ اگر انسان ان سے کام لے تو سر کمال خدا تعالیٰ کی معرفت کی دلیل بن سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ" اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو "مِنْ صَلْصَالٍ مِّمَّنْ حَمَآءٍ مَّسْنُوْنٍ" بجھنے والے متغیر، مڑے ہوئے گارے سے۔ صلصال اس خشک مٹی کو کہتے ہیں کہ جب اسے آگ پر پکایا جائے تو ٹھکر کر نکلنے سے بجھنے لگتی ہے۔ سورۃ الرحمن میں ہے "خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ" انسان کو پیدا کیا خشک مٹی سے جیسے ٹھیکری ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کی تخلیق ٹھیکری یعنی پچی ہوئی مٹی سے ہوئی ہے تو اس میں حرارت کا جزو بھی یقیناً موجود ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین کی مٹی اکٹھی کر کے لاؤ

انسانی وجود
کے عناصر

پھر اس کو گوندھا گیا، اس کا گار بنایا گیا، اور پھر اس سے انسان کا مجسمہ تیار ہوا۔ عام مشہور ہے کہ انسان عناصر اربعہ یعنی مٹی، آگ، ہوا اور پانی کا مجموعہ ہے۔ یہ نظریہ یونانیوں کے ہاں مانا جاتا تھا جسے بعض دوسروں نے بھی تسلیم کیا۔ تاہم بعض لوگ انسان کو پانچ، سات یا اس سے بھی زیادہ عناصر کا مجموعہ سمجھتے تھے۔ موجودہ سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان بیرونی دنیا میں پائے جانے والے لاتعداد عناصر کا مرکب ہے۔ باہر کی دنیا میں جتنے عناصر موجود ہیں، انسانی وجود ان سب کا خلاصہ اور پختہ ہے اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کی مشینری بڑی پیچیدہ بنائی ہے اس کی باریک باریک رگیں اور دماغ کے پیچ و خم میں اپنی قدرت کے بے شمار کمالات اور حکمتیں رکھی ہیں اور پھر یہ ہے کہ روئے زمین کی مٹی کہیں نرم ہے کہیں سخت کہیں سفید ہے، کہیں سیاہ اور کہیں سرخ، اسی طرح یہ خواص انسان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ نرم مزاج ہوتے ہیں اور بعض سخت مزاج۔ بعض رنگت میں کالے، گورے اور سرخ ہوتے ہیں یہ مختلف خطوں کی مٹی کی تاثیر ہے۔

بہر حال اللہ نے انسان کی تخلیق کے سلسلے میں فرمایا کہ ہم نے انسان کو صلصال یعنی کھنکھانے والی، حاکم یعنی بدلی ہوئی اور مسنون یعنی گلی سٹری مٹی سے پیدا کیا۔ اس بات کی تفصیل تو نہیں تھی کہ آدم علیہ السلام کا مجسمہ تیار ہو کر کتنی دیر تک پڑا رہا اور پھر خشک ہوا۔ البتہ فرشتے اور ابلیس اس مجسمے کو دیکھ رہے تھے۔ ابلیس کے متعلق آتا ہے کہ اُس نے دیکھا کہ یہ مجسمہ اندر سے خالی ہے اور اس میں وسوسے ڈالنے کی گنجائش موجود ہے۔ ادھر فرشتے بھی اس عجیب و غریب مجسمے کو دیکھ کر حیران ہوئے تھے کہ یہ کیسی مخلوق ہے۔ کافی عرصہ کے بعد اس مجسمے میں روح ڈالی گئی۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے کھنکھانے والے، متغیر اور سٹری

ہوئے گارے سے انسان کو تخلیق کیا۔ اس مٹی میں اللہ نے وہ کمال رکھا جو کسی دوسرے مٹی میں نہیں پایا جاتا۔ اس میں خدا تعالیٰ کی ذاتی تجلیات کو برداشت کرنے کی صلاحیت موجود ہے جو کسی دوسری مخلوق جنت ملائکہ وغیرہ میں بھی نہیں رکھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کو برتری عطا فرمائی ہے۔

فرشتوں
کی تخلیق

فرشتوں کی تخلیق انسان کی تخلیق سے کچھ دنوں سال پہلے ہوئی۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ایسا دور بھی آیا جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اعلیٰ کے فرشتوں جبرائیل اور میکائیل کو پیدا فرمایا۔ ان فرشتوں کے مادہ تخلیق کی مثال شاہ صاحب لکھتے ہیں اُس آگ سے دی ہے جسے موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر دیکھا تھا۔ وہ ایک خاص نوری یا ناری مادہ تھا جو درخت سے ظاہر ہو رہا تھا مگر درخت کو جلاتا نہیں تھا۔ جوں جوں اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا تھا۔ درخت کی سرسبز ہی اور شادابی بھی ٹھکتی جاتی تھی۔ تو اس قسم کے حیرت انگیز مادے سے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اعلیٰ کے فرشتوں کی تخلیق کی۔ پھر ملائکہ اعلیٰ کے دوسرے طبقے کے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے عالم مثال کے لطیف مادے سے پیدا کیا، پھر باقی فرشتے پیدا کیے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تمام فرشتوں کا تعلق ایک ہی طبقے سے نہیں بلکہ ملائکہ اعلیٰ سے زمین تک ان کے کائنات طبقے ہیں اور ہر طبقے کا مادہ تخلیق مختلف ہے۔ بعض کا مادہ برف کے ٹکڑے کی مانند ہے جس سے دھواں سانکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے بہر حال فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے نوری انسانی کی مصلحت کی خاطر پیدا فرمایا۔ فرشتے، جنت، زمین اور آسمان وغیرہ تمام چیزیں پہلے پیدا کیں اور اس کے بعد انسان کو پیدا فرمایا۔

انسان
کی برتری

اللہ تعالیٰ نے انسان کو باقی تمام مخلوقات پر برتری اور فضیلت

عطا فرمائی ہے کیونکہ اس کے مادہ تخلیق میں جو لطافت اور کمال رکھتا ہے اور جو خوبیاں اور صفات اس میں ودیعت کی ہے، وہ کسی دوسری مخلوق میں نہیں پائی جاتیں۔ مٹی جیسی حقیر چیز کو دیکھیں اور پھر اس سے پیدا ہونے والا اللہ کا شاہکار ملاحظہ کریں کہ انسان کو کسی عظیم ہستی بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ" (الانسان) ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت اور بہترین قدر و قامت میں پیدا فرمایا۔ اللہ کا یہ بھی ارشاد ہے "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" (بنی اسرائیل) ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔ انسان کا مجسمہ بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی طرف سے روح ڈالی۔ انسان کا شرف و کمال اسی روح کی وجہ سے ہے روح نہایت ہی لطیف چیز ہے اور اسی کی بدولت انسان کی صفات اور کمالات قائم ہیں۔

انسان کی تخلیق کے بیان کے ساتھ اللہ نے نافرمان عنصر یعنی جنات کی تخلیق کا ذکر بھی کیا ہے۔ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ اور اس سے پہلے ہم نے جنوں کو آگ کی لڑ سے پیدا کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جان سے مراد جنوں کا جدا جدا اجزا ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ان میں شامل نہیں بلکہ الگ ہے۔ تاہم ابلیس کی ساری اولاد نافرمان ہے مگر جنات میں سے فرمانبردار بھی ہیں اور نافرمان بھی جیسا کہ سورۃ جن میں آتا ہے "وَإِنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِمَّا دُونَ ذَلِكَ" ان میں نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ بہر حال جنات کو اللہ تعالیٰ نے ناری سموم سے پیدا کیا۔ سورۃ الرحمن میں ہے "وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارِ جَنَاتٍ" کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کی تخلیق میں مٹی کا عنصر زیادہ ہے جب کہ جنات اور شیاطین کی تخلیق میں آگ کا عنصر غالب ہے۔

جنات کی
تخلیق

نے اس پر کلام کیلئے ہے۔ امام رازی نے کتاب النفس لکھی ہے جس میں روح اور نفس کی جملہ معلومات جمع کی ہیں اور اس میں قدیم نظریات کا ذکر بھی کیلئے ہے۔ امام غزالی نے بھی کتاب الروح کے نام سے کتاب لکھی ہے جس میں روح کی حقیقت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ امام ابن تیمیہ کے شاگرد امام ابن قیم نے بھی کتاب الروح جیسی کتاب پیش کی۔ تاہم اس مسئلہ میں سب سے زیادہ کلام امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کیلئے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ روح کے بارے میں خواص تو بحث کر سکتے ہیں مگر عوام کے لیے یہی کافی ہے کہ روح امر ربی ہے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل کا حوالہ پہلے دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ روح کی نسبت اللہ کی طرف اس کی شرافت کی وجہ سے کی گئی ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ التکرۃ یہ نام ان کی شرافت کی وجہ سے دیئے گئے ہیں۔

فرشتوں کو
سجدے کا
حکم

فرمایا جب میں آدم کو برابر کر دوں اور اس میں اپنی طرف سے روح ڈال دوں فَقَعُوا لَكَ سَجْدًا تَرْتَمِ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب اللہ نے آدم علیہ السلام میں روح ڈال دی فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس ضمن میں متکلمین اور علماء سارے ہی کہتے ہیں کہ عالم بالا اور عالم زیریں کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حکم ملا اعلیٰ کے فرشتوں کو نہیں تھا بلکہ ملائکہ عنصرین کو تھا جن کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ ابلیس اور شیاطین بھی منجملہ ان میں سے ہیں، اس لیے ان کو بھی سجدے کا حکم ہوا تھا۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو اللہ نے فرمایا مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اُمِرْتَ تَجِبَ سَجْدَہُ كَرْنِی س سے کس چیز نے روکا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح فرشتوں کو سجدے کا حکم ہوا تھا، اسی طرح

ابلیس کو بھی حکم تھا، مگر اس نے انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے جس سجدے کا حکم فرشتوں اور ابلیس کو دیا تھا، وہ سجدہ تعظیمی تھا۔ سجدہ عبادت اللہ کے سوا کسی کے لیے روا نہیں۔ اگر کوئی کھریگا تو اس پر کفر لازم آئے گا۔ یہ سجدہ تعظیم و تکریم الیہی ہے جیسا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے سامنے کیا تھا۔ قدیم زمانے میں لوگ سجدہ تعظیمی بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے سامنے بھی کرتے تھے۔ اس کو سجدہ سخرہ یعنی ملاقات کا سجدہ بھی کہتے ہیں اور یہ پہلی امتوں میں ممنوع نہیں تھا مگر اس آخری امت کے لیے سجدہ تعظیمی بھی حرام ہے خواہ یہ کسی بادشاہ پیر، استاد یا قبر کے سامنے کیا جائے۔ البتہ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ فرق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی انسان یا قبر کو سجدہ تعظیمی کرتا ہے، تو وہ حرام ہے، سجدہ کرنے والے پر کفر کا فتویٰ نہیں لگا سکتا۔ اور اگر کوئی شخص کسی مخلوق کے سامنے عبادت کا سجدہ بجالاتا ہے تو یہ صریح کفر ہوگا کیونکہ عبادت کا سجدہ ہر امت میں حرام ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ سجدہ آدم علیہ السلام کے سامنے نہیں ہوا تھا بلکہ سجدہ تو اللہ تعالیٰ کو ہی تھا۔ اور آدم علیہ السلام بمنزلہ قبلہ کے تھے جس طرح ہم بیت اللہ شریف کو قبلہ اور جست مان کہہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہوتے ہیں، اسی طرح فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو قبلہ مان کہہ اللہ کو سجدہ کیا تھا۔ حضرت مولانا مگر قائم نانوتوی کی تحقیق یہ ہے کہ خانہ کعبہ مرکز عالم ہے، اس کی سمت پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات بہت زیادہ پڑتی ہیں، تو ہمارا سجدہ دراصل اس تجلی الہی کو ہوتا ہے۔ اسی طرح آدم علیہ السلام بھی منزلہ قبلہ تھے جن کی طرف فرشتوں نے سجدہ کیا۔

بعض فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کے لیے سجدے کا حکم ہوا تو اُس وقت اُن کے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ کی ذاتی تسبیحات

پڑھی تھیں اس لیے آدم علیہ السلام کی سمت میں فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی محض تعظیم کو انی معنی اور فرشتوں نے اس حکم کی بجا آوری کی۔

ابلیس کا انکار

بہر حال تمام فرشتوں نے سجدہ کیا إِلَّا ابْلِيسَ مَسْوَى ابْلِيسَ كَسَّ کے أَبَى أَنْ يَسْجُدَ مَعَ السَّاجِدِينَ اس نے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو قَالَ اللَّهُ نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رِيحٍ عَاصِفٍ فرمایا کیا ابلیس مالکِ الْاَلَمَاتِ تَسْجُدُ مَعَ السَّاجِدِينَ اے ابلیس! تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ کیوں نہ ہو قَالَ كُنْ لَكُمْ آيَةً أَنْ لَا تَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ میں اس بشر کو سجدہ نہیں کر سکتا جسے تو نے کھنکھانے والے متغیر گارے سے پیدا کیا ہے گویا ابلیس نے آدم علیہ السلام پر اپنی برتری ظاہر کی۔ سورۃ اعراف میں ہے قَالَ اِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نَارٍ عَالِيَةٍ میں اس سے بہتر ہوں۔ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق کیا ہے۔ اور آگ مٹی سے فائق ہے، لہذا میں مٹی جیسی ادنیٰ چیز کے سامنے سجدہ نہیں کر سکتا۔

بشار ابن برد شاعر نے کہا ہے

ابْلِيسُ اَفْضَلُ مِنْ اَبِيكُمْ اَدَمُ
فَتَبَيَّنُوا يَا مَعْشَرَ الْاَشْرَارِ
النَّارُ عُنْصُرُهُ وَاَدَمُ طِينُهُ
وَاطِينُ لَا يَسْمُو سَمُوًا لِلنَّارِ

ابلیس تمہارے جد امجد آدم علیہ السلام سے زیادہ فوقیت رکھتا ہے کیونکہ ابلیس کا عنصر آگ ہے اور آدم کا مٹی۔ اور آگ کو مٹی پر فوقیت حاصل ہے۔ یہ ابلیس کا تکبر اور حسد تھا کہ اس نے آدم علیہ السلام پر

اپنی برتری ظاہر کی۔ تکبر بہت بڑی بیماری ہے۔ اسی لیے بزرگان دین جب کسی کی تربیت کرتے ہیں تو تکبر سبب آخر میں نکلنا ہے۔ یہ سب سے خطرناک اخلاق ہے تو شیطان نے اکرطکی وجہ سے کہا کہ میں آدم علیہ السلام سے افضل ہوں۔

شیطان
رازدہ درگاہ

قَالَ اللَّهُ نَفَرًا فَلَخَرَجَ مِنْهَا بِيَانٍ سَلَمًا جَاوِدًا فَاتَّقَ رَجِيمًا بَيْتِكُمْ تَمْرُودٌ هُوَ تَمْرٌ مِّنْ نَّجْمٍ يَّهْدَىٰ هُوَ يَهْدَىٰ هُوَ فِي سُورَةِ بَقَرَةٍ مِّنْ هَبْ آتٍ وَاسْتَكْبَرَتْهَا وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ

اس نے انکار اور تکبر کیا تو کافروں میں ہو گیا۔ حضرت ثَمَسُ الدِّينِ یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات میں ہے کہ ابلیس نے سات لاکھ سال عبادت کی مگر اللہ کے ایک حکم کی سزا پائی کی وجہ سے ساری عبادت رائیگاں چلی گئی۔ فرمایا، یاد رکھو! فَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ الَّتِي يَوْمَ الدِّينِ تم پر قیامت تک لعنت ہی بستی رہے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت آئے پر لعنت سے نکل جائیگا بلکہ قیامت برپا ہونے کے بعد تو جزائے عمل کی منزل آنے والی ہے اور پھر اس کا عذاب تو مزید بڑھ جائے گا۔ کافروں کے متعلق سورۃ بقرہ میں اللہ کا واضح حکم ہے إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ هُ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَحْتَفُونَ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ جو شخص کفر کی حالت میں مر گیا، اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے عذاب میں نہ تخفیف ہوگی اور نہ انہیں ہلکت دی جائیگی۔ بہر حال فرمایا کہ اے ابلیس! تم پر قیامت تک لعنت پڑتی رہے گی اور پھر آخرت کا عذاب تو دائمی ہوگا۔

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ﴿۳۶﴾ قَالَ
 فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿۳۷﴾ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ
 الْمَعْلُومِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي
 لِأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا أُغْوِيَنَّهُمْ
 أَجْمَعِينَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ
 الْمُخْلِصِينَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ
 مُسْتَقِيمٌ ﴿۴۱﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ
 سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿۴۲﴾
 وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۳﴾
 لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ
 جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿۴۴﴾

ترجمہ :- کہا (شیطان نے) اے پروردگار! پس
 مدت دے مجھ کو اُس دن تک جس دن ان لوگوں
 کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا ﴿۳۶﴾ فرمایا (اللہ تعالیٰ
 نے) تو مدت دے ہوؤں میں سے ہے ﴿۳۷﴾ ایک معلوم
 وقت کے دن تک ﴿۳۸﴾ کہا (شیطان نے) اے پروردگار!
 اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ ٹھہرایا ہے، میں ضرور

مزین کر کے دکھاؤں گا ان کے لیے زمین میں (برائیوں کو) اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو (۳۹) ماسوائے تیرے مخلص بندے ان میں سے (۴۰) فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) یہ ہے راستہ سیدھا مجھ تک (۴۱) بیشک میرے بندے کہ نہیں ہے ان پر کوئی غلبہ، مگر وہ جس نے پیروی کی تیری گمراہوں میں سے (۴۲) اور بیشک جہنم ان سب کے وعدے کا وقت ہے (۴۳) اور اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر ایک دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ ہے تقسیم کیا ہوا (۴۴)

ربطِ ایت

پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا۔ ایک معمولی چیز یعنی سڑے ہوئے بدبودار گارے والی مٹی سے انسان کو پیدا کیا اور اسے کمال درجے کی حیثیت اور شان عطا فرمائی، اس میں روح ڈالی، فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا۔ ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اپنی برتری جملانے کی کوشش کی کہ میں ناری ہو کر خاکی کے سامنے یکے سجدہ بجالاؤں۔ اُس نے تجر میں آکر اللہ تعالیٰ کے حکم کی سرتابی کی، تو اللہ نے اسے مردود ٹھہرا دیا اور فرمایا کہ قیامت تک تجھ پر لعنت ہی بستی ہے گی۔

ملت کی
درخواست

اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کے بعد شیطان نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کے لیے ملت طلب کی، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے
قَالَ الشَّيْطَانُ لَنْ كَاهِنٍ فَاَنْظُرْنِي اے پروردگار! مجھے ملت
مِنَ اللَّيْلِ يَوْمٍ يُبْعَثُونَ اُس دن تک کے لیے جب سب لوگ
دوبارہ جی اٹھیں گے انظار ملت جینے کو کہتے ہیں۔ اس کی مثال حدیث شریف
میں ملتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے مَنْ اَنْظَرَ مَعْسِرًا اَوْ تَجَاوَزَ

اعنه فَاظَلَّهُ اللهُ فِي يَوْمٍ لَا يَظِلُّ إِلَّا ظِلُّهُ، جو آدمی کسی ننگ دست کو ہلت دے یا قرضہ معاف ہی کر دے تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن اپنے عرش کے سامنے میں جگہ دیگا، جس دن اُس کے سامنے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ تو بہر حال ابلیس نے بھی قیامت تک کے لیے ہلت مانگی تو اللہ رب العزت نے فرمایا قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ پس بیشک تو ہلت دے ہوؤں میں سے ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے شیطان کی درخواست قبول کر لی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان جیسے بدترین کافر کی دعا فوراً قبول کر لی جس کا یہ مطلب نہیں ہے جس کی دعا قبول کر لی جائے وہ لازماً مقبول، مستی ہوتا ہے۔ یعنی دعا کی قبولیت دعا کرنے والے کی مقبولیت کی شرط نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی بدترین مخلوق کی دعا بھی قبول کرے، اس کا انحصار اس کی حکمت اور مصلحت پر ہے مومن کی دعا کی قبولیت تو اس کی سعادت کی بات ہے مگر ہو سکتا ہے کہ دنیوی مفاد کے لیے دعا کسی نافرمان کی بھی قبول کرے۔ وہ مالک الملک اور مختارِ کل ہے، اُس کے راستے میں کوئی چیز حاصل نہیں ہو سکتی اس کی سعادت کی علامت نہیں سمجھی جائے گی۔

یہاں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ شیطان نے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک اپنی زندگی کی ہلت طلب کی جس سے اُس کی مراد یہ تھی کہ یوم البعث تک تو اُسے ویسے ہی زندگی حاصل ہو جائے گی اور اُس دن سب کو پھیر جی اٹھنا ہے، اس طرح وہ موت کی کٹھن گھاٹیوں سے بچ جانے کا مگر اللہ نے فرمایا کہ تمہیں ہلت دیدی ہے مگر وہ یوم البعث تک نہیں بلکہ الٰہ۔ يَوْمَ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ معلوم وقت کے دن تک یعنی اُس دن تک جس دن قیامت برپا ہوگی۔ گویا اُسے قیامت

کے اعلان کے ساتھ ہی باقی ماندہ مخلوق کی طرح موت سے ہکنا رہنا پڑیگا
قیامت سے متعلق قرآن و حدیث میں تصریح موجود ہے کہ دو دفعہ صور پھونکا
جائے۔ جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ ہر زندہ ہستی پر
موت طاری ہوگی اور کوئی بھی چیز باقی نہیں رہے گی۔ پھر چالیس سال کے بعد
دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ
نے شیطان کو رعایت پہلے صورت تک دی تاکہ موت اس پر بھی طاری ہو۔
روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شیطان سخت پریشان ہوگا، فرشتے
اس کو گھیریں گے اسے بڑی تلخی ہوگی اور وہ بہت ترپے گا۔ پھر دوسرے صور
پر وہ دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کے حضور حزلے عمل کے لیے پیش ہوگا۔

بہر حال جب شیطان کو مہلت مل گئی قَالَ تَوَكَّنْتُمْ لَكُمْ رَبِّكُمْ مَا
أَعُوذُ بِتَيْبَتِي اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ ٹھہرایا ہے۔ اب میں یہ کرونگا
لَا زَيْتَنٌ كَهَيِّئِهِ فِي الْأَرْضِ ان لوگوں کے لیے میں زمین میں مزین
کروں گا۔ یعنی اس سطح ارضی پر ہونے والی تمام برائیوں اور بے جانیوں کو
لوگوں کے لیے خوشنما کر کے دکھاؤں گا تاکہ انہیں کی طرف مائل ہو جائیں اور
تیرے راستے سے ہٹ جائیں گویا کہ وَلَا أَعُوذُ بِتَيْبَتِهِمْ أَجْمَعِينَ
حضور سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے، کہ
شیطان نے یوں کہا تھا کہ اے اللہ! جب تک انسانوں کی روحیں ان کے
جسموں میں موجود ہیں۔ میں انھیں گمراہ کرتا رہوں گا اور ان کی گمراہی کا کوئی
موقع ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔ میں ان کو گمراہ کرنے کے لیے تمام وسائل
برونے کار لاؤں گا۔ سورۃ اعراف میں ہے میں تیری عبادت کے راستے سے
آکر بھی گمراہ کروں گا۔ میں ان کے آگے سے بھی آؤں گا اور پیچھے سے بھی
ان کی دائیں طرف سے بھی آؤں گا اور بائیں طرف سے بھی۔ میں ان کو دنیا
کے معاملات کے اعتبار سے بھی گمراہ کروں گا اور آخرت کے اعتقاد

گمراہ کرے گا
عسقم

کے راستے سے آکر بھی گمراہ کروں گا۔ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ جب انسان نیکی کے راستے پر چہنا شروع کرتا ہے تو شیطان راستے میں آکر بیٹھ جاتا ہے۔ جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، روزہ رکھتا ہے، جامہ باج کے لیے نکلتا ہے تو شیطان اس کے دل میں طرح طرح کے دوسے ڈاننا شروع کر دیتا ہے اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ مخلوق خدا کو کفر، شرک، بدعات، رسوم باطلہ، عیاشی، فحاشی اور بے حیالی کے کاموں کو مزین کر کے دکھائے گا اور اللہ کے بندوں کو گمراہ کر نیکی کو کشتش کرے گا اللہ نے بھی فرمایا کہ مجھے میری عزت و جلال کی قسم جب تک میرے بندے اپنے گناہوں اور غلطیوں کی معافی طلب کرتے رہیں گے۔ میں انہیں صاف کرنا رہوں گا۔

لوگوں کو گمراہ کرنے کے عزم کے ساتھ شیطان نے کچھ استثنا بھی کی ہے، کہا میں سب کو گمراہ کروں گا إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ سوائے تیرے مخلص بندوں کے، یعنی تیرے برگزیدہ اور منتخب بندوں پر میرا داؤ نہیں چل سکے گا، باقی سب کر اپنے دام میں پھینالوں گا۔ قَالَ اللَّهُ نَفَرًا يَهْدِي صِرَاطًا عَلِيمًا مُسْتَقِيمًا جو یہی مجھ تک سیدھا راستہ ہے، اللہ نے مزید فرمایا إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ بیشک میرے بندے ایسے ہیں کہ تجھے ان پر غلبہ حاصل نہیں ہو سکے گا، یعنی تم انہیں گمراہ نہیں کر سکو گے إِلَّا مَن تَابَعَكَ مِنْ الْغَوِيِّينَ سوائے ان گمراہوں میں سے جنہوں نے تیری پیروی اختیار کر لی۔ ایسے لوگوں کو تو گمراہ کر سکے گا۔ وگرنہ میرے مخلص بندے تیرے دام میں نہیں پھنسیں گے۔

مفسرین کرام اس بات میں کلام کرتے ہیں کہ شیطان نے تو یہ کہا کہ تیرے مخلص بندے میرے قابو میں نہیں آئیں گے مگر حضرت آدم علیہ السلام

اور جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہونے کے باوجود شیطان کے وسوسے میں آگئے۔ اسی طرح بعض دوسرے انبیاء اور بزرگ مسہیوں کے متعلق بھی اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ خود موسیٰ علیہ السلام سے جب ایک لغزش ہوگئی تو انہوں نے یہی کہا تھا "هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" (القصص) یہ تو شیطان کا عمل ہو رہا ہے۔ گویا شیطان نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی پھسلا دیا۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کے مخلص بندوں کے ہمتناہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان سے کوئی ایسا گناہ سرزد نہیں کر سکے گا، جس سے بندے توبہ نہ کر سکیں یا جن کی معافی کی گنجائش نہ ہو۔ اگر شیطان دوسرے اندازی کہے گا تو اللہ کے بندے معافی مانگ لیں گے اور انہیں معافی مل جائے گی۔ غرضیکہ شیطان مخلص بندوں سے کوئی ناقابل معافی گناہ کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ اور اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ کے مخلص بندوں پر شیطان کی معمولی معمولی باتیں بھی اثر انداز نہ ہوں۔ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ اللہ کا ذکر ایک قلعہ کی مانند ہے جس کی وجہ سے مومن شیطان کے وسوسے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ سورۃ اعراف میں یہ بھی موجود ہے "وَلَا يَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ" کہ اے اللہ! تو اپنے اکثر بندوں کو شکر گزار نہیں پائے گا، تو گویا لوگوں کی اکثریت ناشکر گزار ہی ہوگی۔ چنانچہ یہی ہوا "وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْكَ عِبْرًا يُخْتَلَفُ" فَاتَّبَعُوا أَيْدِيَهُمْ أَيْدِيَهُمْ سَوَّاهُ وَرَأَيْتَ كَيْفَ سَوَّاهُ" اے اللہ! ان لوگوں کی اکثریت نے شیطان کی پیروی کی۔ چنانچہ دنیا بھر میں نافرمانوں کی اکثریت ہی رہی ہے، اور آج بھی یہی حال ہے کہ فرمانبردار بھوڑے ہیں

فرمایا، جو بھی تیرا اتباع کرے گمراہ ہو جائے گا وَأَنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ایسے تمام لوگوں کے وعدے کا مقام جہنم ہے اور جہنم کی تعریف یہ ہے لَهَا سَبْعَةُ

گمراہوں کی
جہنم رسیدگی

اَلْبَوَابِ اس کے سات دروازے ہیں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سات گیٹ سات طبقات کے لحاظ سے ہیں۔ جنہم کے کل سات طبقے ہیں اور ہر طبقے کا الگ الگ دروازہ ہے۔ ہر طبقے کے لوگ اپنے مخصوص دروازے سے جنہم میں داخل ہوں گے جنہم کے ان سات طبقات کا ذکر قرآن پاک میں بھی آتا ہے۔ یعنی جنہم اسعیر، نظی، عطر، اسقر، جیم اور ہورہ۔

بعض فرماتے ہیں کہ جنہم کے دروازے جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے ہوں گے۔ مثلاً کفر اور شرک کرنے والے ایک گیٹ سے داخل ہوں گے، زنا کار اور اس سے متعلقین دوسرے دروازے سے ظلم کرنے والوں کا دروازہ علیحدہ ہوگا۔ حقوق ضائع کرنے والوں اور سرکش لوگوں کے داخلے مختلف دروازوں سے ہوں گے۔ گویا کل جرائم کو سات گروپوں میں تقسیم کر کے ان کے لیے ایک ایک دروازہ مختص کر دیا جائے گا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حشر کے میدان میں مختلف گروہ یا جماعتیں بن جائیں گی۔ مثلاً سو نمبر کی نیکی والے ایک صف میں کھڑے ہو جائیں اور تنانوے نمبر والے دوسری صف میں۔ اسی طرح جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے بھی الگ الگ صف بندی ہوگی اور اس طرح لوگ جنت یا جنہم میں داخل ہوں گے۔ تاہم فرمایا کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّفْسُومٌ ان میں سے ہر دروازے کے لیے انسانوں کا ایک تقسیم شدہ حصہ ہے جو اس میں سے داخل ہوگا۔ جنہم کے سات دروازے ہیں تو جنت کے آٹھ ہیں۔ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جنت میں بھی لوگ اعمال کے لحاظ سے داخل ہوں گے۔ مثلاً ایک دروازے سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے، علیٰ ذلہ القیاس۔ اور آٹھواں دروازہ محض صحیح عقیدے والے لوگوں کے لیے

مخصوص ہوگا۔ ایسے لوگ جن کے پاس عمل تو کوئی نہیں ہوگا، مگر عقیدہ بالکل درست ہوگا، ان کے ایمان اور توحید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے اس دروازے میں داخل کریگا۔ جس شخص کا عقیدہ فاسد ہو گا، وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

یہ جزائے عمل کا ذکر بھی ہو گیا۔ شیطان کے اغوا اور اس کی پیروی کرنے والوں کی بات ہوئی۔ اب اگلی آیات میں اللہ نے اپنے نیک بندوں یعنی متیقین اور ان کو ملنے والے انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔

ربما
درجستم

الحجر ١٥

آیت ٢٥ تا ٦٠

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ④٥
 ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِينَ ④٦ وَنَزَعْنَا مَا فِي
 صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ
 مُتَقَابِلِينَ ④٧ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ
 مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ④٨ نَبِيُّ عِبَادِيَ أَنَا
 الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ④٩ وَأَنَّ عَذَابُ
 هُوَالْعَذَابِ الْأَلِيمِ ⑤٠ وَبَيَّهْتُمْ عَنْ
 ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ⑤١ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ
 فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ⑤٢
 قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلَيْكَ ⑤٣
 قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَن مَسَّنِيَ الْكِبَرُ
 فِيمَ تَبَشِّرُونَ ⑤٤ قَالُوا بَشِّرْنَا بِالْحَقِّ فَلَا
 تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِينَ ⑤٥ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ
 مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ⑤٦ قَالَ وَمَا
 خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ⑤٧ قَالُوا إِنَّا
 أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ⑤٨ إِلَّا آلَ لُوطٍ

دفع لایق

إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۹﴾ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَرْنَا
 إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ :- بیشک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے ﴿۵۹﴾ (اُن سے کہا جائے گا) داخل ہو جاؤ اس کے اندر سلاطی کے ساتھ اس سے ﴿۶۰﴾ اور ہم نکالیں گے جو کچھ اُن کے سینوں میں ہو گا کچھ کھوٹ (اس حال میں کہ) وہ بھائی بھائی ہوں گے تختوں پر بیٹھے ہوئے آنے سامنے ﴿۶۱﴾ نہ پہنچے گی اُن کو ان (بشتوں) میں کوئی تھکاوٹ، اور نہ وہ اس سے نکلے جائیں گے ﴿۶۲﴾ بتلا دیں آپ میرے بندوں کو کہ بیشک میں بہت بخشش کرنے والا مہربان ہوں ﴿۶۳﴾ اور بیشک میرا عذاب وہ دردناک عذاب ہے ﴿۶۴﴾ اور بتلا دیں اُن کو ابراہیم (علیہ السلام) کے مہازوں کے بارے میں ﴿۶۵﴾ جب وہ داخل ہوئے اُن کے پاس تو انہوں نے کہا سلام۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا تحقیق ہم تم سے کچھ خوف معلوم کرتے ہیں ﴿۶۶﴾ انہوں نے کہا کہ آپ نہ ڈریں، بیشک ہم آپ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک علمدار لڑکے کی ﴿۶۷﴾ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا، کیا تم مجھے خوشخبری سناتے ہو حالانکہ پہنچا ہے مجھ کو بڑھاپا۔ پس کس چیز کی تم مجھے خوشخبری دیتے ہو ﴿۶۸﴾ کہنے لگے ہم خوشخبری سناتے ہیں تم کو حق کے ساتھ پس نہ ہوں آپ ناامید ہونے والوں میں سے ﴿۶۹﴾

کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) اور نہیں ناامید ہوتے اپنے رب کی رحمت سے مگر وہی لوگ جو گمراہ ہوتے ہیں (۵۶) کہا (ابراہیم نے) پس کیا حال ہے تمہارا، اے بیٹھے ہوئے لوگو! (۵۷) کہنے لگے، تحقیق ہم بیٹھے گئے ہیں ایک مجرم قوم کی طرف (۵۸) مگر لوط علیہ السلام کے گھر والے، تحقیق ہم بچانے والے ہیں اُن سب کو (۵۹) مگر اس کی بیوی۔ ہم نے ٹھہرا دیا ہے کہ بیشک وہ (اُن کی بیوی) البتہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی (۶۰)

ربط آیت

پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی نعمت کا ذکر کیا اور اس سلسلے میں شیطان کے اغواء اور اس کی طرف سے اللہ کے حکم کی سرتابی کا ذکر کیا۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے اُسے مردود ٹھہرایا۔ پھر اس نے حمت طلب کی تو اللہ نے قیامت تک کے لیے حمت بھی مے دی شیطان نے قسم اٹھا کر کہا کہ وہ اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنا ہے گا، البتہ مخلص بندوں پر اُس کا وار کارگر نہیں ہو سکے گا۔ اللہ نے فرمایا یہ اخلاص ہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہوگا۔ البتہ گمراہ لوگ تیری پیروی کر کے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لیں گے جو اُن کے وعدے کی جگہ ہنہ۔ پھر فرمایا جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے سے نافرمانوں کا منقسمہ حصہ داخل ہوگا۔

متقین کے لیے بہشت

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے لیے بہشت اور وہاں عَنْ وَالِ الْعَامَاتِ كَاذِكْرَ كِيَا هِي۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْمَتَّقِيْنَ رَفِ جَدَّتْ وَ عِيُونٍ يَشْكُ مَتَقِيْ لُوْكَ بَاغَاتٍ اَوْ حِشْبُوْنَ مِيْنَ هُوْنَ كِي۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ متقی وہ لوگ ہیں جو کفر، شرک، کبار، فواحش سے بچتے ہیں۔ اور پھر تہ تیغ ہر شے اور مشکوک چیزوں اور گناہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے

بھی اجتناب کرتے ہیں۔ ایسے لوگ کمال درجے کے متقی ہوتے ہیں۔ تو تقویٰ نے
 کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان بدعتیگی، کباہر، کفر، شرک اور نفاق سے بچ جائے
 سورۃ توبہ میں اللہ نے ایمان والوں کی سات صفات بیان کی ہیں جن میں
 ساتویں صفت ہے "وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ" یعنی وہ اللہ کی قائم
 کردہ حدود کی حفاظت کرتے ہیں اور سب تقویٰ ہے۔ امام شاہ ولی اللہ
 اپنی کتاب "الطاف القدس" میں لکھتے ہیں "تقویٰ محافظت بر حدود شرع
 است" یعنی شریعت کی قائم کردہ حدود کی حفاظت کرنے اور ان پر
 قائم رہنے کا نام تقویٰ ہے۔ تو فرمایا متقی لوگ باغات اور چشموں میں ہوں
 گے۔ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو حکم ہوگا۔ اَدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ
 اِمْنِيْنَ داخل ہو جاؤ اس بہشت میں سلامتی اور پورے اطمینان کے
 ساتھ۔ یہاں تمہیں ہر قسم کی سلامتی حاصل ہوگی۔ دکھ اور تکلیف
 سے پاک ہو گے۔ اور کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔

کدورت سے
 پاک دل

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے متعلق ایک اور بات بھی بیان فرمائی ہے
 وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ هُمْ تَكَالٍ دِيس
 گے جو کچھ ان کے سینوں میں کھوٹ، کینہ یا عداوت وغیرہ ہوگی۔ کوئی
 شخص دل میں اس قسم کی بات لے کر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس مقام
 میں کدورت کو کوئی دخل نہیں ہوگا۔ وہاں ہر ایک کا سینہ صاف ہوگا اور
 تمام جنتی ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور خوش اخلاقی سے پیش آئیں گے
 اگر دنیا میں کسی کو کسی دوسرے جنتی کے خلاف شکہ رنجی بھی تھی، تو وہاں پہنچ
 کر صفائی ہو چکی ہوگی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ پلٹھ سے گزر جانے
 کے بعد لوگوں کو پھر روک دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ اگر کسی جنتی نے
 کسی سے کوئی بدلہ لینا ہے تو ابھی لے لے کیونکہ جنت میں داخلے سے پہلے

ہر قسم کا بغض، عداوت اور دشمنی کو سینوں سے نکال لیا جائے گا۔
 پھر جنت میں نہ صرف یہ کہ کدورت کو نکال دیا جائے گا بلکہ تمام جنبی
 اِخْوَانًا اَبِیْ دَوْسُرٍ كَسْرُ كَسْرٍ سَا مَعًا بِجَانِبِیْنَ كَا سَا لُوكُ كَسْرٍ كَسْرٍ ، اور ان کی
 حالت یہ ہوگی عَلٰی سُرِّ مَقْتَبِلَیْنِ نَحْتُوْنَ بِرَا اَبِیْ دَوْسُرٍ كَسْرٍ كَسْرٍ اَمْنٌ
 سامنے بیٹھے ہوں گے۔ رحمت کے اُس مقام میں نفرت کی بجائے محبت
 اور دشمنی کی بجائے دوستی ہوگی۔ وہاں یہ کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں ہوگی
 اس کے علاوہ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَهَلْ یُرَانِیْنَ كُوْنِیْ تَحْكَادُ
 اِلكلیف نہیں پہنچے گی وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُحْرَجِیْنَ اور وہاں
 سے نکلے بھی نہیں جائیں گے۔ حدیث شریف میں آئے ہے کہ اللہ تعالیٰ
 جنتیوں سے فرمائے گا کہ یہاں پر تمہیں کوئی بیماری لاحق نہیں ہوگی، بلکہ ہمیشہ
 تندرست اور جوان رہو گے۔ دنیا میں ملنے والی ہر نعمت اور آسائش کے
 متعلق کھٹکا رہتا ہے کہ یہ چھن نہ جائے یا انسان خود اس سے مستفید ہونے
 کے قابل نہ ہے۔ مگر جنت میں جا کر ایسا کوئی خدشہ نہ ہوگا۔ وہاں پر نہ تو
 کوئی نعمت چھین جانے کا خوف ہوگا اور نہ کسی جنبی کے نکلنے کا
 خطرہ۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے انعامات کا ذکر کر کے ترہیب
 کے بعد ترغیب کا ذکر بھی کر دیا۔ گذشتہ درس میں منکرین کے لیے عذاب
 کی بات تھی اور اب اللہ کی رحمت کا ذکر بھی ہو گیا۔

خوف
امید

مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ مکی زندگی کے دوران ایک موقع پر حضور
 علیہ السلام بیت اللہ شریف کی طرف آئے تھے کہ جیب باب الی شیبہ
 کے قریب پہنچے تو وہاں صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی جو کسی بات
 پر ہنس رہے تھے، حضور علیہ السلام نے فرمایا، کیا بات ہے کہ میں تمہیں
 ہلٹے ہوئے دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آگے جہنم بھی ہے۔
 حضور علیہ السلام کی زبان سے یہ بات سن کر صحابہ سخت پریشان ہو گئے۔ پھر

جب آپ حلیم میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی نبی ﷺ
 عِبَادِیَ اِنِّیْ اَنَا الْعَفُوُّ الرَّحِیْمُ میرے بندوں کو تبتلا دو کہ میں بہت
 بخشش کرنے والا اور مہربان ہوں۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمادیں وَ اِنْ
 عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ کہ بیشک میرا عذاب بھی بڑا دردناک
 عذاب ہے مطلب یہ ہے کہ نہ تو اللہ کی بخشش اور رحمت سے بالکل
 مایوس ہی ہو جائیں کیونکہ وہ غفور اور رحیم ہے اور نہ ہی بالکل بے فکر ہو
 جائیں کیونکہ اس کا عذاب بھی بڑا شدید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان
 کا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہونا چاہیے اُسے اللہ کی رحمت
 کی امید بھی ہو اور اس کی سزا کا خوف بھی۔

ابراہیم علیہ السلام
 کے لیے
 خوشخبری

اب اللہ تعالیٰ نے اپنی دو شانوں یعنی رحمت اور غضب
 کو سمجھانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہانوں کا ذکر کیا۔ ارشاد
 ہوتا ہے وَ نَبَّيْنَاهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ مِیْرے
 بندوں کو ابراہیم علیہ السلام کے مہانوں کے متعلق بتلادیں اِذْ دَخَلُوْا
 عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا جِب وہ مہان ابراہیم علیہ السلام کے پاس
 آئے تو انہوں نے سلام کیا۔

اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے سلام کے
 جواب کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ سورۃ الذریت میں ہے "اِذْ دَخَلُوْا
 عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ" یعنی جب فرشتے ابراہیم
 علیہ السلام کے۔

پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا۔ تو اس کے جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے بھی
 سلام کہا۔ آگے یہ بھی آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام مہانوں کی خاطر مدارت کے لیے
 فوراً چلے گئے "فَجَاءُوْا بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ" اور پچھرا کا تلا ہوا گوشت لے آئے
 پھر جب دیکھا کہ مہانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں۔

قَالَ اِنَّا مَنَّكُمْ وَجَلَّوْنَا تَوَكَّنْتُمْ لَكُمْ فِي مَنَاسِكِكُمْ وَجَلَّوْنَا تَوَكَّنْتُمْ لَكُمْ فِي مَنَاسِكِكُمْ
 کہ رہے ہوں۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ جس شخص کو نقصان پہنچانا
 مطلوب ہوتا تھا، دشمن، چور یا ڈاکو اس کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔
 اسی بنا پر ابراہیم علیہ السلام کو بھی خوف محسوس ہوا تو فرمایا اَلَا تَوَكَّلْ
 مہمان کہنے لگے، خوف نہ کھاؤ اِنَّا نَبِيُّنَا اِنَّا نَبِيُّنَا اِنَّا نَبِيُّنَا اِنَّا نَبِيُّنَا
 ہم تمہیں علم والے بچے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ یہ خوشخبری حضرت اسحاق علیہ السلام
 کے متعلق تھی جو حضرت سارہ کے لطن سے پیدا ہوئے۔ اس سے پہلے
 حضرت ہاجرہ کے لطن سے اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق سورۃ
 الصافات میں ہے فَبَشِّرْهُ بِذُرِّيَّتٍ عَلِيمٍ ہم نے آپ کو
 بُدبار بیٹے کی خوشخبری دی۔ آپ کے علم کا واقعہ تاریخ میں موجود ہے
 کہ کس طرح انہوں نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ بہر حال
 حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام دونوں ہی اللہ کے ملیل القدر بنی
 تھے۔ بہر حال مہمانوں نے اپنا تعارف خود کر دیا کہ اُن سے ڈرنے کی
 ضرورت نہیں، وہ اللہ کے فرشتے ہیں اور آپ کو خوشخبری دینے کے
 لیے آئے ہیں۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ ان فرشتوں کی تعداد دس تھی
 جن میں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام بھی شامل تھے۔

ابراہیم کی
 حیرانگی

فرشتوں کی زبان سے خوشخبری کی بات سن کر ابراہیم علیہ السلام نے
 کہا قَالَ اَبْسَرْتُ مَوْنِي عَلٰی اَنْ عَمَّيْنِي الرَّكْبُوْنَ كَمَا تَمَّ مَجْهِي اِلَيْهِ
 وقت میں خوشخبری دے رہے ہو۔ جب، کہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو چکا ہے
فِيهِ تَبَشِّرُونَ تم مجھے کیسی خوشخبری سناتے ہو۔ مترجم، مفسر قرآن
 شاہ عبدالقادر محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ عالم اسباب میں انبیاء بھی اسباب
 کی بات ہی کرتے ہیں۔ آپ کی عمر مبارک سو سال ہو چکی تھی اور بیوی بھی
 بالکل تھی۔ تو ان حالات میں بیٹے کی خوشخبری پر اُن کی حیرانگی فطری امر تھا

اہم فرشتوں نے کہا قَالُوا بَشِّرْنَاكَ بِالْحَقِّ ہم آپ کو بالکل ٹھیک ٹھیک خوشخبری دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَاطِئِينَ لہذا آپ ناامیدوں میں سے نہ ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے جواب میں قَالَ فَرَمَا، يَا بَرِّ ایسی کی کوئی بات نہیں، کیونکہ وَمَنْ يَقْطَعْ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ اپنے پروردگار کی رحمت سے ناامید تو گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ کے نبی کبھی یایوس نہیں ہوتے۔ مگر ظاہری اسباب کی بنا پر حیرانگی ہوتی ہے کہ اس عمر میں یہ کیسے ممکن ہوگا۔

عالم اسباب میں رہ کر اسباب پر نگاہ تمام انبیاء علیہم السلام کا شیوہ رہا ہے۔ جنگ احد کے موقع پر حضور علیہ السلام آدھے نیچے دو زریں کمپن کر تشریف لائے جس سے امت کی تعلیم مقصود تھی کہ عالم اسباب میں اسباب ہی اختیار کرنے کا حکم ہے، اگرچہ فتح و شکست تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ان اسباب کو اختیار کرنے کے باوجود حضور علیہ السلام کو بڑی تکلیف پہنچی آپ گڑھے میں گر گئے، سر مبارک اور دانت زخمی ہو گئے۔ سورۃ یوسف میں موجود ہے کہ اللہ نے یعقوب علیہ السلام کی زبان سے بھی یہی کہلوا یا تھا۔ إِنَّكَ لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْرُ الْكَافِرُونَ اللہ کی رحمت سے تو کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ اور بے فکر ہو جانا بھی کفر کی بات ہے۔ اصل ایمان بین الخوف والرجاء یعنی خوف اور امید کے درمیان ہے۔ اپنے انبیاء کے متعلق بھی اللہ نے یہی فرمایا ہے يَدْعُونََنَا خَوْفًا وَطَمَعًا وہ ہمیں خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کو یہ تو پتہ چل گیا کہ ان کے دھماں اللہ کے پیچھے ہوئے فرشتے ہیں اور انہوں نے آپ کو اہل علم بیٹے کی خوشخبری بھی

دمی گریہ بھی ان کی آمد کے متعلق آپ مطمئن نہیں تھے۔ آپ کا قلب صافی
 گواہی دے رہا تھا کہ ان فرشتوں کے آنے کا کوئی اور مقصد بھی ہے چنانچہ
 قَالَ فَسَمِعَا خَطْبًا كَرِيمًا أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ كَمَا لَيْسَ يَحْسَبُ
 ہونے لگو! تمہارے آنے کا اصل مقصد کیا ہے۔ خطیب کا لغوی معنی کام
 یا حالت ہوتا ہے اور مراد یہ تھی تم کس کام کے لیے آئے ہو۔ قَالَ لَوْ
 إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَيْكُمْ قَوْمٌ مُّخْتَلِفِينَ كُنْتُمْ لَكُم مَجْرَمٌ قَوْمٌ
 کی طرف بھیجا گیا ہے۔ تاکہ ان کو ان کے بڑے عمل کی سزا دی جاسکے
 اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کی تباہی کا حال تو ذکر نہیں کیا، البتہ کنایہ سے
 ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے فرشتے اُس بہشت قوم کو صغیرا ہستی سے مٹانے
 کے لیے آئے تھے۔ یہاں پر لوط علیہ السلام کے گھر والوں کا ذکر ہے کہ
 آپ کی بیوی کے سوا باقیوں کو عذاب الہی سے بچایا جائے گا۔
 فرمایا ہم مجرم کو سزا دینے کے لیے آئے ہیں إِلَّا آلَ لُوطٍ سِوَاكَ
 لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے۔ إِنَّا كُنْمَنَّا جُوهَرًا أَجْمَعِينَ
 تحقیق ہم سچانے والے ہیں ان سب کو۔ إِلَّا امْرَأَتَكَ سوائے
 ان کی بیوی کے قَدْ دَرْنَا ہم نے اعزازہ کر لیا ہے۔ عطر لیا ہے یا ہم
 جانتے ہیں إِنَّهَا كَمَنْ الْعَبْرِيِّنَ کہ وہ پیچھے ہٹنے والوں میں ہوگی
 وہ مجرم قوم کے ساتھ ہی بستی میں رہ جائیگی اور عذاب کا شمار ہوگی جب
 کہ باقی اہل خانہ آپ کے ساتھ بستی سے نکل جائیں گے اور عذاب الہی
 سے بچ جائیں گے۔ سورۃ ہود میں تفصیلات موجود ہیں کہ ہم نے
 لوط علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کو بستی سے نکل
 جائیں اور پیچھا نہ کرے نہ دیکھیں۔ چنانچہ اہل خانہ میں سے آپ کی بیوی ہی
 نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر اس کا حشر بھی نافرمان قوم کے ساتھ ہی ہوا
 اللہ نے فرمایا ہم نے ان کی پوری بستی کو الٹ دیا اور اوپر سے پھرتوں

کی بارش بھی کی جس سے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ یہی مضمون اگلے رکوع میں
 میں بھی آ رہا ہے۔ سورۃ تحریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مثال بیان
 فرماتے ہوئے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیوی کا ذکر کیا ہے کہ
 وہ دونوں دو صالح بندوں کے گھروں میں تھیں مگر انہوں نے خیانت
 اور نافرمانی کی تو باقی قوم کے ساتھ ہی جہنم واصل ہوئیں۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی دونوں شانوں یعنی رحمت اور غضب
 کا اظہار فرمایا ہے۔ اللہ نے اپنی رحمت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کو وہ اولاد نصیب فرمائی جس کا عظیم سلسلہ آگے چلا۔ یہ اس کی مہربانی کی
 شان تھی اور ادھر ایک مجرم قوم کو صفحہ اہستی سے ناپید کر دیا اور یہ اس کی
 غضب کی شان ہے۔

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ مِنَ الْمُرْسَلُونَ ﴿۶۱﴾ قَالَ إِنَّكُمْ
 قَوْمٌ مُّسْكِرُونَ ﴿۶۲﴾ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا
 فِيهِ يَمَاتُرُونَ ﴿۶۳﴾ وَأَتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا
 لَصَادِقُونَ ﴿۶۴﴾ فَاسْرِبْ بِأَهْلِكَ يَقْطَعُ مِنَ اللَّيْلِ
 وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ
 وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ
 ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَهُمْ أَوْلَاءٌ مَّقْطُوعٌ مَّصْبِحِينَ ﴿۶۶﴾
 وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۶۷﴾ قَالَ
 إِنَّ هَؤُلَاءِ ضِيفِي فَلَآ تَفْضَحُونِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا
 تُخْرُؤِينَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا أَوْلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ :- پس جب آئے لوط (علیہ السلام) کے گھر
 بھیجے ہوئے ﴿۶۱﴾ تو کہا (لوط علیہ السلام نے) بیشک تم
 لوگ کچھ اُدپرے کے معلوم ہوتے ہو ﴿۶۲﴾ کہا انہوں نے
 (نہیں) بلکہ ہم لانے ہیں آپ کے پاس وہ چیز
 جس میں یہ لوگ جھگڑا کرتے ہیں ﴿۶۳﴾ اور لانے ہیں
 ہم آپ کے پاس سچی بات اور بیشک ہم سچے
 ہیں ﴿۶۴﴾ پس اپنے گھر والوں کو لے کر نکل

جائیں رات کے حصے میں ، اور آپ اُن کے پیچھے
 رہیں ، اور نہ پٹھ کر دیجئے تم میں سے کوئی بھی ۔ اور
 چلو جہاں پر تم کو حکم دیا جاتا ہے (۶۵) اور ہم نے فیصلہ
 کیا اُس کی طرف اس محلے کا کہ بیشک ان لوگوں کی جڑ
 کاٹی جائے گی اس حال میں کہ یہ صبح میں ہوں گے (۶۶)
 اور اُنے شہر والے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے (۶۷)
 تو کہا لوط (علیہ السلام) نے کہ بیشک یہ میرے مہمان ہیں
 پس نہ رسوا کرو تم مجھے (۶۸) اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور
 مت بے آبروئی کرو (۶۹) وہ کہنے لگے ، کیا ہم نے تمہیں
 نہیں روکا تھا جہاں والوں کی حمایت سے (۷۰)

ربط آیات

پہلے اللہ نے شیطان کا اتباع کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا اور پھر متقی
 لوگوں کے انعامات کا ذکر کیا۔ پھر اللہ کی دونوں شانوں یعنی رحمت اور غضب
 کی بات ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے واقعہ میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی
 ہیں۔ ایک طرف ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔ انہیں
 نئی نسل کے قیام کے لیے ایک عظیم بیٹے کی بشارت دی جا رہی ہے، اور دوسری
 طرف ایک پوری قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی بات ہو رہی ہے۔

کل کے درس میں اللہ کے فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس
 آکر بیٹے کی خوشخبری سنانے کا ذکر تھا اور ساتھ انہوں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ قوم لوط
 پر عذاب لانے کے لیے آئے ہیں اور یہ بھی کہ وہ لوط علیہ السلام کے گھر والوں
 بھوکھو بچا لیں گے ، البتہ آپ کی بیوی پوری قوم کے ساتھ ہی ہلاک ہو گی۔ اب آج
 کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لوط علیہ السلام کے پاس آنے کا واقعہ
 بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو مہمان سمجھ کر ان کی عزت افزائی کرنا چاہی

مگر قوم اپنے شیع فعل پر مصر ہوئی۔ ان آیات میں واقعاتی لحاظ سے کچھ تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے۔ واقعہ کے تسلسل کے لحاظ سے آیت ۶۱ کے بعد آیات ۶۲ تا ۶۷ کی تشریح ہوگی اور اس کے بعد آیت ۶۲ تا ۶۶ کا بیان ہوگا، انشاء اللہ۔

فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے کے بعد اللہ کے یہ دس فرشتے جن میں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام بھی شامل تھے، حضرت لوط علیہ السلام کی جائے قیام سدوم بستی کی طرف چل دیے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ مِنَ الْمُرْسَلُونَ ○ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّسْكِرُونَ ○ جب اللہ کے بھیجے ہوئے یعنی فرشتے لوط علیہ السلام کے گھر آئے تو لوط نے کہا کہ تم لوگ کچھ اور پے سے معلوم ہوتے ہو۔ یہ نوجوان اور حسین و جمیل لڑکوں کی شکل میں تھے۔ لوط علیہ السلام نے انہیں انسان ہی سمجھا، کیونکہ غیب دان تو نہیں تھے۔ غیب کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ لوط علیہ السلام کو ان کے ہمان ہونے میں کوئی شک بھی نہیں تھا۔ کیونکہ بستی میں پہنچ کر فرشتوں نے آپ ہی کے گھر کا پتہ پوچھا تھا۔ لہذا ان کی ہمانداری کا حق ادا کرنا بھی ضروری تھا۔ ہمان نوازی کیلئے بھی ملت ابراہیمی کا ایک اہم اصول ہے اور اسی لیے خود ابراہیم نے بھی ان ہمالوں کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ انہوں نے ان کے لیے فوراً نئے ہوئے کچھڑے کا گوشت پیش کر دیا تھا۔ مگر انہوں نے نہ کھانا تھا، لہذا نہ کھایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے مَنْ لَوَّ بِكَرْمٍ ضَيَّفْنَا فَلَيْسَ مِنَّا جو شخص ہمان کی ہمان نوازی نہیں کرتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ چنانچہ شریعت نے ہمان نوازی کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں کہ اجنبی کی ہمان نوازی تین دن تک کی جا سکتی ہے۔ اس میں ایک دن رات کا پہنکھٹ کھانا بھی شامل ہے۔ اگر کوئی میزبان کسی ہمان کو تین دن سے

زیادہ بھٹرائے تو یہ اُس کی طرف سے صدقہ ہوگا۔ اگر خدمت کر سکتا ہے تو کرے، ورنہ اس پر کوئی ملامت نہیں ہوگی۔ البتہ خاص دوست احباب یا رشتہ دار وغیرہ تین دن سے زیادہ بھی قیام کر سکتے ہیں۔ بہر حال مہمان کی عزت افزائی ضروری ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کے اخلاق سے واقف تھے، لہذا اُن کے نزدیک ایسے خوش وضع مہمانوں کی خاطر مہارت سے اُن کی عزت و ناموس کی حفاظت زیادہ ضروری تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کو جو تشویش لاحق ہوئی اُس کا ذکر سورۃ ہود میں بیان ہو چکا ہے ”سَيِّئًا يٰٓهٰمْ وَصٰٓقًا يٰٓهٰمْ ذَرَعًا ۗ فَاَلٰ هٰذَا يَوْمٌ عَصٰٓيْبٌ“، آپ بہت پریشان ہوئے اور فرمایا آج بڑا مشکل دن آگیا ہے۔ آپ کو فکر اس بات کی تھی کہ قوم کے لوگوں سے مہمانوں کی حفاظت کیسے کریں گے؟ یاد ہے کہ بجز ملکیت کے کنارے جاں یہ قوم آباد تھی وہاں ان کی پانچ چھ بڑی بڑی بستیاں تھیں جن میں سدوم سب سے نمایاں تھی امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس قوم کی کل آبادی چار لاکھ سے زیادہ تھی لوط علیہ السلام کو اسی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا، یہیں آپ نے شادی کی، آپ کے ہاں بچپاں بھی پیدا ہوئیں جو آپ پر ایمان لائیں مگر آپ کی بیوی آپ پر ایمان نہ لائی اور منافقہ کی طرح آپ کے ساتھ ہی رہی۔ حقیقت میں وہ اپنی قوم کے مذہب پر ہی تھی۔

ادھر لوط علیہ السلام تو پریشان ہو رہے تھے اور ادھر جب اہل بستی کو اس قوم کے مہمانوں کی آمد کی خبر ہوئی و جَاءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ شَرِّكَهٖ لَوْ كُنُوْا عٰرِفِيْنَ ہوتے ہوئے اُن کے خلاف وضع فطری فعل کے عادی لوگوں کو خوشی ہو رہی تھی کہ وہ اپنے مذموم فعل کی تکمیل کر سکیں گے۔ اس بیماری کے موجد بھی دراصل یہی لوگ تھے۔ سورۃ اعراف میں گمز چکا ہے ”مٰا

اہل بستی کی
اخلاقی بستی

سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعُلَمَاءِ پوری دنیا میں ان سے پہلے یہ قباحت کسی قوم میں نہیں پائی جاتی تھی۔ ان لوگوں کی شرم و حیا بالکل ختم ہو کر ان کی فطرت ہی مسخ ہو چکی تھی۔ ان کی اخلاقی پستی کا حال اللہ نے سورۃ العنکبوت میں اس طرح بیان فرمایا ہے "وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ الْمُنْكَرُ" اپنی مجلسوں میں بہت بڑی باتیں کرتے تھے مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ ان کی ایک یہ بھی بڑی خصلت تھی کہ کوئی مہمان آجاتا ہے تو اس کی عزت افزائی کی بجائے اُس کا سامان چھین لیتے اور اگر وہ فریاد کرتا تو مار مار کر بستی سے نکال دیتے۔ ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بڑی بیوی سارہ نے خادم کو بھیجا کہ وہ لوط علیہ السلام کی خبر لائے۔ دریاں سپنچا تو دیکھا کہ سدومی لوگ کسی دوسرے مسافر کو پیٹ رہے ہیں۔ جب اُس خادم نے مداخلت کی تو اُس کو بھی پتھر مار مار کر مذخمی کر دیا۔ بہر حال یہ قوم بے حیائی میں انتہا کو پہنچ چکی تھی مہمانوں کو دیکھ کر وہ لوط علیہ السلام کے گھر پر جمع ہونے لگے۔ بائبل میں تو صراحتاً مذکور ہے کہ اُن لوگوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ شہرت رانی کے لیے ان مہمانوں کو چارے حوالے کر دو۔

لوط علیہ السلام
طرف سے
دفاع

جب لوط علیہ السلام نے قوم کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا "قَالَ اِنَّ لَهٗؤُلَاۤءِیْ ضِیْفِیْ فَرِیَاۤءُ ظَالِمُوْنَ" یہ تو میرے مہمان ہیں۔ ان پر درست درازی کر کے فَلَا تَفْضَحُوْنَ تم مجھے رسوا نہ کرو۔ اس کی بجائے فَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈر جاؤ وَلَا تَخْزُوْا اللّٰهَ اور مجھے حقیر نہ بناؤ۔ اگر میرے مہمانوں کے ساتھ زیادتی ہوئی تو میری کیا عزت رہ جائیگی۔ قوم نے اس بات سے کوئی اثر قبول نہ کیا بلکہ قَالُوْۤا كَسْنٰكَ اَوْلَکُمْ نُنْهٰکُمْ عَنْ الْعُلَمَاءِ کیا ہم نے تمہیں جہاں بھر کی حمایت سے نہیں روکا تھا؟ جب بھی لوط علیہ السلام ان کو بڑی حرکات سے منع کرتے، انہیں ظلم و

تعدی کرنے سے روکتے، تو وہ کہتے کہ تم اجنبی لوگوں کو اپنے ہاں پناہ دیتے ہو، بیرونی لوگوں سے ساز باز کرتے ہو اور پھر ان کی مدد کرتے ہو۔ لہذا ہم نے آپ کو کئی بار منع کیا ہے کہ آپ بلاوجہ لوگوں کی حمایت نہ کیا کریں۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ جب لوط علیہ السلام قوم کے لوگوں کو ہم جنسی جیسے فعلِ بد سے منع کئے، تو وہ کہتے، انہیں اپنی بستی سے نکال دو اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ یہ بڑے پاکیزہ لوگ بنے پھرتے ہیں، کسی پاک بستی میں چلے جائیں۔ بہر حال قوم نے لوط علیہ السلام کی کوئی بات نہ مانی اور مہمانوں پر قابو پانے کے لیے دیلاریں پھیلانگنا اور دروازے توڑنا شروع کر دیے۔ سورۃ قمر میں "وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِہٖ فَطَمَّنَا اَعْيُنَہُمْ فَذَوْقُوْا عَذَابًا وَ نَذْرًا لِّمَنْ جِب اَنْہُوْنَ نے مہمانوں کو لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں اور کہا کہ اب میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ بہر حال لوط علیہ السلام اپنے مہمانوں کا ہر ممکن دفاع کر رہے تھے، لوگوں کو زبان سے سمجھا رہے تھے مگر مہمان بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ "اِنَّکُمْ قَوْمٌ مُّشْکِرُوْنَ" کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ لوط علیہ السلام نے مہمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم عجیب لوگ ہو۔ میں ان برعاشوں سے تمہارا دفاع کر رہا ہوں مگر تم میری کوئی مدد نہیں کرتے۔

فرشتوں کی مداخلت

جب لوط علیہ السلام مہمانوں کا دفاع کرتے کرتے، بہت ہی تنگ ہو گئے، آپ کی پریشانی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تو پھر مہمانوں نے مداخلت کی۔ لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ پیچھے ہٹ جائیں، ہم فرشتے ہیں اور ان برعاشوں سے خود ہی نپٹ لیں گے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے ذرہ سا پتہ بلایا تو جیسا کہ پہلے عرض کیا، اللہ نے فرمایا "قَطَمْنَا اَعْيُنَہُمْ" (قم) ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں

مگر اس کے باوجود وہ دیواریں پھلانگنے کی کوشش کرتے ہے۔ یہ لوگ مسوخی
الغفرت ہو چکے تھے۔ سیرو و نصاریٰ کی فطرت تو معکوس ہو چکی ہے، مگر
قوم لوط کی فطرت بالکل ہی مسخ ہو چکی تھی۔

بہر حال اب فرشتے کھل کر سامنے آگئے قَالُوا بَلْ جِنَّاتِكُمْ
بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ، کہنے لگے، اے لوط علیہ السلام
ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس کے متعلق یہ لوگ جھگڑا کرتے
تھے۔ یہ لوگ خدا کے عذاب کا انکار کرتے تھے اور آپ سے جھگڑتے
تھے۔ اب ہم ان کے لیے عذاب لے کر آئے ہیں۔ وَأَقْبَلَكُمُ
بِالْحَقِّ اور ہم آپ کے پاس سچی بات لائے ہیں وَأَنَا لَصَدِيقُونَ
اور بیشک ہم سچے ہیں۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ
فکر نہ کریں، یہ لوگ آپ تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے، ہم تک سیکے
پہنچیں گے۔

بتحست
خریج کا
حکم

اب قوم پر عذاب کا وقت قریب آرہا تھا۔ فرشتوں نے
اللہ کے حکم سے لوط علیہ السلام سے کہا فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ
الَّيْلِ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کچھ حصے میں نکل جائیں
وَاتَّبِعْ أَزْوَاجَهُمْ اور آپ ان کے پیچھے رہیں یعنی اپنے گھر
والوں کو اپنے لگے لگے چلائیں۔ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ
اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے۔ وَأَقْبَصُوا حَيْثُ تَوَدُّونَ
اور جاؤ جہاں تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔ بائبل میں ذکر ہے کہ آپ کو زمر نامی
بستی میں چلے جانے کا حکم ہوا تھا۔ اہلکل تو اس بستی کا نام و نشان تک
باقی نہیں، آہم لوگ کہتے ہیں کہ یہ بستی بحر میت کے جنوب میں واقع تھی۔
بائبل کی روایت میں ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام جب سدوم سے نکلے تو
ان کے اہل خانہ میں سے ان کی بیوی بھی شامل تھی، مگر اس نے حکم خداوندی

کے خلاف پیچھے ہٹ کر دیکھ لیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُسے اُسی وقت پتھر میں تبدیل کر دیا۔ یہ روایت قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ البتہ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی بیوی آپ کے ساتھ روانہ ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ قوم کے ساتھ بستی میں ہی رہ گئی تھی۔ آپ کے ساتھ صرف بچیاں تھیں۔ ان کے علاوہ کوئی فرد ہو تو اس کا ذکر نہیں ملتا۔ پیچھے ہٹ کر نہ دیکھنے میں یہ حکمت تھی کہ قوم پر عذاب آ رہا تھا اور دیکھنے والا بھی کہیں اُس کی زد میں نہ آجائے۔

اللہ نے فرمایا وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَلِكَ الْأَمْرَ هَمَّ نَ لَوْطَ عَلَيْهِ
 کے سامنے اس بات کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اور آپ کو اس سے اسگاہ کہ
 دیا تھا اِنَّ دَابِرَهُمْ اَوْ اَدْرَاۤءَ مَقْطُوْعٍ مُّصْبِحِيْنَ کہ ان لوگوں کی
 جبر کاٹ دی جائیگی اس حال میں کہ یہ صبح میں ہونگے۔ جب لوط علیہ السلام
 کے راتوں رات بستی سے نکل جانے کے بعد اگلی صبح طلوع ہوگی تو
 پوری قوم کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ واقعہ کا باقی حصہ اور عذاب کی
 تفصیل اگلی آیات میں آ رہی ہے۔

عذاب کا
 فیصلہ

ربما
سورہ نم ۹

الحجر ۱۵
آیت ۷۱ تا ۷۹

قَالَ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ﴿٤١﴾ لَعَمْرُكَ
إِنَّهُمْ لَكِنِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٤٢﴾ فَأَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ مَشْرِقِينَ ﴿٤٣﴾ فَجَعَلْنَا عَلَيْهَا سَافِلَهَا
وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَابًا مِّنْ سَجِيلٍ ﴿٤٤﴾ إِنَّ
فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿٤٥﴾ وَإِنَّهَا لَكَيْبِيلٌ
مُّقِيمٌ ﴿٤٦﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾
وَلَوْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ظَالِمِينَ ﴿٤٨﴾
فَأَنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٤٩﴾

تقرآن
۱۵

ترجمہ:- کہا (لوط علیہ السلام نے) یہ میری بیٹیاں ہیں،
اگر تم کو کچھ بات کرنی ہے ﴿۴۱﴾ (اے پیغمبر) آپ کی
عمر کی قسم وہ لوگ اپنی بہتی میں اندھے ہو رہے تھے ﴿۴۲﴾
پس پکڑا انکو ایک بچھ نے سوج نکلتے وقت ﴿۴۳﴾ پس کر دیا
ہم نے ان بتیوں کے اوپر والے حصے کو نیچے اور برائے
ہم نے ان کے اوپر پتھر کھنڈ کے ﴿۴۴﴾ بیشک اس میں
البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو دھیان کھتے
ہیں ﴿۴۵﴾ اور بیشک یہ بتیاں البتہ آباد شاہراہ پر ہیں ﴿۴۶﴾
بیشک اس میں نشانی ہے ایمان والوں کیلئے ﴿۴۷﴾ اور تحقیق
شان یہ ہے کہ تھے ایچ والے البتہ ظلم کمنے والے ﴿۴۸﴾ پس ہم نے
ان سے انتقام لیا۔ اور تحقیق یہ دونوں بتیاں البتہ ایک واضح

راتے پر واقع ہیں ﴿۹﴾

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ لوط علیہ السلام مہمانوں کے بارے میں قوم سے لجاجت کر رہے تھے کہ خدا کے لیے مجھے رسوا نہ کرو، میرے مہمانوں کی بے آبروئی نہ کرو۔ مگر لوگوں نے کہا کہ تم خواہ مخواہ اجنبی لوگوں کو اپنے گھر میں بٹھراتے ہو۔ ہم تمہیں منع کر چکے ہیں کہ جہان والوں میں سے کسی کی بھی حمایت نہ کیا کرو، غرضیکہ بد معاش قوم نے اپنے قبیح فعل کے جواز کے لیے اٹا حضرت لوط علیہ السلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ اب لوط علیہ السلام نے قوم کے لوگوں کو دوسرے طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ یہ ناپاک کام نہ کرو، اس کی بجائے قال لھو لک عیر میری بیٹیاں ہیں ان کتھو فوعیلین اگر تم کچھ کہنا ہی چاہتے ہو، مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کرنا چاہتے ہو تو میری بیٹیاں حاضر ہیں، مگر ان مہمانوں کو نظر بد سے نہ دیکھو۔

لوط علیہ السلام
کی پیش کش

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی طرف سے اپنی بیٹیوں کی پیش کش نکاح کے لیے تھی، نہ کہ کسی ناجائز نشست رانی کے لیے کیونکہ اللہ کا نبی کسی کو گناہ کی دعوت نہیں دے سکتا۔ دوسری بات جسے عام مفسرین تسلیم کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ لوط علیہ السلام کی "میرری بیٹیوں" سے مراد قوم کی بیٹیاں تھیں کیونکہ قوم کی ساری عورتیں پیغمبر کی بیٹیاں اور پیغمبر بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ بہر حال اللہ کے نبی نے اپنی قوم کو جائز کام کسی دعوت دی۔ قوم ہم جنسی جیسا غیر فطری کام کرنا چاہتی تھی، حالانکہ یہ فعل تو جانوروں میں بھی نہیں پایا جاتا چہ جائیکہ انسان جیسی اعلیٰ وارفع مخلوق اس فعل کا ارتکاب کرے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ تمام جانوروں میں سے صرف بندروں میں یہ قبیح خصلت پائی جاتی ہے، ان کے علاوہ کسی جانور میں نہیں

پائی جاتی۔

ہم جنسی
کی سزا

فقہائے کرام نے زنا اور ہم جنسی کے تقابل میں سبب کی ہے قرآن پاک میں دونوں افعال کو فحش کہا گیا ہے۔ دونوں ہی طسریقے شہوت رانی کا ذریعہ ہیں مگر فرق یہ ہے کہ زنا میں یہ تعلق مخالف جنس سے قائم کیا جاتا ہے جو کہ فطری امر ہے اور قانون توڑنے کی بنا پر فحش بنا ہے۔ مگر ہم جنسی تو ہے ہی خلاف فطرت کام، لہذا اس کو بھی فحش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس بارے میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے کہ آیا زنا کی طرح رطبت کے جرم میں بھی حد جاری ہوگی یا نہیں۔ زنا کی حد یہ ہے کہ شادی شدہ جوڑے کو نکسا کر کیا جاتا ہے اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگتے ہیں۔ چنانچہ بعض آئمہ اس فعل کو زنا کے مساوی قرار دیکر اس کے متعلقین پر بھی حد جاری کرنے کے حق میں ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے آئمہ فرماتے ہیں کہ ہم جنسی زنا کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ یہ قابلِ تعزیر جرم ہے جس کی سزا قید و بند سے لے کر سزائے موت تک ہو سکتی ہے تاہم امام ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سزائے موت کے قابل ہیں فرماتے ہیں کہ ایسے مجرم کو کسی بلند میار پر چڑھا کر نیچے پھینک دیا جائے یا کسی دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اوپر دیوار گرا دی جائے، گویا اس فحش عمل پر عبرتناک سزا یعنی چاہیے جیھی تو لوط علیہ السلام قوم سے کہتے تھے: "إِنَّكُمْ لَعَمَلِكُمْ مِتَّ الْفَالِئِينَ" (الشعراء) اے لوگو! میں تمہارے عمل سے سخت نفرتی ہوں۔

چونکہ قنائے شہوت، بنی نوع انسان پر مسلط کی گئی ہے، لہذا اس کو فرو کرنے کے لیے ہماری شریعت کا حکم یہ ہے کہ شہوت رانی جائز نہیں "الْأَعْيَا أَزْوَاجَهُمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ" (المومنون) سوائے اپنی بیویوں اور نوذیبوں کے ساتھ۔ پہلے زمانے میں نوذیبی کا رواج

عام تھا اور اب ڈیڑھ دو صدی سے بالکل ختم ہو چکا ہے، لہذا اب قضائے شہوت کا جائز طریقہ صرف منکوحہ بیوی ہی رہ گیا ہے۔ فرمایا وَصَبْتُ ابْتَغِي وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعُدُونَ (المؤمنون) جو کوئی اس کے علاوہ دوسرا راستہ تلاش کرے گا، تو وہ تعدی کرنے والا ہوگا۔

اسی اصول کی بنا پر شہوت رانی کے دوسرے طریقے بھی ناجائز ہیں مثلاً مشیت زنی کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ اپنی منکوحہ بیوی سے مکروہ مقام پر وطی کرنے کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے مَثُ أَثَابِ امْرَأَةٍ فِي ذُبُوبِهَا أَوْ جَاءَ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا نَزَلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جو کوئی بیوی سے خلاف وضع فطری فعل کرے گا یا کاهن کے پاس جائے گا، تو اس نے گویا شریعت محمدی کا انکار کر دیا۔ اب چونکہ قضائے حاجت کی ایک ہی صورت یعنی نکاح باقی رہ گئی ہے۔ اس لیے شریعت نے نکاح کو آسان تر بنایا ہے۔ نکاح کے معاملہ میں جتنی آسانی ہوگی اتنا ہی بہتر ہے۔ اس میں جہیز اور زیور کی پابندیاں عائد کرنا سخت ناجائز ہے۔ بہر حال لوط علیہ السلام نے قوم کے لوگوں سے کہا کہ قضائے حاجت کے لیے قوم کی لڑکیاں موجود ہیں، ان سے نکاح کرو اور غلط طریقہ اختیار نہ کرو، کہ یہ خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے جملہ معترضہ کے طور پر فرمایا ہے لَعَمْرُكَ
 آپ کی عمر یعنی آپ کی جان کی قسم انہم کفی سکرۃتہم
 یعمہم ہون بيشک وہ لوگ اپنی برستی میں مدبوش، سرگردان اور اندھے
 ہوئے تھے۔ ان پر اس فعل بد کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ کوئی بات
 سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ کہنے لگے مَا كَانِي بِنَبِيِّكَ مِنْ

حَقٌّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ (ہود) ہمیں تیری بیٹیوں سے کوئی سزا کار نہیں، بلکہ تم جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ یعنی ہم تو تمہارے ہمانوں کو حاصل کر کے انہی سے فضلے حاجت کریں گے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی قسم اٹھائی ہے حالانکہ کسی مخلوق کے لیے غیر اللہ کی قسم اٹھانا بالکل ناجائز ہے۔ قسم صرف اللہ کے نام اور اس کی صفات کے ساتھ ہی اٹھائی جا سکتی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے، وہ جس کی چاہے قسم اٹھائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قسم اٹھانے کی بہت سی مثالیں قرآن پاک میں موجود ہے، جیسے وَاللَّيْلِ وَاللَّيْلِ وَاللَّيْلِ قَسَمٌ ہے انجیر کی اور زیتون کی۔ "لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْقَلْبِ" شہر مکہ کی قسم ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم پر مخلوق والی قسم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مخلوق کے کسی چیز کی قسم اٹھانے سے اس چیز کی حد درجہ تعظیم مراد ہوتی ہے، اور یہ سولے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے روا نہیں۔ اگر کوئی یا کو لگا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ أَقْسَمَ لَعْنَتِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ جس نے غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھائی، اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔ اور اگر کوئی شخص قسم سے متعلقہ چیز کی خدا جیسی تعظیم نہیں بھی کرتا تو پھر بھی یہ شرک والی شکل و صورت تو ہے، لہذا اس سے بچنا چاہیے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، صرف اللہ کے نام کی قسم اٹھاؤ۔ ورنہ خاموش رہو۔ کسی طاغوت، نبی، ولی، جن، فرشتہ، ماں باپ یا کسی عزیز کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے خود کسی مخلوق کی قسم اٹھانے کا تعلق ہے تو اس سے مراد اس چیز کو محض بطور گواہ پیش کرنا ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد کی جان سے زیادہ عزیز کسی جان کو پیدا نہیں کیا۔ لہذا اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کی قسم اٹھا کر بات کی ہے۔

الغرض! قوم نے لوط علیہ السلام کی کسی نصیحت پر کان نہ دھرا۔
 بلکہ اپنی ضد پر اڑے گئے، لہذا خدا تعالیٰ کی گرفت کا وقت قریب آچکا
 تھا۔ ارشاد ہوتا ہے فَاخَذَ تَهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ پس پتھراؤں
 کو صبح نے سورج نکلنے کے وقت۔ اللہ نے کئی قسم کی سزاؤں نازل فرمائیں جن
 کا ذکر مختلف مقامات پر آتا ہے۔ سخت خوفناک آواز کے علاوہ ان پر
 پتھر بھی برسائے گئے اور حس خطا رضی میں وہ قوم آباد تھی اللہ نے اُس لئے
 خطہ کو الٹ دیا۔ فَرِيًّا جَعَلْنَا آعَالِيَهَا سَافِلَهَا ہم نے اس کے
 اوپر والے حصے کو نیچے اور نیچے والے حصے کو اوپر کر دیا۔ وَأَمْطَرْنَا
عَلَيْهِمْ حِجَابًا مِّن سَاجِدٍ اور ان پر گھنٹے کی قسم کے پتھروں
 کی بارش کی۔ تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے عین سزاؤں کا ذکر کیا ہے ایک
 تو زبردست جمع آئی جس سے ان پر دہشت طاری ہوئی کہ ان کے
 دل پھٹ گئے۔ اللہ نے ان کی ساری بستیوں کو آسمان کے قریب تک
 اٹھا کر الٹ دیا، اور پھر ان پر پتھر بھی برسائے۔ ہر پتھر پر اُس شخص کا نام
 لکھا ہوا تھا جسے ہلاک کرنا مقصود تھا۔ اس طرح چار لاکھ سے زیادہ
 آبادی کی یہ بشتیاں آنا فنا صنفی ہستی سے مٹ گئیں۔

مذہب

ارشاد ہوتا ہے إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَكِّلِينَ
 بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے
 لیے۔ تو ہم کا معنی تازنا، دیکھنا، دھیان کرنا اور غور کرنا ہے۔ اصل میں
 یہ لفظ کسی علامت کے مشابہے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور
 یہاں پر فراست کے معنوں میں آیا ہے۔ فراست ایک قسم کی دانائی اور
 اور زیرکی کا نام ہے جس کے ذریعے غور و فکر کرنے سے انسان کو بعض
 چیزیں معلوم ہوجاتی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے اتَّقُوا مَدِينَةَ
فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ ایک روایت،

میں بتوفیق اللہ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مومن کی فرست سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نوریہ اس کی توفیق سے بعض چیزیں دیکھ لیتے۔

امیر عبدالرحمن، امیر امان اللہ خان والی کابل کے دادا تھے۔ بادشاہ وقت اور صاحب علم آدمی تھے، آپ نے تاریخ کی کتاب بھی لکھی ہے۔ ان کے متعلق حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ آپ کے نزدیک کشف اور فرست میں اسی قدر فرق ہے جس قدر ٹیلیفون اور ٹیلیگرام (آر) میں جب ٹیلیفون پر بات ہوتی ہے تو اس میں صریح الفاظ کا تبادلہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آٹے سے مٹھے کو گفتگو کی جاتی ہے۔ البتہ ٹیلیگرام ایک ایسا ذریعہ مواصلات ہے جس میں ٹیکٹ ایک کی صرف آواز ہوتی ہے، اور پیغام وصول کرنے والے ان آوازوں کو الفاظ کا جامہ خود پہناتا ہے۔ تو گویا صاحب فرست آدمی بعض اشارات سے بات کا مضمون خود سمجھتا ہے۔ صاحب تفسیر حسینی لکھتے ہیں کہ مشائخ نقشبندیہ میں سے ایک اونچے درجے کے بزرگ خواجہ عبدالرحمن مجلس میں بیٹھے معرفت کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک نوجوان آدمی مجلس میں آیا جس نے درویشوں کا خرقہ پہن رکھا تھا اور کندھے پر مصلیٰ تھا۔ جب مجلس ختم ہوئی تو وہ درویش فرس نوجوان خواجہ صاحب کے قریب ہوا، اور پوچھا حضرت ! اَللّٰهُمَّ اِفْرَاسَةَ الْمَوْصِنِ وَالِیْ حَدِیْثِ كَاکِیَا مَطْلَبِ ہے؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث کی حقیقت یہ ہے کہ تم نے جو زمار پہن رکھا ہے، اسے توڑ دو اور ایمان قبول کر لو۔ اس پر پہلے تو اس شخص نے انکار کیا، مگر جب اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے جسم کے ساتھ زمار بندھا ہوا ملا۔ چنانچہ اس شخص نے اقرار کیا کہ وہ مجوسی ہے اور خواجہ صاحب کی آزمائش کے لیے آیا تھا۔ اس نے

خواجہ صاحبؒ کی اس فرست کو کرامت پر محمول کیا، اور زناہ توڑ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ خواجہ صاحب نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ دیکھو! اس نو مسلم شخص نے ظاہری زناہ کو توڑ دیا ہے، آدم سب مل کر توبہ کریں اور باطنی زناہ کو بھی توڑ دیں۔ اس پر مجلس میں شور اٹھا اور سب نے توبہ کی۔ مطلب یہ ہے کہ خواجہ صاحب نے اپنی فرست سے اُس شخص کو سچا ن لیا تھا کہ یہ مجوسی ہے۔

نشاناتِ
عبرت

اللہ نے فرمایا کہ صاحب فرست لوگ مجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو اُن کے جرم کی کیسی عبرت ناک سزا دی۔ ہر فرد اور قوم کو جان لینا چاہیے کہ اگر اس قسم کے جرائم ان میں بھی ہوں گے تو وہ بھی عذاب الہی سے نہیں بچ سکیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِنَّهَا لِبِسْبِيلِ الْمُفْسِدِ وَادِّعَاءِ رَبِّكَ البتہ آباد شاہراہ پر واقع ہیں۔ یعنی عبرت کے نشانات ایسے راستے پر ہیں جہاں لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ اسی لیے ان میں مومنوں کے لیے بھی نشانی ہے۔ جب وہاں سے گزرتے ہیں اور ان لمبتیوں کے گھنڈرات کو دیکھتے ہیں تو انہیں بھی عبرت حاصل کر کے ایسی برائیوں سے بچنے کی کوششوں کو فی چاہیے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے باغیوں کو کیسی عبرت ناک سزا دیتا ہے فَرَأَىٰ إِنَّكَ كَأَنَّ أَصْحَابَ الْأَيْكَةِ لظَالِمِينَ، بیشک شان یہ ہے کہ ایک والے بھی بڑے ظالم لوگ تھے۔ مدین اور ایک والے ایک ہی قوم کے افراد تھے، مدین شہر تھا اور ایک اس کے نواح میں جنگل تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ دو مختلف قومیں تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف حضرت شعیب کو مبعوث فرمایا تھا۔ فرمایا فَأَنْتَقَمْنَا مِنْهُم پھر ہم نے اُن سے اُن کی سرکشی کا انتقام لیا۔ لوط علیہ السلام کی قوم اور

ایک والے وَافَتْهُمَا لَبَا مَآءٍ مَّبِينٍ دونوں بڑی شاہراہ پر واقع تھیں
عراق سے مصر جانے والے لوگ بھی اسی راستے سے ہو کر گزرتے تھے اور وہ
حجاز سے شام اور فلسطین کے مسافروں کو بھی اسی شاہراہ سے گزرنا ہوتا
تھا اور وہ إِنْ أَصْرَطِي هَوْنِي بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھتے تھے۔ مکے
کے لوگ بھی اسی راستے سے گزرتے تھے، اُن لیے اللہ نے ان کو بھی یاد
دلایا کہ وہ إِنْ دِيرَانَ بَسْتِيوں سے عبرت حاصل کریں۔

جغرافیائی لحاظ سے بھی بحرِ میت کا علاقہ سطحِ سمندر سے کافی نشیب میں
واقع ہے۔ اس کے بعض خطوں کا پانی اس قدر زہریلا ہے کہ اس میں کوئی
مینڈک، مچھلی یا کیر مگور ا زندہ نہیں رہ سکتا۔ سفیرِ توک کے دوران جب
حضرت علیہ السلام کا اس وادی سے گزر ہوا تو آپ نے سر پر چادر ڈال لی اور
جلدی جلدی گزرنے کی کوشش کی۔ فرمایا مجھے ڈر ہے کہ جو عذاب ان قوموں پر
آیا تھا، کہیں ہم بھی اس میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے
کہ جس خط کو اللہ تعالیٰ نے جانے عبرت قرار دیا ہے، اُسے جدید روشنی والوں
نے تفریح گاہ بنا لیا ہے۔ وہاں پر عجائب گھر قائم کر دیا گیا، ساتھ ہوٹل بھی
ہیں جہاں لوگ تفریح کے لیے آتے ہیں حالانکہ ایسے مقامات سے عبرت
حاصل ہونی چاہیے تھی اور لوگوں کو معاصی سے باز آجانا چاہیے تھا۔

ربما ۱۳

الحجر ۱۵

درس دہم ۱۰

آیت ۸۰ تا ۸۹

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسِلِينَ ﴿٨٠﴾
 وَآتَيْنَهُمْ آيَاتِنَا فَكَأَنُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٨١﴾
 وَكَأَنُوا يُنَجِّتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ﴿٨٢﴾
 فَأَخَذْتَهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا
 أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَا
 خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا
 بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ
 الْجَمِيلَ ﴿٨٥﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ﴿٨٦﴾
 وَلَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ
 الْعَظِيمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا
 بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَخَفِضْ
 جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ
 الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾

ترجمہ :- اور البتہ جھٹلایا حجر والوں نے اللہ کے رسول

کو ﴿۸۰﴾ اور ہم نے دی ان کو اپنی نشانیاں، پس وہ تھے

ان سے اعراض کرنے والے ﴿۸۱﴾ اور وہ لوگ پہاڑوں میں

گھر تراشتے تھے بے فکری سے ﴿۸۲﴾ پس پڑھا ان کو

خونک آواز نے اس حال میں کہ وہ صبح کے وقت تھے (۸۳) پس نہ بچایا اُن کو اُس چیز نے جو وہ کھاتے تھے (۸۴) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو، اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، مگر حق کے ساتھ۔ اور بیشک قیامت البتہ آنے والی ہے، پس آپ درگزر کریں، اچھی طرح درگزر کرنا (۸۵) بیشک تیرا پروردگار وہ بہت بڑا پیدا کرنے والا ہے اور سب کی خبر رکھنے والا ہے (۸۶) اور البتہ تحقیق دی ہیں ہم نے آپ کو سات دہرائی جانے والی آیتیں اور بڑا قرآن (۸۷) آپ نہ پھیلائیں اپنی آنکھوں کو اس کی طرف جو ہم نے فائدہ پہنچایا ہے اس کے ساتھ ان میں سے مختلف لوگوں کو۔ اور نہ غمگین ہوں آپ ان پر۔ اور آپ جھکا دیں اپنے بازو ایمان والوں کے لیے (۸۸) اور آپ کہہ دیں کہ بیشک میں ڈر سنانے والا ہوں کھول کر (۸۹)

پہلے اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی قوم کی نافرمانی اور اُن کی سزا کا ذکر کیا۔ ربط آیت اس کے بعد ایچہ والوں کا تذکرہ بھی ہوا۔ ایچہ اور مین والے قریب ہی راستے پر تھے تو اللہ نے ان کی سزا کا بھی اجمالی طور پر ذکر کیا۔ ان کا تفصیلی بیان سورۃ اعراف اور سورۃ ہود میں آچکا ہے اور آگے بھی بعض سورتوں میں آنے گا۔ یہ نافرمان لوگ اللہ تعالیٰ کی صفت غضب کا نشانہ بنے۔ آج کی ابتدائی آیات میں قوم ثمود ہی کا مختصراً ذکر ہے۔ جنہیں یہاں پر اصحابِ حجر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمَسْلُومِينَ ۝ اور البتہ تحقیق جھٹلایا حجر والوں نے اللہ کے رسولوں کو۔ اہلِ حجر صالح علیہ السلام کی

قومِ ثمود میں جو تبوک سے لے کر دادی قرئی تک پھیلے ہوئے تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیز میں لکھا ہے کہ اس خط میں اس قوم کے سترہ سو شتر، قصبات اور دیات آباد تھے۔ یہ لوگ صنعت و حرفت میں بڑے ماہر تھے۔ بڑے متمدن اور آسودہ حال لوگ تھے، حجرِ اہنی کے مراکز میں واقع ایک جگہ کا نام ہے جس کی نسبت سے انہیں حجر کہا گیا ہے۔

سورۃ ہود میں ہے وَالْحَقُّ تَمُودًا أَخَاهُمْ صَالِحًا یعنی ہم نے قومِ ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس قوم کی طرف ایک ہی رسول مبعوث ہوا جب کہ اس آیتِ کرمیہ میں مرسلین جمع کا لفظ ہے، یعنی بہت سے رسول مبعوث فرمائے اس ضمن میں امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس قوم کی طرف حقیقت میں حضرت صالح علیہ السلام کو ہی مبعوث کیا گیا مگر یہاں پر جمع کا صیغہ اس لیے آیا ہے کہ کسی ایک رسول کے جھٹلانے سے تمام رسولوں کا جھٹلانا صادق آتا ہے۔ دین کی مرکزی تعلیم اور خاص طور پر عقیدہ توحید کے بارے میں اللہ کے سارے نبی متفق ہیں تو اس لحاظ سے اس قوم نے صرف صالح علیہ السلام کو ہی نہیں جھٹلایا بلکہ انبیاء کی پوری جماعت کی تکذیب کی۔ اس قسم کی مثال حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن میں مذکور ہے۔ وہ بھی اسی قومِ عاد کی طرف واحد رسول مبعوث ہوئے مگر سورۃ ہود میں اللہ نے اُن کے متعلق فرمایا جَدُّوْا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلًا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کا انکار اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی یہاں پر جمع کا صیغہ استعمال کرنے سے مراد یہی ہے کہ کسی ایک رسول کا انکار سارے رسولوں کے انکار کے مترادف ہے۔

فرمایا اہل حجر نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا وَأَتَيْنَاهُمُ آيَاتِنَا اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دیں فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ

پس وہ ان نشانیوں سے اعراض کرنے والے تھے۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے خود مطالبہ کیا کہ پتھر میں سے اونٹنی کو نکال جو دس ماہ کی گابھن ہو اور ان کے سامنے بچہ جنے۔ جب صالح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے نشانی پیش کر دی تو قوم پتھر بھی انکار کر گئی۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، لوگو! نشانیاں نہ طلب کیا کرو۔ قوم ثمود کو ان کی مرضی کی نشانی طے دی گئی مگر انہوں نے اس نشانی یعنی اونٹنی سے تعرض کیا، اس کی کوئی نچیں کاٹ ڈالیں تو اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ غرضیکہ اہل حجر کے متعلق فرمایا کہ یہ بھی معجزات سے اعراض کرنے والے لوگ تھے۔

حجر والوں کی کارگزاری کے متعلق اللہ نے فرمایا وَكَانُوا يُخْتَلُونَ مِنَ الْجِبَالِ بِمُوتِ أُمَّيْنٍ وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ان میں گھر بناتے تھے بے فکری سے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہنر عطا کیا تھا کہ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر ان کے اندر ہی نہایت دیدہ زیب مکان تیار کر لیتے تھے۔ ان میں کھدائی کے ذریعے خوبصورت نقش بناتے یہ ایسے محفوظ مکان ہوتے تھے کہ کوئی چور ڈاکو ان میں نقب بھی نہیں لگا سکتا، اس لئے ان کے باشندے بالکل بے فکری کے ساتھ رہتے تھے ان مکانات کے بچے کچھ نمونے آج بھی موجود ہیں جنہیں دیکھنے کیلئے دُور دُور سے سیاح آتے ہیں۔

اس قسم کی پرانی تندیبوں کے آثار دنیا بھر میں ملتے ہیں۔ یہاں جنوبی ہندوستان میں کجھنڈا اور آلوہ کی تندیبوں کے نشانات ابھی تک موجود ہیں یہ لوگ بھی پہاڑوں کو تراش تراش کر مکان بناتے اور ان کی چھتوں اور دیواروں پر حیرت انگیز نقش و نگار بناتے۔ ان کی دیواروں پر بنے ہوئے اس نمونے کی تندیب و تمدن کے آثار اب بھی ملتے ہیں۔ کسی جگہ شادی کی کسی

پرانی تندیبوں کے آثار

تقریب کی تصاویر ہیں اور کہیں کوئی ماتی مجلس دکھائی گئی ہے۔ بعض مقامات پر عبادت کا طریقہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح ٹیکسلا کی بھی ایک تہذیب تھی۔ یہ قوم زمین میں دب گئی جس کے آثار کو کھنڈرات میں سے نکالا گیا ہے۔ ہڑپہ اور موہنجو دھارو کی تہذیب کو بھی محفوظ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے عراق میں آشوریوں کی تہذیب کے بہت سے آثار ملے ہیں۔ مصر میں پانچ چھ ہزار سالہ عمارت ابھی تک موجود ہیں۔ چار چار سو فٹ اونچے مہرہم ہیں جو ٹونوں وزنی پتھروں سے تعمیر کیے گئے ہیں جنہیں دیکھ کر لوگ ششدر رہ جاتے ہیں۔

عذاب کی آہ

فرمایا جب ان لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ کی نشانیوں سے اعراض کیا فَاخَذَتْهُمْ الصَّيْحَةُ مَعْصِيْنِ اَنْ كُوْبِرْنَ نے آیا صبح کے وقت۔ سورۃ اعراف اور ہود میں بیخ کے ساتھ زلزلے کا ذکر بھی ہے بہر حال جس طرح کل قوم کو طے کے متعلق پڑھا تھا کہ ان پر سورج نکلنے کے وقت عذاب آیا، اسی طرح قوم ثمود کو بھی عذاب نے صبح کے وقت ہی آن پکڑا۔ اور پھر ان کی حالت یہ تھی فَمَا اَغْنٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ پس نہ کام دیا ان کو اس چیز نے جو وہ کماتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس قوم پر عذاب آیا تو ان کی کار چمکی، صنایعی، اوزار اور ان کی عمل و دانش کچھ کام نہ آئے اور ساری قوم ہلاک ہو گئی۔ پیچھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ نے اپنی صفتِ غفور اور رحیم کا ذکر فرمایا تھا اور پھر حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ اور اس واقعہ میں صفتِ غضب کا ذکر کیا ہے۔

حضرت علیہ السلام کے لیے تسلی

آگے ارشاد ہوتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، مگر حق کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کوئی چیز بیکار محض نہیں بلکہ ہر چیز کی تخلیق اس کی حکمت پر مبنی ہے

زمین، جنگل، پہاڑ، دریا، سمندر، ستارے اور سیدے غرضیکہ ہر چیز کے ساتھ انسان کا مفاد والبتہ ہے۔ اور ان تمام اشیاء کا خالق اور مالک بھی موجود ہے وہی ہر چیز کی تدبیر کر رہا ہے اور ہر چیز کو اپنے اپنے کام پر لگا رکھا ہے۔ فرمایا جو خالق ان اشیاء کو پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ ان کو ختم کرنے کا بھی مجاز ہے، لہذا یاد رکھو! وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ بِشَكِّ قِيَامَتِ آنے والی ہے جس کائنات کا آغاز دیکھ رہے ہو اس کا انجام بھی ہوگا۔ پھر صحابہ کی منزل آئیگی، ہر چیز کے متعلق باز پرس ہوگی، جو شخص آنحضرت میں سلائی ڈالتا ہے یا انگلی کے ساتھ گارے کا ذرا سا حصہ لگاتا ہے اُسے بھی حساب دینا ہوگا۔

اس سورۃ کی ابتداء میں گزر چکا ہے کہ جب حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کو قیامت کی ہولناکیوں اور حساب کتاب کی منزل سے ڈراتے تو لوگ کہتے إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ جو آپ تو دویانوں جیسی باتیں کرتے ہیں۔ بھلا کسی مردے کو زندہ ہونے کسی نے دیکھا ہے؟ کوئی قیامت لہر جرنے عمل نہیں ہے ایسے ہی توہین آمیز کلمات سے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کو سخت کوفت ہوتی ہے ایسے ہی مواقع پر تسلی کے لیے الْحَمْدُ لِلَّهِ فرمایا ہے۔ اے پیغمبر! آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ فَاصْبِرْ الصَّفْحَ الْجَبِينِ درگزر کریں، اچھی طرح درگزر کرنا۔ جب قیامت برپا ہوگی تو یہ لوگ یقیناً پکڑے جائیں گے اور پھر اپنے انجام کو بھی پہنچیں گے، لہذا آپ درگزر کریں۔ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ آپ کا پروردگار بہت بڑا پیدا کرنے والا ہے اور اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اس نے کائنات کا عظیم سلسلہ پیدا کیا ہے، اس میں انسان جیسی اشرف مخلوق پیدا کی ہے۔ پھر ان کی آزمائش بھی لی ہے، لہذا آپ خاطر جمع رکھیں اور ان لوگوں کی کارگزاریوں پر بد دل نہ ہوں بلکہ اپنا

کام کرتے رہیں۔

بیع مثانی
کا نزول

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر ہونے والے ایک
عظیم احسان کا ذکر کیا وَلَقَدْ أَنْتَدْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَشَافِرِ
وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمِ۔ البتہ تحقیق ہم نے آپ کو سات دہرائی جانے
والی آیتیں اور قرآنِ عظیم عطا فرمایا ہے۔ اللہ نے اس عظیم نعمت کا نزول آپ
کے قلب مبارک پر کیا۔ بیع مثانی کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس
سے سات لمبی سورتیں مراد ہیں یعنی سورۃ بقرہ سے لیکر سورۃ یونس تک میگڑ
صحیح تفسیر یہ ہے کہ اس سے سورۃ فاتحہ کی سات آیات مراد ہیں اور یہی آیتیں
ناز میں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت
سے یہی ثابت کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ بیع مثانی بھی
سورۃ فاتحہ ہے اور قرآنِ عظیم بھی یہی سورۃ ہے۔ قرآنِ پاک میں سب سے زیادہ
فضیلت والی سورۃ یہی ہے اور یہ پورے قرآن کا لب لباب ہے اس لیے
اُسے قرآنِ عظیم بھی کہا گیا ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ قرآنِ پاک میں
سب سے زیادہ فضیلت والی آیتِ الکرسی اور سب سے فضیلت والی سورۃ
سورۃ فاتحہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اس لیے علمائے کرام
فرماتے ہیں کہ جس کو قرآنِ کریم آتا ہے اُسے اپنے آپ کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے
کیونکہ اللہ نے اُسے عظیم نعمت عطا کی ہے۔ دنیا کا مال و مناع اس کے
مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا لہذا ایسے شخص کو خدا تعالیٰ کا شکر
ادا کرنا چاہیے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے رَكَعَتِي الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ
الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا یعنی نماز فجر سے پہلے دو سنتیں دنیا اور اس کی ہر چیز
سے بہتر ہیں۔ دنیا کا مال و اسباب تو عارضی ہے مگر ٹھیک طور پر ادا
کی گئی یہ سنتیں اگر مقبول ہو گئیں تو ان کا اجر کبھی ختم نہیں ہوگا، لہذا یہ دنیا

اور مایہا سے بہتر ہیں۔ خود قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قرآن کریم کتابِ تنفا اور کتابِ ہدایت ہے "خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ" جو چیز یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ قرآن پاک اس سے بہتر ہے۔

مال و دولت
بے رحمتی

ارشاد ہوتا ہے، اے پیغمبر! لَا تَعْلَمَنَّ عَيْنُكَ إِلَىٰ مَا مَتَعْنَا بِهَا أَرْوَاجًا مِّنْهُمْ ؕ ہم نے طرح طرح کے لوگوں کو جو سامان دیا ہے آپ اپنی آنکھوں کو اُس کی طرف نہ پھیلائیں۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ملنے والے مال و متاع کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں کہ یہ عارضی چیزیں ہیں۔ اس کے مقابلے میں اللہ نے جو چیز آپ کو عطا کی ہے اس کے مقابلے کی کوئی چیز نہیں۔ بعض مفسرین نے ازواجاً سے مختلف لوگوں کی بجائے مختلف اشیاء مراد لی ہیں یعنی جتنی بھی چیزیں ہم نے دنیا میں لوگوں کو دی ہیں وہ سب قرآن پاک کے مقابلے میں حقیر اور فانی ہیں جب کہ کلام الہی اور سورۃ فاتحہ ابدی چیز ہے۔ فرمایا وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ؕ آپ ان پر زیادہ غمگین بھی نہ ہوں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں بلکہ آپ اپنا حق تبلیغ ادا کرتے رہیں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں کیونکہ وَلَا تَسْأَلْ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ (البقرہ) آپ سے اہل دوزخ کے متعلق باز پرس نہیں ہوگی کہ یہ وہاں کیوں گئے بلکہ یہ تو خود ان سے پوچھا جائے گا مَا سَأَلَكُمْ فِي سَنَرٍ (المدرثر) کہ تم جہنم میں کس وجہ سے پہنچے آپ کا فرض یہ ہے اِنَّكُمْ عَلَيْكَ الْبَلِغُ (الرعد) کہ آپ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہیں۔ کوئی ایمان قبول کرتا ہے یا نہیں، یہ معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ فرمایا وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ اِنَّكَ لَبِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا (البقرہ) والوں کے لیے جھکادیں۔ جس نے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا ہے آپ کی نبوت پر ایمان لایا ہے اور معاد پر یقین کیا ہے، آپ اس کے

اہل ایمان
کے لیے
شفقت

ساتھ شفقت و محبت سے پیش آئیں تاکہ ان کو تلی سے۔ وَقُلْ
 اٰپ اَن کوریه بھی سمجھا دیں اَلْحَبَّ اَنَا التَّيْبُ الْمُبِيْنُ میں تو کھول
 کر ڈرنانے والا ہوں۔ میں تو تمہیں خطرناک انجام سے آگاہ کرنے والا ہوں۔
 اگر کفر، شرک، معصیت اور ناشکر گزاری کا راستہ اختیار کرو گے تو میں تمہیں
 برے انجام سے خبردار کر رہا ہوں۔ جس طرح قرآن مبین ہے یعنی ہر چیز
 کو واضح کرتا ہے، اسی طرح اللہ کے نبی بھی نذیر مبین ہیں کہ کسی چیز کو نشہ
 نہیں لےنے دیتے بلکہ ہر چیز کی وضاحت کرتے ہیں۔ پرانے زمانے میں
 عربوں میں نذیر العریان کی اصطلاح پائی جاتی تھی یعنی سخت خطرے کے
 وقت کوئی شخص اپنا تہبند اتار کر جھنڈے کے طور پر لہراتا تھا اور خطرے
 سے آگاہ کرتا تھا، وہ نذیر عریان سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح اللہ کا نبی بھی
 لوگوں کو شدید خطرے سے آگاہ کرنے والا ہے کہ آنے والے وقت
 سے ڈر جاؤ اور اللہ کے احکام کو تسلیم کر لو۔

ربما ۱۳

المجر ۱۵

درس یازدہم ۱۱

آیت ۹۰-۹۱

كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ۙ (۹۰) الَّذِينَ
 جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۙ (۹۱) فَوَرَّكَ لِنَسَلْتَهُمْ
 أَجْمَعِينَ ۙ (۹۲) عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۙ (۹۳) فَاصْدَعْ
 بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۙ (۹۴) إِنَّا
 كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۙ (۹۵) الَّذِينَ يَجْعَلُونَ
 مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۙ (۹۶)
 وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرَكَ بِمَا
 يَقُولُونَ ۙ (۹۷) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ
 السَّجِدِينَ ۙ (۹۸) وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ
 الْيَقِينُ ۙ (۹۹)

ترجمہ:- جس طرح کہ ہم نے نازل کیا تقسیم کرنے
 والوں پر (۹۰) وہ جنہوں نے بنایا ہے قرآن کو ٹکڑے
 ٹکڑے (۹۱) پس تیرے رب کی قسم ہم ضرور ان سب
 سے سوال کریں گے (۹۲) اس بارے میں جو کچھ وہ
 کیا کرتے تھے (۹۳) پس آپ واضح طور پر وہ بات
 سادیں، جو آپ کو حکم دیا جاتا ہے اور آپ اعراض کریں
 شرک کرنے والوں سے (۹۴) بلکہ ہم کفایت کہتے

ہیں آپ کے لیے ٹھٹھا کرنے والوں کے شر ہے (۹۵)
 وہ جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسرا معبود، پس
 عنقریب وہ جان لیں گے (۹۶) اور البتہ تحقیق ہم
 جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے ان
 باتوں سے جو وہ کرتے ہیں (۹۷) پس آپ تسبیح بیان
 کریں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جائیں آپ
 سجدہ کرنے والوں میں سے (۹۸) اور عبادت کریں اپنے
 پروردگار کی یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس
 یقینی بات (۹۹)۔

رابط آیت

پہلے اللہ تعالیٰ کی دونوں شانوں یعنی اُس کے غفور اور رحیم ہونے اور
 غضبناک ہونے کی شان کا ذکر ہوا پھر اللہ نے دونوں قسم کے لوگوں
 کی مثالیں بیان فرمائیں جن پر اللہ کا انعام ہوا اور جن پر غضب نازل ہوا پھر
 آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کے لیے تسلی کا
 مضمون نازل ہوا۔ مشرکین آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ سنائیت
 غلط قسم کا سلوک کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ دل برداشتہ ہوتے تھے۔ تو
 اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی بھی دی، اور ساتھ یہ بھی اشارہ کر دیا کہ نافرمان لوگ
 بالآخر ناکام ہوں گے۔ اس ضمن میں قوم لوط کی نابخبرائی کا ذکر فرمایا، اہل حجر کی بات
 کی کہ کس طرح انہوں نے اللہ کے پیغمبر اور پیغمبر کے مخالفین کی، اہل ایمان
 کو اذیت پہنچانی تو اللہ نے ان کو سزا میں مبتلا کیا۔ مطلب یہ کہ جس طرح سابقہ انبیاء کے
 مخالفین تباہ و برباد ہوئے، اسی طرح آپ کے مخالفین بھی اللہ کے غضب سے
 بچ نہیں سکیں گے۔

اب اللہ نے اس بات کو ایک مثال یا تشبیہ کے طور پر سمجھایا ہے

کتب الیہ
 کی تقسیم

كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ جیسا کہ ہم نے اتارا (عذاب) تقسیم کرنے والوں پر مقتسم تقسیم کے مادے سے بھی ہو سکتا ہے اور قسم کے مادے سے بھی اور اس مقام پر دونوں معنی درست ہیں، البتہ تقسیم والا معنی زیادہ معروف ہے۔ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ وہ تقسیم کرنے والے جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اگر قرآن سے اللہ کی یہی کتاب مراد لی جائے جیسا کہ قیاس ہے تو تقسیم کرنے والے مشرکین مکہ میں جنہوں نے قرآن کو تقسیم کر دیا تھا یعنی وہ کتاب الہی کے ساتھ غلط باتیں فرسوب کرتے تھے، کوئی کہنا یہ شاعری ہے، کوئی اُسے سحر بانا اور کوئی اُسے اَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (الانفال) پرانے لوگوں کی قصے کہانیاں کہتا۔ بعض لوگوں نے قرآن کو تسخر کے طور پر اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا کہ سورۃ بقرہ کو میں سبھال لوں گا تم ذرا سورۃ الفیل سے پیٹ لو۔ کوئی کہتا مادہ میرے ذمے رہنے دو اور انعام فلاں کے ذمے لگا دو۔ علیٰ ہذا القیاس انہوں نے قرآن پاک کی سورتوں کو مذاق کے طور پر تقسیم کر دیا تھا۔ تقسیم کی ایک صورت یہ بھی اللہ نے سورۃ مادہ میں ذکر کی ہے کہ بعض اوقات مشرکین اپنے مقدمات حضور علیہ السلام کی خدمت میں فیصلہ کے لیے بھیجتے اور ساتھ ہی فریق مقدمہ کو کہہ دیتے کہ اگر فیصلہ تمہاری مرضی کے مطابق ہوا تو قبول کر لینا ورنہ چھوڑ دینا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا حِزْبٌ مِّنْهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (المائدہ) یعنی ایسا شخص دنیا میں بھی ذلیل ہوگا اور آخرت میں بھی اُس کے لیے عذاب عظیم ہوگا۔ بڑے بڑے صنایعہ قریش تھے جنہیں اللہ نے اسی دنیا میں ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مشرکین نے آپس میں دڑے اور اُتے

تقسیم کر رکھے تھے تاکہ حضور علیہ السلام کے پاس جانے والے لوگوں کو راستے میں ہی روک دیا جائے۔ آپ کے خلاف پراپیگنڈا کرتے، آپ کو بغیر ذباہتر ساحر اور دیوانہ کہہ کر لوگوں کو آپ کی ملاقات سے روکتے۔ ایک دفعہ عربوں کا مشہور شاعر اغشی حضور کی خدمت میں حاضری کے لیے مکہ آیا۔ یہ شخص ساجۃ العرب یعنی عربوں کا بوجہ کھلاتا تھا۔ اس کی زبان سے نکلی ہوئی بات ضرب المثل بن جاتی تھی۔ قریش مکہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر اس نے حضور کی شان میں کوئی قصیدہ کہہ دیا تو پھر آپ کا راستہ روکنا ناممکن ہو جائے گا۔ لہذا انہوں نے تدبیر کی کہ کس طرح اغشی حضور علیہ السلام سے ملاقات نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے اناج سے لدا ہوا ایک سو اونٹ اُسے رشوت میں اس لیے پیش کیا کہ وہ حضور علیہ السلام سے ملاقات نہ کرے۔ وہ شخص اونٹ لے کر اپنے وطن میں چلا گیا اور آپ سے ملاقات نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے آئمۃ الکھز کو دنیا میں ہی سزا دی۔ چنانچہ بعض جنگ بریں مارے گئے۔ کوئی آنکھوں کی بیماری میں مبتلا ہو کر جہنم داخل ہوا۔ کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا جس کا زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا اور وہ شخص ہلاک ہو گیا۔ بہر حال جن لوگوں نے قرآن پاک کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، اللہ نے ان پر طرح طرح کا عذاب نازل فرمایا۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر قرآن سے مراد اللہ کی آخری کتاب نہیں بلکہ اس سے مراد پہلی کتابیں اللوات، انجیل وغیرہ ہیں اور ان کو تقسیم کرنے والے ان کے حاطین سیود اور نصاریٰ ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی مذہبی کتابوں کو اس طرح تقسیم کر دیا کہ ان کے کسی حکم کو مان لیا اور کسی کا انکار کر دیا جیسا کہ سورۃ بقرہ میں موجود ہے "أَفْتَوْا مَنُونًا بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ" کیا تم کتاب کے کچھ حصے کو مانتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو۔ ایسے لوگوں کے عذاب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن

میں بار بار ذکر کیا ہے۔ کہیں فرمایا کہ بندر اور خنزیر بنا دیے گئے، کہیں فرمایا کہ چالیس سال تک صحرا میں بھٹکتے رہے۔ کبھی یہ باہمی عداوت و پیکار میں مبتلا رہے اور کبھی ان کو دوسری اقوام نے پامال کیا۔

اگر مقتسم قسم کے مادے سے ہو تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ جس طرح ہم نے قسمیں اٹھانے والے لوگوں پر عذاب نازل فرمایا۔ ایسے لوگوں کا ذکر بھی اللہ نے مختلف سورتوں میں کیا ہے۔ اصحابِ حجریٰ یعنی قوم ثمود کے لوگ بھی قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ ہم صالح علیہ السلام کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ سورۃ النمل میں موجود ہے "قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ" شہر کے نوفاری آدمیوں نے کہا کہ خدا کی قسم کھانڈ کہ ہم رات کو صالح علیہ السلام اور اس کے گھر والوں پر شبِ خون ماریں گے۔ یعنی ان سب کو ہلاک کر دیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے خود انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ تو اللہ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے قسمیں اٹھانے والوں پر عذاب نازل کیا۔ اسی طرح ان لوگوں پر نازل کریں گے جو خاتم النبیین علیہ السلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔

قرآن پاک کو مختلف طریقوں سے تقسیم کرنے والے ہوں یا دین حق کی قسمیں اٹھا کر مخالفت کرنے والے اللہ نے فرمایا "هُوَ رَافِقٌ" تیرے پروردگار کی قسم لے سکتا ہے "مَأْجَمُ بْنُ هَمِّ بْنِ سَبَكِ" ضرور باز پرس کرینگے۔ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ اس بارے میں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ اس مقام پر تو منکرین و مکذبین سے سوال جواب کا ذکر ہے مگر بعض مقامات پر بغیر باز پرس ہی جہنم رسیدگی کی وعید سنائی گئی ہے جیسے سورۃ الرحمن میں ہے "فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَمَلَهُمْ زَبْنًا وَلَا حِسًّا" انسان یا جن سے اس کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائیگا۔

لازمی
باز پرس

بَلْ يُعْرِفُ الْمَجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي
وَأَلْفَ ذِكْرٍ - مجرم لوگ اپنے چہروں سے ہی پہچانے جائیں گے اور انہیں
سر کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹ کر لے جایا جائے گا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے
حشر کے میدان میں کئی واقعات پیش آئیں گے۔ بعض مواقع پر انسان سے
شدید باز پرس ہوگی اور بعض مواقع پر بغیر پوچھے مجرمین کو پکڑ کر لے جایا جائیگا
لام ابو بکر رازی فرماتے ہیں کہ یہاں پر سوال کرنے سے مرد عھض باز پرس
نہیں بلکہ سخت ڈانٹ ڈپٹ مراد ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے
کہ کسی شخص کو قدم نہیں اٹھانے دیا جائے گا جب تک وہ ان سوالوں
کا جواب نہ دے لے کہ اُس نے عمر کے شباب کے حصے کو کہاں خرچ کیا
دنیا میں مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا وغیرہ۔ اسی طرح یہاں پر بھی
فرمایا ہے کہ اُن سبک ہم ضرور سوال کریں گے ان تمام کاموں کے متعلق
جو وہ دنیا میں انجام دیتے ہے۔

حضور علیہ السلام
کے لیے تسلی

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے خطاب فرمایا ہے -
فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ - پس آپ واضح طور پر بتادیں جو کچھ آپ کو
حکم دیا گیا ہے۔ صدع دراصل اُس برتن کو کہتے ہیں جو ٹوٹ جائے اور
اُس کے دوبارہ جڑنے کا امکان نہ ہو۔ تو یہاں پر مطلب یہ ہے کہ آپ
اللہ کی توحید کا واضح طور پر دو لوگ اعلان کر دیں اور اس میں کسی قسم کی رو
رہایت نہ رکھیں فَاعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ، اور مشرکوں
سے اعراض کریں۔ آپ ان کی پروا نہ کریں کہ وہ کیا کرتے ہیں، انہیں
اُن کے حال پر چھوڑ دیں، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اِنَّا كَاتِبُونَ
اَلْمُسْتَهْزِئِينَ ہم آپ کو کفایت کریں گے عطا کرنے والوں کے
شر سے۔ یعنی اُن کے شر کے اثرات۔ آپ تک نہیں پہنچنے دیں گے

سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" اللہ تعالیٰ ہی آپ کی کفایت کرے گا کیونکہ وہ سنے والا اور جاننے والا ہے۔ آپ ٹھٹھا کرنے والوں کی بائبل پر واہ نہ کریں۔

اور استنزا کرنے والے کو یوں لوگ ہیں؟ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔ کوئی ان کا سفارشی ہے۔ کوئی معبود، کوئی حاجت روا اور مشکل کشا۔ فرمایا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ وہ عنقریب جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی بندے نہ شریک اور نہ ہی اس کے سوا کوئی معبود ہے فرمایا وَلَقَدْ نَعَلْنَا أَنكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ ان باتوں سے تنگ ہوتا ہے جو یہ مشرکین کرتے ہیں۔ یہ لوگ کفر شرک کی باتیں کرتے ہیں، آپ پر طعن اور استنزا کرتے ہیں، آپ کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کے قلب مبارک کو بہت اذیت پہنچتی ہے، آپ کو رنج ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی ہے کہ آپ زیادہ فکیر نہ کریں۔ جب آپ لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے اور وہ اسے شدت سے رد کرتے تو پھر بھی آپ کی طبع پر بہت گہرا گہرا تا آپ بنی نوع انسان کے لیے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے اور لوگوں کو بے لوث ایمان اور فلاح کی دعوت دیتے تھے يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلِحُوا لوگو! کہہ دو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، فلاح پا جاؤ گے، یہ تو تمہارے ہی فائدے کی بات ہے مگر اتنی خیر خواہی کا جواب جب شر و فساد سے ملتا تو حضور علیہ السلام کا دل بڑا تنگ ہوتا۔ اسی لیے تو اللہ نے فرمایا فَكَلِمَاتِكَ بَاخِعَ نَفْسِكَ عَلَىٰ أَنَا بِهِمْ إِنَّ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا

(الکہف) اے پیغمبر! اگر یہ لوگ اس کلامِ الہی پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ
گلا گھونٹ کر ہلاک ہو جائیں۔

فرمایا اس قدر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا فرض
یہ ہے **يَكْفُ مَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ (المائدة)**
جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، آپ اُسے
بلا کم و کاست آگے پہنچادیں۔ کیونکہ **فَأَنصَبْنَا إِلَيْكَ الْبَلْغَ وَعَلَيْنَا
الْحِسَابُ (الرعد)** خدا کا پیغام پہنچا دینا اور لوگوں کو سمجھا دینا آپ کا کام
ہے، اور اُن سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔ **وَلَا تَسْأَلْ عَنْ
أَصْحَابِ الْجَحِيمِ (البقرہ)** اہل دوزخ کے متعلق آئیے نہیں
پوچھا جائے گا کہ وہ کیوں دوزخ میں گئے، بلکہ اپنی کارکردگی کے وہ خود
ذمہ دار ہوں گے اور اس بارے میں انہی سے سوال ہوگا۔ آپ صرف
اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرتے چلے جائیں۔ بہر حال مشرکین کی بدسلوکی پر حضور
علیہ السلام کے دل کی تنگی قدرتی بات تھی۔ ہر نبی امت کا خیر خواہ ہوتا ہے،
حضرت ہو کہ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم عادی سے یہی کہا تھا **أَبَافِكُمْ
رِسَلْتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ (الأعراف)**
میں تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ اور
امانت دار بھی ہوں۔ اس میں میرا ذاتی کوئی مفاد نہیں بلکہ تمہاری خیر خواہی مقصود
ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی قوم کو اس طرح خطاب فرمایا
اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے **وَقَضَيْتُ
لَكُمْ أَدبَكُمْ وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ (الأعراف)** اور تمہاری خیر خواہی کر دی ہے۔ **فَكَيْفَ اتَّخَذْتُمْ
كُفْرًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِتِّخَذَتْ لَكُمْ آيَاتُنَا آيَةً وَأَنْتُمْ كَاذِبُونَ (الأعراف)** اب میں تمہاری ہلاکت پر کیسے انوس کا اظہار

کروں؟

تبیح و تحمید آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ان کے قلب و صدر کی تنگی

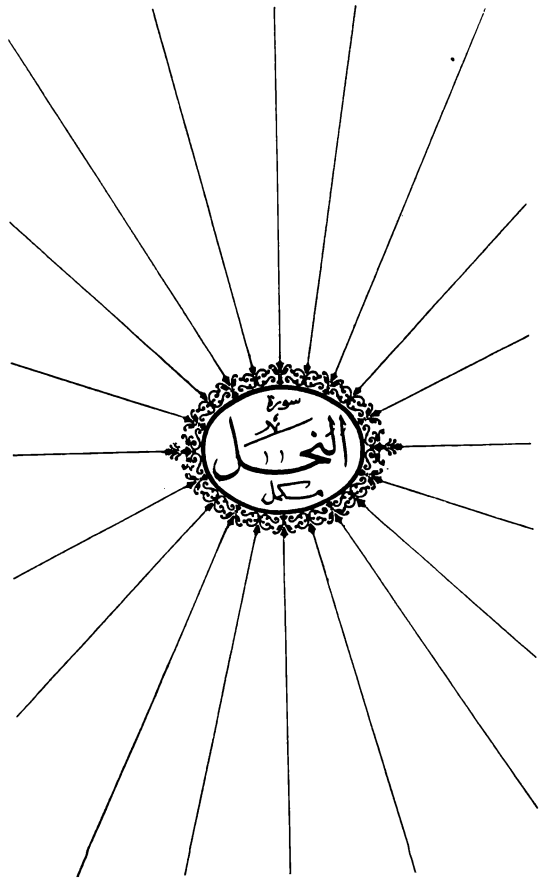
کا علاج بھی بتایا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
 بلکہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید بیان کریں، اسکی پاکی اور حمد بیان کریں
 وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِينَ اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو
 جائیں یعنی آپ کثرت سے نماز پڑھیں۔ چنانچہ ترمذی اور ابوداؤد ذکی
 روایت میں آتا ہے کہ جب کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سخت پریشانی
 لاحق ہوتی تو آپ فوراً نماز کی طرف رجوع کرتے۔ پریشانی کا علاج نماز ہے
 کیونکہ اس کے ذریعہ تعلق باللہ قائم ہوتا ہے اور جس قدر تعلق باللہ مضبوط
 ہوگا اسی قدر مصائب کم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی اور
 دل میں تسکین پیدا ہوگی کہ دل کا سکون اللہ کے ذکر میں ہی ہے تو فرمایا
 آپ اللہ کی تسبیح یعنی پاکی بیان کریں، اس کی معرفت کریں اور نماز کی
 کثرت رکھیں۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے وَأَعْبُدْ
 رَبَّكَ اپنے پروردگار کی عبادت کرنے میں مسلسل بندگی میں لگے رہیں
 حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین آجائے
 عربی زبان میں یقین کا اطلاق موت پر بھی ہوتا ہے۔ اور اس لحاظ سے
 معنی یہ ہوگا کہ آپ آخر دم تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں موت
 ایک یقینی امر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد بھی ہے
 "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" (آل عمران) ہر نفس کو موت کا
 نرہ چکھنا ہے اس سے اللہ کا نبی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہر جاندار کو اس کھٹن
 گھائی سے گزرنا ہے۔ مہربانی شاعر کہتا ہے کہ ہر چیز میں اختلاف ہو سکتا
 ہے مگر موت ایک ایسی چیز ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں، اس
 پر سب کو یقین ہے الْمَوْتُ أَصْدَقُ وَالْحَيٰوةُ عَذْرٌوٰس۔
 موت یقینی چیز ہے اور زندگی محض دھوکا ہے۔ انسان کے گلے

آخر دم
 تک عبادت

میں زندگی کا جو دھماکا دکھ رہا ہے، یہ بالکل کمزور ہے اور کسی وقت بھی
 ٹوٹ سکتا ہے، لہذا فرمایا کہ زندگی کے آخری سانس تک خدا تعالیٰ کی
 عبادت کرتے رہیں یہ تسلی کا مضمون بھی ہو گیا۔

سورة
النحل
مكة



سُورَةُ النِّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتُ وَثَمَانٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَفِيهَا سِتَّةٌ وَعِشْرُونَ كُوعًا

سورۃ نحل مکی ہے اور یہ ایک سو اٹھائیس آیت اور سبھی سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اَلِیَّ اٰمُرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی
عَمَّا یُشْرٰکُوْنَ ① یُنزِلُ الْمَلٰٓئِکَةَ بِالرُّوْحِ
مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اَنْ اَنْذِرُوْا اِنَّہٗ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ تَعَالٰی عَمَّا یُشْرٰکُوْنَ ③
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ
مُّبِیْنٌ ④

توجہ دے۔ آپہنچا ہے اللہ کا حکم۔ پس نہ جلدی کرو
اس کے لیے۔ پاک ہے اُس کی ذات اور بندہ و برتر
ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اسکے ساتھ شریک بناتے
ہیں ① اتنا ہے وہ فرشتوں کو روح کے ساتھ
اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے (اور
فرماتا ہے) کہ ڈر دو لوگوں کو بیشک نہیں کوئی معبود میرے

سوا، پس مجھ سے ڈرتے رہو ② پیا کیا ہے اُس نے
آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ۔ بلند و بتر ہے اُن
چیزوں سے جن کو یہ اُس کے ساتھ شریک بناتے ہیں ③
پیا کیا ہے اُس نے انان کو پانی کے قطرے سے، پس
اچانک وہ انان ہو گیا جھگڑا کرنے والا کھٹے طور پر ④

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ النخل ہے۔ نخل شد کی مکھیوں کو کہا جاتا ہے
ان مکھیوں میں اللہ نے جو کمال رکھا ہے اُسے اپنی توحید کی دلیل کے طور پر بیان فرمایا
ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کو نخل کا نام دیا گیا ہے۔ اس سورۃ کا زمانہ نزول
بھی سابقہ سورۃ کی طرح مکی زندگی کا آخری دور ہے۔ جب کہ ہجرت کا وقت قریب
آچکا تھا۔

اس سورۃ کی ۱۲۸ آیات ۱۶۱ رکوع ۱۸۴ الفاظ اور ۶۷۰۷ حروف ہیں۔ یہ
درمیانے درجے کی سورتوں میں سے ہے۔

گذشتہ سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
کو مخاطب کر کے فرمایا تَهَاقُلْ لَئِنَّا أَنَا النَّذِيرُ الْعَبِيْنُ آپ کبھی دیں
کہ میں کھول کر ڈر سنانے والا ہوں، تو اس سورۃ میں اللہ نے ڈر کی تفصیل بیان فرمائی
ہے، اور مجرمین کو واضح طور پر خبردار کر دیا ہے کہ وہ اپنی فکر کر لیں، اُن کی گرفت
آنے والی ہے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اور وحی الہی
کی صداقت، توحید باری تعالیٰ، منکر رسالت اور وقوع قیامت اور اس کے ساتھ
مجرموں کی سزا کا ذکر کیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں حلت و حرمت کے احکام بھی بیان
ہوئے ہیں۔ انان کی طرف سے ان خود حرام کردہ چیزوں کی تردید اور اللہ
کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے کا حکم ہے۔ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ

کا کام اور اس کی صفت ہے اور یہ بات ایمان کی شرائط میں داخل ہے حضور علیہ السلام کے صحابی نعمان بن قوفلؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، اگر میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کروں، نماز ادا کروں اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں، تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ مجبوری کی حالت میں بعض اوقات حرام چیزیں بھی مباح ہو جاتی ہیں، تو اس سورۃ میں اللہ نے اضطراب کے مسائل بھی بیان فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ سورۃ ابراہیم کی طرح اس سورۃ میں بھی ملت ابراہیمی کی تصریح کی گئی ہے۔ غلامی اور آزادی کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے تاہم زیادہ تر توحید کے دلائل اور شرک کی مختلف صورتوں کی تردید کی گئی ہے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا عالمی پروگرام پیش کیا ہے۔ جسے اہل اسلام فخر کے ساتھ دینا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ یہ وہی عالمی پروگرام ہے جس کی ایک آیت آپ ہر خطبہ جمعہ میں سنتے سہتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَمَلِ وَالْاِحْسَانِ اللّٰهُ تَعَالٰی تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ یہ اسی سورۃ مبارکہ کی آیت ہے، جسے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے خطبہ جمعہ میں شامل کیا تھا۔ ہر جماعت اور حکومت کا ایک منشور ہوتا ہے جس کے مطابق کوئی نظام چلانا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سے اگلی

سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ نے منشور اسلام (MANIFESTO OF ISLAM) یعنی فٹو آف اسلام) بھی پیش کیا ہے اسے اگلی دونوں سورتوں میں اللہ نے درجہ کے فتنوں یعنی عیسائیت اور دجالیت کا رد فرمایا ہے۔ اس میں طریقہ تبلیغ بتایا ہے اور اقتصادی مسائل کا حل بھی پیش کیا ہے۔ اللہ نے ایفائے عہد کی تلقین اور نقص عہد سے منع فرمایا ہے۔

تمہید کے طور پر بعض سورتوں کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تعریف سے ہوتی

تنگ کہہ رکھا ہے مگر ان کی فتح اور کفار کی شکست عنقریب واقع ہونے والی ہے۔ اسی غلبہ اسلام کے ساتھ اسلام کا عالمی پروگرام بھی منسلک ہے۔ یہ ایسا پروگرام ہے جو اسلام کے سوائے کسی مذہب کے پاس نہیں ہے اور اسی پروگرام کے ذریعے پوری دنیا کی اصلاح مقصود ہے۔

نزول وحی

فرمایا سُبْحٰنَكَ يَا كَرِيْمُ ہے اس کی ذات وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ وہ ان تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے جن کو وہ اللہ کا شریک بنا لے ہیں۔ وہ قادرِ مطلق اور معبودِ برحق ہے اور اس کے علاوہ کوئی الہ نہیں۔ اس کی برتری اسی بات سے ظاہر ہے کہ اُس نے بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے اپنے فرشتوں کے ذریعے وحی نازل فرمائی، چونکہ انسان اللہ تعالیٰ سے براہِ راست رابطہ قائم کر کے احکام حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے اللہ نے کفر، شرک اور معاصی سے بچنے کا پروگرام فرشتوں کے ذریعے ارسال کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے یٰۤاَنۡزِلۡ اِلَیۡنَا مِنَ السَّمَآءِ سُلٰتٰتۡنِ مِّنۡ سُلٰتِیۡنَ کٰتِبٰتِیۡنَ اِلٰی قَلۡبِکَ لِتُحٰکَمَ بِہِ لِقٰۤیَ رَبِّکَ ۗ اِنَّکَ عَلٰی عِلۡمِ رَبِّکَ عَلِیۡمٌ ﴿۱۰۸﴾

ارشاد ہوتا ہے یہ نازل اے مَلِکَہُ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہِ وہ ملائکہ کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اتار دیتا ہے۔ یہاں پر روح سے مراد وحی ہے جیسے قرآن پاک۔ خود قرآن کو بھی وحی کہا گیا ہے۔ اور ایک روح وہ بھی ہے جس پر انسانی زندگی کا مدار ہے۔ اسی کے ذریعے انسان میں عقل و شعور پیدا ہوتا ہے۔ اگر انسان کے جسم سے روح خارج ہو جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ جس طرح انسان کو روح کے ذریعے ظاہری حیات نصیب ہوتی ہے، اسی طرح کلام پاک اور وحی الہی کے ذریعے انسانوں کے دل زندہ ہوتے ہیں، اُن کے دلوں میں ایمان، توحید اور نیکی پیدا ہوتی ہے گویا وحی الہی انسان کی روحانی حیات کا ذریعہ ہے۔ اس کی وساطت سے انسان کا اعتقاد درست ہوتا ہے اور ابدی حیات نصیب ہوتی ہے دل میں پاکیزہ اخلاق و جذبات ابھرتے ہیں۔ انسان کا قلب اللہ کی

الَا أَنَا كَمَا مِيرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، نہ کوئی میری عبادت میں شریک ہے اور نہ توحید میں۔ میں ہی خالق اور مالک ہوں۔ میں ہی قادر مطلق، مختار مطلق اور علیم کل ہوں۔ تمام بنی نوع انسان کی ضروریات کو جاننے والا میں ہوں۔ نفع نقصان کا مالک میں ہوں۔ میرے سوا نہ کوئی مشکل کشا ہے اور نہ حاجت روا اور نہ بڑی بننے والا۔ ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ قرآن بھی میرے سوا کوئی نہیں لہذا فَالْقَوْنِ مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اگر تم نے میرے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو میری گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

فَمَا يَأْتِي خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِالْحَقِّ اُس نے فرمایا خلائق اور زمین کو حق کے ساتھ بد کیا ہے۔ کائنات کا پورا نظام کوئی کھیل تماشا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ نے انیس مخلوق کی مصلحت کے لیے پیدا فرمایا ہے، اور پھر اس ساری تخلیق کا نتیجہ بھی سامنے آنے والا ہے۔ لہذا اُس ذات سے ڈرجاؤ، اور وہ ذات ایسی ہے کہ لِي عَمَّا يُشْرِكُونَ اُن تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے، جن کو وہ اُس کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔ بار بار یاد دلانی کوئی جا رہی کہ وہی ذات اعلیٰ وارفع ہے، اس کے مقابل کی کوئی چیز نہیں، لہذا اُس کے ساتھ کسی کو شریک اور شیفع نہ بناؤ، کسی کو مشکل کے وقت میں مت پکارو، حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف اسی سے چاہو۔ وہی ذات بلند و برتر ہے، باقی ہر چیز بیچ ہے۔

تخلیق انسانی
بطور دلیل

آسمان وزمین کا ذکر کہہ کے اللہ نے اپنی وحدانیت کی بیرونی نشانیاں پیش کر دیں۔ اب انسان کو خود اس کے وجود کی اندرونی نشانیوں کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نَسْفَةٍ
اللہ نے انسان کو قطرہ آب سے پیدا کیا۔ سورۃ المؤمنہ میں ہے کہ ہم نے انسان کی نسل مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ یعنی حقیر پانی سے چلائی۔

وَالْأَنْفَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ
 وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ⑤ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ
 تَرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ⑥ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ
 إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَلِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ
 إِنَّ رَبَّكُمْ لَرؤُوفٌ رَّحِيمٌ ⑦ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ
 وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ⑧ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ⑧
 وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ وَلَوْ شَاءَ
 لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ⑨

ترجمہ :- اور موشی ، ان کو پیدا کیا ہے۔ ان میں تمہارے
 لیے گرمی کا سامان ہے اور بہت سے فائدے ہیں۔ اور ان
 میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ⑤ اور تمہارے لیے ان
 موشیوں میں خوبصورتی ہے جس وقت تم انہیں چراگاہوں
 سے چرا کر پھلے پہر لاتے ہو ، اور جس وقت تم صبح ان
 کو چرنے کے لیے لے جاتے ہو ⑥ اور اٹھاتے ہیں
 وہ تمہارے بوجھ اُن شہروں تک کہ تم نہیں پہنچنے والے
 تھے اُن تک مگر اپنے نفسوں کو مشقت میں ڈال کر۔
 بیشک تمہارا پروردگار البتہ بہت شفقت کرنے والا
 اور بہت مہربان ہے ④ اور گھوڑوں ، خچروں اور گدھوں

کو (اس نے پیدا کیا ہے) تاکہ اُن کی سواری کرو اور (تھارے لیے) زینت ہو۔ اور وہ پیدا کرے وہ چیزیں جو تم نہیں جانتے ۸ اور اللہ تک ہی پہنچتا ہے سیدھا راستہ، اور بعض راستے اِن پر ٹیڑھے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو البتہ تم سب کو ہدایت دے ۹

رابطہ آیات

سورۃ کی ابتدائی آیتوں میں انذار لاضنون بیان ہوا ہے۔ اللہ سے ڈرنے اور اس کی گرفت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے اپنے انبیاء پر وحی نازل فرما کر لوگوں کو ڈرانے اور خبردار کرنے کا حکم دیا کہ اللہ فرماتا ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ لہذا مجھ ہی سے ڈرو اور میری توحید کو مالو، خدا تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا ذکر کیا ہے اور اُن دلائل کو بیان کیا ہے جن میں غور کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ سکتا ہے اور خدا کی اطاعت اور شکر گزاری بجا لا سکتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کا ذکر بطور دلائل قدرت کے کیا۔ خدا تعالیٰ کی ذات کو ہر قسم کے شریکوں سے بلند و برتر قرار دیا۔ اس کے بعد اللہ نے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا کہ اسے حتیٰ کہ قطرہ آب سے پیدا کر کے کتنا کمال عطا کیا، مگر افسوس کا مقام ہے کہ انسان اپنی اصلیت کو بھول کر اور خدا تعالیٰ کی قدرت کی طرف عدم توجہی کی بنا پر اس کی توحید میں جھگڑا کرنے لگتا ہے اور شرکیہ عقائد اور باطل رسوم کے حق میں دلائل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

موشیوں کے
خاند

اب اللہ نے موشیوں کا ذکر کر کے اپنی قدرت کے بعض دلائل پیش کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَالْأَنْعَامَ خَلَقْتَهَا اور موشیوں کو پیدا کیا۔ اِن موشیوں سے کون سے موشی مراد ہیں۔ اس کا ذکر سورۃ الانعام اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے

سورۃ الانعام میں ہے ثُمَّ لِيَذَرَ كِتَابَ آذَانِ یہ آٹھ جوڑے ہیں جو عام طور پر انسانوں کے قریب رہتے ہیں اور ان سے مانوس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور یہ ان کا درودھ، گوشت، کھال اور ہڈیاں استعمال میں لاتے ہیں اور یہ جانور اونٹ (ذراوردہ) گلے بیل (ذراوردہ) بھیڑ (ذراوردہ) اور کبری (ذراوردہ) ہیں۔ یہ موسیقی طاقت، میں انسان سے کہیں بڑھ کر ہیں مگر اللہ نے ان کے اذنان میں یہ بات ڈال دی ہے کہ وہ انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔ ایک تین سال کا بچہ بھی اونٹ کی نیل پکڑ کر چلے گا تو سواونٹ اس کے پیچھے چل پڑے گا۔ بعض اوقات سی جانور خلاف معمول جب بگڑ جاتے ہیں تو تباہی مچاتے ہیں۔ اونٹ کے متعلق تو خاص طور پر مشہور ہے کہ وہ اپنے دشمن کو ہلاک کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ بہر حال اللہ نے ان آٹھ قسم کے مویشیوں کا ذکر کیا ہے اور انسان کو یاد دلایا ہے کہ ان جانوروں کو اس کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور یہ بھی اس کی وحدانیت کی ایک دلیل ہے۔

ان جانوروں کے علاوہ بعض دوسرے جانور بھی ہیں جو انسان سے مانوس نہیں ہیں۔ ان میں جنگلی جانور، نیل گلے، ہرن، جنگلی گدھے وغیرہ بھی ہیں جو اگرچہ مفید ہیں مگر انہیں آسانی سے قابو نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ نے ایسے جانوروں کی قربانی جائز قرار نہیں دی۔ بلکہ قربانی کے لیے وہی آٹھ جوڑے مقرر کیے ہیں جو ہمیشہ انسانوں کے قریب رہتے ہیں اور آسانی سے دستیاب ہیں۔

فرمایا اللہ نے مویشیوں کو پیدا کیا لَعَلَّكُمْ فِيهَا دِفْعَةٌ ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان ہے۔ اونٹ اور بھیڑ کبری کی اون سے گرم لباس تیار ہوتے ہیں جو موسم سرما میں انسان کے لیے کارآمد ہوتے ہیں۔ انسانی لباس میں دھستہ، کوٹ، کبیل، سویٹر وغیرہ اون سے تیار کیے جاتے ہیں جو کہ ان جانوروں سے حاصل

اول اور
گوشت

ہوتی ہے۔ اسی طرح ان جانوروں کی کھال سے پوتین، موزے اور صدی وغیرہ بنتے ہیں، وہ انسانوں کے لیے گرمی پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں، اسی لیے فرمایا کہ ان جانوروں میں تمہارے لیے گرمی کا سامان ہے۔ وَمَنَافِعُ اور سب سے فائدے ہیں۔ اس کے بعد ان جانوروں کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے وَمِنْهَا مَا كُوْنُ ان میں سے بعض کو تم کھلتے ہو۔ مذکورہ آٹھ قسم کے جانوروں کا گوشت انسانی غذا کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس لیے شریعت میں انہی جانوروں کا گوشت حلال ہے۔ جن میں کسی قسم کا جسمانی یا روحانی ضرر نہ ہو۔ مردار، خنزیر، نذیر اللہ، بلی کتے وغیرہ اور کچھ مار کمرہ شکار کر نیوے پرندوں کو اسی لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ ان میں جسمانی یا روحانی ضرر پایا جاتا ہے اور یہ انسان کے لیے غیر مفید ہیں۔

امام شاہ ولی المومنین دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان کے پاکیزہ اخلاق یعنی طہارت، اجابت، ساحت اور عدالت پر غذا کا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ جس قسم کے جانور کا گوشت کھایا جائے گا۔ انسانی اخلاق پر اسی قسم کے اثرات مرتب ہوں گے۔ جن آٹھ جانوروں کا گوشت اللہ نے حلال قرار دیا ہے، وہ انسان کے پالتو جانور ہیں، اس لیے ان کا گوشت بھی انسانی مزاج کے مطابق ہے ان کی پیدائش کا بھی اللہ نے وسیع انتظام فرمایا اور ہر روز لاکھوں جانور ذبح ہو کر استعمال ہوتے ہیں ان کے علاوہ اگر کوئی شخص بھیرے کے گوشت کھائے گا تو اسی قسم کی پھپھڑ والی جنسیت پیدا ہوگی۔ خنزیر، کتا، بلی وغیرہ کے گوشت سے اسی قسم کے اخلاق پیدا ہوں گے۔ بہر حال فرمایا کہ مولتیوں میں انسان کے لیے یہ دو بڑے فائدے ہیں کہ ان کے ذریعے گرمی کا سامان مہیا ہوتا ہے اور ان کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔

وَمَنْ فَحَّحَ لِيَعْنِي اِنْ جَانُورُوں میں تمہارے لیے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ مثلاً سب سے اہم چیز ان جانوروں کا دودھ ہے جو بچپن سے لے کر آخر عمر تک انسانی غذا کا حصہ ہے۔ پھر دودھ سے حاصل ہونے والا دھی اور گھی بھی بہت بڑی مقدار میں انسانی استعمال میں آتا ہے۔ خاص طور پر بچوں اور بیماروں کے لیے یہ چیزیں انتہائی مفید ہیں، جنہیں الٹرنے ان جانوروں کے ذریعے ہم پہنچا یا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک ایسی چیز جو بیک وقت کھانے اور مشروب کا کام لے، وہ دودھ کے علاوہ کوئی نہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے امت کو سکھایا ہے کہ جب بھی کوئی نعمت استعمال کرو تو اس کا شکر یہ ادا کرو اور دعا کرو کہ لے اللہ! اس سے بہتر عطا فرما۔ مگر جب دودھ جیسی عظیم نعمت استعمال کرو تو اللہمَّ زِدْنَا هُنَا كِي دُعا کرو یعنی اے اللہ! ہمارے لیے اس میں اضافہ فرما۔ گویا دودھ سے بہتر چیز کی دُعا نہیں کی گئی۔ دودھ کے علاوہ ان جانوروں کی چربی اور پٹھیاں بھی انسانی فائدے کی مختلف چیزوں میں استعمال ہوتی ہیں۔ تو فرمایا ان جانوروں میں تمہارے لیے دیگر فوائد بھی ہیں۔

فَرِيَا وَلَكُمْ فِيهَا جَالٌ اِنْ فِيں تمہارے لیے خوبصورتی ہے حِينِ تَنْ يَحُوْنَ جب کہ وہ جنگلیوں سے چر کر پھلے پر گھر واپس آتے ہیں وَحِينِ تَنْسَحُوْنَ اور جس وقت صبح کے وقت چرنے کے لیے باہر جاتے ہیں مطلب یہ کہ مویشیوں کی آمد و رفت بھی تمہارے لیے خوشنمائی کا باعث ہے یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے پہلے جانوروں کے چرنے کے لیے جانے اور پھر واپس آنے کا ذکر ہونا چاہیے۔ مگر اس آیت کریمہ میں پہلے واپس آنے اور بعد میں گھر سے جانے کا ذکر کیا ہے۔ ایسا کیوں؟

خوبصورتی کا ذریعہ

اس ضمن میں امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ خوبصورت حالت کا پہلے ذکر کیا ہے اور لبتاً کم خوشنمائی کا بعد میں۔ جس وقت جانور گھر سے چرنے کے لیے جنگل کی طرف نکلتے ہیں تو بے اوقات گوبر سے لمٹھڑے ہونے اور کسی قدر بھوکے بھی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے زیادہ خوبصورت نظر نہیں آتے۔ البتہ جب جنگل سے چر چک کر شام کو واپس آتے ہیں تو دین بھر پھرنے سے اُن کی غلاظت وغیرہ بھی دُور ہو چکی ہوتی ہے اور سپٹ بھی بھرے ہوتے ہیں، اس لیے زیادہ خوشنما نظر آتے ہیں۔ تو یہاں پر اللہ نے زیادہ خوشنمائی کی حالت کو پہلے ذکر کیا ہے۔

جانوروں
کے
حقوق

اپنے جانوروں کو اچھی حالت میں دیکھ کر انسان کا جی خوش ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے بشرطیکہ اس میں تکبر کا پہلو نہ ہو۔ خوبصورت جانور دیکھ کر انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اگر وہ ان پر غرور کرنے لگے گا تو یہ اُس کے حق میں حرام ہوگا اور اسے اللہ تعالیٰ کسی ناشکری پر محمول کیا جائے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر ان جانوروں کے بھی بعض حقوق رکھے ہیں۔ فرضی حق میں زکوٰۃ ہے جو سال بھر میں ایک دفعہ ادا کی جاتی ہے بشرطیکہ جانور نصاب کو پہنچ جائیں اس کے علاوہ انسان پر ایک اخلاقی حق بھی عائد ہوتا ہے کہ اگر جانور دودھ پینے والا ہے تو اس میں سے غریبوں اور محتاجوں کو بھی حصہ دیا جائے۔ کوئی بیمار ہے پکے سے جسے دودھ کی ضرورت ہے تو اُسے مایوس نہ کیا جائے اس طرح اگر کسی کے پاس گھوڑا ہے تو اس کا حق بھی ادا کرے۔ کسی ضرورت مند پڑوسی یا عزیز کو سواری کے لیے ضرورت ہے، تو انکار نہ کرے۔ یہ حق محض گھوڑے کی سواری تک محدود نہیں سواری کی کوئی قسم کار، موٹر سائیکل یا سائیکل کی سواری موجود ہے تو حاجتمند

کو بوقت ضرورت پیش کرنا، اس سواری کا حق ادا کرنا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اپنے جانوروں کا حق ادا کرو جس دن انہیں گھاٹ پر لے جاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جانوروں کا ایک یہ فائدہ بھی بیان فرمایا ہے وَتَحْمِلُ

الْفَقَالَ كُمْ إِلَىٰ بَلَدِكُمْ تَكُونُوا بِلَيْعِهِ إِلَّا بِشِقَاتِ

الْأَفْئِسْ يُرِيدُ جانور ایسے شہروں تک تمہارے بوجھ اٹھاتے ہیں، جہاں تم

اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ بار برداری کا کام خالی

سفر سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اللہ کے پیدا کردہ جانور نہ صرف انسانوں کے

یہ سواری کا کام دیتے ہیں بلکہ ان کی بار برداری بھی کرتے ہیں۔ اگر بار برداری

کے ذرائع نہ ہوں تو انسان سخت مشکل میں پڑ جائیں۔ اونٹ اور بیل وغیرہ

بار برداری کے لیے خاص طور پر موزوں ہیں اور انسان کی بڑی خدمت انجام

دیتے ہیں۔ فرمایا إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَدُوفٌ رَّحِيمٌ تمہارا پروردگار نہایت

شفقت والا اور بڑا مہربان ہے جس نے تمہیں جانوروں کی خدمات

دیکھ کر کے بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ اب تمہارا بھی فرض ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی توحید کو تسلیم کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، صرف

اسی کی عبادت کرو۔ اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو

فرمایا وَالتَّحِيلِ وَالْبَيْعِ وَالْحَمِيْنِ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں

چرخوں اور گدھوں کو بھی پیدا کیا ہے لِقَدْ كَبُوْهُمَا تَا كَمَا ان پر سواری کرو۔

وَنِيْكَرَةً اُو د یہ تمہارے لیے زینت کا سامان بھی ہیں۔ یہ جانوروں

کا ایسا کردہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ جن کا گوشت تو نہیں کھایا جاتا، البتہ

یہ انسان کی دیگر خدمات ضرور انجام دیتے ہیں۔ خالص النعل گھوڑے کی

حالت کے متعلق البتہ دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں اور اس میں ائمہ کرام

کا اختلاف ہے۔ اسی اختلاف کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ گھوڑے کے گوشت

کو حرام بھی نہیں کہتے اور اسے بہتر بھی نہیں سمجھتے۔ گھوڑے کے متعلق

بار برداری
کا کام

ناخوردنی
جانور

حالت و صرمت دونوں قسم کی ردایات کی موجودگی میں اس پر مکررہ کا حکم لگایا جاتا ہے۔ البتہ گھوڑے کی اعلیٰ خدمات کا اعتراف حضور کے ارشاد مبارک سے ملتا ہے کہ گھوڑوں کی پشیمانوں میں اللہ نے بہتری لکھی ہوئی ہے۔ یہ جانور قیامت تک کار آمد رہیں گے۔ چنانچہ گھوڑا سفر میں سواری کا کام دیتا ہے اور جنگ کے دوران بھی بڑا مفید ثابت ہوتا ہے۔ چھر بھی بڑا مفید جانور ہے۔ یہ گدھے اور گھوڑی کام کب ہوتا ہے۔ مگر اس کی نسل آگے نہیں چلتی۔ یہ بڑا طاقتور جانور ہے اور بار برداری میں بڑا مفید ثابت ہوتا ہے۔ بار برداری اور سواری کے لیے گدھا بھی بڑا کار آمد جانور ہے، تاہم اس کی حماقت بڑی مشہور ہے۔ اس کا گزشت بھی حرام ہے کہ اس سے حماقت پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ البتہ سواری کے طور پر خود حضور علیہ السلام نے اسے استعمال کیا ہے۔ بہر حال یہ سارے جانور انسان کے خادم اور خدا کی قدرت کے نمونے ہیں۔

مستقبل کی
سواریاں

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ایک بڑا باہمی جملہ یہ فرمایا ہے **وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ** اور اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے یا پیدا کرے گا۔ وہ چیزیں بھی جو تم نہیں جانتے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس جملے سے وہ تمام سواریاں مراد ہیں جو نردول قرآن کے زمانے میں اس کے اولین مخاطبین کی نظروں سے اوجھل تھیں، یا آئندہ قیامت تک معرض وجود میں آئی ہوں گی۔ اس وقت جانوروں سے کھینچی جانے والی، بجلی، پٹرول اور بھاپ سے چلنے والی اتنی سواریاں ایجاد ہو چکی ہیں جن کا اس زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چھوٹا، ٹرک، موٹر گاڑی، بس، ریل گاڑی، انٹیکل، موٹر سائیکل، ہوائی جہاز اور کبری جہاز کی بے شمار قسمیں انسانوں اور ان کے سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی نظر آتی ہیں۔ تیز ترین سواریوں نے دنیا بھر کو سیکڑوں گدھے رکھ دیا ہے بلکہ اب تو کرہ ارضی سے نکل کر انسان چاند پر پہنچ چکا ہے اور سرخ پر پہنچنے کی کوشش

کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام چیزیں پیدا فرما کر سبھی نوزع انسان پر بڑا احسان کیا ہے ورنہ انسانی زندگی میں قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی ہوتیں۔ اگرچہ ان تمام مشینی ذرائع کو ایجاد کرنے کا سہرا بظاہر خود انسان کے سر ہے مگر اس کے علاوہ خام مال کی بہم رسانی اور انسانی اعضاء قومی کی عطائیگی اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ فضا میں پرواز کا شوق ایک اندسی آدمی کے دل میں پیدا ہوا جس نے اپنے بازوؤں پر گہر کے پر باندھ کر اڑنے کی کوشش کی مگر گڑ گڑ زلمی ہو گیا۔ اس کا جذبہ زندہ رہا۔ لوگ تجربات کہتے رہے حتیٰ کہ آٹھ سو سال کے تجربات کے بعد اس صدی کے آغاز یعنی ۱۹۰۴ء میں ہوائی جہاز کی پہلی پرواز کامیابی سے ممکن ہوئی۔ بہر حال اس دور میں بجلی، ڈیزل اور پٹرول سے چلنے والی بے شمار گاڑیاں منظر عام پر آچکی ہیں اور ایجادات کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری ہے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہ چیزیں بھی پیدا کر سکا جنہیں تم نہیں جانتے۔

یہ تو ماویٰ زندگی کی سواریوں کا تذکرہ تھا، حضور علیہ السلام نے اگلے جہان کی سواری کا تصور بھی دیا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا، حضور! جنت میں ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے کیا انتظام ہو گا۔ آپ نے فرمایا، دہاں تمہیں سرخ یا قوت کا گھوڑا ملے گا جس کی رفتار اتنی تیز ہوگی کہ اس دنیا کی جدید ترین گاڑی اس کی گمراہ کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اور پھر یہ ہے کہ دہاں پر کسی حادثے کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ جنتی آدمی کروڑوں میلوں کا سفر آسانی سے بلا خوف و خطر کر سکے گا۔ فرمایا دہاں تمہیں ایسی سواری میسر ہوگی۔

اگے اللہ نے انسان کی روحانی زندگی کو خوشگوار بنانے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے روحانی راستوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَعَلَىٰ
اللَّهِ قِصْدُ السَّبِيلِ اور اللہ تک ہی پہنچتا ہے بہرہ راستہ۔ اللہ تعالیٰ

مستقیم اور
منجھی راستے

کے بنائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلو گے تو یہ زندگی بھی خوشگوار گزرے گی اور آخرت کی کامیابی بھی یقینی ہو جائے گی۔ مگر یاد رکھو! وَمِنْهَا جَاہِرٌ ان میں بعض راستے ٹیڑھے بھی ہیں۔ اگر ان پر چل نکلے۔ کفر، شرک، بدعت، معصیت اور گمراہی کے راستے اختیار کر لیے تو خدا تعالیٰ کی رضا کے مقابلہ میں بیخ سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے راستے واضح کر دیے ہیں، اب یہ انسان کی اپنی صوابدید ہے فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (الکہف) کہ وہ ایمان کا راستہ قبول کرنا ہے یا کفر کا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عدل سمجھ، کتب، سادریہ، نبی اور مبلغ جیسے سارے وسائل مہیا کر دیے ہیں اب مستقیم یا منحرفی راستہ اختیار کرنا اس کا اپنا کام ہے۔ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم سب کو زبردستی ہدایت کے راستے پر ڈال دیتا۔ مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ وہ انسانوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ وہ سیدھا راستہ اختیار کرتے ہیں یا ٹیڑھا اور پھر اس امتحان میں کون کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام اس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ آخرت کی کامیابی صراطِ مستقیم کو اختیار کرنے پر منحصر ہے اور جو شخص دوسرا راستہ اختیار کرے گا، اس کے لیے آگے جہنم بھی تیار ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ﴿۱۰﴾ يُنبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ؕ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۱﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذْكُرُونَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ؕ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَازِرَ فِيهِ وَلِيَبْتَلُوا مَنْ فُضِّلَهُ وَعَلَّكُمُ شُكْرُونَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ :- وہ وہی ذات ہے جس نے آواز آسمان کی طرف سے پانی تمہارے لیے اسی میں تمہارے پینے کا سامان ہے اور اسی سے درخت اگتے ہیں جس

میں جانوروں کو چراتے ہو (۱۰) اگلا ہے وہ تمہارے لیے کھیتی
 اسی (پانی) کے ذریعے۔ اور زیتون (کے درخت) اور کھجوریں
 اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔ بیشک اس میں نشانی ہے
 ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں (۱۱) اور مسخر کیا
 اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو، اور سورج اور
 چاند کو۔ اور سارے بھی مسخر کیے ہوئے ہیں اُس کے حکم
 سے بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے
 لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں (۱۲) اور جو چیزیں پھیلائی
 ہیں اُس نے تمہارے لیے زمین میں ان کا رنگ مختلف
 ہے۔ بیشک اس میں بھی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے
 جو نصیحت پکڑتے ہیں (۱۳) اور وہ وہی ذات ہے جس
 نے مسخر کیا تمہارے لیے دریا کو تاکہ کھاؤ تم اس میں سے
 تازہ گوشت، اور نکالو اس میں سے زیور جس کو تم پہنتے
 ہو۔ اور تم دیکھو گے کشتیوں کو جو چلتی ہیں۔ اس میں
 پانی کو چیرتی پھاڑتی، اور تاکہ تلاش کرو تم اُس کے فضل
 سے، اور تاکہ تم (اللہ کے احسانات کا) شکر یہ ادا کرو (۱۴)

معوذۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے نزول وحی کا ذکر کر کے اپنے انبیاء کو
 حکم دیا اَنْتَ اَنْذِرُوْا اَنْهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاتَّقُوْنَ یعنی لوگوں کو خبردار
 کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا مجھ ہی سے ڈرو پھر اللہ تعالیٰ نے نشانات
 قدرت کا ذکر کیا جن میں ہر نشانی اس کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے۔ اَرْضِ دَسَمَا
 کی تخلیق، حقیقہ قطرہ آب سے انسان کی پیدائش، موشیوں سے حاصل ہونے والے
 فوائد اور ان سے زینت کا سامان پیدا کرنے کا ذکر کر کے اللہ نے اپنی رافت اور

رہنمائی

شفقت کی طرف اشارہ کیا۔ پھر یہ پیش گوئی کر دی کہ سواری کے لیے ان جانوروں کے علاوہ اللہ تعالیٰ اور بھی بہت سی چیزیں پیدا کرے گا، جسے تم اس وقت نہیں مانتے ان مادی لوازمات کے ساتھ ساتھ اللہ نے انسان کی روحانی اور اخروی زندگی کا سامان بھی پیدا فرمایا۔ اس نے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائی کہ جس پر چل کر انسان اللہ کی رحمت کے مقام تک پہنچ سکیں گے۔ فرمایا اگر انسان غمزہ و فکیر کرے تو یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل ہیں۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی مادی ضروریات سے متعلق بعض انعامات کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا۔ یہ پانی بھی اللہ کی عظیم نعمت اور اس کی قدرت کی نشانی ہے۔ سَمَاءٌ كَالْفُضَاءِ پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ سورۃ الحج میں گزر چکا ہے کہ ہم نے جو بھل ہوئیں بِهِمْ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اور بادلوں سے پانی برسایا۔ ہوئیں جو بھل بادلوں کو اٹھا کر لے جاتی ہیں اور پھر جہاں مشیت ایزدی ہوتی ہے، اوہاں بارش برتی ہے۔ بہر حال السَّمَاءُ سے محض بادل بھی مراد نہیں بلکہ اس لفظ میں عالم بالا کا حکم بھی شامل ہے۔ بادل زمین اور آسمان کے درمیان فضا میں چلتے ہیں۔ اور حکم الہی کے مطابق بارشیں برساتے ہیں۔

فرمایا، اس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل فرمایا مِنْهُ شئی آج جو تمہارے لیے بطور مشروب ہے انسانی زندگی کا انحصار بہت حد تک پانی پر ہے۔ میڈیکل سائنس والے کہتے ہیں کہ انسانی جسم میں چلنے والے خون میں اسی فیصدی پانی اور بیس فیصدی غذائیت ہوتی ہے۔ انسان جو بھی خوراک کھاتا ہے وہ جگر میں پہنچ کر خون میں تبدیل ہو جاتی ہے

پانی کی
ضرورت

انسانی جسم میں جگر اتنی بڑی فیکٹری ہے کہ اس مادی دُنیا میں اتنا بڑا کوئی کارخانہ نہیں ہے۔ اس قدرتی فیکٹری میں اللہ کے لاکھوں کرداروں فرشتے مصروف کار ہیں جو غذاؤں کو خون میں تبدیل کرتے ہیں۔ پھر اس خون کو قلب میں بھیج کر سارے جسم میں پھیلا دیتے ہیں اور اس طرح استعمال شدہ غذا جسم کے ہر حصہ میں پہنچتی ہے۔ جسم کا ہر عضو اس میں سے اپنی ضرورت کی غذا حاصل کر لیتا ہے اور غلیظ مادہ دوسرے راستے سے پھینک دیا جاتا ہے، وہاں پر اسے تازہ ہوا (اکسیجن) میسر آتی ہے تو اُسے کا بعض حصہ صاف ہو جاتا ہے، اور گندہ دخان باہر نکل جاتا ہے۔ برہاں پانی اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، ہمارے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمدؒ نے اپنا تجربہ بیان کر کے ہمیں کہہ جاز ہیں ہرگز کے دوران بعض ایسے مواقع بھی آئے کہ ایک گونا گونا پانی سے سات سات آدمیوں نے وضو کیا۔ پانی کی قدر ان خطوں میں ہے۔ جہاں اس کی قلت ہے۔ ہمارے ہاں تو پانی کی فراوانی ہے اور قدر نہیں ہے۔ وضو اور غسل پر گھڑوں پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ نلوں اور ٹیوب ویلوں نے پانی کی اتنی افراط کر دی ہے کہ ہر روز کثیر مقدار میں پانی ضائع ہوتا ہے لوگ پانی استعمال کرنے کے بعد ٹوٹی کو بند کرنے کی تکلیف نہیں کرتے جس کی وجہ سے منوں اور ٹنوں ذریعہ پانی ضائع ہوتا ہے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ پانی کو ضائع ہونے سے بچاؤ اور اِنْ كُنْتَ عَلٰی شَطَطِ الْمَهْرِ یعنی اگر چہ تم نہر کے کنارے پر ہی کیوں نہ ہو۔ وہاں بھی پانی کا اسراف درست نہیں بلکہ ضرورت کے مطابق ہی استعمال کرنا چاہیے۔ اسی لیے اعضائے وضو کو تین دفعہ سے زیادہ بلا ضرورت دھونا اسراف میں داخل ہے جو شخص ایسا کرتا ہے فَعَصٰی وَتَعَدٰی اس نے برائی اور تعدی کی۔ انسان کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی ہر کام انجام دے۔ اگر کوئی حصہ عضو خشک

رہ گیا ہو یا وضو کی تکمیل کا متیقن نہ ہو تو تین سے زیادہ بار بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال پانی جیسی نعمت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے، اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ تمہارے پینے کی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کا پہلا فائدہ تو یہ بتایا ہے کہ یہ انسانوں کے لیے اور دیگر جانوروں کے لیے مشروب ہے، اور دوسرا فائدہ یہ کہ وَصِنْدُ شَجَرٍ، فِيهِ تَسِيْمُونَ اسی پانی سے درخت، پودے، گھاس بھونس اور جڑی بوٹیاں بھی اگتی ہیں جن میں تم جانور چراتے ہو۔ جانور بھی انسانی غذا کا ایک اہم حصہ ہیں۔ جانوروں کا گوشت انسانی جسم کو لچھیت (پروٹین) مہیا کرتا ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہت جلد جرزو بدن بن جاتا ہے۔ تو جانوروں کا مدار حیات بھی اللہ نے پانی پر رکھا ہے پانی جانوروں کے لیے بطور مشروب بھی ضروری ہے اور ان کی خوراک کا دار و مدار بھی پانی پر ہے۔

نباتات کے
پینے پانی

فرمایا يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ اللہ تعالیٰ اسی پانی کے ذریعے تمہارے لیے کھیتی اگاتا ہے۔ پہلے پانی کا ذکر بطور انسانی مشروب کے کیا گیا تھا۔ اب اسے انسانی خوراک کا ذریعہ بھی بتلایا گیا ہے۔ کہ پانی کے ذریعے ہی کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ اناج اور غلہ پیدا ہوتا ہے، پھل پیدا ہوتے ہیں جو انسان کی خوراک بنتے ہیں وَالزَّيْتُونَ اور زیتون بھی پانی کے ذریعے ہی پیدا ہوتا ہے اس درخت کا پھل بھی کارآمد ہے اور اس کا تیل تو کثرت سے استعمال ہوتا ہے حضور علیہ السلام نے بھی زیتون کی تعریف فرمائی ہے كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا۔ زیتون کو کھاؤ بھی اور اس کی مالش بھی کرو۔ انسانی بدن کی جلدی بیماریوں کے لیے زیتون کا تیل بڑا مفید ہے۔ اس کے علاوہ یہ کھانا پکانے میں

گھی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اللہ نے اسے بڑا بابرکت درخت بنایا ہے جس کے لیے اللہ کے نبیوں نے برکت کی دعائیں کی ہیں۔

وَالنَّخْلَ کھجور کا درخت بھی پانی کا سرہون منت ہے۔ یہ درخت بڑی لمبی عمر پاتا ہے اور پھل بھی بہت زیادہ دیتا ہے۔ اس کا پھل جلدی ضراب نہیں ہوتا، اس لیے اگلا پھل آنے تک سارا سال استعمال ہوتا رہتا ہے۔ ریگستانی علاقوں میں کھجور کی بڑی افادیت ہے جہاں یہ پھل خوراک کے طور پر بھی کھایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بڑی غذائیت ہے اور بطور تفریح تو یہ پھل بہر حال استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وَالْأَعْنَابَ انگور کی پیداوار بھی پانی ہی پر منحصر ہے یہ بھی بڑا عمدہ پھل ہے۔ اس سے مشروب، سرہنہ اور کئی قسم کی چیزیں تیار کرنے کے لیے محفوظ رکھی جا سکتی ہیں۔ الْفَرْصُ! فرمایا وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ اللہ نے اس پانی کے ذریعے ہر قسم کے پھل پیدا کیے ہیں جو انسان کھاتے ہیں۔ ان میں بڑی غذائیت اور توانائی ہوتی ہے بلکہ بعض پھل دیگر خوراک کو بھی مہضم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ تو اللہ نے یہ تمام چیزیں انسان کے لیے پیدا فرمائی ہیں اور ان سب کا دار و مدار پانی پر ہے۔

فَرَمَّا آتِ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُونَ اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے نشانی ہے۔ دیکھو! ایک ہی پانی سے اللہ تعالیٰ بے شمار اقسام کا اناج، پھل اور دوسری نباتات پیدا کرتا ہے۔ یہی اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ اللہ کے سوا کوئی دوسری ہستی کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ دوسرے مقام پر آتا ہے کہ ایک ہی پانی سے پیدا ہونے والے پھلوں کے رنگ، شکلیں خوشبو اور ذائقے کس قدر مختلف ہیں۔ کیا یہ کسی مادے کی طاقت ہے یا نیچر کے مطابق

خود بخود ہو رہا ہے؟ نہیں، بلکہ یہ سارا کارخانہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ اور حکمت بالغہ سے چل رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آتی ہے۔ مگر اکثر لوگ ان چیزوں کی طرف دھیان ہی نہیں کرتے۔ نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں، روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں مگر کبھی سوچا تک نہیں کہ آخر یہ سب کچھ کون کر رہا ہے۔

شمس و قمر
کی ضیا پائیک

آگے بعض دوسرے انعامات کا ذکر ہے وَمَسَحَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ اللہ نے تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کر دیا ہے یعنی تمہارے کام پر لگا دیا ہے۔ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اور سورج اور چاند کو بھی یہ چار چیزیں ایسی ہیں جن سے ہر انسان کو ہر وقت واسطہ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو انسانوں اور جانوروں کے لیے آرام کا ذریعہ بنایا ہے جب کہ دن کے وقت لوگ کام کرتے ہیں اور روزی کھاتے ہیں۔ جانور، پرندے اور چرندے بھی دن بھر اپنی روزی کے لیے لگے دوگرتے ہیں اور رات کو آرام کرتے ہیں۔ پورے نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) میں سورج کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، دن رات کا تغیر و تبدل اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ سورج تمام انسانوں اور جانوروں کے لیے روشنی بہم پہنچاتا ہے۔ ان کے لیے گرمی مہیا کرتا ہے جس سے فصلیں اور پھل پکتے ہیں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہے۔ اسی طرح چاند کی دہمی روشنی رات کے اندھیروں میں بہت حد تک کام آتی ہے۔ یہی مدہم روشنی پھلوں میں رس پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے اور سمندروں میں موجز پیدا ہوتے ہیں۔

فَرَمَا وَالنَّجْوَمَ مَسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِہٖ سارے بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے مسخر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ستاروں اور سیاروں کا وسیع نظام پیدا کر کے ان سب کو اپنے اپنے کام پر لگا دیا ہے۔

تجربات کے ذریعے بعض ستاروں اور سیاروں کی حرکات و سکنات کا پتہ چلایا ہے اور مزید تجربات ہوئے ہیں۔ تاہم عام مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ ستارے ایک چال سے ایک خاص منزل کی طرف واں دواں کہتے ہیں۔ پرانے زمانے میں لوگ سمندری اور صحرائی سفر کے دوران انہی ستاروں سے منزل کی طرف راہنمائی حاصل کرتے تھے۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ جَنک
 ہمیں نشانات ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل و فہم سے کام لیتے ہیں جو لوگ اپنی عقل سے کام نہیں لیتے، ان کے لیے تمام مذکورہ نشانات کچھ مفید نہیں ہو سکتے۔ لوگ ان پر سے صبح و شام گزر جاتے ہیں مگر ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ سورۃ انفال میں موجود ہے کہ کافر لوگ
 الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ایسے ہیں جو گونگے اور بہرے ہیں اور کچھ عقل نہیں رکھتے۔ اگر عقل کو صحیح طریقے پر استعمال کرتے تو کفر اور شرک میں کیوں مبتلا ہوئے۔ ان کی بے عقلی کا یہی ثبوت کافی ہے کہ اللہ کی قدرت کی کوئی نشانی انہیں نظر نہیں آتی۔

مزید ارشاد ہوتا ہے وَمَا اَدْرَاٰكُمْ فِيْ الْاَرْضِ مِنْ مُّخْتَلِفٍ الْوَاوَاكُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے ہمارے لیے زمین میں جو چیزیں پھیلانی ہیں، اُن کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ انسانوں کو دیکھ لیں مختلف خطوں کے لوگوں کے رنگ، وضع قطع اور قد کاٹھ مختلف ہیں۔ پھل ہر قسم کے پائے جاتے ہیں۔ مگر ان کی شکلیں، رنگ، ذائقہ اور بو مختلف ہے۔ اللہ نے پھولوں کی بے شمار قسمیں پیدا کی ہیں۔ ہر ایک کا رنگ اور بو جدا جدا ہے۔ اناج اور سبزیاں کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ ساری چیزیں شاہکار قدرت ہیں۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

البتہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عرف عام میں مچھلی کا اطلاق گوشت پر نہیں ہوتا اس لیے مچھلی کا گوشت کھانے سے اس شخص کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ وہ مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے خادم کو گوشت لانے کا حکم دے اور وہ مچھلی لے آئے تو وہ قابل قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ عرف عام کے مطابق گوشت سے مراد مچھیر بکری یا گائے اونٹ کا گوشت مراد لیا جاتا، اور مچھلی کا گوشت مطلوب ہر تو اسے مچھلی کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں مزید متقن پیدا کرنے کے لیے امام صاحب نے ایک آدمی کو امام سفیان ثوریؒ کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر ان سے دریافت کرے کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں بباط پر نماز نہیں پڑھوں گا اور پھر وہ زمین پر نماز ادا کرے تو کیا اس کی قسم ٹوٹ جائے گی؟ انہوں نے جواب دیا کہ قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ اس شخص نے بباط یعنی دری، قالین یا چٹائی وغیرہ پر نماز نہ پڑھنے کی قسم اٹھائی ہے، نہ کہ خالی زمین پر۔ اس پر امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اللہ نے سورۃ نوح میں زمین کو بھی بباط فرمایا ہے وَجَعَلَ الْأَرْضَ بِسَاطًا اُس نے تمہارے لیے زمین کو بباط بنایا ہے۔ اگر عرف عام میں بباط کو زمین پر قیاس نہیں کیا جاتا تو مچھلی کا گوشت پر کیسے محمول کیا جائیگا؟ بہر حال اگرچہ مچھلی کا گوشت بھی گوشت ہی ہوتا ہے تاہم اسے جانور کے گوشت پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

اس کی ایک مثال اس طرح بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ میں فلاں شخص سے بات چیت نہیں کروں گا۔ اب اس شخص کے مرنے کے بعد اگر قسم اٹھانے والے شخص نے اس کو مخاطب کر لیا تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ عرف عام میں اس کلام کو کلام ہی نہیں کہا جاتا جو کسی کے ساتھ اس کے مرنے کے بعد کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ اُس کی زندگی میں اس سے کلام کرتا،

ترقم ٹوٹ جاتی۔ اسی طرح ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ مجھے بازار سے سری لاشے۔ تو اگر مامور سرعنی یا چڑیا کی سری لے آئیگا تو وہ قابل قبول نہ ہوگی۔ بلکہ عرف عام کے مطابق بھیس بگری یا گائے بھیس کی سری کو ہی سری پر محمول کیا جاتا ہے۔

فرمایا دریاؤں اور سمندروں کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ وہ انسانوں کے لیے تازہ گوشت جہا کرتے ہیں، اور دوسرا یہ ہے وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا تاکہ تم ان میں سے پھنے کے لیے زیورات نکالو۔ یہاں زیورات سے مراد مونگے اور موتی ہیں۔ جنہیں عورتوں کے علاوہ مرد بھی پہن سکتے ہیں۔ البتہ معدنیات کے طور پر زمین اور پہاڑوں سے نکلنے والا سونا اور چاندی مرد کے لیے حلال نہیں ہے۔ بہر حال سمندروں سے نکلنے والے زیورات پہنے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا وَتَكْسِرُ الْكَلْبَ مَوَاجِحَ فِيهِ اے مخاطب! تم ان کشتیوں کو بھی دیکھتے ہو جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں۔ آج کی دنیا میں چھوٹی چھوٹی بادبانی کشتیوں سے لے کر ٹیل سے چلنے والی کشتیاں، سیٹر اور بڑے بڑے بحری جہاز سمند کی سطح پر دوڑتے نظر آتے ہیں، جو انسان کی بڑی خدمت بجالاتے ہیں مسافروں کی نقل و حرکت کے علاوہ لاکھوں ٹن دزنی سامان ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک منتقل ہوتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے سمندروں اور دریاؤں کو انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے وَلْيَبْتَغُوا مِنْ رِزْقِهِ تاکہ تم اللہ کے فضل میں سے تلاش کرو۔ فضل سے مراد رزقِ حلال ہے جو بحری جہاز کے دور دراز کے سفر کے ذریعے تلاش کیا جاتا ہے۔ ایک مومن رزقِ حلال حاصل کرنے کا پابند ہے کیونکہ

رزقِ حرام سے تو عبادت بھی نامقبول ہوتی ہے۔ اللہ کے فضل میں عبادت
بھی داخل ہے کہ حج و عمرہ کے لیے، دوست احباب اور عزیزوں
سے ملاقات کے لیے بھی سفر اختیار کیا جاتا ہے وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوا اور تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ کہ اس نے تمہیں اتنی
نعمتیں عطا کی ہیں۔ یہ سب اللہ کی وحدانیت کے دلائل ہیں جو آگے
بھی ذکر کئے جائیں گے۔

وَالْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَانْحَرًا
 وَسَبِيلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾ وَعَلَّمَتْ^ط وَبِالنَّجْمِ
 هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا
 يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾ وَإِن تَعُدُّوا
 نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ
 رَّحِيمٌ ﴿١٨﴾ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَسْرُونَ وَمَا تَعْلَنُونَ ﴿١٩﴾
 وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ
 شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ
 وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّاتِ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾

ترجمہ :- اور رکھ دیے اُس نے زمین میں بوجھل
 پہاڑ تاکہ زمین تھامے ساتھ مضرب نہ ہو۔ اور (اس نے
 چلا دیں) نریں، اور (بنا دیے) راستے تاکہ تم راہ پاؤ ﴿۱۵﴾
 اور کئی علامتیں (اُس نے رکھ دیں) اور ستاروں کے
 ذریعے بھی یہ لوگ راہ پاتے ہیں ﴿۱۶﴾ بھلا وہ ذات جو
 پیدا کرتی ہے اُس کی طرح ہو گی جو نہیں پیدا کر سکتا۔
 کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے ﴿۱۷﴾ اور اگر تم شمار کرو اللہ
 کی نعمتوں کو تو نہیں شمار کر سکتے ان کو۔ بیشک اللہ تعالیٰ

البتہ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۸) اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو (۱۹) اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا دوسروں کو، وہ نہیں پیدا کر سکتے کوئی چیز بھی، اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں (۲۰) وہ مردہ ہیں، زندہ ہونے والے نہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ وہ کب دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۲۱)

ربط آیت

سورۃ ہذا کی ابتدا میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل فرما کر انہیں انذار کا حکم دیا اور فرمایا "أَنْذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا" لوگوں کو ڈرا دو اور خبردار کر دو میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دلائل قدرت بیان فرمائے اور مخلوق کو عطا کردہ نعمتوں کا ذکر کیا جن میں ہر نعمت اللہ کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے۔ دلائل قدرت میں سے ارض و سما کی پیدائش، انسان کی قطرہ آب سے تخلیق، جانوروں کی پیدائش اور ان کے فوائد بارش کا نزول، باغات اور نباتات کی تخلیق، ہیل و سنار اور شمس و قمر کی تسخیر، ستاروں کی تسخیر، سمندر و صحرا میں ہونے والے موتی اور تازہ گوشت اور پھران میں ہونے والی جہاز رانی اور ان کے ذریعے انسانوں کو ملنے والی سہولتوں کا ذکر ہو چکا ہے۔

دین کا توازن

دلائل قدرت اور انعامات الہی ہی کے سلسلے میں اب اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد کا ذکر فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَالْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ اور اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو جبل پہاڑ رکھ دیے۔ عربی زبان میں عام طور پر پہاڑ کے لیے جبل کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور پختہ اور جھے ہونے پہاڑ کے لیے راسیہ کا لفظ آتا ہے جس کی جمع یہاں پر رواسی آیا ہے۔ زمین کی تخلیق کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ جو جبل پہاڑ اس لیے رکھ دیے ہیں۔

اِنَّ تَمِيْدَ بَيْكُمُ مَاكُمْ زَمِيْنَ تَمَارَے سَاعِدَ حَرَكَتِ
 نہ کرے۔ اگر زمین مضطرب ہو جائے یعنی ڈونے لگے تو انسانی زندگی
 کس قدر تلخ ہو جائے۔ جب کبھی چنڈیکنڈ کے لیے زلزلے کے جھٹکے
 آتے ہیں تو انسان کس قدر پریشان ہو جاتے ہیں اور پوری زندگی معطل ہو کر
 رہ جاتی ہے۔ تو فرمایا ان بوجھل پہاڑوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے پوری
 زمین مضطرب رہتی تو پوری نوع انسانی کے لیے زندگی کتنی کٹھن ہوتی ہے
 اللہ تعالیٰ نے انہوں پر یہ احسان فرمایا ہے کہ اُس نے زمین میں بڑے
 بڑے بوجھل پہاڑ نصب کر دیے ہیں تاکہ زمین پر سکون ہے اور لوگوں کی
 زندگی میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

پہاڑوں کے اس بنیادی فائدے کے علاوہ اللہ نے ان میں اور
 بھی بہت سے فوائد رکھے ہیں۔ پہاڑوں میں موجود بے شمار قسم کی معدنیات
 نمک، لوہا، تانہ، سونا، چاندی، تیل، چشے، فلک بوس درخت اور
 لاتعداد جڑی بوٹیوں ایسی چیزیں جو انسان کی روزمرہ زندگی میں استعمال ہوتی
 ہیں۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو میدانی علاقوں کے باشندے ان چیزوں سے
 محروم ہتے اور خود انسانی زندگی مضطرب ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کی خاطر
 ان پہاڑوں میں ہزاروں قسم کی چیزیں پیدا کر کے انسانی زندگی میں توازن پیدا فرمایا ہے۔
 آگے اللہ تعالیٰ نے ایک اور نعمت کا ذکر کیا ہے وَ اَنْهَرَا

اس نے تمہارے لیے نہریں، دریا یا سمندر پیدا کر دیے۔ سمندروں اور
 ان کے فوائد کا ذکر گذشتہ درس میں بھی ہو چکا ہے۔ وہاں پر سَخَّرَ الْبَحْرَ
 فرمایا کہ اللہ نے ان میں چلنے والی کشتیوں کا ذکر کیا تھا اور یہاں پر اَنْهَرَا
 کا لفظ آیا ہے اور مطلب وہی نہریں، دریا یا سمندر ہیں جو انسانی خدمت
 پر مامور ہیں۔ اس آیت کریمہ میں انہار کا ذکر کہ انہریں کی حیثیت سے کیا
 ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں وَ سَجَلَا

سمندری
 اور زمینی
 راستے

اور اللہ نے راستے بھی پیدا فرمائے ہیں۔ اس سے مراد زمینی راستے ہیں جن پر چل کر لوگ دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہیں اور سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ یہ راستے ہموار زمین میں بھی ہوتے ہیں اور پہاڑوں میں بھی جن کے ذریعے نقل و حمل ہوتی ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اُس نے تمہارے لیے سب سے بہتر اور راستے بنا دیے لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم راہ پاؤ یعنی اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

اللہ نے فرمایا وَقَلَّمْتَ اِن رَاسْتوں پر اللہ تعالیٰ نے کئی نشانیاں بھی رکھ دیں تاکہ مسافر اپنی منزل کا تعین کر سکیں۔ متمدن دنیا میں تو اب بڑی بڑی شاہراہیں ہیں اور ان پر مگہ جگہ میلوں کے نشانات ہیں جن سے مسافر راہنمائی حاصل کرتے ہیں، تاہم مدنی منور پر بھی اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑوں اور تودہ دریاؤں اور عام نشیب و فراز کی صورت میں ایسی نشانیاں رکھ دی ہیں جن کے ذریعے لوگ اپنی منزل کا تعین کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وَاللَّجَجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ستاروں کے ذریعے بھی لوگ راہنمائی حاصل کرتے ہیں اذھیری راتوں میں جب لق و دق صحرا کا سفر ہو یا کمندرا کا تو پرانے زمانے میں لوگ ستاروں کی مدد سے ہی سمت معلوم کر کے راستوں کا تعین کرتے تھے۔ اب تو سائنسی ترقی کی وجہ سے بہت سی آلات ایجاد ہو چکے ہیں اور سمندری یا ہوائی سفر میں منزل کے تعین میں کوئی وقت پیش نہیں آتی مگر پرانے زمانے میں ستارے ہی راستہ معلوم کرنے کا واحد ذریعہ تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بطور اپنے احسان کے کیا ہے۔

ان نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے ان پر اپنی وحدانیت کی دلیل قائم کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اِن نَعْمَتوں کو اپنے کے بعد ذرا یہ تو بہاؤ اَلَمْ يَخْلُقْكُمْ لَآ يَخْلُقْ مَجَلد پید کرنے والی ذات اُس کی مانند ہوگی جو کچھ پیدا نہیں کرتا۔ ایک طرف خالق ہے

جس نے خود انسان کو قطرہ آب سے پیدا فرمایا ہے اور پھر اس کی مصلحت کے لیے تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ اور دوسری طرف تم ایک ایسی ہستی کو معبود بنا رہے ہو جو ایک پتہ اور ایک قطرہ آب پیدا نہیں کر سکتی، اس کا اپنا وجود ذاتی نہیں، بلکہ وہ خود مخلوق ہے تو کیا خالق اور مخلوق برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں ہو سکتے تو پھر تم خالق کو چھوڑ کر مخلوق کو کیسے الہ مانتے ہو۔ کتنے انبوس کا مقام ہے اَفَلَا تَذَكَّرُونَ کیا تم ان تمام تر دلائل سے نصیحت نہیں لکھتے، تم غرور و فخر کر کے صحیح نتیجے تک نہیں پہنچتے کہ خالق اور مخلوق اور عابد اور معبود میں کتنا فرق ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمتوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے، کہ وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصَوْنَهَا اگر تم انہیں شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اللہ کی ہر نعمت کا شکر ادا کر سکو۔ فرمایا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ تم پر کثرت نہیں کرتا، ان نعمتوں کو سبب نہیں کرنا کیونکہ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ بیشک اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔ یہ اس کی رَأْفَتٍ و رحمت کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں کے علاوہ نافرمانوں، مشرکوں اور کافروں کو بھی روزی دے رہا ہے۔ اس کی لَا تَعْدَادُ نعمتوں سے وہ بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں، وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی۔

فرمایا یاد رکھو! وَاللَّهُ يُعَلِّمُكُمْ مَا كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ وہ جانتا ہے جس چیز کو تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اس کی نگاہوں سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہے۔ وہ ظاہری اور باطنی احوال سے واقف ہے بلکہ تمہاری نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے، اُسے علم ہے کہ کون سا انسان اس کی عطا کردہ نعمتوں سے کس قدر مستفید ہو رہا ہے، کون شخص اپنے قلب اور اعضاء و جوارح سے اس کا شکر یہ ادا

کرتا ہے اور کون ناشکر گزاروں میں شامل ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون
 شخص ایمان لائے اور کون کی وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے اور کون ہے جو کفر
 اور شرک میں مبتلا رہتا ہے۔ اس دنیا میں تو وہ بلا لحاظ اطاعت و نافرمانی
 سب کو اپنی نعمتیں عطا کر رہا ہے مگر ایک وقت آنے والا ہے جب
 نماز سے کی منزل آئیگی اور پھر ہر ایک کو اس کی کارگزاری کی بنا پر سزا یا جزا
 بھگتنا ہوگی۔

شرک کی
 تردید

دلائل توحید بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد فرمایا ہے
وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ جُلُودًا بَشَرًا مِّمَّا يَخْلَقُونَ
 میں اللہ کے سوا دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں یا ان کی عبادت
 کرتے ہیں، فرمایا، لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وہ تو کوئی چیز پیدا نہیں
 کرتے وَهُمْ يُخْلَقُونَ بلکہ وہ تو خود پیدا کیے جاتے ہیں مطلب
 یہ کہ جن کی زندگی خود مستعار ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، وہ اپنی
 ذات کے بھی مالک نہیں ہیں۔ ان کو معبود کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ
 مضمون سورۃ رعد میں بھی گزر چکا ہے۔ اللہ نے استفہامیہ انداز میں فرمایا
 ہے، کیا انہوں نے اس لیے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں کہ انہوں نے
 بھی خدا تعالیٰ کی تخلیق کی طرح کوئی تخلیق کی ہے۔ پھر خود ہی اپنے پیغمبر کو
 خطاب کرتے ہوئے فرمایا قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ
هُوَ الْوَاحِدُ الْعَهْدُ آپ کہہ دیں کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے
 اور وہ اکیلا بھی ہے اور غالب بھی ہے۔ غَضِبْنَا ارض و سما کی تمام چیزیں
 اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔ زمین، آسمان، شجر، حجر، جنت اور دوزخ سب
 مخلوق ہیں، اور معبود ہی ہو سکتا ہے جو ان سب کا خالق ہے۔ مگر ان
 کی پستی کی انتہا ہے کہ وہ انسانوں کے علاوہ گائے کے گوبر، بندر، بلی،
 پتھر۔ اعضاءے تناسل تک کی پوجا کر رہا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ کائنات

کی ہر چیز مخلوق ہے اور جو خود مخلوق ہے، وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے
لہذا عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جو
ہر چیز کی خالق ہے۔

فرمایا یہ لوگ اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں اَمْوَآتٌ غَيْرُ
اَحْيَاءٍ وہ تو مردہ ہیں، زندہ ہونے والے نہیں۔ امام بیضاویؒ۔ مولانا شاہ
اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر مفسرین نے
اموات کی یہ ترجمہ بیان فرمائی ہے کہ مرلک لوگ اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے
ہیں۔ وہ تین لحاظ سے مردہ ہیں۔ یا تو وہ دو انا مردہ ہیں یعنی لکڑی، پھرتیا
مٹی کے بت ہیں جو مستقلاً مردہ ہیں اور ان میں زندگی کے کبھی کوئی آثار نہیں
پائے گئے۔ یا وہ فی الحال اموات ہیں یعنی وہ انسان ہیں جو وفات پا چکے
ہیں اور لوگ ان کی پوجا کر رہے ہیں۔ ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے
ہیں اور ان کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں۔ اور یہ دو صورتیں نہ بھی ہوں تو تیسری
صورت یہ ہے ہر چیز انجام کے لحاظ سے مردہ ہے کہ اُسے بہر حال
موت کا نذر چھننا ہے۔ كَلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَاِنَّهٗ وَيَبْقٰى
وَجْهٌ نَّبِيْكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمن) یہاں کی ہر چیز فنا
ہونے والی ہے اور باقی ہونے والی صرف رب ذوالجلال کی ذات ہے
بہر حال فرمایا کہ کائنات کی ہر چیز مردہ ہے۔ اور زندہ ہونے والی نہیں۔ مگر
کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہو کر مردہ چیزوں
کی پوجا کرتے ہیں۔ بعض بد بخت تو ایسے ہیں جو جنوں اور شیطانوں کی
عبادت کرتے ہیں۔ شیاطین تو کجا ملا اعلیٰ کے فرشتے بھی فنا ہونے والے
ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تمام انبیاء بھی اس دنیا سے جا چکے
ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنے وقت پر اس منزل سے گزرنا ہے، تو
فرمایا کہ ایسی ہستیوں کو معبود بنانا اور ان سے حاجت طلب کرنا کتنی پستی کی بات

ہے۔ انسان خود انسانوں کے آگے سر بسجود ہو رہے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو الوہیت کے درجے پر پہنچا دیا ہے، اولیاء اللہ کو مشکل کشا سمجھا جا رہا ہے، مافوق الاسباب ان کو پکارا جا رہا ہے، حالانکہ ان کی اپنی زندگی بھی مستعار ہے، ذاتی نہیں، وہ خدا کے عاجز بندے ہیں اور ان پر موت طاری ہو چکی ہے۔ ایسی ہمتیوں کو معبود بنانا کہاں کا انصاف ہے۔

فرمایا جن کی یہ پوجا کرتے ہیں ان کی حالت یہ ہے وَمَا يَشْعُرُونَ
 أَيَّانَ يَبْعَثُونَ انہیں تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ دوبارہ کب اٹھائے جائیں گے یہ تو خدا کے غزوجل ہی کے علم میں ہے بعث بعد الموت کب ہوگی۔ ان میں سے بعض ایسی ہمتیاں ہیں جنہیں دوبارہ جی اٹھنے کا بالکل تصور اور شعور ہی نہیں ہے۔ ان میں سے بعض تو پتھر اور مٹی کے بت ہیں جو نہ کبھی زندہ تھے اور نہ وہ دوبارہ زندہ ہونگے۔ البتہ دنیا میں بعض انسان ایسے بھی گزرے ہیں جو خدا تعالیٰ کی معرفت سے بگناہ ہے، ان کو دوبارہ زندگی کا کوئی تصور ہی نہ تھا مگر لوگ ان کی بھی پوجا کرتے تھے۔ البتہ اللہ کے برگزیدہ نبی اور اس کے اطاعت گزار بندوں کو قیامت اور دوبارہ بعثت کا شعور ہے۔ فرشتوں کو بھی معلوم ہے مگر بعثت کے وقت سے کوئی بھی باخبر نہیں ہے۔ یہ علم صرف اللہ کے پاس ہے کہ کب قیامت برپا ہوگی اور وہ کب سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ تو فرمایا اللہ کے سوا ہر چیز اموات ہے جنہیں بعثت بعد الموت کا بھی شعور نہیں ہے۔

إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
 بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾
 لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ
 إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ
 مَّاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾
 لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ
 عِلْمٍ الْأَسَاءَ مَا يَزُرُونَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ :- تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے
 پس وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر، ان کے
 دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں ﴿۲۲﴾
 ضرور بر ضرور (یہ بات برحق ہے) بیشک اللہ تعالیٰ
 جانتا ہے جس چیز کو یہ چھپاتے ہیں اور جس چیز کو
 ظاہر کرتے ہیں۔ بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) نہیں پسند کرتا تکبر
 کرنے والوں کو ﴿۲۳﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا
 پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے، تو کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے
 قصے کہانیاں ہیں ﴿۲۴﴾ (اس کا نتیجہ یہ ہو گا) آکر اٹھائیں یہ
 لوگ اپنے بوجھوں کو پورے پورے قیامت کے دن، اور

یسی اللہ تمہارا رب ہے جس کی یہ صفات ہیں "لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ" اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں "خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدْهُ" وہی ہر چیز کا خالق ہے، لہذا اسی کی عبادت کرو "وَهُوَ عَلِيمُ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ" اور ہر چیز کا کارساز بھی وہی ہے۔

غرضیکہ سمجھنا یہ مقصود ہے کہ اللہ وہی ہو سکتا ہے جو رب ہو، خالق ہو، عظیم کل اور مختار مطلق ہو۔ اگر یہ صفات اللہ کے سوا کسی دوسری ذات میں ناپید ہیں تو عبادت کے لائق بھی اس کے سوا کوئی نہیں مخلوق میں سے کوئی بھی کسی کا کام نہیں بنا سکتا، نہ کسی کی فریاد سنی کر کے اس کی حاجت روائی کر سکتا ہے کیونکہ نافع اور ضار صرف وحدہ لا شریک ذات ہی ہے۔ اس کے باوجود ایسی ہستیوں کو پکھلانا اور ان کا درسی چاہنا جن کا کچھ اختیار ہی نہیں ہے۔ کتنی حماقت کی بات ہے بغرضیکہ ہر قسم کی عبادت قولی، فعلی یا اعتقادی سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کوئی کسی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک بنانے گا وہ مشرک ٹھہرے گا اور خدا تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔

لفظ 'الہ'
کی تحقیق

امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ لفظ "الہ" لفظ "اللہ" کی اصل ہے فرماتے ہیں کہ لغوی اعتبار سے اللہ کا اطلاق ہر معبود پر کیا جا سکتا ہے مگر شرائع الہیہ، کتب سماویہ اور انبیاء کی تعلیمات میں یہ لفظ صرف معبود برحق کے ساتھ مختص کیا گیا ہے۔ لہذا اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی ذات پر نہیں ہو سکتا۔

بعض فرماتے ہیں کہ اللہ کا اشتقاق (ROOT روٹ) الوہیت سے ہے جس کا معنی عبادت ہے۔ تو اس لحاظ سے الٰہی ذات ہوگی جس کی عبادت کی جاسکے اور وہ ذات صرف خدا تعالیٰ ہی کی ہے۔ بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ کا مادہ اشتقاق الہ ہے جس کا معنی

حیرانگی ہے۔ چونکہ تمام عقول اللہ تعالیٰ کی معرفت میں حیران ہو جاتی ہیں اس لیے اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کیا گیا ہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا مادہ وَلَّوْا ہے جس کا معنی سکون پکڑنا ہوتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں اَلِهَتْ اِلَیْهِ فُلَانٌ یعنی میں نے فلاں کی طرف سکون پکڑا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ارواحِ قلوب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کے ساتھ سکون پکڑتے ہیں اور مطمئن ہوتے ہیں، اس لیے اللہ کا اطلاق خدا تعالیٰ کی ذات پر کیا گیا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اَللّٰہُ کا معنی گنہگار جانا اور اَللّٰہُ کا معنی پناہ دینا ہوتا ہے۔ انسان گنہگار کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہی ان کو پناہ دیتا ہے، لہذا اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق کیا گیا ہے۔ جب اونٹ کا بچہ اپنی ماں پر بہت زیادہ فریفتہ ہوتا ہے تو عربی محاورہ میں کہتے ہیں اَللّٰہُ الْعِیْلُ بِأُمَّتِہٖ۔ چونکہ بندے اپنی مشکلات اور شدائد میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی پر فریفتہ ہوتے ہیں، اس لیے اللہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ لہٰآ کا لفظ حجاب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز سے بلند و برتر ہے اس کے سامنے پردے پڑے ہوتے ہیں اور کوئی شخص اس کو دیکھ نہیں سکتا، اس لحاظ سے بھی یہ لفظ اللہ تعالیٰ پر صادق آتا ہے۔

فکرِ آخرت

فِرَیَا تَمَارًا مَجْمُودٍ بِرَحْمَتِہٖ هِیَ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ جُولُجٍ آخِرَتٍ یَّرِیْقِیْنَ نَہِیْنَ رَکَعَتَہُمْ قُلُوبُہُمْ مَّکْرُورٌ
ان کے دل انکار کرنے والے ہیں وَہُمْ مُسْتَمْکِنُونَ اور وہ تکبر کرنے والے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی الوہیت کو ماننا اور اُس کی وحدانیت کو تسلیم کر کے صرف اُسی کی عبادت کرنا اُن لوگوں کا کام ہے جو فکرِ آخرت رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ فکرِ آخرت ہی کے منکر ہیں، وقوعِ قیامت اور جزلے عمل پر اُن کا یقین ہی

نہیں ہے، وہ خدا تعالیٰ کو الہ کیسے مانیں گے اور اس کی عبادت کیونکر کریں گے۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی عبادت سے منکر کرنے والے اور آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔

تجبر کی
بیماری

تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک فکرِ آخرت کا انکار اور دوسری تجبر کی بیماری۔ فرمایا جب خدا کا نبی یا اس کا منہ دالا اللہ تعالیٰ کی الوہیت بیان کرتا ہے تو یہ لوگ اللہ کی وحدانیت کو تکبر اور خود پسندی کی وجہ سے تسلیم نہیں کرتے۔ اکثر لوگ تجبر ہی کی وجہ سے ہدایت سے محروم رہتے ہیں حضور علیہ السلام نے ایک موقع پر تجبر کی مذمت بیان فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا، حضور! اگر کوئی شخص اچھا لباس پہنتا ہے اور اچھی سواری استعمال کرتا ہے تو کیا یہ تکبر میں شامل ہے، فرمایا نہیں بلکہ یہ تو جمال ہے اللہ جمیلٌ وَحُجَّتُ الْجَمَالِ یعنی اللہ تعالیٰ خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے البتہ تجبر کی تعریف یہ ہے بطر الحق و غمط الناس کہ حق بات کو ٹھکرا دیا جائے اور لوگوں کی تحقیر کی جانے۔ کسی کو اس کی غربت کی وجہ سے یا اس کے خاندان کی وجہ سے یا جسمانی کمزوری کی بنا پر حقیر جانا تجبر میں شامل ہے کسی معمولی آدمی کی سچی بات کو ٹھکرا دینا بھی تجبر کی نشانی ہے دنیا میں اکثر مشرکین نے اللہ کے نبیوں کی معمولی حیثیت کے پیش نظر ہی ان کا انکار کیا۔ کہتے تھے کہ تو تو ہمارے جیسا کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا انسان ہے، تیرے پاس تو کرچا کر اور کوٹھی اور باغات نہیں ہیں، تو ہمیں کیسے تبلیغ کرتا ہے۔ کوئی بڑا آدمی ہم سے بات کرتا تو ہم توجہ بھی دیتے مگر تجھ سے معمولی حیثیت کے آدمی کی بات کو کیسے تسلیم کر لیں۔ وہ لوگ اسی تجبر کی بیماری میں مبتلا تھے، اور یہ بیماری اس زمانے میں بھی موجود ہے۔ آج بھی کوئی جاگیر دار کسی مزارع کی بات سننے کے

یہ تیار نہیں، کوئی کارخانے دار کسی مزدور کی رائے کو اہمیت نہیں دیتا اور کوئی افسر اپنے ماتحت کی رائے کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا یہ سارا تجربہ ہی کا شاخارہ ہے۔
تجربہ ابلسی بیماری ہے اور ہدایت سے اکثر حیران اسی بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین جب لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں تو ان کو عبادت اور ریاضت کہاتے ہیں، اُن کو اذکار سکھاتے ہیں اور ان کو رذائل سے پاک کرتے ہیں۔ تجربہ ایک ایسی نفع چیز ہے کہ ان کی تمام بد اخلاقیوں میں سے سب سے آخر میں اس سے خلاصی ہوتی ہے بزرگانِ دین کا مسئلہ ہے کہ ایک سونے کے ذریعے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا آسان ہے مگر اس کے مقابلے میں دل سے تجربہ کو نکالنا مشکل کام ہے۔

فرمایا لا حرجم یہ لازمی امر ہے آت اللہ یعلم ما یسررون
وما یعلنون بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔ وہ ہر شخص کے غور و نیاز مندی اور اس کے اخلاص کو جانتا ہے اور یہ بھی کہ انہ لا یحبب الیہ المستکبرین اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو بہرگز پسند نہیں کرتا۔ کوئی متکبر آدمی خدا کا محبوب نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے اور وہ اپنے عاجز بندے ہی کو پسند کرتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے
لَا یَبْغِیْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ تَمَّ اَبَدًا دوسرے پر سرکشی اختیار نہ کرو بلکہ تواضع و
ایک دوسرے سے تواضع، ہمدردی اور غمگساری کے ساتھ پیش آؤ۔ تکبر بجلتے خود مبغوض چیز ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مبغوض بنانا ہے لہذا اس سے بچنا چاہیے کہ یہ بہت بُری بیماری ہے۔

ان متکبرین کی ایک ریختل بھی بیان کی گئی ہے وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ
مَاذَا انزل ربکم اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل فرمائی ہے۔ یعنی جب ان سے قرآن کریم، وحی الہی اور شرائع الہیہ کے

متعلق دریافت کیا جاتا ہے۔ قَالُوا اسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ تو کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ مشرک اور جاہل لوگ ہمیشہ یہی بات کرتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور سائنسدان یہودی اور عیسائی بھی قرآن حکیم کے متعلق یہی کچھ کہتے ہیں۔ ان کی طبیعتوں میں کبر بھرا ہوا ہے اور وہ اسلام کو ایک رسمی مذہب خیال کرتے ہیں۔ دنیا کی ناپائیدار اور حقیر تعلیم حاصل کر کے اپنے آپ کو بڑا صاحب کمال سمجھتے ہیں اور قرآن پاک اور نبی آخر الزمان کو اللہ کا کلام اور اس کا آخری نبی منسنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ بھی اللہ کے پاک کلام کو قصے کہانیوں پر محمول کرتے ہیں۔ بعض مشرک کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں عا د اور ثمود کی کہانیاں سنتے ہیں، آؤ ہم تمہیں رستم و اسفندیار کے کا زلمے سنتے ہیں۔ جو محمد کی کہانیوں سے بڑھ کر دلچسپ ہیں۔ بہر حال وہ لوگ قرآن پاک اور وحی الہی کا انکار کرتے تھے اور اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بیان فرمایا ہے۔

فرمایا اس انکار کا نتیجہ یہ ہوگا لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ تاکہ اٹھائیں یہ لوگ اپنا بوجھ پورا پورا قیامت کے دن جب محاسبے کا وقت آئے گا تو منکرین پر ان کے گناہوں کا پورا پورا بوجھ لادوا جائے گا۔ وہ نہ صرف اپنی کلرستانی کا بوجھ اٹھائیں گے، بلکہ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ كَفَرُوا بلکہ ان لوگوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جن کو انہوں نے گمراہ کیا بلا تحقیق۔ اس طرح گویا ان پر دوہرا بوجھ یعنی عذاب ڈالا جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو امام یا پیشوا برائی کا کوئی راستہ مقرر کر رہا ہے، اس کو اپنے گناہ کا بدلہ بھی ملے گا اور ان تمام لوگوں کے گناہ میں سے بھی حصہ ملے گا جو اس باطل راستے پر چلنے نکلے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اس دنیا میں ہونے والے ہر قتل ناحق کا ایک گناہ آدم علیہ السلام

دوہرا بوجھ

کے اُس بٹے کے نام اعمال میں بھی لکھا جاتا ہے، جس نے سب سے پہلے قتلِ ناحق کی بنیاد رکھی۔ نبی کے متعلق بھی یہی اصول ہے۔ ہر نبی کے نبی کی نبی کا ایک اجر نبی کا راستہ بننے والے کو بھی ملے گا۔ چونکہ دنیا میں نبی کا راستہ انبیاء کرام نے ایجاد کیا، لہذا یہاں پر ہونے والی ہر نبی کا ایک ایک اجر امت کے نبی کو بھی حاصل ہوتا ہے لہذا انبیاء علیہم السلام کے اجر و ثواب کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس آخری امت میں نبی کے موجب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور وہ قیامت تک ہونے والے کار خیر میں برابر کے حصہ دار ہیں۔

فرمایا، اِن لوگوں نے بلا سوچے سمجھے قرآن پاک کا انکار کر دیا ہے حالانکہ خود قرآن انہیں غرور و فخر کی دعوت دے رہا ہے "اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى فُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا" (محمد) یہ لوگ قرآن میں تدبیر کیوں نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں سورۃ ص میں ہے کہ ہم نے یہ مبارک کتاب آپ کی طرف نازل کی ہے "لَيْسَ كَقَوْلِ الْاٰنٰثِ" تاکہ اس کی آیتوں پر غرور و فخر نہ کریں جن لوگوں نے اس کلام کو سمجھے گی کوشش کی انہیں پتہ چل گیا کہ پوری دنیا کی تاریکیوں میں روشنی کا یہی ایک مینار ہے مگر انہوں نے انکار کر کے دوسرا بوجھ اٹھا لیا ہے۔ فرمایا اَلَا خَيْرٌ وَّارِ سَاءَ مَا يَنْزِلُونَ بہت بُرا بوجھ ہے جس کو یہ لوگ اٹھا رہے ہیں۔ اس کا احساس جزائے عمل کی منزل کے وقت ہوگا کہ انہوں نے کتنا بُرا بوجھ اٹھایا۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا اللّٰهُ مِّنْهَا اللّٰهُ مِّنْهَا اس سے محفوظ رکھے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَآتَى اللَّهُ
 بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ
 السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
 حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِبُهُمْ
 وَيَقُولُ أَيُّ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَشَاقِقُونَ
 فِيهِمْ قَالِ الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ إِنَّ
 الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ
 تَتَوَفَّيهِمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقَوْا
 السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ بَلَى
 إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾
 فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبَلِيسٌ
 مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ :- تحقیق چالبازی کی ان لوگوں نے جو تم
 سے پہلے گزرے ہیں پس اللہ نے قصد کیا ان کی
 عمارت کا، پس اس کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا۔ پس گر پڑی
 ان پر چھت اُپر سے۔ اور لایا اللہ تعالیٰ ان کے پاس
 عذاب جہاں سے ان کو خبر بھی نہ تھی ﴿۲۶﴾ پھر قیامت

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ فِي النَّارِ أَصْحَابٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ فَاعِلٌ ۙ
 وہ شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے۔ کہیں
 گے وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ بیشک رسولیٰ آج
 کے دن اور برائی کفر کرنے والوں پر ہے (۲۷) وہ کہ جن
 کو وفات ٹپتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ لوگ اپنی
 جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ پس وہ ظاہر کرتے ہیں
 اِس وقت اطاعت کو، اور کہتے ہیں کہ نہیں تھے ہم
 برائی کرتے۔ کیوں نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ
 تم کام کرتے تھے (۲۸) پس داخل ہو جاؤ جہنم کے
 دروازوں میں، ہمیشہ رہنے والے ہو گے تم ان میں۔ پس
 بہت بُرا ٹھکانا ہے سب سے کرنے والوں کا (۲۹)

ربط آیت اللہ تعالیٰ نے پہلے توحید کے دلائل بیان فرمائے اور پھر غیروں کو الٹانے
 والوں کی تردید فرمائی۔ اللہ نے واضح فرمایا کہ خالق، رب، علم کل، قادر مطلق، مانع اور
 ضار اُس کے سوا کوئی نہیں، لہذا عبادت کے لائق بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ مجبور و برحق
 وہی اکیلا ہے اور اس بات میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کے بعد
 اللہ نے منکرین توحید کے باطل عقیدے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ایک تو
 انہیں آخرت کے محاسبے کا یقین نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ
 تکبر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کفر، شرک اور نافرمانی پر مصر ہیں۔ جب ان کے
 سامنے اللہ کا کلام یا رسولوں کی بات پیش کی جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ تو پہلے لوگوں
 کے قصے کہانیاں ہیں۔ وہ اپنے تکبر کی بنا پر اللہ کے نبیوں کی بات کو سمجھ کر
 ٹھکراتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ قیامت والے دن وہ دوہرا بوجھ اٹھائیں گے۔
 انہیں اپنے گناہوں کا بار بھی اٹھانا ہو گا اور ان لوگوں کے گناہوں کا بھی جن کو انہوں

نے گمراہ کیا، فرمایا، یہ بہت برا لوجہ ہوگا جو وہ اٹھائیں گے۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے نکلنے کے مندرجہ قرآن اور نبی اور اسلام کے مخالفین خصوصاً مشرکین مکہ کو تنبیہ فرمائی ہے۔ اور دوسرے لوگوں کو کبھی سمجھایا ہے کہ جس طرح آج تم مخالفت کر رہے ہو اسی طرح پہلے لوگوں نے بھی اللہ کے نبیوں کی مخالفت کی تو وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہو کر جہنم رسید ہوئے، اسی طرح اگر تم بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اللہ کے دین اور پیغمبر خدا کی مخالفت ترک نہیں کرو گے تو تمہارا انجام بھی پہلے لوگوں سے مختلف نہیں ہوگا۔

مشرکین مکہ نے دینِ اسلام کے خلاف بڑی سازشیں کیں اور نبی آخر الزمان کے مشن کو ناکام بنانے کے لیے بڑی بڑی تدبیریں کیں جن کا ذکر قرآن پاک میں مختلف مقامات پر ہوا ہے حضور علیہ السلام کے خلاف باطل پراپیگنڈا مشرکین مکہ کا ایک اہم ہتھیار تھا، کبھی شاعر کہتے، کبھی کاہن کا لقب دیتے، کبھی آپ کو ساحر کا خطاب دیتے اور کبھی نعوذ باللہ مجنون قرار دیتے تاکہ لوگ آپ کی طرف راغب نہ ہوں۔ اس کے علاوہ مٹھی بھر مسلمانوں پر تشدد بھی کیا جاتا۔ طرح طرح کی تکالیف پہنچائی جاتی، ذہنی طور پر پریشان کیا جاتا تاکہ وہ اسلام کا دامن چھوڑ دیں۔ باہر سے آنے والوں کو راستے میں ہی روک دیتے اور انہیں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہ ہونے دیتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آتا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ راستوں میں بیٹھ کر لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے اور شعیب علیہ السلام کے پاس جانے سے روکتے تھے۔ اسی طرح مشرکین مکہ نے اس قسم کا انتظام کر رکھا تھا کہ لوگ حضور علیہ السلام کی بہت نہ سن سکیں۔ وہ جانتے تھے کہ جسے ایک دفعہ آپ کی صحبت حاصل ہوگئی، وہ ماساثر ہونے بغیر نہیں ہے گا۔ گذشتہ سورۃ الحجر کے آخری حصے

میں لفظ عَضِیْن کی تشریح میں عرض کیا گیا تھا کہ ان بد بختوں نے علاقے تقیم
 کر لے تھے کہ فلاں راستے سے نم روکو اور فلاں درے پر ہم بیٹھیں گے۔
 تاکہ لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکیں۔ چنانچہ دو لکھا بیوں کا ذکر
 آتا ہے کہ انہوں نے نبی علیہ السلام سے ملنے کی کوشش کی تو انہیں سخت
 تکلیف اٹھانا پڑی۔ مکے پہنچ کر انہوں نے کسی معمولی حیثیت کے آدمی
 سے حضور علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا تو وہیں پٹانی شروع ہو گئی۔ حضرت
 عمر و ابن عبیدہ کی روایت میں آتا ہے کہ جس زمانے میں وہ مکہ پہنچے تو اس وقت
 حَجْرًا عَلَیْہِ قَوْمٌ آپ کی قوم آپ کے سخت مخالف تھی۔ لہذا
 حضور علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ ابھی حالات سازگار نہیں ہیں۔ تم اپنے
 اسلام کا بر ملا اظہار نہ کرو اور اپنے علاقے میں واپس چلے جاؤ۔ پھر جب تمہیں
 خبر پہنچے کہ اللہ نے اہل ایمان کو غلبہ عطا فرمادیا ہے تو ہمارے پاس آ جانا۔
 انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے علاقے میں واپس چلے گئے۔ پھر جب
 اہل اسلام حضور علیہ السلام کی معیت میں مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ وہاں آپ کے
 قدم جم گئے اور کفار مکہ کو بدر کے میدان میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا،
 تو وہ لوگ مدینے پہنچ کر اپنے مسلمان بھائیوں میں شامل ہو گئے۔ بہر حال یہاں
 پر اسی بات کو بیان کیا جا رہا ہے کہ پرانے مشرکوں نے بھی بڑی بڑی تہذیب
 اختیار کیں اور آج کے مشرک بھی انہی کے نقش قدم پر چل کر دین اسلام کی
 مخالفت کر رہے ہیں، اللہ کی توجیہ کو مٹانا چاہتے ہیں اور نبی کے مشن کو باہام
 بنانے پر کمر بستہ ہیں مگر تم اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے مشن پر قائم رہو،
 ان کی رسوائی کا وقت آنے والا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

بیشک چال بازی کی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے نذرے ہیں۔ انہوں
 نے خدا کے دین کے خلاف بڑی سازشیں کی، غلط پراپیگنڈا کیا، راستوں

میں بیٹھے حتیٰ کہ جنگ و جدل تک، نوبت پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنی پال میں منرود اور فرعون کی مثالیں بیان فرمائیں کہ انہوں نے اللہ کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے خلاف کسی کسی تدبیریں کیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام خدا کا نام لیتے تو منرود کہتا کہ تمہارے خدا کا مقابلہ میں کروں گا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ایک بہت بڑا مینار تیار کیا جائے جس پر چڑھ کر میں ابراہیم علیہ السلام کے خدا کا مقابلہ کروں گا۔ چنانچہ بائبل کی تفسیری روایات، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات میں آتے ہیں کہ منرود نے اس مقصد کے لیے ۵۰۰ فٹ بلند مینار تعمیر کرایا تھا۔ مگر اس کے اوپر چڑھ کر مقابلہ کرنے کا موقع نہ ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی تیز آندھی بھیجی کہ مینار کی چوٹی تو ٹوٹ کر دوہر پانی میں جا گری اور باقی حصہ مندم ہونے پر ہزاروں آدمی اس کے پچھے آکر کھلے گئے۔ بعض کے دماغ خراب ہو گئے اور بعض کی زبان ہی بدل گئی، وہ زبان سے کسنا کچھ چاہتے، مگر ادا کچھ اور ہی ہوتا تھا۔ فرعون نے بھی اپنے وزیر سے کہا تھا کہ میرے لیے ایک بہت بلند و بالا مینار تعمیر کراؤ تاکہ میں اوپر چڑھ کر موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھ سکوں۔ یہ سب پہلے لوگوں کی چالیں تھیں جو انہوں نے اللہ کے سچے دین کے خلاف اختیار کیں۔

ادھر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ بھی کام کر رہی تھی۔ جب منکرین خدا اور رسول نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرائیں تو فرمایا فَاتَّكَ اللَّهُ بَنِيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ کہ اللہ نے ان کی بنیادوں سے اکھاڑ دیا فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ اور اوپر سے ان پر ان کی چھتیں ہی گری گئیں، اور ان کی تمام تدبیریں باکام ہو گئیں۔ یہ دراصل مکے والوں کو منیل کے طور پر بات سمجھائی جا رہی ہے کہ پرانی اقوام میں سے بھی جس کسی نے سرکشی کی اور خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرنا چاہا۔ اللہ نے ان کی جڑ بنیاد کو ہی اکھاڑ کر ان کو نیست و نابود کر دیا۔ اور پھر فَانْتَهَسُوا

العَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ان پر ایسی جگہ سے خدا کا عذاب آیا جس کا انہیں وحسوم و گمان بھی نہیں تھا۔ لہذا اگر تم بھی پرانے مشرکین کی روش پر چلو گے تو تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے چند سالوں میں مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا، مگر فتح ہو گیا اور وہاں سے مشرکین کا نام و نشان تک نہٹ گیا۔

مسئل
سازشیں

خدا کے دین کے خلاف سازشیں ابتداء سے ہی ہوتی رہی ہیں پہلے زمانے کے لوگ بھی تدبیریں اختیار کرتے رہے اور پھر نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین نے بھی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اور اس کے بعد کبھی ہر دور میں اسلام کے خلاف بڑے بڑے منصوبے بنتے چلے آئے ہیں۔ آج بھی یہودی، عیسائی، ہندو اور اشتراکی اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ہزاروں سکیمیں بنا رہے ہیں، کہیں سکولوں اور کالجوں کے ذریعے لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کہیں ہسپتالوں کی آرٹ میں اسلام مخالف پلےکنڈا کیا جاتا ہے انسانیت کے نام بنا ذخیر خواہ یہ لوگ دراصل دین اسلام پر شب خون مارنے ہیں۔ مصفت لڑ پھر تقسیم کر کے لوگوں کے دین پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ امیریکیب ارسلان (ستفوی ۱۹۴۰ء) بڑے مجاہد آدمی تھے ترکی کے ہسپتالوں کے اسپتالوں اور دین کے ٹیڈائی تھے، وہ لکھتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے یہودیوں اور عیسائیوں نے قرآن پاک اور پیغمبر اسلام کے خلاف چھ لاکھ کتابیں شائع کی ہیں کہ کسی طرح مسلمان اپنے دین سے بیگانہ ہو جائیں۔ کہیں یہ سازش مستشرقین کے ذریعے پروان چڑھائی جا رہی ہے۔ مشرقی علوم کے نام نہاد مغربی لوگ قرآن پاک اور دین اسلام پر مختلف قسم کے اعتراضات جاری کر کے لوگوں کو دین سے بظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ غرضیکہ کبھی مخالفت کر کے اور کبھی موافق بن کر ہر طریقے سے دین کی تہمتی میں کادٹ ڈالنے کی

کو شش کرتے ہیں۔ خاص طور پر انگہ بن تو اس حد تک منصوبہ بندی کر چکے ہیں کہ جب تک مسلمانوں کا تعلق قرآن پاک سے منقطع نہیں ہوتا۔ یہ ہمارے قابو میں نہیں آسکتے۔ یہودیوں نے بھی بربلا کر دیا کہ جب تک مسلمانوں کی عقیدت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پختہ ہے، ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ہر دو گمراہ اپنے اپنے مشن کی کامیابی کے لیے بھرپور کوششیں کر رہے ہیں۔ اُدھر مسلمان ہیں جو ان سازشوں سے بے خبر سوئے ہوئے ہیں، انہیں اس وقت پتہ چلتا ہے جب یہود و نصاریٰ کی کوٹی تدبیر کامیابی کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ اور وہ اپنی بے عملی کی وجہ سے مارے جاتے ہیں۔

باطل فرقوں میں مرزائیوں اور رافضیوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بھی دینِ حق کے خلاف مسل سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ مرزائیوں کی زد میں ہم ایک صدی سے آئے ہوئے ہیں۔ اب تو قانونی طور پر ان کی حیثیت کمزور ہو چکی ہے۔ وگرنہ اقتدار پر قابض اکثر لوگ انہی کی طرف ذاری کرتے آئے ہیں۔ ان کا لٹریچر اب تک پھیلایا جا رہا ہے اور وہ دنیا بھر میں اپنے باطل دین کے لیے سرگرم ہیں۔ اُدھر رافضیوں نے بھی اپنی پراپیگنڈا مہم تیز کر رکھی ہے گویا رافضیت ہی اصل اسلام ہے۔ ایرانی انقلاب کے بعد خمینیوں کی حمایت میں بڑا لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے وہ اپنے آپ کو اسلام کے نمائندہ کے طور پر دنیا میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ رافضی ہیں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ دشمنانِ دین کو پہلے بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، ان کی عمارتوں کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ دیا گیا۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئے۔ مخالفینِ خدا و رسول کی طرف سے عھوڑے عرصہ کے لیے شور و شر ہوتا ہے، بعض لوگ ان سے متاثر بھی ہوئے ہیں، مگر ان کی سازش جلد ہی منظر عام پر آجاتی ہے اور ان کی تمام سلیمیں حجاگ کی طرح ختم ہو جاتی ہیں۔ اسلام اپنی ذاتی خصوصیت اور حقانیت کی بنا پر قائم ہے اور تا قیام قیامت

قائم ہے گا۔

ظالموں کی
رسوائی

فرمایا دشمنانِ دین کا دنیا میں تو یہ حال ہوا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
يَحْزَنُ بِهِمْ پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کرے گا
اس دنیا میں مشرکین شرک کی حمایت میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے
ہیں مگر قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا۔ وَيَقُولُ
آيُنَا شُرَكَاءِي الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقِقُونَ فِيهِمْ
باتو آج میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم دنیا میں جھگڑا
کیا کرتے تھے۔ میرے نبیوں کی بات نہیں مانتے تھے اور شریکوں کی
حمایت کیا کرتے تھے۔ أَبْ أُنْ كُوْبِلَاؤُنَا كَمَا تَهَارَىٰ مَدَدُكِرِيں۔

اس وقت قَالَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ اٰبِلْ عِلْمِ كِيں
گے۔ جن کو اللہ نے دنیا میں علم کی روشنی عطا فرمائی اور وہ کفر شرک
سے بیزار ہے، وہ کہیں گے اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمِ وَالسُّقُوْدِ
هَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ بیشک آج کے دن کی رسوائی اور برائی یعنی عذاب
کفر کرنے والوں پر ہے۔ انہوں نے دنیا میں اللہ کی توحید کا انکار کیا، خدا
کے شریک ٹھہرنے، اللہ کے نبیوں کی مخالفت کی، وہ دنیا میں بھی
نکام ہوئے اور آج قیامت کے دن بھی ان کے مقدر میں رسوائی اور
ذلت ہے۔

فرمایا ان کافروں کی حالت یہ ہے الَّذِيْنَ تَتَوَفَّهٖمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْنَ اَنْفُسِهِمْ کہ اللہ کے فرشتوں نے
ان کو اس حالت میں موت دی کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے
کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں جس کا ارتکاب کر کے وہ خود
انہی نفسوں پر ظلم کے مرتکب ہوئے۔ حضور علیہ السلام دعائیں کہتے تھے
اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ الْحَيٰوةِ وَمِنْ شَرِّ الْمَمٰٓةِ

اے اللہ! میں بری زندگی اور بری موت سے پناہ مانگتا ہوں۔ بری زندگی
یہ ہے کہ انسان عمر بھر بدعتیگی میں مبتلا ہے اور بری موت یہ ہے کہ اسی
بدعتیگی پر ختم ہو۔ ایسا شخص توحید خدادندی سے خالی گیا۔ لہذا اس سے
بری موت کون سی ہو سکتی ہے۔ ؟

فرمایا، یہ لوگ دنیا میں اپنے آپ پر ظلم کرتے ہے۔ انہوں نے کفر
اور شرک کا راستہ پکڑا، حالانکہ اللہ کا فرمان ہے **إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ**
عَظِيمٌ (لقمان) یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ نیز فرمایا **وَالْكَافِرُونَ
هُمُ الظَّالِمُونَ** (البقرہ) اور کافر وہی ہیں ظلم کرنے والے۔ تو فرمایا
کہ دنیا میں تو یہ کفر و شرک میں مبتلا ہے مگر قیامت کے دن اپنے آپ
کو بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کریں گے **فَالْقَوُّوا السَّلَامَ أَسْ**
وقت اپنی اطاعت اور کفر و شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور کہیں
گے **مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ شَيْءٍ سُوِّءٍ** ہم تو دنیا میں برائی کا
ارتکاب نہیں کیا کرتے تھے۔ اس وقت اپنی صفائی پیش کرنے
کی کوشش کریں گے۔ مگر اللہ فرمائے گا، تم جھوٹ بولتے ہو **سَبَّحْتَ
إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِمْ لَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ** کیوں نہیں
اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، جو کچھ تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ وہ علیم کل
ہے اور تمہاری ایک حرکت اور ایک عمل سے واقف ہے
وہ جانتا ہے کہ تم دنیا میں کفر اور شرک پر لبند ہے، لہذا آج تمہارا انکار
کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ جب وہ زبان سے انکار
کرے گا تو زمین، انسان کے جوارح اور دوسری چیزیں اس کے خلافت
گواہی دیں گی۔ خطہ ارضی، پہاڑ، درخت بول کر کہیں گے کہ اس شخص
نے فلاں مقام پر فلاں گناہ کیا۔ لاکھ اور پاؤں گواہ بن جائیں گے اور اس کی
کوئی بات نہیں چل سکیگی۔

پھر ارشاد ہوگا فَادْخُلُوا ابْوَابَ جَهَنَّمَ جہنم کے دروازوں
 میں داخل ہو جاؤ۔ اب تمہارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں خَالِدِينَ
 فِيهَا تمہیں اس جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔ پھلی سورۃ میں
 گزر چکا ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر گیٹ سے منقسم جو جہنم
 کے مطابق دخل ہوں گے۔ فرمایا قَلْبُشَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ
 تکبر کرنے والوں کا یہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ انہوں نے غرور و تکبر کی
 وجہ سے انبیاء کی بات کو تسلیم نہ کیا، خدا کی وحدانیت کو معمولی چیز سمجھ کر
 ٹھکرا دیا، تو فرمایا کہ تمہارے تکبر کی سزا یہ ہے کہ ہمیشہ کے لیے اس جہنم
 کا ایندھن بن جاؤ۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ
 قَالُوا خَيْرٌ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ
 الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ
 دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۰﴾ جَنَّتْ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا
 عُجْرٌ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا
 مَا يَشَاءُونَ ۗ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۱﴾
 الَّذِينَ تَتَوَقَّعُهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ
 سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۗ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ
 تَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ
 الْمَلَائِكَةُ أَوْيَاتٍ ۗ كَذَلِكَ فَعَلَ
 الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ
 وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۳۳﴾ فَاصَابَهُمْ
 سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا
 بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ :- اور کہا گیا ان لوگوں سے جو بچتے ہیں
 کہ کیا چیز آری ہے تمہارے پروردگار نے، تو انہوں نے

کہا کہ (جو کچھ بھی اُس نے اُتارا ہے) وہ سراسر خیر ہی ہے۔ اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے بھلائی کی اس دُنیا میں، بھلائی ہی ہے۔ اور آخرت کا گھر بہتر ہے اور بہت اچھا گھر ہے اُن لوگوں کا جو متقی ہیں (۲۰) وہ باغات ہیں پہنے کے لیے داخل ہوں گے وہ اِن میں۔ بہتی ہیں اِن کے سامنے نہریں اُن کے لیے ہو گا ان (باغوں) میں جو وہ چاہیں گے۔ اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ بلہ دیتا ہے متقیوں کو (۲۱) وہ کہ جب وفات پاتے ہیں اُن کو فرشتے (اس حال میں کہ وہ) پاک ہوتے ہیں، اور (فرشتے) کہتے ہیں۔ معلوم ہو تم پر۔ داخل ہو جاؤ جنت میں اس کے بدلے میں جو کام تم کیا کرتے تھے (۲۲) یہ (نافرمان لوگ) نہیں انتظار کرتے مگر اس بات کا کہ آجائیں اُن کے پاس فرشتے یا پہنچ آئے ان کے پاس تیرے پروردگار کا خاص حکم۔ اسی طریقے سے کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اور اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جاؤں پر ظلم کرتے تھے (۲۳) پس پہنچیں اُن کو وہ برائیاں جو انہوں نے کی تھیں، اور گھیر لیا اُن کو اُس چیز نے جس کے ساتھ وہ مُطاع کیا کرتے تھے (۲۴)

پہلے اللہ نے کافروں اور مشرکوں کا حال بیان کیا کہ جب اُن سے قرآن پاک رُبط آیت سے متعلق پوچھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر کیا چیز اتاری ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو قصے کہانیاں ہیں وہ نہ صرف وحی الہی کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور اس کی تردید کرتے ہیں۔ اللہ نے ان کا انجام بیان فرمایا کہ قیامت

کے دن یہ لوگ نہ صرف اپنے گناہوں کا بلوچھا اٹھائیں گے بلکہ ان لوگوں کے گناہوں کا بار بھی ان پر ہوگا جن کو انہوں نے دنیا میں گمراہ کیا۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے دنیا میں اسلام کے خلاف بڑی منصوبہ بندی کی، بڑی سکیس بنائیں، چال بازیوں کرتے رہے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر اللہ نے ان کو دنیا میں بھی سزا دی اور آخرت میں تو ان کے لیے عذاب لازمی سے فرمایا یہ لوگ مرتے دم تک کفر شرک پر اڑے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ان کی مریت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اسی حالت میں ان کی جان قبض کرتے ہیں۔ پھر اس وقت یہ توحید کا اقرار کرتے ہیں، مگر اس وقت کا اقرار کچھ مفید نہیں ہوتا اور فرشتے انہیں جہنم کی وعید سنا دیتے ہیں۔ فرمایا انکے گمراہی والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔

متقین سے
سوال جواب

نافرمانوں کا حال اور انجام بیان کرنے کے بعد اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کا حال بھی بیان فرمایا ہے۔ قرآن پاک کا اسلوب ہے کہ جہاں مشرکین کا ذکر آتا ہے تو ساتھ متقین کا بیان بھی ہوتا ہے، اور جہاں مجاہد کا حال بیان کیا جاتا ہے تو ساتھ اہل ایمان کا ذکر بھی ہوتا ہے، اور اس طرح ترہیب اور ترعینب ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اب یہاں پر بوقت موت اہل ایمان کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا اور کہا جاتا ہے ان لوگوں سے جو ڈرتے ہیں۔ اتقی کی تفسیر میں رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ انسان سب سے پہلے کفر، شرک اور نفاق سے بچے۔ پھر ہر باطل عقیدے سے پرہیز کرے۔ پھر کفار سے اور پھر بدترین بیخ صفائے سے بھی بچ جائے۔ متقین کی یہی نشانیاں ہیں۔ گویا تقویٰ کی پہلی سیڑھی کفر اور شرک سے پرہیز ہے۔ جو شخص ان سے نہیں بچتا، وہ متقی نہیں ہو سکتا۔ تو فرمایا کہ جب بچنے اور ڈرنے والوں سے کہا گیا کہ اذا

اَنْزَلَ رَبُّكُمْ کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز اتاری سے قالُوا
خَيْرًا تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کا نازل کردہ کلام تو سرسرخیر اور بے
برکت ہے، اور یہ بے پایاں رحمت کا حامل ہے۔

حضرت سائمتہ کی والدہ ام امینؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گود لیا تھا پھر وہ آپؐ
ایمان بھی لے آئیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے وقت تک وہ کافی عمر رسیدہ ہو چکی تھیں
حضورؐ کی حلت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ شملقات کے لیے ام امینؓ کے
پاس گئے تو وہ رونے لگیں۔ انہوں نے سمجھا کہ ام امینؓ حضور علیہ السلام
کی جدائی کی وجہ سے رو رہی ہیں یا شاید آپؐ کے بعد انہیں کوئی تکلیف
پہنچی ہے۔ پھر جب انہوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو لسنے لگیں
کہ میں جانتی ہوں کہ اللہ کے نبی اس وقت بڑے آرام و راحت میں ہیں
مجھے آپ کی طرف سے کوئی تشویش نہیں، بلکہ رونے کی وجہ یہ ہے
کہ جب نبی علیہ السلام ہم میں موجود تھے تو وحی الہی کا سلسلہ بھی جاری تھا جو کہ
اب منقطع ہو چکا ہے اور ہم اس کی برکات سے محروم ہو گئے ہیں۔
اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ بھی آبدیدہ ہو گئے کہ واقعی اللہ
کی جانب سے جو چیز اپنے نبی پر نازل ہوتی تھی وہ سرسرخیر و برکت تھی۔ اور
اب ہم اس خیر و برکت سے محروم ہو چکے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی جو سرسرخیر ہے اور اس سے
مقصود یہ ہے کہ لوگ اس سے ہدایت کی روشنی حاصل کریں اور اچھی
اچھی باتیں سیکھیں۔ انسان وحی الہی کے ہر وقت محتاج ہیں، اسی لیے تو ہر
ناز کی ہر رکعت میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی درخواست
کرتے ہیں۔ یہ ایسی چیز ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر انسان کی رہنمائی کرتی ہے
اور اُن کی بہتری کے سامان پیدا کرتی ہے۔

فَرَّأَيْ، يَا دَرَكْمُو! لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا

وہ طیبین پاک صاف ہوتے ہیں۔ یعنی زندگی کے آخری لمحات میں وہ کفر، شرک، نفاق اور بدعتیگی سے پاک ہوتے ہیں نجاست تو شرک میں ہے، اللہ نے خود فرمایا ہے "إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ" (التوبة) مشرک تو ناپاک ہیں اور یہ ناپاکی باطن کی ناپاکی ہے ان بدبختوں کی روح، دل اور دماغ پلید ہے۔ سورۃ حج میں فرمایا ہے "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ" بت پرستی کی گندگی سے بچو۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ہمارے دین کے طہارت کے اصول میں عقیدے کی طہارت کو اولیت حاصل ہے۔ اگر روح پاک نہیں تو جسم ہزار بار دھونے اور غرغرو کرنے سے بھی پاک نہیں ہوگا۔ بات واضح ہے کہ کتا اور خنزیر ناپاک ہیں، ان کو کتنی بار بھی صابن کے ساتھ نہلاؤ، یہ پاک نہیں ہوں گے۔ مشرک کی نجاست بھی ایسی ہی ہے تو متقی بننے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے دل و دماغ ہر قسم کی نجاست سے پاک ہو، اور جسے باطنی طہارت حاصل ہوگئی، اس کے متعلق فرمایا "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى" (الاعلیٰ) جس نے تزکیہ حاصل کر لیا، وہ کامیاب ہو گیا۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا تزکیہ کفر، شرک اور بدعتیگی کا تزکیہ ہے ہی پلیدی کی بنا پر اللہ نے فرمایا ہے کہ مشرک نجس ہیں "فَلَا يَفْتَرِكُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا" (التوبة) وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ آئیں سترہ کے بعد کسی مشرک کو حج بیت اللہ کی اجازت نہ تھی۔ بہر حال شرک ایک گندگی ہے۔ جس سے انسان کا باطن پلید ہوتا ہے۔

جنت میں
داخلہ

تو فرمایا کہ جب متقی لوگوں کی موت کا وقت آتا ہے یَقُولُونَ
سَلِّمْ عَلَيَّ كُمْ فَرَشْتُمْ انہیں کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو اور ساتھ یہ
خوشخبری بھی دیتے ہیں اُدْخِلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

جنت میں داخل ہو جاؤ، اُن اعمال کی وجہ سے جو تم انجام دیتے رہے۔ اعمال سے اگر اعمالِ قلوب مراد ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایمان کا وہ اثر ہے جو جنتیوں نے اختیار کیا۔ دوسرے مقام پر ہے **يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِآيَاتِهِمْ** (رینس) اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ان کے ایمان کی وجہ سے جنت کے گھر تک پہنچائے گا۔ اور اگر اعمال سے مراد اعضا، وجوہ کے اعمال ہیں تو یہ جنت میں داخلے کا ظاہری سبب ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ان کے ظاہری اعمال اس کی کامیابی کا حقیقی سبب نہیں ہیں بلکہ حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت ہے۔ لہذا انسان کو چاہیے کہ اعمال انجام دینے کے بعد اللہ کی رحمت پر بھروسہ کرے۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا **آتَى الْأَعْمَالِ أَفْضَلَ** حضرت! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا **إِلَّا يَمَانُ بِاللَّهِ** ورسولہ یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، ظاہر ہے کہ یہ قلب کا عمل ہے۔ اور تصدیق قلب کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ لہذا جنت میں داخلے کا اولین ذریعہ نورِ ایمان ہے۔

عذاب کا
انتظار

اگے پھر نافرمانوں کے متعلق فرمایا **هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ** کہ نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر اس بات کا کہ آجائیں اُن کے پاس فرشتے۔ مطلب یہ ہے کہ نافرمان لوگ اپنے کفر، شرک، نفاق، بدعتیگی اور مخالفتِ قرآن و رسول کا اظہار کر کے فرشتوں کو دعوت دے رہے ہیں۔ اور فرشتوں کی آمد کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کے پردے اٹھ جائیں اور فرشتے اللہ کا عذاب لے کر پہنچ جائیں۔ ظاہر ہے کہ جب یہ وقت آجائے گا تو پھر ان نافرمانوں کو مزید سزا نہیں دیگی اور وہ عذابِ الہی کا شکار ہو جائیں گے فرمایا ان کو **يَأْتِيهِمْ فَرَسَاتٌ مِّنْ أَوْيَاتِكِ آمُرُ رَبِّكَ** یا اس بات کا انتظار ہے کہ تیرے رب کا مخصوص حکم آجائے اور اس سے عذاب ہی

مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت لطیف پیرائے میں منکرین خدا و رسول کو وعید سنائی ہے کہ اللہ کے پغمبر آچکے ہیں، کتابیں آچکی ہیں۔ ہدایت کے سارے سامان آچکے ہیں۔ اور اگر اب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو پھر اس کے سوا باقی کیا رہ گیا ہے کہ ان پر عذاب الہی نازل ہو اور وہ ہلاک ہو جائیں۔

فَرِيًّا كَذَلِكَ فَعَلَّ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَنْ
 پہلے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ وہ بھی کفر اور شرک پر اصرار کرتے تھے رسولوں سے عطا کرتے تھے، کتاب الہی کو قصے کہانیاں بتاتے تھے اور آج کے یہ مشرک بھی اپنی کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ وَسَرَّيَا وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ أَنْ لَوْ كُفِرُوا بِرِ اللَّهِ زِيَادَتِي نَهَيْتِي۔
وَالَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں ہے۔ ان لوگوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا یعنی اپنے آپ کو مستحق عذاب بنا لیا۔

فَرِيًّا فَاصْبِرْ لَهُمْ سَيِّئَاتٍ مَا عَمِلُوا آپس پہنچیں ان کو وہ برائیاں جو انہوں نے کی تھیں یعنی ان کو اپنے اعمال ہی کی سزا ملی۔ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَكْبِرُونَ وَقَدْ اور گھبرایا ان کو اس چیز نے جس کے ساتھ وہ عطا کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ عذاب الہی کا ٹھٹھا اڑایا کرتے تھے۔ اپنے نبیوں سے کہتے تھے کہ بے آؤ۔ وہ عذاب جس سے ہمیں ڈراتے ہو، ہم جنت اور دوزخ کو کچھ نہیں جانتے۔ یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ تو فرمایا جس عذاب الہی کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ لوگ اسی عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اس دنیا میں بھی سزا کے مستحق ٹھٹھے، اور آگے آخرت کا عذاب بھی ان

کے لیے تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں میں سے مشرکین اور
متقین کے حالات بیان کر کے ان کے انجام سے آگاہ کیا ہے، اور
مشرکین مکر اور بعد میں آنے والوں کو بات سمجھائی ہے کہ کہیں تم بھی
مشرکین کے نقش قدم پر نہ چل سکتا، وگرنہ تمہارا بھی مشروری ہوگا، جو ان
سکا ہوا۔

وَقَالَ الَّذِينَ اشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا
 مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا
 وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ
 فَعَدَّ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى
 الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ (۲۵) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ
 أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا
 الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ
 مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ
 فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ ۝ (۲۶)

ترجمہ :- اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے شرک کیا، اگر
 چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ عبادت کرتے ہم اُس کے سوا کسی چیز
 کی اور نہ ہمارے باپ دادا۔ اور نہ ہم حرام ٹھہراتے کسی چیز
 کو اس کے حکم کے سوا۔ اسی طرح کیا ان لوگوں نے جو ان
 سے پہلے گزرے ہیں۔ پس نہیں ہے رسولوں کے ذمے
 مگر کھول کر پہنچا دینا (۲۵) اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ہر
 امت میں رسول (اور حکم دیا) کہ عبادت کرو اللہ کی، اور بچو
 طاغوت سے پس بعض ان لوگوں میں سے وہ تھے جن کو

اللہ نے ہدایت دی اور بعض اُن میں سے وہ تھے جن پر گمراہی نہایت
 ہوئی۔ پس چل زمین میں اور دیکھو کیسے انجام ہوا اُن لوگوں کا جو
 جھٹلانے والے تھے (۳۶)

رابطہ آیت

ابتداءً سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے وحی الہی کا ذکر کیا، پھر اپنی وحدانیت کا تذکرہ
 کیا "اللَّهُمَّ كُنْ لِلَّهِ وَاحِدًا" اور اس کے دلائل بیان فرمائے۔ اس کے بعد اُن لوگوں
 کی دو بڑی بیماریوں کا ذکر کیا جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے۔ ایک تو وہ آخرت
 کے منکر ہیں اور دوسرے تکبر کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے مشرکوں اور متقیوں کے انجام
 سے آگاہ فرمایا۔ شرک کی تردید اس سورۃ کا خاص موضوع ہے جو گذشتہ آیات میں بھی بیان
 ہوا ہے۔ اس درس میں بھی آرٹ ہے اور آگے مثالوں کے ذریعے بھی اس مسئلہ کی
 وضاحت کی جائے گی۔ بہر حال آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے شرک کے حق میں
 مشرکین کی ایک نہایت ہی بھونڈی دلیل کارڈ فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ ان کی ضد اور
 ہٹ دھرمی کا ذکر بھی کیا ہے۔

شرک پرانی
 بیماری ہے

شرک ایک ایسی بیماری ہے جو تمام پرانی قوموں میں راسخ رہی ہے۔ حضرت
 نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اللہ کے ہر نبی کی قوم میں شرک پایا گیا اور ہر
 نبی نے سب سے پہلے اسی بیماری کی طرف توجہ فرمائی۔ اور قوم سے یہ منسرایا
 "يَقُولُوا عِبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنَ اللَّهِ عَيْنٌ" (ہود) اے میری قوم کے
 لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم نے مٹی اور
 پتھر کے جتنے معبود بنا رکھے ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ نہ یہ کچھ دے سکتے ہیں اور
 نہ چھین سکتے ہیں، ان کی پوجا کر کے تم اپنے لیے تباہی کا سامان پیدا کر رہے ہو۔ یہ تو
 خدا تعالیٰ کی کھلی بغاوت اور سرکشی ہے۔ مختلف اقوام میں اور بھی مختلف بیماریاں تھیں،
 کسی میں تکبر کی بیماری تھی، کوئی ناپ تول میں ڈنڈی مارتے تھے، کسی قوم میں معاملات کی
 خرابی تھی، کسی میں ظلم حد سے بڑھا ہوا تھا اور کوئی قوم حدِ صیغے کی بد اخلاقی میں مبتلا تھی۔ تاہم

از خود اپنے آپ حرام ٹھہرا رکھی تھیں حالانکہ اللہ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ انہوں نے بعض جانوروں کو بکیرہ، سائبہ، و صیلہ اور حام کا نام دے کر عام لوگوں کے لیے اُن کا گوشت حرام قرار دے لیا تھا۔ چنانچہ جس مادہ کا دودھ نذر کے طور پر وقت کر دیتے اُسے کوئی عام مردوزن نہیں پی سکتا تھا بلکہ وہ صرف گدنی شینوں کے لیے حلال ہوتا تھا۔ اس طرح جس اونٹ یا بیل کو معبودانِ باطلہ کی نذر کر دیتے تھے، نہ اُس پر سواری کرتے تھے اور نہ کسی دیگر کام میں لاتے تھے۔ اسی طرح جو جانور مقررہ تعداد میں بچے دے دیتا تھا اُسے کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ نہ اس کا دودھ پیتے نہ گوشت کھاتے اور نہ سواری کے لیے استعمال کرتے۔ انہوں نے بعض چیزیں عورتوں پر اور بعض مردوں پر حرام کر رکھی تھیں۔ اس کا جواز بھی وہ ہی پیش کرتے تھے کہ اگر اللہ کی بعثت ہوتی تو ہم کوئی چیز حرام نہ کرتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا کرنے سے نہیں روکا، لہذا ہم ٹھیک کر رہے ہیں۔

سورۃ النعام میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تمام اقسام پر بھت کی ہے اور اُن کی تردید فرمائی ہے۔ یہ مضمون اسی قسم کی آیت میں دلوں بھی بیان ہو چکا ہے "سَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا كُفِّرُوا بِلَدِهِم مِّنَ اللَّهِ مَّا شَرَكُوا وَلَا آبَاءُنَا وَلَا حَرَمًا مِّنْ شَيْءٍ قُرْآنًا" مشرک لوگ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء و اجداد شرک کا از نکاب نہ کرتے اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ پہلے لوگوں نے کبھی اسی قسم کی بیہودہ دلیل پیش کی تھی کہ انہیں ہماری سزا کا نرا چھنا پڑا۔ فرمایا، اس حرمت کی اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ تو محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور اٹکل چکوتہیں کر رہے ہیں۔ یہ تو حرمت کی بات تھی، ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے

جب مشرکین بیت اللہ شریف کا بڑھنہ طواف کرتے تھے اور اس کے لیے بھی انہوں نے خدا کی مشیت کو بہانہ بنا رکھا تھا، مگر اللہ نے فرمایا کہ وہ کبھی بے حیائی اور برائی کا حکم نہیں دیتا۔ تم تو شیطان کا اتباع کر کے اس فعل کو خدا کی طرف منسوب کر رہے ہو۔

بہر حال شرک کے از نکاب اور حلت و حرمت کے معاملہ میں مشرکوں نے نہایت ہی مبہودہ دلیل پیش کی جس کا اللہ نے رد فرمایا ہے۔ یہاں پر اللہ نے اجمالی طور پر ذکر کیا ہے، آگے عام قانون کی صورت میں بھی حلت و حرمت کا مسئلہ آئے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس ہل دلیل کے جواب میں فرمایا كَذَلِكَ فَعَلَّكَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا، گویا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

اس سے حضور علیہ السلام کو تسلی دلانا مقصود ہے کہ آپ مشرکین کے قبیح افعال سے گھبرائیں نہیں۔ اس قسم کے واقعات آپ کے ساتھ ہی پیش نہیں آئے ہیں بلکہ پہلی اقوام کبھی اسی طرح کرتی اور کھتی رہی ہیں، وہ بھی کہتے تھے کہ اگر یہ بڑا کام ہوتا تو اللہ تعالیٰ روک دیتا، لہذا ہم جو کچھ کر رہے ہیں، ٹھیک کر رہے ہیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ یہ کتنی نادانی کی بات ہے۔ بھلا یہ تو سوچو کہ ہر فرقے کے نزدیک بعض کام بڑے ہیں جن سے وہ انکار نہیں کر سکتے، مگر لوگ انہیں انجام دے رہے ہیں۔ اگر مشرکین کے فلسفے کو تسلیم کر لیا جائے تو دنیا میں کوئی بھی برائی نہیں رہتی کیونکہ ہر برائی انجام دی جا رہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہاتھ پکڑ کر روکتا نہیں۔ لہذا ہر بڑے سے بڑے کام میں بھی مشیت الہی شامل ہے معلوم ہوا کہ بڑا کام بہر حال بڑا ہے اور خدا تعالیٰ کے جبراً نہ روکنے سے کوئی برائی اچھائی میں تبدیل نہیں ہو جاتی۔

کیونکہ یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اسی سورۃ کے پہلے رکوع میں گمز چکا ہے کہ اللہ تک تو سیدھا راستہ ہی پہنچتا ہے۔ مگر کچھ ٹیڑھے راستے بھی موجود ہیں "وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ" اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو سیدھی راہ پر لگا دیتا، مگر وہ کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ اُس نے انسان کو سیدھا کیا، عقل، شعور اور قوی عطا کر کے کچھ لغتیاں بھی دیے ہیں جن کو بروئے کار لا کر انسان اچھے یا بُرے اعمال انجام دیتا ہے۔ اگرچہ خالق سب کا خدا تعالیٰ ہے مگر کا سب خود انسان ہے اُسے اپنے دائرہ اختیار میں رہ کر اچھے یا بُرے کام کرنے کی اجازت ہے۔ سورۃ الکہف میں ہے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ آپ کہہ دیں، حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے "فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ" اب یہ تمہاری مرضی ہے جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے۔ یہ اس کی اپنی صوابدید پر ہے، اس پر جبر نہیں ہے۔ ہاں یہ ہے کہ کوئی جو نسا راستہ اختیار کرے گا، اسی کے مطابق جزایا سزا کا مستحق ہوگا۔ اللہ نے عاف تبار دیا اَنَا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا ہم نے ظالموں کے لیے جہنم بھی تیار کر رکھا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کسی کو اچھائی یا برائی پر مجبور نہیں کرتا، نہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر غلط راستے پر جانے سے روکتا ہے۔ فَضَلَّتْ اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم) اللہ نے ہر انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اِنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَبْرِيْ وَشُلُوْبِ الرِّجَالِ اللہ تعالیٰ نے امانت یعنی صلاحیت اور استعداد ہر شخص کے دل میں رکھ دی ہے، کسی کو اس سے محروم نہیں رکھا۔ اس امانت کی تفصیل دنیا میں آ کر کتاب و سنت سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس صلاحیت سے فائدہ

اٹھانے کی بجائے اسے خراب کر لیتا ہے تو اس کا نتیجہ اس کے حق میں سخت بُرا نکلے گا۔ غرضیکہ فرمایا کہ مشرکین کی یہ دلیل ناقابل قبول ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک کا ارتکاب نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے شرک کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اور نہ ہی انہیں جبراً اس سے روکا ہے انہوں نے اللہ کے عطا کردہ اختیارات کو برائے کار لاتے ہوئے جو راستہ اختیار کیا ہے۔ وہ جہنم کا راستہ ہے اور اپنے شرک کی پاداش میں شرک لوگ وہیں پہنچیں گے!

رسولوں کی
ذمہ داری

جہاں تک اللہ کے رسولوں کی ذمہ داری ہے، فرمایا فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ان کا کام کھول کر بیان کر دینا ہے۔ رسولوں کا کام کسی کو جبراً منوانا نہیں، اگر لوگ رسول کی بات نہ سمجھنے کی کوشش نہ کریں یا اُس کی مخالفت پر اتر آئیں تو یہ اُن کا عباد ہو گا اور مشرکین اسی بیماری میں مبتلا ہے ہیں۔ اللہ نے اپنے رسول بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر برائی سے روکنے کے سامان ہم بھیجا دیے ہیں۔ اگر اب بھی کوئی کفر اور شرک سے باز نہیں آتا بلکہ اس بات کا انتظار کر رکھا ہے کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دے، تو یہ اُس کی خام خیالی ہے۔ اُسے اس کا روک دگی کا بھگتانا کرنا ہو گا۔

اللہ نے فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا ہم نے ہر امت، اور قوم میں اپنا رسول بھیجا جس نے ہمارا پیغام اپنی امت تک پہنچایا۔ اور وہ پیغام یہ تھا أَتِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا السَّاعُونَ لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو اور طاغوت سے بچ جاؤ۔ اللہ نے کفر و شرک سے روکنے کا یہی تو سامان پیدا کیا کہ اللہ کے ہر نبی نے اسی بات کی دعوت دی کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے، کفر اور شرک مسلک بیماری ہے۔ اس سے بچ جاؤ۔ اگر

اب بھی کوئی شخص اس سے اجتناب نہیں کرتا تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے، اللہ کے نبی کا کام پہنچا دینا ہے۔ کسی کو مجبور کرنا نہیں۔ تو گویا اللہ نے قانون اور شریعت کے ذریعے لوگوں کو شرک سے منع کیا ہے کسی کی قوت سلب کر کے اُسے مجبور نہیں کیا۔

طاغوت طغیان کے مادے سے ہے جس کا معنی سرکش اور بغاوت کیلئے؟
 ہوتا ہے۔ یہ لفظ شیطان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور بت کیلئے بھی۔ عام مفسرین فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا جن باطل قوتوں کی پستری کی جائے وہ طاغوت ہیں۔ مشہور مؤرخ ابن ہشام نے اپنی "سیرت" میں طاغوت کی تعریف یہ کی ہے **كُلُّ مَا أَضَلَّ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوتٌ** جو چیز بھی حق کے راستے سے گمراہ کرے وہ طاغوت ہے۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی طاغوت کا ترجمہ ہر بیگانہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہر بیگانا اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بلا منہ سرداری کا ناحق دعویٰ کرے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو حقیر لفظوں سے یاد کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو مدین کہا۔ حق کو ٹھکانے والے طاغوت کی فہرست میں آتے ہیں۔ ہر ظالم خواہ وہ فرعون ہو، فرود ہو، چنگیز ہو یا ہلاک سب طاغوت ہیں۔ اکثر و بیشتر ملوک طاغوت ہیں مارشل لاؤ کا قانون بھی طاغوتی قانون ہے۔ غرضیکہ حق سے گمراہ کرنے والا کوئی انسان ہو، بت ہو یا شیطان ہو، طاغوت کی تعریف میں آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے قانون کو پس پشت ڈال کر من مانی کرنے والی ہر شخصیت طاغوت سے تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ طاغوتوں سے بھری پڑی ہے۔ اکثر ملوک آج تک من مانی کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے حق و باطل میں تمیز کرنے کی بجائے اپنی مصلحت کو پیش نظر رکھا۔ قوم اور ملک کی دولت کو لوٹ لیا اور عیاشی و فحاشی پر فوج کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے خدا کے قانون کے

اجرا اور مخلوق خدا کے فائدے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ لوگ بھوکے مر رہے ہیں اور یہ فلک بوس عمارتیں بنانے میں مصروف ہیں۔ قوم کو تعلیم اور خوراک کی ضرورت ہے مگر یہ قوم کا پیسہ اپنی عیاشیوں پر خرچ کر رہے ہیں۔ مگر ابھی عام ہے، برہنگی کی وبا پھیل رہی ہے، لہو و لعب سے فرصت نہیں ملتی۔ یہ سب طاغوتی کام ہیں جو انجام دے جا رہے ہیں۔ ہاں ہماری تاریخ میں بعض اچھے لوگوں کا نام بھی محفوظ ہے مگر یہ خال خال لوگ ہیں جن کے دل میں خدا کا خوف اور مخلوق کی بھلائی کا جذبہ موجزن تھا۔ خلفائے راشدین کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا نام ہمیشہ سرفہرست رہے گا۔ یہاں برصغیر میں اورنگ زیب عالمگیرؒ، سلطان محمود، ناصر الدین التمشؒ اور ٹیپو شہیدؒ جیسی ہستیاں ہوئی ہیں۔ جن کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ تاہم باقی کلام طاغوتی کی فہرست میں ہی آتے ہیں۔ کوئی بڑا طاغوت ہے اور کوئی چھوٹا اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا جسے لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت اور طاغوت سے بچنے کی نصیحت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللّٰهُ پس ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی۔ جن میں انصاف اور حق طلبی تھی اور جو خدا اور خدا سے پاک تھے، ان کو ہدایت نصیب ہو گئی وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ اور ان میں سے بعض وہ تھے جن پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ حق طلبی اور انصاف سے عاری، صدی اور غلطی لوگ گمراہی میں غرق ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے خَسَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرہ) اللہ نے ان کے دلوں پر مہم لگا دی ہے۔ ان پر کفر کے زنگ چڑھ چکے ہیں۔ جیسے سورۃ المطففین میں موجود ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ان پر گمراہی ثابت ہو گئی اور وہ جہنم کا شکار بنے۔

ہدایت
اور
گمراہی

فرمایا فَسَادًا فِي الْأَرْضِ پس زمین پر چل پھر کر دے۔ تو تمہیں بہت سی چیز نظر آئیں گی۔ تاریخ کے اوراق اور اجڑی بستریوں کے کھنڈرات عبرت کا سامان پیش کر رہے ہیں آپ کو جگہ جگہ ایسے کہتے نظر آئیں گے کہ یہاں فلاں قوم آباد تھی مگر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے اُس کے غضب کا شکار ہو گئی۔ عادیوں اور نمودلوں کی بستیاں، السی بستی والوں کے نشانات آشوری، مصری، کلدانی اور بابلی تہذیبوں کے نشانات آپ کو دعوت دے رہے ہیں کہ آر دیکھو فَاَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ ان کی بستیاں تباہ و برباد ہوئیں اور یہ سب لِقَوْمٍ اَجَلَ بن گئے۔

اِنْ تَحَرَّصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۳۷﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلَفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِينَ ﴿۳۹﴾ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۴۰﴾

۵

ترجمہ ۱۔ اگر آپ بہت خواہش کریں ان کی ہدایت کی، پس بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا ان کو جن کو گمراہ کرتا ہے۔ اور نہیں ان کے لیے کوئی مددگار (۳۷) اور قہیں اٹھائیں انہوں نے اللہ کے نام کی پختہ قہیں کہ نہیں اٹھائے گا اللہ ان کو جو مرچکے ہیں۔ کیوں نہیں؟ وعدہ ہے اُس کا سچا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۳۸) (اٹھائے گا ان کو) تاکہ ظاہر کر دے ان کے لیے وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ بیشک وہ جھوٹے تھے (۳۹) بیشک ہماری بات کسی چیز کے بارے میں، جب

ہم ارادہ کرتے ہیں اس کا تو کہتے ہیں اس کو ہو جاؤ، پس وہ ہو جاتی ہے (۴۰)

ربط آیات

مشرکین نے اپنے کفر اور شرک کے جواز میں یہ دلیل قائم کی تھی کہ اگر یہ بڑے افعال ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے روکنا کیوں نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس بیہودہ خیال کا رد فرمایا کہ اللہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو بُرائی سے نہیں روکتا نہ اس سے بُرائی کرنے کی طاقت ہی سلب کر لیتا ہے بلکہ اس نے بُرائی کی رکاوٹ کے لیے ایک نظام قائم کیا رکھا ہے۔ اس نے ہر امت میں اپنے رسول بھیجے جنہوں نے لوگوں کو حکم دیا اِنْ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ عِبَادَتِ صِرَتِ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِمَنِ كَرِهَ اور طاغوت کی پرستش سے بچ جاؤ، گویا اللہ تعالیٰ نے قانون کے ذریعے لوگوں کو شرک سے روک دیا اس کے بعد لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ بعض کو تہدایت نصیب ہو گئی، انہوں نے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا اور طاغوت کی پرستش سے بچ گئے۔ البتہ جس گروہ نے ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا اور کفر و شرک پر اڑے رہے، ان پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ ذرا زمین میں چل پھر کر مشاہدہ کرو، جگہ جگہ اجڑی بتیوں کے کھنڈرات اور تاریخ کے اوراق بتائیں گے کہ جن لوگوں نے اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے کفر و شرک کو ترک نہ کیا۔ ان کا کیا حشر ہوا۔ ان لوگوں پر اللہ کا سخت عذاب آیا، ان کی بتیاں تباہ و برباد ہو گئیں اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا۔ وہ اس دنیا میں بھی ناکام ہوئے اور آخرت میں بھی وہ نامزد ہی رہیں گے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اس کے ماننے والوں کو تسلی دی ہے کہ اگر آج آپ کے مخالفین بھی ضد اور عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کی مخالفت کر رہے ہیں، آپ کو تکالیف پہنچا رہے ہیں، حتیٰ بات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں تو آپ گھبرائیں نہیں۔

تہدایت
محمودی

ارشاد ہوا ہے اِنَّ تَحْرِيصَ عَلٰی هٰذِهِمْ اِگر
 آپ بہت طمع کریں اس بات کا کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں، اللہ
 کے دین کو قبول کر لیں، تو یاد رکھیں فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ
 يُضِلُّ توبہ شکر اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا جس کو گمراہ کرتا ہے۔ آپ
 کتنی بھی تمنا کریں کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں مگر جنہیں اللہ نے اُن کی ضد
 غنا اور ہٹ دھرمی کی بنا پر گمراہ کر دیا ہے۔ وہ راہ راست پر نہیں آ
 سکتے، لہذا آپ زیادہ فکر مند نہ ہوں۔ حرص کا عام فہم معنی طمع اور للہج
 ہو سکتے جو کہ اخلاقی بیماری ہے اور یہ چیز ایک مومن آدمی میں پیدا نہیں
 ہو سکتی چہ جائیکہ یہ چیز اللہ کے نبی کی طرف منسوب کی جائے تو یہاں یہ
 حرص کا لغوی معنی مراد نہیں بلکہ اس مقام پر حرص سے مراد خواہش اور تمنا ہے
 جو اپنی قوم کی ہدایت کے لیے نبی کے دل میں پیدا ہوتی تھی۔

اللہ کے تمام نبیوں کا یہی حال رہا ہے۔ اپنی قوم کو کفر اور شرک میں
 غرق دیکھ کر انہیں سخت کوفت ہوتی تھی اور وہ ہر طریقے سے لوگوں کو
 اس بیماری سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ پھر پوری کوشش کے باوجود
 جب قوم نہیں مانتی تھی تو خود ان سے علیحدگی کا اعلان فرما دیتے تھے۔
 سورۃ الممتحنہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پڑھ لیں۔ جب آپ
 اور آپ کے سٹھی بھرنے والے قوم سے بالکل مایوس ہو گئے۔ اِذْ
 قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ تَرٰ اٰنِيْ قَوْمٍ مِّنْكُمْ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَآٰمِنُوْا
 وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هُمْ تَمْرُؤٌ اور تمہارے
 معبودان باطلہ سے متنفر ہیں۔ کفرنا بگو تمہارے منکر ہیں۔
 وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ
 اَبَدًا ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض کی دیوار حائل ہو چکی
 ہے "حَتّٰی تَوْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحَدُّهُ" یہاں تک کہ تم اللہ وحدہ

لاشربک پر ایمان لے آؤ۔ انبیاء علیہم السلام کی تمام تر خواہش اور تمنا کے باوجود کہ سارے لوگ ایمان لے آئیں، اللہ نے سورۃ یوسف میں فرمایا ہے "وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ" آپ کتنی بھی خواہش کریں مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ ہدایت سے محروم ہی رہیں گے۔ آگے اللہ نے اس محرومی کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے "فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ" بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا ان کہ جن کو گمراہ کر دیتا ہے، اور گمراہ امسی کو گمراہ ہے جو صدی اور عبادی ہوتا۔ اس بات کو اللہ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر بیان فرمایا کہ جو شخص ظلم اور فسق پر اڑا رہتا ہے۔ اس کے دل میں تعصب اور عناد راسخ ہو جاتا ہے اور پھر وہ ہدایت حاصل کرنے کی صلاحیت اور استعداد ہی خراب کر بیٹھتا ہے۔ پھر ایسے لوگوں کو ایمان قبول کرنے کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوتی۔ البتہ جس کے دل میں ہدایت کے لیے طلب پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ضرور راہ راست واضح کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا "وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ" (النحل) بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بلا وجہ گمراہ نہیں کرتا بلکہ ان کی اپنی نفرت، ہٹ دھرمی، تعصب اور تکبر انہیں ہدایت سے محروم رکھتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی مثال دیکھ لیں ان بد بختوں کو آج تک پتہ نہیں چلا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں وہ اپنی ضد پر اڑے بیٹھے ہیں اور حضور علیہ السلام کی رسالت سے شدید ترین عداوت رکھتے ہیں۔ کفر اور شرک میں مبتلا ہیں مگر اپنے آپ پر حق پرستی کا میل لگا رکھا ہے، کہتے ہیں کہ ہم آسمانی کتابوں اور اللہ کے رسولوں کو ماننے والے ہیں مگر نہ اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم

کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ پیغمبرِ آخر الزمان پر ایمان ہے بلکہ آپ سے شدید دشمنی ہے۔ دنیا کی اڑھائی تین ارب کی آبادی عیسائیوں کی ہے۔ یہ اپنی ضد سے اُس وقت تک باز نہیں آئیں گے۔ جب تک عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نازل ہو کر ان کو ختم نہیں کر دیتے۔

فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ ضد اور عناد کی بنا پر گمراہ کر دے، آپ کتنی بھی خواہش کریں، وہ راہِ راست پر نہیں آئے گا۔ آپ ان کے متعلق زیادہ فکر مند نہ ہوں۔ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہوں گے وَمَا لَهُمْ مِنْ قِصِّينَ اور پھر ان کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا، محاسبے کی منزل اور جزائے عمل کے وقت یہ لوگ باسکل اکیلے ہوں گے اور انہیں کسی طرح سے کوئی حمایت حاصل نہیں ہوگی۔

اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مضمون نے یہ مضمون قرآن پاک میں مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ جب بھی پیغمبر علیہ السلام قوم کی طرف سے دل برداشتہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام آجاتا۔ سورۃ الصف میں جہاں اللہ نے کفار کے اس دعوے کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) اولاد رکھتا ہے۔ وہاں فرمایا قَلْعَلَّكَ بِاِخْتِمْ نَفْسِكَ کیا آپ اپنا گلا گھونٹ کر ہلاک ہو جائیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے فرمایا، آپ ان کو چھوڑ دیں کہ ان کی ہٹ دھرمی میں قصور اپنی کا ہے، آپ کا نہیں اور اللہ تعالیٰ کافر مان یہ ہے "وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" (الشوری) آپ کا کام صرف اتنا ہے کہ ان کے سامنے راہِ راست پیش کر دیں۔ اور گزشتہ درس میں یہ بھی گزر چکا ہے "فَهَدَىٰ عَلَّمَ الرُّسُلَ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ" رسولوں کا کام تو یہ ہے کہ وہ احکامِ الٰہی کھول کر بیان کر دیں، لوگوں کو اگاہ کر دیں اور انہیں اُن کے بُرے انجام سے ڈرا دیں۔ لیکن کسی کو منزل

مقصود تک پہنچا دینا نبی کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ حضرت علیؑ کا باب ابوطالب جب بستر مرگ پر پڑا تھا تو حضور علیہ السلام کو بڑا صدمہ ہو رہا تھا کہ آپ کا چچا ایمان سے خالی جا رہا ہے آپ نے ہر چیز کو کوشش کی کہ وہ مرنے سے قبل کلمہ توحید پڑھ لے مگر اس وقت بھی اس کا تجربہ اس کے اڑے آیا اور کہنے لگا کہ اگر اس وقت میں نے کلمہ پڑھ لیا تو لوگ کیا کہیں گے کہ مرتے وقت اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ گیا۔ لہذا میں اپنے بڑوں کے دین پر ہی مروں گا حضور علیہ السلام کی اس انتہائی خواہش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

”اے نبی! آپ کسی کو اپنی خواہش پر ہدایت نہیں دے سکتے، ہدایت تو اے اللہ ہی مجھے اللہ منزلت مسود تک پہنچانا چاہے“

(القصاص) اور یہ اسی کے علم میں ہے کہ ہدایت کی استعداد کھینے والے کون ہیں تو آیت زیر درس میں حضور علیہ السلام کے بے تملی کا مضمون ہے کہ نبی مومن، یا مبلغ کا کام تو پیغام کو پہنچا دینا ہے۔ وہ لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی حتی الامکان کوشش کریں اور پھر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں کیونکہ کسی کے انجام کے متعلق ان سے نہیں پوچھا جائے گا، بلکہ اللہ خود ان سے پتہ لے گا اور خود پوچھ لے گا کہ اس نے صحیح راستہ کیوں نہ اختیار کیا۔ ہاں اگر اللہ کا نبی یا دوسرا مبلغ دین کو پہنچانے میں کوشش نہیں کرے گا تو پھر ذمہ دار ہوگا اور ماخوذ ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ حرص قابلِ توجہ ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا۔ حرص کا عام فہم معنی طمع اور لالچ ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں چیز ہمارے پاس آجائے اور ہم زیادہ صاحبِ مال و آسائش بن جائیں، خواہ دوسرے حق دار اس سے محروم ہی رہ جائیں، ان معانی میں بخل

اچھی اور
بری حرص

کی طرح حرص بھی نہایت ہی قبیح چیز ہے، تاہم اس مقام پر حرص کا لفظ ان معانی میں استعمال نہیں ہوا، بلکہ اس سے مراد خواہش اور تمنائے ظاہر ہے کہ کسی چیز کی خواہش معیوب نہیں اور اگر یہ نیکی کے کام کے لیے ہو تو اچھی چیز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ مسجد نبوی میں نماز باجماعت ادا ہو رہی تھی۔ جب حضور علیہ السلام رکوع میں تھے تو ایک شخص منیٰ میں داخل ہوا اور وہ جماعت میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع میں چلا گیا اور پھر اسی حالت میں گھٹٹا ہوا جماعت کے ساتھ مل گیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کا رکوع جماعت سے نہ رہ جائے۔ جب نماز ختم ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اس شخص سے فرمایا: **زَادَكَ اللَّهُ حِرْصًا وَلَا تَقْدُ اللّٰهُ تَبْرِي** اس حرص کو زیادہ کرے، مگر دوبارہ ایسی حرکت نہ کرنا، پہلے صف میں شریک ہو جاؤ، پھر تکبیر کہو اور پھر رکوع میں جاؤ۔ جماعت کے ساتھ جتنا حصہ مل جائے شامل ہو جاؤ اور باقی نماز بعد میں ادا کر لو۔ شریعت نے دور کر نماز میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی بلکہ اپنی طبعی چال سے چل کر آؤ، اور جتنا حصہ ملے حاصل کر لو۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ لوگوں کی ہدایت کے لیے کتنی بھی تمنا کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ تمہارا ہونے والوں کو ہدایت سے نہیں نوازا۔

بعث بعد
الموت کا انکار

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے تعصب کی ایک مثال بھی بیان فرمائی ہے۔ **وَاقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ يَوْمَ السُّرَّةِ** نام کی سخت قسمیں اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں **لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَمُوتُ** کہ جو مر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ کہتے ہیں یہ مسلمانوں کے ڈھکوسلے ہیں کہ مرنے کے بعد لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے اور حساب کتاب ہوگا، یہ سب جھوٹا ہے۔ اس کی شان نزول میں امام ابن جریرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ایک مسلمان نے کسی مشرک سے قرض لینا تھا، وہ اس کے ہاں

پہنچا تو باتوں باتوں میں قیامت کا ذکر بھی آگیا، اس پر شرک قسمیں اٹھا کھینٹے
 لگا کر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان سر کر مٹی ہو جائے اور پھر دوبارہ زندہ ہو
 جائے، یہ ناممکن ہے اور مسلمانوں کا دعویٰ درست نہیں ہے۔ اللہ نے
 ایسے ہی لوگوں کی تردید میں فرمایا سَبَلٰی کِیوں نہیں۔ یہ حرفِ ایجاب ہے
 اور مطلب یہ ہے کہ اللہ ضرور مرنے کے بعد اٹھلے گا وَعَدَّا عَلَیْهِ حَقًّا وَوَعْدُ
 ہے اسکا سچا مگر بات یہ ہے وَلَیْکُمْ اٰکِثَةُ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ کہ اکثر لوگ
 بے علم اور بے سمجھ ہیں جسکی وجہ باعث بعد الموت کا انکار کر رہے ہیں۔ حالانکہ
 عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ جب تک انسان مرنے کے بعد
 دوبارہ زندہ نہ ہو انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ دنیا کی ہر
 حکومت مجرموں کو سزا دیتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ملک میں اندھیر نگرانی
 مچ جائے اور جس کی لاشھی اس کی بھینس والا معاملہ ہو جائے۔ اس کے باوجود ہم
 دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں بعض لوگ جرم کا ارتکاب کرنے کے باوجود کسی
 نہ کسی طرح سزا سے بچ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تو کسی انفرادی ملک یا
 حکومت کی بات ہو سکتی ہے۔ مگر پوری کائنات پر تمام عارضی حکومتوں
 کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ایک حکومت بھی ہے۔ دنیا کی کسی حکومت کا مجرم لامحالہ
 اللہ تعالیٰ کی حکومت کا مجرم ہوتا ہے۔ کوئی شخص اس دنیا کی کسی حکومت
 یا کسی عدالت کی آنکھوں میں دھول ڈال کر یا سفارش اور رشوت کی بنا پر سزا
 سے بچ سکتا ہے، مگر اللہ احکم الحاکمین کی عدالت کو دھوکا نہیں دے سکتا۔
 ایک دن آنے والا ہے جس دن اس کا بھی میزانِ عدل قائم ہوگا، اور
 اس عدالت میں کسی جرم کی پردہ پوشی نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے تو اللہ
 نے اس دن کا نام یوم الدین رکھا ہے اس دن ہر ایک کو اسکے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا
 جائیگا۔ نہ کوئی نیکی کو نیکو محروم رہے گا اور نہ کوئی مجرم بچ سکے گا اس دن ہر ایک کی
 پوری پوری داری ہوگی اور ہر ایک کو اسکا حق دلا جائیگا، لہذا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک

ایا دن مقرر کرے جب سب کو اپنے دربار میں حاضر کر کے ہر ایک کے ساتھ انصاف کرے۔ تو اس کام کو پاپہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے بعث بعد الموت ضروری ہے، جس کا اللہ نے وعدہ بھی کر رکھا ہے۔

فرمایا وقوع قیامت اور بعث بعد الموت اس لیے بھی ضروری ہے

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلَفُونَ فِيهِ لَأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَوَكُوفٍ كَسَانِ مَا تَفَعَّلُوا

وہ لوگ اسی بات میں اختلاف کرتے تھے اور قیامت اٹھا کر کہتے تھے کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی، اللہ کا نبی سچ نہیں کہتا اور ہمارے معبود بالکل برحق ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے تنازعہ مسائل کو حل کرنے اور ٹھیک

ٹھیک فیصلہ کرنے کے لیے وقوع قیامت ضروری ہے۔ پھر فرمایا

قِيَامَتِ كَأَنَّا اس لیے بھی ضروری ہے وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا

تاکہ کافر جان لیں، اُن پر واضح ہو جائے اَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِينَ کہ وہ جھوٹے تھے۔ قیامت برپا کر کے اللہ تعالیٰ عملی طور پر ثابت کر

دیگا کہ کافر جھوٹے ہیں جو قیامت کا انکار کر رہے ہیں۔ اس مضمون کو سورۃ التغابن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ کافر لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ نے

اپنے پیغمبر کو فرمایا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّيَ اَسْمِعُكُمْ اَنْ تَقُولُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ لَقَدْ كُنَّا لَعَنَةً لِّرَبِّكَ اَمْ كُنَّا نَعْلَمُ لَقَدْ كُنَّا لَعَنَةً لِّرَبِّكَ اَمْ كُنَّا نَعْلَمُ لَقَدْ كُنَّا لَعَنَةً لِّرَبِّكَ

اُس وقت ان کا جھوٹ ظاہر ہو جائیگا وگرنہ عقل کی بات یہ ہے کہ انصاف کا ایک دن ہونا چاہیے جب ہر ایک کو پورا پورا انصاف

بخاری شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ انسان مجھے جھٹلاتا ہے اور گالی دیتا ہے حالانکہ اس کے لیے یہ بات ہرگز

کی ضرورت قیامت کی ضرورت

مناسب نہیں۔ فرمایا خدا تعالیٰ کہ گالی دنیا یوں ہے کہ وہ کہتا ہے "قَالُوا
 اخْتَدَ اللَّهُ وَلَدًا" (الکہف) یعنی اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ
 کا نہ کوئی حقیقی بیٹا ہے اور نہ مجازی، وہ تو کہتا ہے اَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ
 کہ میں یگانہ اور بے نیاز ہوں، میری نہ بیوی ہے اور نہ بچے۔ جہاں تک
 عقل کا تعلق ہے۔ یہ بھی دوبارہ اٹھائے جانے کو تسلیم کرتی ہے یہ کیسے
 ہو سکتا ہے کہ انسان کو پہلی دفعہ پیدا کرنا تو آسان ہو مگر دوسری دفعہ پیدا
 کرنا مشکل ہو جائے۔ عقلی انداز سے دیکھا جائے تو پہلی پیدائش زیادہ مشکل
 تھی جب کہ نہ کوئی مادہ تھا، نہ نمونہ اور نہ آلہ۔ جب ایک دفعہ تخلیق موضوع
 میں آگئی تو اب اس کا اعادہ کرنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔ اور دوسری بات
 اللہ تعالیٰ کو جھٹلانا اس طرح ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ دوبارہ نہیں اٹھایا
 حالانکہ میرا یہ پکا وعدہ ہے کہ سب کو دو بارہ اٹھاؤں گا اور پھر حساب کتاب
 کی منزل بھی آئے گی۔

فرمایا اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا ارَدْنَاهُ جِبْہِہٖ
 بات بالکل فیصلہ کن اور اٹل ہوتی ہے۔ اِذَا ارَدْنَاهُ جب ہم
 کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں نہ کسی وقت کی ضرورت ہوتی
 ہے اور نہ مانے اور آلے کی، بلکہ جب بھی ہماری مشیت ہوتی ہے
 اَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ تو ہم اس چیز کو کہتے ہیں، ہو جاوے گی کون
 پس وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ ہم کسی بھی کام کو کہہ گزرنے پر قادر ہیں اور
 ایسا کرنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آتی جس طرح ہم ہر
 چیز کو کہہ گزرنے پر قادر ہیں، اسی طرح قیامت برپا کرنے
 اور لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہیں، ہمیں کسی قسم کی
 رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے قیامت
 بھی برپا کرے گا اور لوگوں کو زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا بھی

خدا کا اٹل
 فیصلہ

کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ
 ان پر چیزیں ظاہر کرے گا، اور پھر

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا
 لَنُبَوِّئَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۗ وَلَا جَزَاءَ الْآخِرَةِ
 أَكْبَرَ لُوكَاثُوا يَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا
 وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۴۲﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ
 قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَسَأَلُوا أَهْلَ
 الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۴۳﴾
 بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
 لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ :- اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اللہ کے واسطے
 بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا، البتہ ہم ضرور ان کو ٹھکانا دیں گے
 دنیا میں اچھا۔ اور البتہ آخرت کا اجر بہت بڑا ہے اگر یہ لوگ
 جانیں ﴿۴۱﴾ وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر
 بھروسہ کرتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے
 مگر مردوں کو، ہم وحی بھیجتے تھے ان کی طرف، پس پوچھو یاد
 رکھنے والے لوگوں سے اگر تم نہیں جانتے ﴿۴۳﴾ (ہم نے بھیجا
 ان کو) کھلی نشانیوں اور صحیفوں کے ساتھ۔ اور اتارا آپ
 کی طرف ذکر تاکہ آپ بیان کر دیں لوگوں کے لیے وہ

چیز جو اتاری گئی ہے ان کی طرف، اور تاکہ وہ لوگ
غور و فکر کریں (۴۴)

ربط آیت

گذشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس باطل عقیدے کا رد فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے یعنی وہ ہمیں زبردستی شرک سے روک دیتا، اور اگر نہیں روکا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی پسند کا کام کر رہے ہیں۔ پھر اللہ نے ہر امت میں رسول بھیجے گا ذکر کیا، جنہوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور طاغوت کی پرستش سے اجتناب کریں۔ اس کے بعد اللہ نے نافرمانوں کے انجام کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کتنا عبرتناک انجام ہوا۔

پھر گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے لیے تسلی کا مضمون بیان فرمایا اور آپ کو خطاب کیا کہ آپ کی شہید خواہش کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ ضدی لوگ ہیں جو قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں کہ نہ قیامت آنے گی اور نہ مرے دوبارہ زندہ ہوں گے، حالانکہ وقوع قیامت اور جزائے عمل برحق ہے۔ قیامت والے دن کافر جان لیں گے کہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر بھی کیا کہ وہ جب چلے کسی چیز کو ہو جانے کا حکم دے تو فوراً ہو جاتی ہے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا ذکر کر کے ان کے اجرِ عظیم کی بات کی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جن اہل ایمان نے ابتدائی دور میں تکالیف اٹھائی تھیں اور پھر ہجرت کی تھی، اللہ نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔ دنیا میں ان کو اچھا ٹھکانا اور آخرت میں بہتر اجر و ثواب عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

جامعین
کی حوصلہ افزائی

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ وَهُ لَوْ كَانُوا فِي
جنہوں نے اللہ کی خوشنودی کے لیے ہجرت کی یعنی انہوں نے اپنا گھر بار اور

ہر چیز کسی مالی مفاد یا دیگر مقصد کے حصول کے لیے نہیں بلکہ دین پر عمل درآمد کے راستے میں رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے چھوڑی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت کرنا مسلمانوں پر فرض تھا۔ اس دور میں مکہ کے اندر اہل ایمان پر مصائب کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ اپنے دینی شعائر پر کھلے عام عمل درآمد کا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے، لہذا ان حالات میں ان کا مکہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ مکہ کی زندگی میں مسلمانوں نے دیر تہہ ہجرت کی، ایک حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ طیبہ کی طرف۔ حبشہ کی طرف یکے بعد دیگرے دو جماعتیں گئیں، ایک چھوٹی طاعتی اور ایک بڑی۔ پھر جب خود حضور علیہ السلام مدینہ شریف پہنچ گئے تو حبشہ جانے والے لوگ بھی مدینہ آ گئے۔ بعض لوگ کم و بیش چودہ سال تک حبشہ میں مقیم رہے اور جب مدینہ میں مسلمانوں کے پاؤں جم گئے، بدر، احد اور احزاب کے واقعات ہو چکے بلکہ بعض تو خیر کی لڑائی کے موقع پر حبشہ سے مدینہ طیبہ آئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ دیکھو! ظاہری ہجرت تو یہ ہے کہ انسان اپنا وطن، گھر بار، کاروبار چھوڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جائے مگر ہجرت کا ایک باطنی پہلو بھی ہے۔ فرمایا **الْمَسْلُومُ مَنْ سَلِمَ الْمَسْلُومُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَآلِهَاتِهِ** اور **مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ** مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایمان کی تعریف بھی فرمائی۔ فرمایا ایمان کا ظاہری معنی تو یہ ہے کہ انسان اللہ کی وحدانیت، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن اور تقدیر کی تصدیق کرے۔ اور حقیقی مومن وہ ہے **مَنْ آمَنَ بَوَاقِعِهِ جَانَهُ** جو اپنے پڑوسی کو امن و امان میں رکھتا ہے

ہجرت کے
وسیع
معانی

اور اُسے تکلیف نہیں پہنچاتا۔ اسی طرح جہاد کا باطنی معنی یہ بیان کیا **وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ** یعنی مجاہد حقیقت میں وہ ہے جس نے اپنے نفس سے جہاد کیا۔ وہ اپنے نفس پر اس طرح کنٹرول کرتا ہے کہ اُس پر شیطان کے وساوس اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ بہر حال حضور نے مہاجر کی ایک تعریف یہ بھی بیان کی کہ جو شخص اللہ کی ممنوعہ چیزوں کے قریب نہیں جاتا، وہی حقیقی مہاجر ہے۔

ہجرت کی اقسام اور مسائل

مفسرین کرام نے ہجرت کی بہت سی اقسام بتائی ہیں۔ پہلی قسم اپنے ایمان اور جان و مال کی حفاظت سے متعلق ہے اور اس کی آگے چھ قسمیں ہیں۔ مثلاً انسان کسی ایسے دارالمکرم میں رہتا ہے۔ جہاں دینی فرائض ادا کرنے پر پابندی ہو تو ایسی صورت میں ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے تاکہ وہ دارالاسلام میں پہنچ کر اپنے دینی فرائض کی کما حقہ ادائیگی کر سکے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دارالبعثت سے ہجرت کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی جگہ مقیم ہے جہاں اہل بدعت کا غلبہ ہے یا صحابہ کو سب و شتم کیا جاتا ہے تو ایک سچے مومن کے لیے وہاں رہنا درست نہیں بلکہ وہاں سے نکلنا فرض ہو جاتا ہے **طلب رزق حلال بھی فرائض میں داخل ہے۔** اگر کسی شخص کو کسی مقام پر رزق حلال میسر آنے کی کوئی صورت نہیں تو اُس کا بھی فرض ہے کہ وہ اس جگہ سے ہجرت کر کے دوسری جگہ چلا جائے۔ جہاں سے حلال رزق میسر آسکتا ہے۔ بعض اوقات جسمانی اذیت سے بچاؤ کے لیے بھی ہجرت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں موجود ہے کفار ان کے جانی دشمن بن چکے تھے، لہذا انہیں کنا پڑا **”اِخْتِ مِہَا جِرِ اِلٰی دِیْتِ“** (العنکبوت) کہ میں تو اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام کو علم ہوا کہ فرعونؒ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں **”فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ“** (التقصص) تو آپ

وحشت کی حالت میں وہاں سے نکل گئے۔

بعض اوقات آب و ہوا کی ناموافقیت کی وجہ سے امراض لاحق ہونے کا خطرہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں بھی ترکِ وطن جائز ہوتا ہے۔ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو بعض لوگوں کو وہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی تو وہ طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہونے لگے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو فلاں دیہات میں چلے جانا چاہیے، جہاں کی آب و ہوا ان کے لیے نسبتاً بہتر ہے اور وہاں انہیں اونٹوں کا دودھ بھی میسر ہو گا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر کسی مقام پر چوری، ڈاکے وغیرہ کا مستقل خطرہ ہو اور حفاظت مال کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو۔ تو ایسی جگہ سے دارالامن کی طرف ہجرت کر جانا جائز ہے۔

یہ تو حفاظتی نقطہ نظر سے ہجرت کی اقام تھیں، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بعض اوقات طلب اور جستجو کے لیے بھی ہجرت کرنا پڑتی ہے۔

خدا تعالیٰ کا فرمان ہے **فِي الْأَرْضِ فَانظُرْ كَيْفَ**
صَكَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ (المخل) زمین میں چل پھر کر آثارِ قدیمہ کو دیکھو اور غور کرو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ تو اس حکم کی تعمیل میں عبرت حاصل کرنے کے لیے نکلنا بھی ہجرت ہی کی ایک قسم ہے۔ اسی طرح انسان حج اور عمرے کے لیے نکلتا ہے، یہ فرض اور واجب ہیں داخل ہے جہاد کے لیے ترکِ وطن فرض ہے۔ بعض اوقات یہ واجب، ہونا ہے اور بعض اوقات مستحب،۔۔ تبلیغ بھی جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے۔ یہ سفر بھی حالات کے مطابق کبھی فرض عین، کبھی فرض کفایہ، کبھی واجب اور کبھی مستحب ہوتا ہے۔ اسی طرح تجارت کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا بھی ہجرت میں داخل ہے۔ سورۃ بقرہ میں **لَيْسَ عَلَيْكُمْ**
جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ تم پر کوئی

گناہ نہیں کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔ بعض اوقات حصول علم کے لیے ہجرت کرنا فرض عین ہوتا ہے اور بعض اوقات فرض کفایہ۔ علاوہ ازیں متبرک مقامات منجملہ بیت اللہ شریف، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کی زیارت کے لیے جانا کہ دہلی پر عبادت کرنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، یہ بھی ہجرت میں داخل ہے پھر سرحدوں کی حفاظت یعنی رباط کے لیے ہجرت کرنا پڑتی ہے۔ یہ بھی بعض اوقات فرض عین اور بعض اوقات فرض کفایہ ہوتی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دوست احباب یا عزیز واقارب کی ملاقات کے لیے وطن چھوڑ کر جانا بھی ہجرت ہی کی ایک قسم ہے۔

فرمایا جنہوں نے اللہ کی خاطر ہجرت کی **مَنْ كَفِدَ مَا ظَلَمُوا** بعد اس کے ان پر ظلم کیا گیا۔ تو ایسے لوگوں کا صلہ یہ ہوگا **لَسَوْفَ نَجْزِيهِمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً** کہ انہیں ہم دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے۔ چنانچہ جب مسلمان بے حد تکالیف برداشت کرنے کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت اچھا ٹھکانا عطا کیا۔ اور قبیل عرس میں انہیں ہر چیز عطا کر دی، حکومت بھی دی، مال و دولت سے بھی نوازا، مکانات اور کاروبار عطا کیے، عزت بخشی، حتیٰ کہ مدینہ منورہ مرکز اسلام بن گیا اور اس طرح مہاجرین کے نقصان اور ان کی جسمانی اور ذہنی تکالیف کا ازالہ ہو گیا۔

فرمایا، یہ تو دنیا میں عطا کیا، **وَلَا جَزَاءَ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ** اور آخرت کا اجر و ثواب تو بہت بڑا ہے جو آگے چل کر حاصل ہوگا اور جس کے مقابلے میں پوری دنیا کا ساز و سامان بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بہر حال مسرما یا کہ ہجرت کی تکالیف برداشت کرنے والوں کو اللہ اچھا بدلہ عطا فرمائے گا مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو اس کی تکالیف و مصائب کا ازالہ اس دنیا میں ضرور ہی کر دیا جائے۔ اس بات میں شک نہیں کہ ہجرت کے بعد

مہاجرین کے لیے احب

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مجموعی حیثیت سے بہت کچھ دیا۔ مگر ایسے مسلمان بھی تھے جو ہجرت کے بعد بے سرد سامانی کی حالت میں ہی اس دُنیا سے جلدی رخصت ہو گئے اور انہوں نے خوشحالی کا دور نہ دیکھا حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ہجرت کے بعد جو لوگ لمبی مدت تک زندہ رہے انہوں نے بڑے فائدے اٹھائے مگر بعض ایسے بھی تھے جو اسلام کے غلے کا پورا پھل نہ کھا سکے اور جلدی ہی اللہ کے پیارے ہو گئے۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے کہ جن کا پھل دنیا میں بھی پک چکا تھا اور انہوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اسی لیے مہاجرین کے متعلق حضور علیہ السلام کا حکم تھا کہ جب وہ مکہ مکرمہ آئیں تو وہاں تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی موت کا وقت وہیں آجائے اور ان کی ہجرت نامکمل رہ جائے۔ ایک صحابی قیام مکہ کے دوران اونٹنی سے گمراہ ہو گیا، تو حضور علیہ السلام نے بڑے افسوس کا اظہار کیا، اور دعا کی کہ اے اللہ! میرے جن صحابہ نے ہجرت کی ہے، ان کی ہجرت کو نافذ فرما یعنی ان کی ہجرت باطل نہ ہو جائے۔ مکے کی سر زمین میں فوت ہو کر دفن ہونا اگرچہ نیت کے اعتبار سے نہ بھی ہو، مگر پھر بھی ان کے اجر و ثواب میں کمی کا امکان تو ہے۔ حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔

إِنَّ مَثَانَ الْهَجْرَةِ كَبِيئٌ هَجْرَتُكَ مَعَالِمٌ بَدَأَ بِهَا جَسَدُكَ حِينَ تَبْرَأُ مِنْهَا
 لَمْ يَكُنْ فِيهَا مَكَانٌ يَكْفِيكَ مِنْهَا حَتَّى تَبْرَأَ مِنْهَا
 لَمْ يَكُنْ فِيهَا مَكَانٌ يَكْفِيكَ مِنْهَا حَتَّى تَبْرَأَ مِنْهَا
 لَمْ يَكُنْ فِيهَا مَكَانٌ يَكْفِيكَ مِنْهَا حَتَّى تَبْرَأَ مِنْهَا

بہت زیادہ ہے کوکانوا یَعْلَمُونَ اگر لوگوں کو اس کا علم ہو۔

فرمایا، یہ اجر مہاجرین کے لیے ہے الَّذِينَ صَبَرُوا

جنہوں نے صبر کا دامن تھامے رکھا۔ ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور زبان پر صرف شکایت نہ لائے۔ حضرت صہیبؓ ہجرت مکہ کے مدینہ جانا چاہتے تھے مگر کافران کے راستہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اور انہیں مکہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے۔ پھر آپ نے کافروں سے سود بازی کی اور اپنا سارے کا سارا اثاثہ ان کے سپرد کر کے بے سرو سامانی کی حالت میں مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو فرمایا کہ صہیبؓ نے سب کچھ لٹا کر بھی بڑا نفع کمایا ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ صہیبؓ وہ شخص ہے **لَوْ كُمْ يَخْفِ اللَّهُ كُمْ يَعْصِ** یعنی اگر اسے اللہ کا خوف نہ بھی ہوتا، تب بھی وہ نافرمانی نہ کرتا، حضرت صہیبؓ اتنے پاکیزہ دل انسان تھے۔ بہر حال مہاجرین نے کفار کے ہاتھوں بڑے دکھ سے بعض کے بچے رکھ لیے گئے اور بعض کی بیویوں کو روک لیا گیا، مگر اسلام کے ان شیدائیوں نے ہر قسم کی مالی، جسمانی اور ذہنی تکالیف برداشت کیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور اس کے دین کی سر بلندی کے لیے ہجرت کی اور پھر ان تکالیف پر صبر کیا۔ فرمایا **وَعَلَىٰ رِقَبِهِمْ يَتَوَكَّلُونَ** انہوں نے بھروسہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی کیا۔ اگر اللہ پر بھروسہ نہ ہوتا تو اتنی تکالیف کیسے برداشت کر سکتے۔ انہوں نے صبر کیا اور اللہ پر بھروسہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی قدر دانی کی اور انعامات سے نوازا۔

رسول مڑ
ہوتے
ہیں

گذشتہ رکوع میں گزر چکا ہے **”وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا”** یعنی ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو ہماری توحید کی دعوت دے۔ اب آج کی اگلی آیت میں رسول کی ایک خاص صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول صرف مرد ہوتے ہیں۔ اور اللہ نے کسی عورت کو بھی رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ ارشاد ہوتا ہے **”وَمَا كُنَّا**

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا هُمْ نَبِيٌّ
 نہیں بھیجا مگر مردوں کو یعنی منصب رسالت کے لیے اللہ نے ہمیشہ
 مردوں ہی کا انتخاب کیا ہے۔ اگرچہ بعض عورتوں کو بھی اللہ نے بڑی
 فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان کا ذکر قرآن پاک میں بھی کیا ہے جیسے
 حضرت مریم علیہا السلام اور فرعون کی بیوی، مگر اللہ نے منصب رسالت
 و نبوت کسی عورت کو عطا نہیں فرمایا۔ تو مردوں کو رسول بنایا اور ساتھ
 لَوْحِي الْيَمِينِ ان کی طرف وحی بھی کی۔ اور وحی کا تذکرہ بھی گذشتہ
 رکوع میں ہو چکا ہے کہ ہر نبی اور رسول نے اپنی امت کو یہی دعوت دی
 "اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ" لوگو! عبادت
 اللہ کی کرو اور طاغوت سے بچ جاؤ۔ نبی ہمیشہ توحید کی دعوت اور شرک
 سے منع کرتے رہے ہیں اور اسی بات کا تذکرہ اللہ نے یہاں اجمالاً کیا ہے
 آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے فرمایا کہ بعثت رسل میں اگر تمہیں
 کچھ شک و تردید ہے یا ان کی تعلیمات کے متعلق تلی کرنا چاہو۔
فَاَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ تو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے ان
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اگر تم خود نہیں جانتے۔ مطلب یہ اگر
 انبیاء کی تاریخ تم نہیں جانتے تو ان صاحب علم لوگوں سے دریافت
 کر لو جن کو انبیاء کے واقعات یاد ہیں۔ اہل کتاب اور بعض دوسرے
 لوگوں میں بھی بعض اہل علم ہمیشہ رہے ہیں جو اخبارِ ماضیہ کا علم رکھتے تھے
 وہ سابقہ امتوں اور ان کے انبیاء کے حالات و واقعات سے واقف
 ہوتے تھے، لہذا فرمایا کہ ہماری بات کی تصدیق تم ایسے لوگوں سے
 کر سکتے ہو، جو تمہیں بتائیں گے کہ واقعی اللہ نے ہر امت، گروہ اور
 قوم میں انبیاءِ سبعوت فرمائے جنہوں نے اپنی اپنی اقوام کو اللہ کی طرف
 دعوت دی اور کفر و شرک سے منع کیا۔

اس حصہ آیت سے مفسرین نے یہ بات بھی اخذ کی ہے کہ اس آخری
 امت میں مسائلِ دینیہ سے ناواقف لوگوں کو اہل علم کی طرف رجوع کرنا
 چاہیئے اور ان سے مثلہ پوچھ کر اُس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ تقلیدِ اسی
 بات کا نام ہے کہ نہ جاننے والے جاننے والوں سے دریافت کر کے
 عمل پیرا ہوں۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ اہل علم پر مکمل اعتماد کر کے
 ان کی بات کو بلا دلیل تسلیم کر لیا جائے۔ جو چیزیں قرآن و سنت میں صراحتاً
 مذکور ہیں ان پر تو من و عن عمل کرنا ہی ضروری ہے اور وہاں کسی تقلید کی
 ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ جن مسائل کے متعلق قرآن و حدیث میں صراحت
 موجود نہ ہو، ان کو معلوم کرنا ہر آدمی کا کام نہیں بلکہ وہ تو مجتہد حضرات ہی
 کر سکتے ہیں جنہیں اللہ نے غیر معمولی استعداد اور صلاحیت عطا فرمائی
 ہے اسی طرح بعض چیزوں میں تعارض پایا جاتا ہے اور اُس کو دور کرنا
 بھی ہر ایک کا کام نہیں ہے بلکہ یہ بھی مجتہد ہی کر سکتا ہے۔ غرضیکہ ایسے
 مسائل میں کسی مجتہد کی طرف رجوع کرنا ہی تقلید کہلاتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ
 محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ عوام کے لیے اس قسم کی تقلید و جوب کا درجہ
 رکھتی ہے کیونکہ وہ خود ایسے مسائل کے حل کی استعداد نہیں رکھتے، اور
 بعض اوقات بڑے بڑے صاحب علم لوگ بھی بعض مسائل کے حل کرنے
 میں عاجز آجاتے ہیں۔ وہ کسی تعارض کو دور نہیں کر سکتے یا کسی مسئلے میں
 استنباط سے عاجز آجاتے ہیں۔ مثلاً امام رازی، امام غزالی، امام شاہ ولی اللہ
 وغیرہم قرآن و سنت کو بخوبی جاننے کے باوجود فروعات میں ائمہ اربعہ
 میں سے کسی نہ کسی کے مقلد تھے۔ کہتے تھے کہ ہم بھی قرآن و سنت
 کو جانتے ہیں مگر جو کچھ ائمہ سلف جانتے تھے، ہماری رسائی و طمان تک
 نہیں ہے۔ اور جس طرح وہ اجتہاد کر سکتے تھے، ہماری وہ طاقت
 نہیں۔ چنانچہ یہ بزرگ بھی ائمہ سلف پر اعتماد کرتے تھے۔ امام شاہ ولی اللہ

حنفی مکاتب رکھتے تھے۔ جب کہ امام رازی اور امام غزالی شافعی تھے اسی طرح امام ابن تیمیہ حافظ الحدیث ہونے کے باوجود امام احمد کے مقلد تھے۔ غرضیکہ یہ تقلید بری نہیں ہے بلکہ جس اندھی تقلید کی مذمت قرآن میں کی گئی ہے، وہ مشرکانہ تقلید ہے جو اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے خلاف ہو اور مقلد بن محض آباؤ اجداد کی رسم کے طور پر طے سے سینے سے لگائے ہوئے ہوں اور اس کے مقابلے میں صریح حکم بھی ٹسکرا دیں۔ ایسی تقلید حرام ہے۔

اس وقت جو فقہی اختلاف حنفی، مالکی، شافعی، ظاہری وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ ان کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی یہ فرقہ داریت کی زد میں آتے ہیں۔ یہ تو محض فہم و دلیل کی بات ہوتی ہے جسے مناظر قہم کے لوگ خواہ مخواہ طول دیکر ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا کرتے ہیں۔ فروعی اختلاف، کی مثال حرمتِ سود کے متعلق دی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ سود کی حرمت، قرآن پاک سے ثابت ہے مگر حضور علیہ السلام نے اس ضمن میں صرف چھ چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ اب سوال پیدا ہوا ہے کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی کوئی چیز سود میں آتی ہے یا نہیں۔ پھر ائمہ کرام اس بات پر بھی بحث کرتے ہیں کہ سود کی حرمت مذکورہ چھ چیزوں کی ذات تک محدود ہے یا یہ حرمت ان میں موجود کسی علت کی وجہ سے پائی جاتی ہے اب اگر وجہ حرمت علت ہے تو اس کی تلاش کی جائیگی۔ اب علت کی جستجو میں چاروں ائمہ کا آپس میں اختلاف ہے، کسی نے کسی چیز کو علت قرار دیا ہے اور کسی نے کسی چیز کو، مگر سود کی حرمت کے متعلق یہ متفق ہیں اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ سود کیوں حرام ہے اور ایسا اختلاف ہرگز معیوب نہیں۔ اس معاملہ میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا بیج نہیں بونا چاہیے۔ کوئی

فقہی اختلاف
کی حیثیت

شخص اپنے مسئلہ کو بیشک ترجیح دے مگر دوسرے کو غلط نہ کہے اور نہ ہمارے دور کی طرح پہلے مناظرہ بازی اور پھر فتویٰ بازی کرے۔ جب کسی معاملہ میں اجتہاد کیا جائے گا تو وہاں اختلاف کا پیدا ہونا فطری بات ہے، تاہم عوام کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی ایک امام کا اتباع کر لیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بیماری کی حالت میں کوئی مریض شہر کے مختلف ڈاکٹروں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیتا ہے کہ وہ اس کا بہتر طور پر علاج کر سکتا ہے۔ اگرچہ شفا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے مگر اسباب کی دنیا میں طبیعت کی طرف رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ اب اگر کوئی مریض ایک ڈاکٹر پر قناعت کرنے کی بجائے وقفہ وقفہ سے مختلف ڈاکٹروں سے علاج کرائے گا۔ تو اس سے مرض پر منفی اثرات پڑنے کا بھی خطرہ ہوگا، لہذا مریض کو کسی ایک ڈاکٹر پر ہی اکتفا کرنا بہتر ہوگا۔ بالکل یہی حال تقیہ کا ہے کہ کسی ایک امام کے انتخاب پر قانع ہو جائے اور پھر فروعات میں اس کے فتویٰ کے مطابق عمل کرے۔

فرمایا، ہم نے آپ سے پہلے بھی سردوں کو رسول بنا کر بھجا باہلینت کھلی نشانیوں کے ساتھ یعنی ہم نے ان رسولوں کو احکام اور معجزات عطا فرمائے وَالزَّبُرِ اور عیسیٰ یعنی چھوٹی کتابیں بھی عطا فرمائیں۔ صحیفہ چھوٹی کتاب کو کہا جاتا ہے تاہم اللہ نے چار بڑی کتابیں بھی اپنے منتخب رسولوں کو عطا کیں اور پندرہ سب آخر میں وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ اے نبی اخذ الزمان! آپ کی طرف ذکر نازل فرمایا۔ ذکر کا معنی نصیحت ہے اور یہ قرآن پاک کا ایک نام بھی ہے۔ ظاہر ہے قرآن پاک سے بڑھ کر کون سی نصیحت ہو سکتی ہے تو فرمایا ہم نے آپ کی طرف قرآن پاک کو نازل فرمایا لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے وہ چیز بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ نبی کی زبان سے قرآن پاک کی

تبیین و تشریح بھی ضروری ہے۔

اس امتِ آخر الزمان کے لیے قرآنِ کریم کو اساسی قانون کی حیثیت حاصل ہے جب کہ سنت اس کی تبیین ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کی زبان اور اس کے عمل سے جس چیز کو ظاہر کیا ہے، وہ سنت ہے بعض گمراہ فرقے نبی کو محض ڈاکے سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے کہ نبی اللہ کا پیغام پہنچا کر پھر لاطعلق ہو جاتا ہے۔ نہیں بلکہ قرآن کی تشریح و تبیین بھی نبی کا کام ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں: پس صحیح حدیث شرح ہے قرآن کی، امام شافعیؒ اور شاہ ولی اللہؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ صحیح حدیث قرآن کی شرح ہیں، البتہ غلط اور موضوع احادیث ناقابلِ عمل ہیں جنہیں محدثین عظام نے چھانٹ کر علیحدہ کر دیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میرا منک یہ ہے کہ قرآن پاک کی تشریح کے لیے میں رب کے پہلے قرآن کو دیکھتا ہوں کیونکہ بعض چیزوں کی تشریح خود قرآن پاک کرتا ہے۔ اگر ایک مقام پر کسی بات میں اجمال ہے تو دوسرے مقام پر تفصیل مل جاتی ہے۔ اگر کوئی چیز قرآن پاک سے نہ ملے تو پھر میں سنتِ نابتہ کی طرف رجوع کرتا ہوں، وہاں سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہاں بھی کوئی چیز ثابت نہ ہو تو پھر صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھتا ہوں کیونکہ قرآن کے اولین متعلمین اور عالمین علیہم السلام ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی معاملہ میں صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو، تو میں اس کو اختیار کر لیتا ہوں اور اگر ان میں اختلاف ہو تو پھر میں از خود ترجیح دیتا ہوں۔ اور زیادہ راجح چیز کو اپنا لیتا ہوں۔ یہ تین چیزیں مسلم الاصول ہیں۔ صحابہؓ کے بعد ہم کسی کی پروا نہیں کرتے بلکہ خود اجتہاد کرتے ہیں کہ اسی میں خیریت ہے۔

امام ابن تیمیہؒ بھی اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں: فَالسُّنَّةُ قُسْرُ الْقُرْآنِ وَتَبْيِينُهُ، یعنی سنت ہی قرآن کی تفسیر کرتی ہے اور اس کو

بیان کرتی ہے۔ جو لوگ سنت کا انکار کرتے ہیں، وہ قرآن کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ ان کا انکار سنت محض اس لیے ہوتا ہے تاکہ وہ قرآن پاک کی من مانی تفسیر کر سکیں۔ چنانچہ پرویز نے کہا ہے کہ جو نماز ہم ادا کرتے ہیں، یہ درست نہیں ہے جب تک اسلامی حکومت قائم نہ ہو۔ اس کے مطابق جب پرویزیوں کی حکومت قائم ہوگی اور پھر وہ نماز کا طریقہ وضع کریں گے تو اس کے مطابق نماز درست ہوگی۔ ہماری موجودہ نماز بیکار محض ہے (نحوذ باللہ) حالانکہ تمام سلفہ ماجین ائمہ کرام، بزرگان دین، محدثین، مفسرین وغیر ہم اسی نماز پر اتفاق کرتے اور پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں۔ نماز اسلام کے فرض رابعہ میں سے اہم فرض ہے جس کے ارکان میں کسی کو اختلاف نہیں مگر منکرین سنت کے نزدیک یہ نماز ایک رسم سے زیادہ کچھ نہیں۔

فرمایا ہم نے آپ کی طرف قرآن پاک نازل فرما کر آپ کو تشریح کا حکم بھی دیا ہے۔ اب یہ لوگوں کا فرض ہے وَكَلَّمَهُمْ بَيِّنَاتٍ کہ اس کلام الہی میں عجز و فکرم کریں کہ جن احکام الہی کی اللہ کے نبی نے تفصیل بیان کر دی ہے، اس پر کس طریقے سے عمل کرنا ہے قرآن میں عجز و فکرم کی دعوت خود قرآن پاک نے متعدد مقامات پر دی ہے، اب یہ اہل ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پر کس حد تک عمل درآمد کرتے ہیں۔

أَفَأَمَّنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ
 بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ
 لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ
 فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى
 تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٤٧﴾ أَوَلَمْ
 يَرَوْا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَتَّوْنَ
 ظِلَّةً عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَالِ سِجْدًا لِلَّهِ
 وَهُمْ ذَخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَوَاتِ
 وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ
 لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ
 وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ- کیا نڈر ہو گئے ہیں وہ لوگ جنوں نے کائی ہیں برائی
 کہ اللہ تعالیٰ دنا سے ان کو زمین میں . یا آئے ان کے پاس
 عذاب جہاں سے ان کو پتہ بھی نہ ہو ﴿۴۵﴾ یا پکڑے ان کو
 چلنے پھرنے میں . پس نہیں وہ عاجز کرنے والے ﴿۴۶﴾ یا پکڑے
 ان کو خوف کے بعد پس بیشک تمہارا پروردگار البتہ بہت
 نرمی کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۴۷﴾ کیا ان لوگوں نے نہیں

دیکھا کہ اللہ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں ان کا سایہ ڈھلتا ہے (مائل ہوتا ہے) دائیں طرف اور بائیں طرف سجدہ کرتے ہوئے اللہ کے سامنے، اور وہ عاجز ہوتے ہیں (۴۸) اور اللہ ہی کے سامنے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں جاندار اور فرشتے، اور وہ تکبر نہیں کرتے (۴۹) خوف کھاتے ہیں اپنے پروردگار کا اوپر سے، اور کرتے ہیں وہ جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے (۵۰)

ربط آیات

گذشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد فرمایا اور پھر گذشتہ درس میں ان مومن مہاجرین کی حوصلہ افزائی فرمائی جن پر بڑے مظالم ڈھائے گئے مگر انہوں نے خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے صبر کے دامن کو نہ چھوڑا۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی بہتر ٹھکانا میرا آنے کا اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسالت کے سابقہ بیان کے تسلسل میں فرمایا کہ ہر قوم میں مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اگر منکرین توحید و رسالت کو اس بارے میں کوئی شک و تردد ہے تو وہ تاریخ و واقعات کو یاد رکھنے والوں سے تصدیق کر لیں۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل اللہ نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں یعنی معجزات اور صحیفے دے کر بھیجا، اور پھر آخر میں حضور علیہ السلام پر ذکر یعنی قرآن نازل فرمایا۔ آپ کو اس بات کا پابند کیا کہ آپ اس قرآن پاک کی تشریح و تبیین کا کام بھی انجام دیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فریضہ بطریق احسن انجام دیا۔ اور یہی ”سنت“ ہے۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کو بھی حکم دیا کہ وہ اس قرآن پاک میں غور و فکر کریں تاکہ صحیح نتیجے پر پہنچ سکیں۔

منکرین کے لیے
سخت وعید

اب آج کے درس کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے منکرین و شرک و رسالت کو ان کی ریشہ دوانیوں پر سخت تنبیہ فرمائی ہے اور بعض سزائوں کا ذکر

کر کے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس بات سے نڈر ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل فرمائے۔ ارشاد ہوتا ہے أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا الشِّيَاطِ کیا یہ لوگ بے خوف ہو گئے ہیں۔ أَمِنَ کا معنی امن میں ہو جانا، نڈر یا بے خوف ہو جانا ہے۔ فرمایا جو لوگ برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انبیاء کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، اللہ کے پروردگار کو ناکام بنانا چاہتے ہیں، اُس کی توحید کی مخالفت کرتے ہیں، انبیاء کی ہلاکت کے درپے ہیں۔ اور اہل ایمان کو ان کے دین سے روکنا چاہتے ہیں، تو کیا یہ اللہ کے عذاب سے بالکل بے خوف ہو چکے ہیں؟ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے عذاب کی وہ مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ جن میں یہ لوگ گرفتار ہو سکتے ہیں۔

فَرَمَّا لِلَّهِ کے عذاب کی پہلی صورت یہ ہے أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے۔ ان لوگوں کو کچھ احساس نہیں کہ خدا کی پیدا کردہ جس زمین پر یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں اور کاؤ بار کرتے ہیں اللہ چاہے کہ اسی زمین میں ان کو غرق کر دے، اس قسم کی مثال دنیا میں پہلے ہی قائم ہو چکی ہے جب اللہ تعالیٰ نے قارون کو مع اس کے مال و دولت اور خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا۔ اس قسم کے واقعات ہر زمانے میں پیش آتے رہے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نہایت غرور و تکبر کی حالت میں چل رہا تھا، اس کی گردن اٹھی ہوئی تھی اور وہ متکبرانہ چال سے چل رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی حالت میں اُسے زمین کے اندر دھنسا دیا۔ یہ شخص تب سے زمین میں دھنسا چلا جا رہا ہے اور اس کا قدم اُس وقت کہیں ٹکے گا جب قیامت برپا ہو جائے گی۔ اللہ نے اس کے تکبر کی اتنی سخت سزا دی۔ ۱۹۴۹ء میں اخبارات میں پڑھا تھا کہ مشرقی پنجاب کے ضلع فیروز پور کی ایک بستی میں بچے سکول میں پڑھ رہے تھے کہ اس دوران سارا سکول زمین کے اندر دھنسا گیا۔

۱۱
زمین میں
دھنسا جانا

۱۹۲۳ء میں جاپان میں زبردست زلزلہ آیا تھا، زمین میں بڑی بڑی ٹہریں اڑیں پڑ گئی تھیں اور اس حادثے میں تین لاکھ افراد لغتہ اجل بن گئے تھے۔ ابھی پندرہ برس سال کا عرصہ گزرا ساحلی کنارے پر آباد بارہ ہزار کی آبادی برترہ کا یہ پرفضا شہر پورے کا پورا تباہ ہو گیا تھا۔ ایسا زبردست زلزلہ آیا کہ کوئی چیز باقی نہ بچی۔

اللہ نے عذاب کی دوسری صورت یہ بیان فرمائی ہے أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب لے آئے جہاں سے ان کو خبر بھی نہ ہو۔ بعض اقوام کو ایسے ذرائع سے بھی سزا ملتی رہی ہے جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے، مثال کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں مکے والوں پر میدان بدر میں جو آفت آئی، وہ اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ مکے سے سامان ضرب حرب سے لیس ایک ہزار فوج لے کر نکلے تھے، کھانے پینے اور رنگ و سرود کے تمام سامان موجود تھے، وہ ایک ہی جست میں مسلمانوں کو ختم کر دینا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مٹی بھر بے سرو سامان مسلمانوں کے ہاتھوں کفار کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا۔ ستر مارے گئے جن میں بڑے بڑے ائمہ کفر تھے اور اتنے ہی قیدی بنے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب لے آئے جو ان کے گمان میں بھی نہ ہو۔

سزا کی تیسری شکل اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے أَوْ يَأْخُذُهُمْ فِي تَقَابُحِهِمْ یا ان کو چلے پھرنے کے وقت ہی پکڑ لے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ جب چاہے اپنی مخلوق کی گرفت کرے۔ کوئی آسمانی آفت نازل ہو جائے، حادثہ پیش آجائے یا کوئی طوفانِ باد و باران آجائے اور یہ چشم زدن میں ماخوذ ہو جائیں ایسے لوگوں کو اپنی فکر کرنی چاہیے کہ

(۲۱)
بیزوفی ذرائع
سے عذاب

(۲۱)
چلے پھرنے
گرفت

کی یہ خاصیت ہے کہ وہ دس دس میں میں دن تک بموکل پیاس کی شدت، برداشت کر سکتا ہے۔ جب، اونٹ کی خوردہ غذا ختم ہو جاتی ہے تو اس کے جسم کی چربی گھیل گھیل کر غذا بنتی رہتی ہے جسکی وجہ سے اس کی کوٹھان کمزور ہو کر کم ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس شعر میں تخوف کو گھٹانے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

زمانہ جاہلیت
کے اشعار

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا عَلَيَّ كَلِمٌ بِدَلِيْلٍ اَنْتُمْ تَمْنُوْنَ
دلیوان کو لازم پکڑو۔ لوگوں نے دریافت کیا، حضرت! ہمارا دلیوان کونسا ہے
تو آپ نے فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کے اشعار ہیں، ان کو سیکھا کر دو، اور
پڑھا کر دو فَإِنَّ فِيْهِ تَفْسِيْرًا لِّكِتَابِكُمْ وَمَعَانِي كَلَامِكُمْ
کہ اس سے تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی سمجھ میں آتے
ہیں۔ چنانچہ عربی شعر کا قدیم کلام اب بھی درسوں میں پڑھا جاتا ہے۔ مولانا
مصطفیٰ محمد شفیع صاحب، تفسیر معارف القرآن لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت
کے اشعار پڑھنا جائز ہے اگرچہ ان میں بد اخلاقی، جنگ و جدال اور فتنہ
و فساد کا ذکر ہی کیوں نہ ہو۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ کلام الہی کہہنے میں مدد
ملتی ہے کیونکہ قرآن پاک اس وقت کی ترقی یافتہ عربی زبان میں نازل ہوا تھا
بعض عربی الفاظ کے معانی سمجھنے میں بھی دقت آتی ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی لفظ
کا مادہ کیسا ہے اور عربی محاورے میں یہ کس طرح استعمال ہوتا ہے اور پھر
اس کا معنی کیا بنتا ہے، چنانچہ اس پر علما نے کراہ اور مفسرین نے کتابیں
لکھی ہیں۔

فرمایا، یاد رکھو اَفَاتٌ رَّبُّكُمْ ذُوْهُنَّ وَوَجْهُ رَحِيْمٌ بِيْكُمْ تَمَارًا
پروردگار بڑا نرم اور مہربان ہے۔ اس کی شفقت کا تقاضا ہے کہ وہ
بعض اوقات مجرموں کو مہلت دیتا رہتا ہے اور اعمال و تدبیر سچ سے
کام لیتا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ كَشَدِيْدٍ

(البروج) بیشک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ جب وہ کسی کو پکڑنے پر آتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ یہ اللہ نے مخالفین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ انہیں اس بات سے خوف کھانا چاہیے کہ کسی نہ کسی صورت میں ان پر غہ اترنے کی گرفت نہ آجائے۔

آگے پھر اللہ نے اپنی وحدانیت اور موجودیت کی طرف توجہ دلائی ہے أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ كَمَا إِنْ لَوْكُلُوا فِي سَبِيلِهِ لَمِيزُوا لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی چیزیں پیدا کی ہیں يَتَفَكَّرُونَ ظِلُّهُ عَنِ الْمَيِّمِينَ وَالشَّمَايِلِ مُسْتَجِدًّا ان کے سامنے ڈھل جاتے ہیں دائیں اور بائیں طرف اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے۔ وَهُمْ ذُرِّيَّتُونا اور وہ عاجز ہوتے ہیں۔

سائے کا
سجدہ

اہم روزمرہ زندگی میں پہاڑوں، درختوں، ٹیلوں اور عمارات کے سایوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ دن کے پہلے حصے میں تمام چیزوں کے سامنے گھٹتے رہتے ہیں۔ دوپہر کو ایک خاص بج پر پہنچ کر رک جاتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ بڑھنے لگتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ دوپہر کے وقت جب سورج سر پر آتا ہے تو ہر چیز کا سایہ ٹھہر جاتا ہے۔ اور جب دن ڈھلتا ہے تو سایہ جھکتے جھکتے شام تک زمین پر پڑ جاتا ہے۔ ان سایوں کی سجدہ ریزی بالکل اسی طرح ہے جس طرح کوئی آدمی پہلے قیام کرتا ہے، پھر رکوع میں جاتا ہے اور پھر سجدہ میں گر پڑتا ہے اسی طرح ہر ایستادہ چیز پہاڑ، درخت، عمارات وغیرہ اپنے سایوں کے ذریعے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ ہے کہ جغرافیائی لحاظ سے یہ سایہ کسی ملک میں کسی موسم میں دائیں طرف جھکتا ہے اور کہیں بائیں طرف۔

ہماری آخری شریعت میں اللہ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ روا نہیں خواہ وہ سجدہ عبادت ہو یا سجدہ تعظیمی۔ عبادت کا سجدہ تو قطعی حرام

اور کفر سے خواہ وہ کسی کے سامنے بھی کیا جائے۔ البتہ سجدہ تعظیمی جو بادشاہوں یا دیگر بڑے لوگوں کے سامنے کیا جائے، وہ حرام ہے مگر کفر نہیں ہوتا۔

ہر چیز
سجدہ ریز
ہے

اس کے بعد اختیاری اور غیر اختیاری دونوں قسم کے سجدے کے متعلق فرمایا وَاللّٰهُ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہیں۔ زمین میں مَا فِي السَّمٰوٰتِ چلنے پھرنے والے جاندار ہیں، اور آسمان پر وَالْمَلَائِكَةُ فرشتے ہیں۔ البتہ انسانوں کے متعلق دو کسر مقام پر فرمایا ہے کہ ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ اپنے اختیار اور رضا و رغبت سے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے جب کہ دوسرا نافرمانوں اور کافروں کا گروہ ہے جو تکبر کرتا ہے اور سجدہ نہیں کرتا۔ باقی تمام چیزیں خدا تعالیٰ کے سامنے منقاد ہیں۔ وہ سب عاجزی کرنے والی ہیں، جانور، حسرت، پہاڑ وغیرہ سب اللہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں وَقُلْ لَا يَسْجُدُونَ اور وہ تکبر نہیں کرتے بلکہ عاجزی کہتے ہیں۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ مغرور لوگوں کے لیے زمین پر سر رکھنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے مغرور کا سر نیچا ہوتا ہے اور انہیں ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ حالانکہ انسان کی بڑائی اپنے پروردگار کے سامنے تواضع، اخلاص اور خشوع و خضوع کے اظہار میں ہی ہے۔ ملائکہ کے متعلق حضور علیہ السلام کافران ہے۔ کہ فرشتوں کی وجہ سے اَطَّتِ السَّمٰوٰتُ اَسْمَانَ چیرا آتا ہے۔ جس طرح نیا کجاوہ جانور پر رکھا جائے تو وہ چیرا آتا ہے، اسی طرح آسمان بھی چیرا آتا ہے کیونکہ آسمان پر ایک بالشت بھی جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو یا کسی دوسری عبادت میں مصروف نہ ہو۔ تو فرمایا کہ نہ تو جانور تکبر کرتے ہیں اور نہ ہی فرشتے بلکہ وہ خدا کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

فشتوں کے متعلق خاص طور پر فرمایا يَخَافُونَ رَبَّهُمْ وہ اپنے پروردگار سے خوف کھاتے ہیں، ڈرتے ہیں مَنْ فَوْقَهُمْ اپنے ادرے سے کہ کہیں خدا تعالیٰ کی گرفت نہ آجائے وَكَيْفَعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ اور لرتے ہیں جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ فرشتے اللہ کے حکم سے سر مو سرتابی نہیں کرتے۔ اسی طرح جانور اور دوسری چیزیں بھی اپنے طبعی فرائض انجام دیتے ہتے ہیں۔ یہ صرف انسان اور جنات ہیں جو مکلف مخلوق ہیں، انہی میں سے بعض لوگ تکبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل سے گریز کرتے ہیں۔

سجدہ کی مختلف قسمیں ہیں جیسے سجدہ عبادت (غماز) سجدہ شکر اور سجدہ تلامذت ہے۔ سجدہ تلامذت واجب کادرجہ رکھتا ہے۔ اس آیت کے اعتناء پر بھی پڑھنے اور سننے والوں پر سجدہ تلامذت واجب ہو جاتا ہے۔ یہ قرآن پاک کے کل چودہ مقامات میں سے ایک ہے۔ جہاں پہنچ کر سجدہ کرنا لازم آتا ہے۔ اگر کوئی آیت سجدہ پڑھتے یا سنتے وقت سجدہ کرنے کی حالت میں ہے یعنی با وضو ہے تو فوراً سجدہ کرے، وگرنہ طہارت حاصل کرنے کے بعد سجدہ کرے کیونکہ طہارت سجدہ کے لیے شرط ہے۔

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ إِنَّمَا
 هُوَ اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ فَإِنِّي آتِيكُمْ فَارْهَبُونِ ۚ (۵۱) وَلَهُ مَا فِي
 السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصْبَاۗءُ اَفْغِيْرَ
 اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ (۵۲) وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ
 اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْرُوْنَ (۵۳)
 ثُمَّ اِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِّقٍ مِّنْكُمْ
 بِرِئْسِهِمْ يُشْرِكُوْنَ (۵۴) لِيَكْفُرُوْا بِمَا اٰتٰهُمْ
 فَتَمْتَعُوْا فَاِنْ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۵۵) وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا
 لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللّٰهِ لَشَنَّ
 عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ (۵۶)

ترجمہ :- اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے نہ بناؤ دو معبود ۔ بیشک
 وہ ایک ہی معبود ہے ۔ پس خاص مجھ سے ہی ڈرو (۵۱)
 اور اسی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین
 میں ، اور اسی کے لیے ہے اطاعت دائی ۔ کیا تم اللہ
 کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو (۵۲) اور جو کچھ تمہارے
 پاس نعمت ہے ۔ پس وہ اللہ کی طرف سے ہے ۔ پھر
 جب تم کو پہنچتی ہے تکلیف تو اسی کے سامنے چلاتے

ہو (۵۳) پھر جب وہ دُور کر دیتا ہے تم سے ملکیت کو
 نہ اچانک ایک گروہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک
 کرنے والا ہوتا ہے (۵۴) تاکہ (نتیجہ یہ ہو) یہ ناشکری کریں
 اس چیز کے ساتھ جو ہم نے اُن کو دی ہے۔ پس فائدہ
 اٹھاؤ، پس عنقریب تم جان لو گے (۵۵) اور ٹھراتے ہیں یہ
 لوگ اس کے لیے کہ جس کو نہیں جانتے، حصہ ۱۰ اُس میں سے
 جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے۔ اللہ کی قسم تم سے ضرور
 سوال کیا جائے گا ان باتوں کے بدلے میں جو تم افتراء کیا
 کرتے تھے (۵۶)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعثتِ انبیاء کا ذکر فرما کر مشرکین کے
 اعتراضات کا مکت جواب دیا۔ مہر نبی نے اپنی امت کو یہی تعلیم دی "اِنَّ
 الْعِبَادَ لِلّٰهِ وَاَلَّهٖ وَلَجْتَنَّبُوۡا الطَّاغُوۡتَ" یعنی صرف اللہ کی عبادت کرو اور
 طاغوت کی پرستش سے بچ جاؤ۔ پھر اللہ نے مختلف طریقوں سے توحید کے
 دلائل سمجھائے۔ اور آخر میں فرمایا کہ کائنات میں خدا کی پیدا کردہ تمام چیزیں جو جسم کھتی
 ہیں۔ اللہ کے سامنے سجدہ ریزہ ہوتی ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ ہر ایسا وہ چیز
 کے سامنے زمین پر سجدہ کرتے ہیں۔ فرمایا آسمانوں کی ہر مخلوق خولہ وہ فرشتے ہوں یا جانور
 سب اللہ کے سامنے سجدہ ریزہ ہوتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ اس کے برخلاف صرف
 انسانوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو انکار دکھاتا ہے اور اللہ کے سامنے سجدہ کرنے سے
 گریز کرتا ہے۔ اب آج کی آیات میں بھی اللہ نے توحید پر مضبوطی سے جمے رہنے کی
 تلقین کی ہے۔ اور شرک کی بعض صورتوں کا رد فرمایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوا۟ الْهٰٓئِنِ الْاٰثِنِ
 اللہ نے فرمایا دو موجود مت بناؤ۔ جلد مشرکین میں سے مجوسیوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے

ربّ آیات

عقیدہ
 اثنیت

جو دو معبودوں کا قائل ہے۔ اس باطل عقیدہ کا ذکر سورۃ النعام کی ابتدا میں بھی ہو چکا ہے کہ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ یہ لوگ کہتے ہیں کہ روشنی یا نیکی کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے جبکہ تاریکی یا برائی کا پیدا کنندہ دوسرا خدا ہے۔ خدا تعالیٰ نے وہاں پر اس باطل عقیدے کا رد فرمایا تھا کہ اندھیروں اور روشنی کا خالق خدا ہے واحد ہے۔ نہ کوئی بزدان ہے اور نہ اہم من بلکہ اللہ ہی وحدہ لا شریک ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ اب آج کے درس میں بھی اسی قسم کے شرک کی تردید فرمائی ہے کہ دو معبود نہ بناؤ۔ یہاں پر الْهٰکِنِ کا معنی دو معبود ہیں اور آگے پھر اِثْنَيْنِ کی تاکید بھی فرمادی ہے کہ اللہ کی وحدانیت کے مقابلے میں اثنیت کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے اِنَّمَا هُوَ الْاِلٰهُ الْوَاحِدُ وہ تو ایک ہی معبود برحق ہے اور اسی نے فرمایا فَاَيُّهَا يَا كٰفِرٌ قَدْ هَجَوْنَا کہ صرف مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ میرے علاوہ نہ کوئی نفع نقصان کا مالک ہے اور نہ کوئی کسی کی حاجت روائی اور مشکل کٹائی کر سکتا ہے۔ خدا تو ایک ہی ہے اور باقی ساری اُس کی مخلوق ہے۔ اور مخلوق میں سے کسی کو اللہ کے درجے پر پہنچا دینا تو بغاوت اور سخت ظلم ہے۔ غرضیکہ اس آیت کہ میرے اللہ کے دو خداؤں والے عقیدہ کی تردید فرمائی ہے۔

عقیدہ اثنیت کے علاوہ عقیدہ تئیسیت والے اس وقت اربوں کی تعداد میں دنیا میں موجود ہیں۔ عیسائی تین خداؤں کو مانتے ہیں۔ جس کی تردید سورۃ ماڈہ میں آچھی ہے "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَلٰثٌ ثَلٰثَةٌ تَحِقُّقٌ اِن لٰوْگُوْنَ نے کفر کا ارتکاب کیا۔ جنہوں نے کہا کہ اللہ تینوں میں تیسرا ہے۔ یہ لوگ باپ، بیٹا اور روح القدس تین خدا مانتے ہیں۔ باپ سے مراد اللہ تعالیٰ، بیٹے سے مراد مسیح علیہ السلام اور روح القدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ایک عقیدے کے لحاظ سے باپ، بیٹا اور

مہریم تین خدا بنتے ہیں مگر اللہ نے وہاں پر اس عقیدے کی سختی سے نفی فرمائی
ہندوؤں میں آریہ سماجی مسلمانوں کے عقیدہ توحید سے کسی قدر متاثر ہونے
اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ساتن دھرمی تو غلط ہیں جو کہ وڑوں معبودوں کو مانتے
ہیں کیونکہ یہ عقیدہ عقل کے خلاف ہے، مگر وہ خود بھی تثلیث میں آکر پھنس
گئے۔ ایسیائیوں کی طرح انہوں نے بھی تین خدا بنائے ایک پر ماتا (خدا) دوسرے
روح اور تیسرا مادہ۔ انہوں نے ان تینوں کو قدیم تسلیم کیا۔ بخاری شریف کی
روایت میں آتا ہے كَانَ اللّٰهُ وَكَمِيْكَ لَكِنْ مَعَهُ شَيْءٌ
یعنی ابتدا میں صرف خدا تعالیٰ کی ذات تھی اور اس کے ساتھ دوسری کوئی
چیز نہیں تھی، نہ روح تھی اور نہ مادہ۔ یہ مخلوق ہے جسے خدا نے اپنی صفت
اور تجلی سے ظاہر کیا۔ اُس وقت نہ کوئی فرشتہ تھا، نہ جن اور نہ انسان۔ صرف
اللہ کی ذات اور اُس کے ساتھ اس کی صفات تھیں، اس کے علاوہ کوئی
چیز نہیں تھی، تو آریہ سماجیوں نے روح اور مادہ کو قدیم کیسے تسلیم کر لیا۔ ہندوؤں
کے لاکھوں کروڑوں معبودوں کا انکار کرنے کے باوجود بھی یہ لوگ عقیدہ تثلیث
کی بناؤ پر مشرک کے مشرک ہی ہے۔

کروڑوں
معبود

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہندوؤں کی ایک کثیر آبادی لاکھوں اور کروڑوں
دیوتاؤں کو مانتی ہے۔ پرانے مصریوں میں بھی شرک کی بیشمار قسمیں رائج تھیں۔
حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی حقیر سے حقیر چیز بھی ایسی نہیں جس کی مشرکوں
نے پوجا نہ کی ہو۔ گوہر کے پجاری کج بھی موجود ہیں جو اسے پوتر سمجھ کر اس
کی پوجا کرتے ہیں۔ ناگ چنچی والے سانپ کی پرستش کرتے ہیں۔ بلی کو
معبود مانتے والے مشرک بھی دنیا میں موجود ہیں۔ سورج، چاند اور ستارے تو
بڑی بڑی چیزیں ہیں جن کے پجاری بابلی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
دور کے کلدانی بھی تھے۔ پھر پتھر کے دیوتاؤں کو ماننے والوں کی بھی
کمی نہیں۔ حتیٰ کہ بشونلنگ کے پجاری بھی ہیں جو آکہ تناسل کو پوجتے ہیں۔

یہ شرک کی مختلف قسمیں ہیں، جبکہ اللہ نے فرمایا کہ مجھ کو تو صرف ایک اللہ ہے۔ خالق صرف وہ ہے، باقی سب مخلوق ہے۔ وہی قادرِ مطلق، علیمِ کل، ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان ہے۔ فرمایا جب وہ ایک ہی خدا ہے تو پھر اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور خالص اُسی سے ڈرو۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ مَآ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اُسی اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ ہر چیز خفّ (پیدائش کے لحاظ سے) ملکاً (ملکیت کے لحاظ سے) اور تصرفاً (صرف کے لحاظ سے) اُسی مالکِ الملک کی ہے۔ مہر شے کا خالق، مالک اور مدبر وہی ہے۔ سورۃ آلہ سجده میں ہے يُذَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خطیرۃ القدس کی بلندیوں سے لے کر زمین تک اور سخت الشریٰ تک تدبیر کر لے والا وہی ہے۔ وہ کلی اختیار کا مالک ہے، اُس کا کوئی نائب نہیں جو کسی کی حاجت روائی کرے ہو وَاَلَمْ يَلْمِ الْاِنْسَانَ اذْ ذَكَرْتَهُ الذَّيْنِ وَاَصْحَابًا اور اُسی کے لیے ہے دائمی اطاعت و اصعب کا معنی دائم اور لازم ہونا ہے جیسا کہ سورۃ الصّٰفٰت میں شیاطین کے متعلق فرمایا وَاَصْحَابُ الْعَذَابِ یعنی ان کے لیے دائمی عذاب ہو گا۔ غرضیکہ فرمایا کہ دائمی اطاعت بھی اُسی وحدہ لا شریک کی ہے۔ ملائکہ ہوں یا ارض و سما کی تمام چیزیں، انکو سنی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرتے ہیں۔ عقل کے دائرے میں رہ کر انسانوں میں سے بہت سے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہیں۔ وَكَيْفَ كُفِّرُوا بَعْدَ اٰيٰتِهِمْ اور بہت سے ایسے ہیں جن پر سزا ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ توحید کو تسلیم کرنے کے باوجود شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا اَفَعَيْنَ اللّٰهِ تَتَّقُونَ کیا تم اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو؟ جن کو تم نے خدا کا شریک

بنا رکھا ہے۔ اُن سے خواہ مخواہ ڈرتے ہو۔ حالانکہ نہ انہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے۔ نہ اُن کے پاس تصرف ہے اور نہ وہ سب چیزوں کا علم ہی رکھتے ہیں۔ بھلا اُن سے تم کیوں خوف کھاتے ہو؟

فَرِيًّا وَمَا يَكُم مِّنْ لَّعْمَةٍ تَهَارِعُ بِهَا سَبَّحُوهٗ
 نعمت ہے فِيْنِ اللّٰهِ وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ نعمت صحیٰ ہو یا معنوی، مادی ہو یا روحانی، ظاہری ہو یا باطنی، سب اسی کی طرف سے ہے سورۃ لقمان میں ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے آسمان و زمین کی ہر چیز مسخر کر دی ہے "وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ لَعْمَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً" اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں کو تم پر کامل بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر لاتعداد نعمتیں رکھی ہیں مگر انسان کسی ایک نعمت کا بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بیرونی نعمات کا بھی کوئی شمار نہیں اللہ نے انسان کو وجود دیا۔ صحت، تندرستی اور عمر دی، اولاد، زمین و مکان، تجارت، سربایہ، عزت، اقتدار اور سوسائٹی میں اعلیٰ مقام عطا کیا۔ یہ سب کچھ منجانب اللہ ہے اور اس میں کسی دوسری ذات کا کوئی حصہ نہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے پاس موجود ہر نعمت اللہ ہی کی عطا کردہ ہے۔

فَرِيًّا شَرًّا إِذَا مَسَّكُمْ الضَّرْبُ مِمَّا يَكْتُمُونَ
 پہنچتی ہے فَالِيْهِ تَجْعَلُوْنَ تو تم اسی کے سامنے چلا تے ہو، اور رو کر دعائیں کرتے ہو۔ جب مریض کے سر ہانے کھڑے سارے ڈاکٹر عاجز آجاتے ہیں۔ کسی کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تو پھر لامحالہ انسان خدا تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ مولا کریم! ظاہری اسباب تو ختم ہو چکے ہیں اب تو ہی شفا دے سکتے ہو۔ مگر دیکھو! ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضَّرْبَ عَنْكُمْ جس وقت خدا تعالیٰ تم سے وہ تکلیف دور کر دینا ہے إِذَا فَرَّقَ مِّنْكُمْ بَرِيَّتَهُمْ لیکن تو اچانک تم میں سے ایک

انعام
 اللہ

مصیبت
 میں رجوع
 الی اللہ

گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ جب تکلیف دور ہو جاتی ہے تو پھر وہی غیر اللہ کی نذر و نیاز شروع ہو جاتی ہے اور انسان اپنی خیالات میں گم ہو جاتا ہے جن میں تکلیف آنے سے پہلے ڈوبا ہوا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ اسے کوئی تکلیف آئی ہی نہیں، اس نے خدا تعالیٰ کو پکارا ہی نہیں اور نہ اسے خدا نے کسی مصیبت سے رٹائی دی ہے۔ مطلب یہ کہ مطلب نکل جانے کے بعد لوگ پھر وہی شرکیہ رسوم ادا کرنے لگتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے احسانات کو بھول جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ کہ جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس کی ناقدر دانی ہوگی۔ اللہ نے عقل، صحت، علم، مال و دولت سب کچھ دیا مگر اس کا نتیجہ ناقدری کی صورت میں تو نہیں نکلا چاہئے تھا۔ انسان کو شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ نے تمام نعمتیں عطا کیں۔ پھر تکلیف کو دور کیا مگر انسان نے پھر اسی کے ساتھ شرک ٹھہرا کر اس کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ فرمایا فَمَا فَتَحْتُمُوْنَا اِنْ نَعْمْتُوْنَا مِنْ غَيْرِ مَا نَحْنُ عَلَيْهِمْ۔ فائدہ اٹھا لو، مگر کب تک؟ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ تمہیں بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے شرک کی ایک اور قسم کا ذکر فرمایا ہے۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ہماری دی ہوئی ہرزہ میں سے ایسی چیزوں کے لیے حصہ بٹھراتے ہیں جن کے متعلق انہیں کچھ علم نہیں۔ نہ کوئی تحقیق ہے، نہ سند ہے اور نہ دلیل مگر مختلف اشیاء میں سے ان کے نام کا حصہ ضرور نکالتے ہیں۔ یہ مضمون سورۃ النعام میں بھی بیان ہو چکا ہے وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأْنَا مِنَ الْخُرْتِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا کہ انہوں نے کھیتی کی پیداوار اور مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کا حق کر رکھا ہے فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا اور پھر بڑھم خود کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے

شکر کا ذکر ہے۔ اس طرح وہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے ان کی نذر و نیاز کہتے ہیں۔ گائے بھینس کا دودھ تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے مگر مشرک لوگ اسے شیخ عبدالقادر جیلانی کی گیارہویں کے نام پر دیتے ہیں۔ بکریا دنبہ بھی خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ وہ داتا صاحب کی نیاز کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے یہی تو اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے غیر اللہ کا حصہ نکلنے والی بات ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے مشرکانہ عقیدے کی سخت تردید فرمائی ہے۔

نذر غیر اللہ

نذر غیر اللہ کی کئی مثالیں روزمرہ مشاہدے میں آتی ہیں۔ ایک دفعہ ہواٹی اڑے سے تانگے پر سوار ہوئے۔ ایک پہلوان صاحب نے ایک موٹا تازہ دنبہ بھی تانگے میں سوار کرایا۔ گوہر الزوالہ کی طرف آتے ہوئے میں نے پوچھا کہ قربانی کا موسم تو نہیں ہے، پھر یہ دنبہ کہاں لے جا رہے ہو، کہنے لگے یہ داتا صاحب کی نیاز ہے۔ میں نے کہا، اللہ کے بندے! اللہ کی نیاز کہو۔ کہنے لگے، اللہ کیا اور داتا کیا، ایک ہی بات ہے۔ بعض لوگ شرک میں اتنے پختہ ہوتے ہیں۔ مسعود سالار غازی کے نام کی گائے تو ہندوستان میں مشہور ہے۔ شیخ سدھو کا بچا بھی دیا جاتا ہے۔ دہلی رائے بی بی کی صحنک دیتے ہیں۔ ایک بڑے کھلے برتن میں کھانا رکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے صرف عورتیں ہی کھائیں گی، مرد نہیں کھا سکتے، اور عورتوں میں بھی دو خصمی عورت (دوسرے نکاح والی) نہیں کھا سکتی۔ امام جعفر کے گونڈے بھی تیار کیے جاتے ہیں جنہیں صرف چھت کے نیچے ہی کھایا جاتا ہے اس قسم کی نذر غیر اللہ مختلف علاقوں میں مختلف طریقوں سے دی جاتی ہے اور اس پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر کے خود ہی اسے مشکل بنا دیا جاتا ہے حیدرآباد دکن کے ایک بزرگ نے جہاد میں شہادت کا مرتبہ حاصل کیا تھا۔ ان کی قبر پر لوگ درخو استیں پیش کرتے ہیں۔ میں نے خود وہاں درخو استوں کا اتنا انبار دیکھا کہ جس سے پورا مشرک بھر جائے۔ شاید لوگ

سمجھتے ہیں کہ اس بزرگ نے وہاں کلرک مقرر کر رکھے ہیں جو لوگوں کی درخواستیں ان کے پاس پیش کرتے ہیں۔ بعض لوگ قبر پر قرآن خوانی کرتے ہیں کہ بزرگ خوش ہو کہ جہاں مقصد پورا کر دے گا۔ قبروں کو غسل دیا جاتا ہے، ان پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ وہاں کی خاک کو منہ اور آنکھوں پر نکالا جاتا ہے، کوئی قبر کو چوم رہا ہے۔ کوئی وہاں ناک رگڑ رہا ہے اور کوئی اس پر سر رکھے ہوئے ہے بعض لوگ قبروں سے پتھر، کنکر وغیرہ اٹھا کر لے جاتے ہیں کہ ان سے شفا یابی ہوتی ہے۔ صوبہ سرحد میں قبروں پر جھنڈے لہرانے کا عام رواج ہے جن پر بڑی مقدار میں کپڑا لگایا جاتا ہے حالانکہ یہی کپڑا کسی غریب کے تن ڈھانپنے کے کام آسکتا ہے۔ یہ سب خدا کی عطا کردہ چیزوں میں سے غیروں کا حصہ مقرر کرنے کی مثالیں ہیں۔

لازمی باز
پس

اللہ نے فرمایا کہ مشرک لوگ یہ سب شرکیہ باتیں کرتے ہیں۔ مگر انہیں یہ بھی علم نہیں کہ یہ رسم کیوں ادا کی جاتی ہے اور اس کا موجب کون ہے۔ مگر یاد رکھو! تَاللّٰہِ اللّٰہُ کِی تَسْمُ۔ اللہ نے خود اپنی قسم اٹھا کر فرمایا ہے لَتَسْئَلَنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَحُونَ کہ جو کچھ تم افتراء کرتے ہو، اس کے متعلق ضرور سوال کیا جائے گا۔ قیامت والے دن تمہیں جواب دینا ہو گا کہ یہ شرکیہ رسم تم نے کہاں سے نکالی اور تمہارے پاس اس کی کیا دلیل تھی۔ کیا کسی امام نے یا بزرگ نے کہا تھا کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کی نیاز دیا کرو۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی ساری کاروائیاں افتراء کے زمرے میں آتی ہیں اور انہیں ایصالِ ثواب یا صدقہ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ تو غیروں کی نیاز ہے جنہیں نفع اور ضرر سمجھ کر دی جاتی ہے فوسق شدگان کے لیے صدقہ خیرات اور استغفار کہنا اور جائز ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا ثواب مرنے والوں کو پہنچائے اور یہ ملتِ ابراہیمی کا مسلمہ اصول ہے۔ مگر نذر و نیاز کی مراد حسبِ نکلیں مشرک ہیں

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحٰنَهُ وَلَهُمْ مَا
 يَشْتَهُونَ ﴿۵۷﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ
 وَجْهَهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ
 مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ
 يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلْأَسَاءُ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۵۹﴾
 لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السُّوءِ وَلِلَّهِ
 الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۶۰﴾

۴۴۸۰

ترجمہ :- اور ٹھہراتے ہیں یہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں، پاک
 ہے اس کی ذات، اور اپنے لیے وہ کچھ جو وہ چاہتے ہیں ﴿۵۷﴾
 اور جب خوشخبری دی جائے ان میں سے کسی کو بیٹی کی تو ہو جاتا
 ہے اس کا چہرہ سیاہ اور وہ غم میں بھرا ہوا ہوتا ہے ﴿۵۸﴾
 چھپتا ہے قوم سے اس بری خبر کی وجہ سے (اور خیال
 کرتا ہے کہ) روک رکھے اس کو ذلت پر، یا داب سے اس
 کو مٹی میں بسنو! بُرا ہے وہ جو یہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿۵۹﴾
 ان لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، یہ بری مثال
 ہے اور اللہ کی مثال بلند ہے، اور وہ زبردست اور حکمت
 کا مالک ہے ﴿۶۰﴾

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے دو خدا ماننے والے مجوسیوں یا تنوی فرقیے
 ربط آیات

والے مشرکوں کا رد فرمایا۔ پھر مطلق شرک کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی کہ وہ اپنی کمائی میں سے غیر اللہ کے تقرب کے لیے ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ فرمایا نعمتیں تو ساری کی ساری خدا تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں تو اس میں سے دوسروں کا حصہ نکلانے کا کیا مطلب؟ تکلیف تو اللہ تعالیٰ دور کرنا ہے مگر نذر و نیاز اختیار کی دی جاتی ہے۔ فرمایا یہ لوگ اس چند روزہ زندگی سے فائدہ اٹھالیں، آگے چل کر انہیں پتہ چل جائے گا۔ جو یہ افتراء کیا کرتے تھے اب اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی ایک اور قسم کار فرمایا ہے فرمایا وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ اور مٹھراتے ہیں یہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں۔ پھر ان کو دیویاں مان کر ان کی پوجا کرتے ہیں اور حاجت لےنا اور مشکل کشا مانتے ہیں۔ دیویوں کا تصور عربوں کے علاوہ دیگر اقوام میں بھی پایا جاتا تھا۔ مثلاً ہندوؤں میں کلکتے والی کالی دیوی مشہور ہے جس کے نام پر کلکتہ میں مندر بھی بنا ہوا ہے۔ بیاں پر ان نوب، خاص طور پر چھوٹے بچوں کو کالی دیوی کی بھینٹ (قربانی) چڑھایا جاتا ہے تاکہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور وہ لوگوں پر قہر کا باعث نہ بنے۔ اسی طرح یونانی زہرہ ستارے کو دیوی مانتے تھے، اور اس کے نام پر مندر بھی بنا رکھا تھا۔ اُن کا عقیدہ تھا۔

بِعْتَابِ زُهَيْرٍ قَادُورَتَانِ
ذِي لَحْيَيْنِ وَذِي لِسْتٍ الْهُولِ

یعنی زہرہ دیوی کی دہلیز پر قسمت کی دو شیشیاں رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک بوتل میں خیر ہے اور دوسری میں شر ہے۔ گویا یہ دیوی خیر و شر کی مالکہ ہے۔ پرانے آثار یوں میں بھی اس قسم کا تصور پایا جاتا تھا۔ عرب کے بعض قبائل بنو خزاعہ وغیرہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اور کہتے تھے، کہ جنیناں (مادہ جن) ان کی مائیں ہیں۔ اسی باطل عقیدے کے متعلق اللہ نے سورۃ الصفات میں فرمایا ہے "وَجَعَلُوا لِحَبِيئِهِ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ

خدا کے
لیے بیٹیاں

نَسْبًا اِنْ بِرَبْحَتُوْنَ نَعَى اللّٰہِ تَعَالٰی اور جنہوں کے درمیان رشتہ داری قائم کر رکھی ہے۔ گویا جنات خدا تعالیٰ کے کسرال ہیں اور پھر اس کے نتیجے میں فرشتے پیدا ہوتے ہیں۔ جو خدا کی بیٹیاں ہیں۔

فرمایا، دیکھو! یہ کتنا باطل عقیدہ ہے۔ حقیقت میں مَسْبُوحَاتُ خدا تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے پاک ہے۔ خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرنا نہایت ہی گستاخی اور بے ادبی کی بات ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان رفیع کے بالکل خلاف ہے کہ اس کی کوئی بیوی اور اولاد ہو۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے تو بیٹیوں کا تصور رکھتے ہیں وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُونَ اور اپنے لیے وہ کچھ چاہتے ہیں جو انہیں پسند ہے۔ یعنی خدا کی بیٹیوں کے مقابلے میں اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں جو کہ ویسے بھی عقل کے خلاف ہے۔ فارسی کا مقولہ ہے "اچھ بر خود نہ پسندی بردیگر نہ پسندی" یعنی جو چیز خود پسند نہیں کرتے، وہ دوسروں کے لیے کیسے گزارا کرتے ہو؟

اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے بعض عرب قبائل کے اس عزم و غصہ کا ذکر کیا ہے جس کا اظہار وہ اپنی بیٹی کی پیدائش پر کیا کرتے تھے۔ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى اِرْجَبَ وَاَبْهَتَ وَاَبْهَتَ وَاَبْهَتَ یعنی کسی شخص کے گھر بیٹی پیدا ہوتی اور اس بات کی اطلاع اُسے در در ان مجلس دی جاتی، تو پھر اس کی حالت یہ ہوتی ثَلَاثًا وَّجَهْلًا مُسَوِّدًا اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا۔ یہ خبر اس پر بجلی بن کر گرتی کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن گیا ہے وَهُوَ كَاطِيْمٌ اور وہ غم سے نڈھال ہو جاتا۔ اللہ نے فرمایا کہ بیٹی کی پیدائش پر ان مشرکین کی یہ حالت ہو جاتی ہے مگر انہی بیٹیوں کی نسبت اللہ کی طرف کرنے میں ذرا شرم نہیں کھاتے۔ اور پھر وہ اپنی اس بدنامی کے مزعومہ دلخ کو دھونے کے لیے طرح طرح کے جیلے بنانے کرتے ہیں۔ فرمایا يَتَوَلَّوْنَ وَاِلٰى الْقَوْمِ مِنَ سُوءِ مَا بُشِّرَبِهٖ پھر وہ اس بُری خبر کی وجہ سے

پھر کیا ہی

قوم سے چھپتا پھر رہا ہے، کسی کو اپنا منہ نہیں دکھانا چاہتا کہ لوگ کہیں گے اس کے دل بیٹی پیدا ہوتی ہے اس شرم کے بارے میں وہ اپنی بستی اور گھر بار بھی چھوڑ بیٹھے۔ چنانچہ امام باخطل نے ”البيان والتبيين“ میں ایک عورت کے چند اشعار لکھے ہیں جن میں اسی قبح صورت حال کو بیان کیا گیا ہے۔ بچی کی پیدائش پر جب اس کا خاوند گھر بار ہی چھوڑ بیٹھا ہے تو وہ لے اس طرح خطاب کرتی ہے۔

مَا لَآبٍ هَمْزَةٌ لَا يَأْتِيْنَا

بَدِيْتٌ فَبَدِيْتِ الْبَدِيْتِيْنَا

اے ابوہمزہ! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو ہمارے پاس نہیں آتا بلکہ پڑوسیوں کے گھر میں رہتا ہے۔

عَضْبَاتٌ اَلَّا نَلِدَ الْبَنِيْنَا

تَاللّٰهِ مَا ذَاكَ بِاَيْدِيْنَا

تو اس بات سے ناراض ہے کہ ہم بچے نہیں جنٹیں حالانکہ خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے

مَحْتٌ كَزَعٍ لِّمَا

فَدُ ذَرَعُوْنَا فِيْنَا

ہم عورتیں تو کھیتی کی مثال ہیں کہ جیسا بیج پڑتا

ہے ویسی ہی پیداوار ہوتی ہے۔

وہ بد نصیب جو بیٹی کی پیدائش پر پریشان ہو جاتا ہے، اس سے

گلو خلاصی کے لیے طرح طرح کے منصوبے بنا رہے اپنے دل میں سوچتا

ہے اَيْمُسْكُهُ عَلَا هُوْنَا كِيَا مِيْنَ ذَلْتِ بَرْدَا شَتِ

کرتے ہوئے بیٹی کو روک رکھوں اَمْ يَدُسُّهُ فِي الْاَنْوَابِ

يَا مَسِيْ مِيْنَ دَابِ دُوْنَا . وَدَبِيْ وَتُوْنَا لُوْنَا كِيَا مِيْنَ كُوْنَا لِيَا مِيْنَ بَاعَثِ فُلْتِ

بیٹی سے
گلو خلاصی

سمجھتے تھے کہ بڑی ہوگی تو اس کی شادی ہوگی اور پھر لوگ کہیں گے کہ یہ
 فلاں کا داماد ہے وہ یہ نہیں سوچنا کہ وہ بھی تو کسی عورت ہی کا جنا ہوا ہے
 اگر عورت نہ ہوتی تو اس کی اپنی پیدائش کب ممکن ہوتی۔ وہ لوگ محض خود ساختہ
 جاہلانہ بغیرت کرینے سے لگائے بیٹھے تھے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے
 فرمایا اَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ۔ دیکھو یہ کتنا بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔ بہر حال
 مارے عرب بچپوں کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک نہیں کرتے تھے بلکہ چند قبائل
 بنو خزاعہ، بنی کنانہ، ہمزرا اور بنو تمیم تھے جو عام طور پر بچپوں کو زندہ درگور
 کر دیتے تھے۔

اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ جب بچی چھٹے سال میں پہنچتی تو اس کو خوب نہلا دیا
 کر اور نئے کپڑے پہنا کر باہر جنگل میں لے جاتے اور پھر اس مقصد کے
 لیے پہلے سے کھودے گئے گڑھے میں پھینک کر اُدپر مٹی ڈال دیتے
 بعض بد بخت پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیتے یا کسی سپاڑی سے نیچے گرا دیتے
 بہر حال نو مولود بچپوں کا یہ قتل عربوں میں رائج تھا۔ اس کی عینگی کا ذکر اللہ
 تعالیٰ نے سورۃ النکور میں کیا ہے وَلَا ذَا لَعْنُوۡۃٌ دُوۡدۡۃٌ سۡئِلَتۡہٗ بِاٰیۡ
 ذُنُبِ قَتَلَتۡ قِیٰمَتِ وَاٰیۡ ذٰلِکَ لَعۡنُوۡۃٌ وَاٰیۡ ذٰلِکَ لَعۡنُوۡۃٌ وَاٰیۡ ذٰلِکَ لَعۡنُوۡۃٌ
 پوچھا جائے گا، کچھ کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ ان بے نصیبوں
 کو اس وقت پتہ چلے گا۔ جب انہیں اس ظلم کا ازالہ کرنا پڑے گا۔

حضور علیہ السلام کے صحابی حضرت قیسؓ نے آپ کی خدمت میں
 عرض کیا کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں، بہت پریشان رہتا ہوں۔ وجہ
 یہ ہے کہ میں جاہلیت کے دور میں آٹھ بچپوں کو زندہ درگور کر چکا ہوں
 مجھے اب محسوس ہوتا ہے کہ میں کتنے بڑے ظلم کا مرتکب ہوا ہوں۔
 آپ علیہ السلام نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اسلام پہلے سے کہنے لگے
 گناہوں کو مندم کر دیتا ہے۔ اب تمہارے کرنے کا کام یہ ہے کہ تمہیں ملے

سے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرو۔ نیز مہر زندہ درگور کردہ بچی کے عوض ایک غلام آزاد کرو۔ اس شخص نے عرض کیا، حضور! میرے پاس غلام نہیں ہیں جو آزاد کر سکوں، البتہ میرے پاس جانور ہیں۔ آپ نے فرمایا ہزبچی کے بدلے ایک اونٹ ہدی کر دو، شاید کہ بارگاہِ رب العزت میں کچھ کفارہ بن جائے۔ تاہم عام قانون یہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کردہ گناہوں پر گرفت نہیں ہوگی۔

امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ جب سے اسلام لایا ہوں۔ سخت پریشانی میں مبتلا ہوں حتیٰ کہ راتوں کی پندرہ بھی اچاٹ ہو گئی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں میرے لمبے کچی پیدا ہوئی جس کا میں نے بہت بُرا مانیا، تاہم میں نے اُس کو زندہ سُننے دیا۔ پھر جب وہ چھٹے سال میں داخل ہوئی تو میں نے اس کی ماں سے کہا کہ اسے ہنلاؤ، اچھے کپڑے پہناؤ، سرمہ لگاؤ اور خوب زینت کا سامان کرو۔ پھر جب وہ تیار ہو گئی تو میں نے کمر جنگل کی طرف چل دیا۔ میں اسے ایک گہرے گڑھے پر لے گیا جو میں نے اس مقصد کے لئے پہلے ہی کھود رکھا تھا: میں نے بچی سے کہا کہ ذرا اس کنوئیں میں جھانک کر تو دیکھو۔ جو ہنی اُس نے ادھر توجہ کی میں نے پیچھے سے دھکا دے کر اُسے کنوئیں میں گرا دیا وہ بڑی جینچی چلائی اور ابا ابا کہہ کر پکارتی رہی، مگر میں نے اُوپر سے مٹی ڈال کر اُسے زندہ گاڑھ دیا۔ مجھے یہ حرکت بہت پریشان کر رہی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اسلام لانے سے پہلے کے گناہوں کے متعلق اب سوائے استغفار کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا، یا پھر صدقہ خیرات کرو۔ غلام آزاد کرو یا جانوروں کی ہدی پیش کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دور ہو۔

حضرت علیؑ کے زمانہ میں عرب کے دو مشہور شاعر فرزدق اور جریر

بچپوں کے نکاح میں جہیز کا مسئلہ دردمسربنا ہوا ہے۔ والدین جہیز نہ ہونے کی وجہ سے بچپوں کا نکاح نہیں کر سکتے اور اسی انتظار میں بچپوں کو روک لیا جاتا ہے۔ بعض والدین بچپوں کو خالی ہاتھ رخصت کرنے میں اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور اب بعض لڑکے طے لے چھوڑے جہیز کا مطالبہ کرنے لگے ہیں جس کی وجہ سے کتنی ہی لڑکیوں کی عمر برباد ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے تاکہ بچنے بچپوں کے نکاح سنت کے مطابق سادگی سے انجام پائیں اور لوگوں کو جہیز کی لعنت سے نجات حاصل ہو جائے۔

عورت نصف
انسانیت ہے

عورت کو ذلیل اور حقیر سمجھنا سخت جہالت کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے جنسی تفریق پیدا کر دی ہے، کسی کو مرد بنا لیا ہے اور کسی کو عورت۔ کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ عورت کو محض عورت آنے کی بنا پر حقیر سمجھے کسی کو لڑکے یا لڑکی، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، کسی مخلوق کے بس میں نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مصلحت کے مطابق ہوتا ہے جسے اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تاہم عورت نصف انسانیت ہے۔ متمدن دنیا میں عورت کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی مرد کی۔ اگر مرد کو اللہ نے عورت پر فوقیت عطا فرمائی ہے تو اسے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے، انہی عورت کو ذلیل سمجھے۔ اللہ نے عورت کے لیے بھی خاص احکام مقرر فرمائے ہیں اور اُس کو خاص فرائض سونپے ہیں۔ قانون کی نظر میں وہ بھی مرد کی طرح باعزت ہے۔ اس کو بھی آرام و راحت کی ضرورت ہے جس طرح مرد کو۔ نسل انسانی کی بقا کے لیے عورت اور مرد دونوں کی ضرورت ہے، لہذا بچی کی پیدائش پر بھی اسی طرح خوش ہونا چاہیے، جس طرح بچے کی ولادت پر۔

فَرِيَا، لِلَّذِي لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْدِ

جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی برسی مثال ہے جھی تو وہ حقیر و ذلیل

کام کرتے ہیں وَاللّٰهُ الْمَشْكُلُ الْاَعْلٰی اور اللہ ہی کی مثال بلند و برتر ہے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے، نہ اُس کی بیوی ہے نہ بچے، وہ غنی، صمد اور بے نیاز ہے وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْمَكِیْمُ وہ کمال قدرت اور حکمت کا مالک ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنانا چاہیے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں محض انا باطل عقیدہ ہے۔ ان آیات میں اللہ نے

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا
 مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ
 مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ
 سَاعَةً ۚ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا
 يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكُذِبَ أَنَّ
 لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۗ لَا جَرَمَ إِنَّ لَهُمُ السَّارَ
 وَانَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ
 أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ
 فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾
 وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ
 الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ
 يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾ وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَجَاءَ
 بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً
 لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٥﴾

ترجمہ :- اور اگر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرتا لوگوں سے ان کے
 ظلم کی وجہ سے تو نہ چھوڑتا اس (زمین) پر کوئی چلنے بھرنے

والا - لیکن اللہ مہلت دیتا ہے ان کو مقررہ وقت تک - پس جب آجائیں ان کا مقررہ وقت تو نہیں پیچھے ہوں گے ایک گھڑی بھر (اس سے) اور نہ آگے (۶۱) اور ٹھراتے ہیں یہ لوگ اللہ کے لیے وہ چیز جس کو یہ خود ناپسند سمجھتے ہیں - اور بیان کرتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ کہ ان کے لیے بھلائی ہے - ضرور بر ضرور بیشک ان کے لیے (نورخ) کی آگ ہے - اور وہ آگے بڑھانے گئے ہیں (۶۲) اشرکی قسم بیشک ہم نے بھیجا امتوں کی طرف آپ سے پہلے رسولوں کو - پس مرتین کیا ان کے لیے شیطان نے ان کے (غلط) اعمال کو - پس وہی آج کے دن ان کا فریق ہے - اور ایسے لوگوں کے لیے عذاب الیم ہے (۶۳) اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر کتاب مگر اس لیے تاکہ آپ بیان کریں ان کے لیے وہ چیز جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں - اور یہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (۶۴) اور اللہ کی ذات وہ ہے جس نے امارا آسمان کی طرف سے پانی - پس زندہ کیا اُس کے ساتھ زمین کو اس کے خشک ہونے کے بعد - بیشک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں (۶۵)

ربط آیات

گذشتہ رکوع کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید بیان فرمائے اور دو ٹوک الفاظ میں فرمایا کہ دوزخ نہ بناؤ بلکہ سمجھو برحق تو صرف ایک ہی ہے پھر اللہ نے مشرکوں کی مختلف کارگزاریوں کا ذکر فرمایا - منجملہ ان کے ایک یہ بھی تھی کہ

خدا تعالیٰ کی بیٹیوں کا تصور رکھتے تھے جو کہ اُس کی شان میں گستاخی اور سخت بے ادبی ہے۔ فرمایا کہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو مگر خدا تعالیٰ کی نسبت اپنی ناپسندیدہ مخلوق بیٹیوں کی طرف کرتے ہو۔ ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی شخص کو اُس کی بیٹی کی ولادت کی خبر دی جاتی تو غم و غصہ اور ہمدامت کی وجہ سے اُس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور پھر وہ سوچنے لگتا کہ اس بیٹی کو ذلت برداشت کرتے ہوئے زندہ ہٹ دوں یا پھر فوراً ہی زندہ درگور کر دوں۔

ظالموں
کی گرفت

اب آج کی آیات میں بھی اللہ نے مشرکین ہی کا رد فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ اپنی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ کی مہربانی کی وجہ سے اکثر و بیشتر مجرمین کو اس دنیا میں سہلت دی جاتی ہے۔ مگر نہ اس کی گرفت تو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر بھی آسکتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَوْ كُنُوا أَخِذُوا اللّٰهُ النَّاسَ لَظَلَمُوْهُمْ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کا مواخذہ کرتا مگر ان کو ان کے ظلم کی وجہ سے اسی دنیا میں سہلت دے دیتا تو ان کو بھی پھرنے والا نہ چھوڑتا۔ اس حصہ آیت میں الناس کا لفظ عام ہے جیسا کہ اگلے لفظ دَابَّةً سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ گرفت کرنے پر آئے تو انسانوں کے گناہوں کا اثر جانوروں پر بھی پڑے اور وہ انسانوں کے ساتھ ہی ہلاک ہو جائیں۔ باقی رہا ظلم کہ اُس کی حدود و قیود کیا ہیں، تو یہ لفظ بھی عام ہے اور ہر چھوٹی سے چھوٹی خطا سے لے کر بڑے سے بڑے گناہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے مسجد میں داخل ہوتے وقت، دائیں کی بجائے بائیں پاؤں پہلے رکھ لیا تو یہ بھی ظلم میں شمار ہوتا ہے۔ البتہ بعض مفسرین نے غاص کیا ہے۔ جسے اِنَّ الشِّرْكَ كَظَلَمٍ عَظِيْمٍ (لقمان) شرک بہت بڑا ظلم ہے

اور کفر کے متعلق بھی فرمایا **وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ** (البقرہ) کافر ہی ظلم کرنے والے ہیں۔ تو گویا اگر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرنا چاہے تو ادنیٰ سے ادنیٰ یا بڑے سے بڑے گناہ پر کر سکتا ہے اور پھر اس کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے کہ روئے زمین پر نہ کوئی انسان نظر آئے اور نہ چرند، پتہ اور کیرٹے محو کرے، اللہ سب کو ہی مٹا مٹ کر دے مگر یہ چیز اس کے قانونِ اہمال و تدبیر کے خلاف ہے وہ لبا اوقات دنیا میں مہلت دیتا رہتا ہے۔ **سَخَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَكْتُمُونَ** (القلم) وہ ایسے ذرائع سے مہلت دیتا ہے جو لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے اور پھر جب وہ مہلت ختم ہو جاتی ہے تو اللہ کا فیصلہ آجاتا ہے۔ جسے کوئی روک نہیں سکتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ آپ کے سامنے کسی شخص نے اس بات، کا ذکر کیا کہ ظالم آدمی صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ ظلم کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔ فرمایا **إِنَّ الْخَبَاثَةَ يَمُوتُ هَذَا مِنَ الظُّلْمِ** یعنی جنگلی مرغ (سرخا ب) ظلم کی وجہ سے اپنے گھونسلے میں لاغر ہو کر مر جاتا ہے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی منقول ہے کہ کیرٹا این بل میں ظلم کی وجہ سے مر جاتا ہے۔ گویا ظلم کا اثر دوسری چیزوں پر بھی پڑتا ہے۔ بخاری، مسلم اور مؤطا امام مالکؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جب کوئی ظالم، فاسق اور مجرم آدمی مر جاتا ہے تو جانور، درخت، حتیٰ کہ ہر چیز خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہے کہ وہ ظالم کی نحوست سے چھوڑ گئی۔ ظلم بہ حال برا ہے خواہ وہ عقیدے میں کفر و شرک کی شکل میں ہو یا اعمال میں جو روحِ جان کی صورت میں۔

فرمایا اگر اللہ تعالیٰ ظالموں کا مواخذہ کرتا تو فریاد کیا ہوتا مگر اس کا قانون یہ ہے **وَلَكِنْ يُوَخَّضُهُمُ الْآلِ أَحْبَلُ مَسْمِي**

مقررہ وقت تک مہلت

بلکہ وہ لوگوں کو مقررہ وقت تک مہلت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر فرد، ہر قوم، ہر سببی اور ہر ملک کے لیے اپنی حکمت کے مطابق ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ يَمَسُّهُمُ الْمَمَاتُ گزرنے کے بعد مقررہ وقت آجاتا ہے لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَأْخِرُونَ تو پھر وہ ایک گھنٹی بھر بھی نہ اس وقت سے پیچھے ہوتے ہیں اور نہ آگے بلکہ عین وقت پر اللہ تعالیٰ کا حکم آجاتا ہے اور وہ لوگ خدا تعالیٰ کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ یہ تو اللہ کا عام قانون ہے کہ وہ مہلت دینا رہتا ہے مگر بعض اوقات وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق جلدی بھی گرفت کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس کی مثالیں کسی کو دخل کی مجال نہیں۔

فَرَمَا، دَجِيدًا! اِنَّ لَوُكُوْلٍ كِي حَالَتِي يِه هِي وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكُوْنُوْنَ اور ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیز جس کو خود ناپسند کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے لیے تو بیٹوں کو پسند نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں مہترتے ہیں۔ خود تو اپنی ملکیت میں کسی کو شریک کرنا پسند نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے شریک مہترتے ہیں اپنے حق میں ذرا بھر بھی کوتاہی یا استخفاف کو پسند نہیں کرتے مگر اللہ کے فرشتوں اور نبیوں کی گستاخی کرتے ہیں اور خود رب العزت کی بارگاہ میں بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ فرمایا ان تمام زیادتیوں کے باوجود قَصِفُ السُّدُجِ هُمُ الْكٰذِبِ اِنَّ كِي زٰبٰنِيں جھوٹ بولتی ہوں۔ اَنَّ كِهِي الْحَسَنِي کہ مجھلا انہی کا ہوگا۔ اپنی تمام تر خرابیوں، ناقراہیوں اور کفر و شرک کے باوجود ان کا دعویٰ یہ ہے کہ جلالی انہی کا حق ہے جو ضرور انہیں حاصل ہوگا۔ مشرک لوگ تو صاف کہتے تھے کہ اقل ترقیامت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور اگر بالفرض قیامت واقع ہوگئی تو وہاں پر

برائی سے
بھلائی کی
ترویج

بھی ہیں ہی کامیابی حاصل ہوگی، ہماری کسی سہولت میں کمی نہیں آئے گی۔ فرمایا یہ لوگ کسی جھوٹی بات کر رہے ہیں۔ عقیدے کی ہر نجاست میں ملوث ہیں اور اعمال میں ہر بیکرداری کا مظاہرہ کر رہے ہیں مگر توقع اچھائی کی کر رہے ہیں۔

فرمایا حقیقت یہ ہے لَا جِدْمَ اَنْتَ لَهْمُ النَّارِ اِنْ كَيْلِے تَوْصُرُورِ بَرْصُرُورِ دُوزَخِ كِی اَكْ كِے۔ وَ اَنْهَقْمُ مُمْسِرُ طَوْنٌ اور بیشک وہ آگے بڑھانے گئے ہیں۔ یعنی دوزخ کی آگ پر پیش کئے گئے ہیں۔ یہاں پر مُمْسِرُ طَوْنٌ را كِی زَبِرْ كِے ساآھہ مفعول كا صیغہ ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ لوگ آگے بڑھانے گئے ہیں۔ اور اگر مُمْسِرُ طَوْنٌ را كِی زَبِرْ كِے ساآھہ ہو تو یہ فاعل كا صیغہ بنتا ہے اور معنی یہ ہوگا کہ یہ لوگ زیادتی کرنے والے ہیں۔ یہ معنی بھی درست ہے کہ یہ لوگ، کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کر کے زیادتی کے مرتکب ہوئے۔ فرط کا معنی فراموش کر دینا بھی ہوتا ہے۔ اگر ان معافی پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ایسے ناہنجاروں کو دوزخ میں ڈال کر فراموش کر دیا جائے گا۔ فرط کا معنی پیش رو بھی آتا ہے۔ جسے حضور کا فرمان ہے اَنَا فَرَطٌ لَكُمْ عَلَ الْحَوْضِ میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا، یعنی میں تم سے پہلے دہاں موجود ہوں گا۔ قبرستان میں جا کر کی جانے والی دعا جو حضور علیہ السلام نے سکھائی ہے، اس میں یہ الفاظ آتے ہیں اَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ تم ہمارے پیش رو ہو وَاِنَّا بِكُمْ لَلْاَحِقُّونَ اور ہم بھی تمہارے ساآھہ ملنے والے ہیں يَخْفِضُ اللّٰهُ لَنَا وَ كَفَّرُ اللّٰهُ تَعَالٰی ہمارى اور تمہارى غلطیاں معاف فرمائے۔ بہر حال فرمایا کہ یہ لوگ مصلاتی کی توقع رکھتے ہیں جب کہ یہ دوزخیوں کے پیش رو ہوں گے یا انہیں دوزخ کی طرف آگے بڑھایا جائے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمایا ہے تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا

تو زمین اعمال

الْحَبِّ اُمُورٍ سَبَّ قَبْلَكَ اللَّهُ كِي قَسَمٍ، بیشک ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو مختلف قوموں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے لوگوں کو انداز کب مگر فَذَرَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَ هُمْ شَيْطَانُ لِي اِن كِي اَعْمَالُ كَر مَزِين كَر كِي دكها يا۔ تمام انبيا و كِي دور ميں هي كچھ هو اك كِي شيطان نِي كَفَر، شر ك، بدعت اور معاصي وائے اعمال خول بصورت كَر كِي دكها ئے، اُن كِي خوربايا بيان كِيں اور كها كِي ايا كَر نِي ميں هي عزت اور اجر و ثواب هے، تو لوگ شيطان كِي تيجھے لگ كِيے اور خذ كِي احكام كِي نافز ناني كَر تے هے اللّٰهُ نِي فرما يا فَهُوَ وَوَلِيَّهُمُ الْيَوْمَ اور اَج بھي شيطان هي اُن كا دوست، رفيق اور سامعِي هے اور وه انيں هر بُر يي چيز مزين كَر كِي دكھا رها هے۔ اَج بھي لوگ اُسي كِي جال ميں پھنس كَر رسولوں كِي بات كا انكا كَر هے ميں اور رسوما تِ باطله يي كار بند هيں۔

فرما يا اس كا نتيجہ يي هے وَكَلَّهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ كِي اُخْرَت ميں اُن كِي ليے دردناك عذاب تيار كيا كيا هے۔ اللّٰهُ نِي هدايت كِي تمام سامان ميا كَر ديے هيں اور اب انيں عذر پيش كَر نِي كِي كو ئي گناہ نَش باقي نهيں رهي۔ اللّٰهُ تعالٰي نِي اپنے پيغمبروں كِي ذريعے سب كچھ سمجھا ديا، مگر يي خود عذاب كِي مستحق بن هے هيں۔

ارشاد هونا هے وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ اور نهيں آري هم نِي آپ يي كتاب مگر اس ليے تاكہ آپ كھول كَر بيان كَر ديں وه چيز جس ميں يا اختلاف كَر تے هيں۔ يي لوگ اللّٰهُ تعالٰي كِي ترجميد، رسالت اور معاد ميں اختلاف كھتے هيں، آپ كِي بات كو تسليم نهيں كَر تے لندا آپ انيں اچھي طرح سمجھا ديں ني كِي يي فرائض ميں داخل هے كَر وه كتاب الٰهي كِي مراد كو لوگوں كِي سامنے كھول كَر بيان كَر دے تاكہ كسي كو كو ئي اشتباہ باقي نہ هے بختلف

تبیین کتاب
کافر یعنی

قسم کے حوادث، ماجریات اور حالات انسان کو پیش آتے رہتے ہیں۔ اللہ نے بعض کاموں کو انسانی عقل پر رکھا ہے اور بعض چیزوں کو اہل علم کے سپرد کیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اچھی طرح وضاحت کر دیں۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی سے زیادہ علم عطا کرتا ہے اس لیے یہ ان کے فرض منصبی میں داخل ہے کہ وہ ہر چیز کو خوب کھول کر بیان کر دیں۔ اللہ نے سورۃ ہود کی ابتدا میں فرمایا ہے کہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی آیات کو محکم کیا گیا ہے "لَعَلَّ فَصَلَّتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ" پھر خدائے حکیم و خیر کی طرف سے وضاحت ہے۔ قرآن پاک میں اسامی تعلیم ہے۔ اللہ نے تمام مطلوبہ اصول مہیا کر دیے ہیں جن کی توضیح اللہ کا نبی اپنے قول اور عمل کے ذریعے کرتا ہے۔ تو فرمایا کہ یہ لوگ عقیدے میں اختلاف نہ کر لیں، ہوں یا اعمال میں، ہم نے یہ کتاب آپ پر اس لیے اتاری ہے تاکہ آپ اس کو کھول کر بیان کر دیں۔

اسی وضاحت کے ضمن میں حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا کہ لوگ! میری بات کو اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو "كَلَّا لَا يَكْفُرُ اَمْرُكُمْ عَلَيَكُمْ نِعْمَةٌ" (یونس) پھر تمہارے معاملے میں کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہنی چاہیے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو تو ان کی قوم نے صاف صاف کہہ دیا "قَالُوا يَشْعِبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا" "مَا تَقُولُ" (ہود) اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، حالانکہ اللہ کے نبی نے ہر چیز کی وضاحت کر دی تھی اور وہ لوگ محض اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے ان کی بات کو قبول نہیں کرتے تھے قرآن پاک سے متعلق نبی آخر الزمان کی تمام تعلیمیں و تشریح آپ کی سنت اور احادیث کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ بعض گمراہ فرقے چکڑ الوی اور پروری وغیرہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے قرآن میں ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ان سے

کوئی پرچھے کہ جس تبیین کا ذکر اللہ نے بار بار کیا ہے، وہ کہاں ہے؟ حقیقت یہ ہے قرآن پاک کے الفاظ کی تشریح حضور علیہ السلام کی سنت میں ہے۔ تمام صحیح احادیث قرآن پاک کی شرح ہیں۔ پوری امت کے سلف سے لیکر خلفت تک اس پر عمل کرتے آئے ہیں لوگوں میں کوتاہیاں ضرور پیدا ہوئی ہیں مگر وہ سنت تو محفوظ ہے جس پر اللہ کا نبی، خلفائے راشدین اور آپ کے متبعین چلتے آئے ہیں۔ یہی سنت ہے اور اس کے بغیر قرآن کی تبیین ممکن نہیں۔

ہدایت اور
رحمت

فرمایا کہ آپ پر نازل کردہ کتاب وَالْهُدَىٰ سرسہر ہدایت ہے ہدایت سے مراد یہ ہے کہ انسان کو زندگی کے جس موڑ پر بھی رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے، اللہ کی کتاب اُس کے لیے رہنمائی بہم پہنچاتی ہے البتہ اس ہدایت اور رہنمائی کو تلاش کرنا خود انسان کا کام ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن پاک کی تعلیم ہی حاصل نہیں کرے گا اور اس میں عُذْرٌ وَفُكْرٌ ہی نہیں کرے گا تو اس کو ہدایت کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔ اللہ نے سورۃ بقرہ میں فرمایا ہے مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ ہم نے بیانات اور ہدایت دو چیزوں کو اتارا ہے بیانات وہ چیزیں ہیں جو بالکل واضح ہیں اور آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں اور ہدایت ایسی چیز ہے جو استاد کے بغیر سمجھ میں نہیں آتی سورۃ صافات میں بھی ہے هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولًا بِالْهُدَىٰ اللہ کی ذات وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا تو یہ ہدایت اللہ کے رسول یا اُس کے متبعین اور مبلغین سے لیکھنا پڑتی ہے۔ اس کے لیے محنت کی ضرورت ہے اور وقت کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ تب جا کر ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

فرمایا ایک تو ہم نے ہدایت نازل فرمائی اور دوسری چیز وَرَحْمَةً رحمت ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کی نازل کردہ کتاب پر اس کی نازل

کردہ ہدایت کے مطابق عمل پیرا ہو جاتا ہے تو پھر اس کے نتیجے میں اللہ کی رحمت اور مہربانی شامل حال ہو جاتی ہے۔ انسان کو اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے اور اُسے نیکی کی مزید توفیق حاصل ہوتی ہے۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں بھی ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ایسی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ فرمایا یہ سارے انعامات اُن لوگوں کے حصے میں آتے ہیں لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ جو ایمان رکھتے ہیں اور جن لوگوں کا ایمان ہی مکمل نہیں۔ وہ صدقِ قلب سے یقین ہی نہیں کھتے۔ اُن کے لیے نہ ہدایت ہے اور نہ رحمت، وہ محروم ہی رہیں گے۔

مادی حیات
کاسمان

اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت اور رحمت کا ذکر کر کے انسان کی روحانی زندگی کا سامان مہیا کیا اور اب آگے مادی زندگی کے لوازمات کا تذکرہ فرمایا وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَالْتَمَتِ النَّبَاتُ بِهَا الرِّيحَ وَجَاءَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءٌ ۖ فَسَالَتْ أَوْدَانًا مِنْ حَتِّ السَّمَاءِ وَاللَّهُ يَبْسُطُ الرِّيحَ كَمَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ کی طرف سے پانی نازل فرمایا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا کہ زمین کی موت یعنی اس کے خشک ہو جانے کے بعد پانی کے ذریعے اس کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ ظاہر ہے کہ خشک زمین میں کوئی پیداوار نہیں ہوتی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بارش برساتے تو زمین میں ہریالی پیدا ہوتی ہے، اس میں اناج اور پھل کاشت ہوتے ہیں جو انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔ نہ صرف انان بلکہ تمام جانور، چرند اور پرند حتیٰ کہ کھیرے مکوڑوں کی زندگی کا انحصار بھی پانی پر ہے۔ پانی ہی کے ذریعے ان کے لیے چارہ، مہنریاں اور صطری بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جو ان کی خوراک بنتی ہیں۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کی روحانی زندگی کے لیے اپنی کتاب نازل فرمائی جس میں ہدایت اور رحمت ہے اور مادی زندگی کے لیے پانی آنا گریہ ضرورت بھی پوری فرمادی۔

زمین کے مختلف خطوں میں پانی کے مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں کوئی خط ارضی پانی کو اچھی طرح جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ وہاں خوب پیداوار ہو جاتی ہے اور کسی جگہ سے پانی گزر جاتا ہے۔ وہ زمین پانی کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی لہذا پیداوار بھی نہیں دیتی، ہدایت کا سلسلہ بھی ایسا ہی ہے یہ انسان کے قلب پر پڑتی ہے۔ پھر جو قلوب اس کے طالب ہوتے ہیں اور اس کو اپنے اندر سمیٹ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ اس سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ اور بعض سخت دلوں پر اس کا پورا اثر نہیں ہوتا۔ لہذا وہ اسی طرح محروم ہتے ہیں جس طرح کوئی چٹان پانی کے اثرات کو قبول نہیں کرتی اور وہ اِدھر اُدھر بہ جاتا ہے۔

فَرَمَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ بَشَاك

اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سننے میں۔ جو لوگ بات کو سن کر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ اللہ ان کی روحانی اور مادی دونوں ضروریات پوری فرماتا ہے۔ اور جو لوگ اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، انہیں نہ ہدایت نصیب ہوتی ہے اور نہ اللہ کی رحمت۔

کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے مگر اہل ایمان کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر یہ کتاب نازل فرما کر انسان کی روحانی زندگی کا سامان کر دیا اور آسمان کی طرف سے بارش برسا کر ان کی مادی زندگی کا بندوبست کر دیا۔ فرمایا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو کان لگا کر سنتے ہیں۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے موشیوں اور بعض پھلوں کا ذکر کمرے کے ان کے فوائد کو بیان کیا ہے اور یہ بات سمجھانی ہے کہ اس میں دراصل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرتِ تامہ کے دلائل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً لِّمَن يَتَذَكَّرُ۔ موشیوں میں سامانِ عبرت ہے بہیمۃ الانعام کا ذکر سورۃ انعام میں تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے۔ ان سے مراد آٹھ قسم کے وہ نر اور مادہ جوڑے مراد ہیں جو انسانوں کے قریب آتے ہیں اور انسان ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو انسان کی خدمت پر مامور کر رکھا ہے چنانچہ انسان انھی ڈھیریاں گوشت، دودھ، کھال اور دان استعمال کرتے ہیں۔ یہ آٹھ جوڑے، اونٹ (نر اور مادہ)، گائے بھینس (نر اور مادہ)، بھیڑ (نر اور مادہ) بکری (نر اور مادہ) ہیں۔ اگرچہ یہ طاقت میں انسان سے بہت زیادہ ہیں مگر اللہ نے ان کی سرشت میں یہ چیز ڈال دی ہے کہ وہ انسان کا حکم مانیں اور اس کی خدمت کریں۔ پھر بھی جب کسی جانور کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا انسان بلاوجہ تنگ کرتے ہیں تو وہ انہیں ہلاک کیے بغیر نہیں چھوڑتے۔ اس سلسلہ میں اونٹ کی دشمنی تو ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔ بہر حال فرمایا ان موشیوں میں تمہارے لیے عبرت کا سامان ہے۔ عبرت کا معنی ہوتا ہے کسی معلوم چیز سے کسی نامعلوم چیز کو دریافت کرنا یعنی مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کو دیکھ کر مشاہدہ میں نہ آنے والی چیزوں پر

موشیوں
میں سامانِ
عبرت

یقین کرنا۔ مذکورہ مولیٰ نہیں نظر آ رہے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ کی حکمت، قدر اور اس کی توحید کو سمجھنا ہی عبرت ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے دودھ کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا ہے

نَسَقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِمْ يَلْتَمِسُونَ
 سے جو ان مولیٰوں کے پیٹ میں ہے۔ یہاں پر مِنْ تَبْعِيضِهِ سے
 یعنی بعض جانوروں میں سے پلاتے ہیں، سب کا ضروری نہیں۔ اور کیا
 پلاتے ہیں؟ لَبَنًا خَالِصًا خَالِصًا اور صاف سمندر دودھ جب
 یہ مولیٰوں کے تھنوں سے برآمد ہوتا ہے تو بالکل خالص ہوتا ہے اس میں
 کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ اور بالکل پاکیزہ بھی ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم
 کی نجاست نہیں ہوتی۔ اللہ نے تو اس دودھ کو خالص اور پاکیزہ بنایا ہے
 جب یہ انسانوں کے ہاتھوں میں آتا ہے تو یہ خالص نہیں رہتا بلکہ اس
 میں پانی یا دوسری چیزوں کی ملاوٹ ہو جاتی ہے اور اس کی پاکیزگی میں
 بھی فرق آتا ہے کہ بعض اوقات اس میں ظاہری یا باطنی نجاست شامل
 ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے دونوں پاک چیزوں مِنْ بُكَيْنِ
 فَزَيْتٍ وَكَيْمٍ یعنی گوبر اور خون کے درمیان پیدا فرمایا ہے۔ جانور کے
 پیٹ میں ایک طرف گوبر کا ذخیرہ ہے جو خوراک کا فضلہ، بدبودار اور نجس
 ہے اور دوسری طرف خون ہے جو بچکانے خود حرام اور ناپاک ہے۔ مگر
 اپنی کے درمیان میں سے اللہ تعالیٰ نے دودھ جیسی نہایت ہی خالص اور
 صاف کھتری چیز کو پیدا فرمایا ہے تاکہ انسان اس کی لذت اور غذائیت
 سے مستفید ہوں۔

فرمایا یہ دودھ نہ صرف خالص اور پاکیزہ ہے بلکہ سَائِفًا نَوَاشِئًا
 بھی ہے۔ اس کا ذائقہ بھی اچھا ہے اور یہ آسانی سے حلق میں بھی اتر جاتا
 ہے یعنی اس کے استعمال کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ یہ لفظ

سورۃ ابراہیم میں آچکا ہے۔ جہاں دوزخیوں کو پیپِ مِلا پانی پیے جانے کا ذکر ہے۔ وہاں فرمایا وَلَا يَكْفُرُ لَكُمْ وَيُكْفِرْ لَهُ أَصْحَابُهُ يَكْفُرُ سَعْيُ يَوْمِئِذٍ فَمَنْ يَبْغِ وَلَا يَأْتِ بِالْحَقِّ وَلَا يُدْعَىٰ لِلْحَقِّ أَن يُقَاتَلَ بِمَا ظَنَّمَ وَلَا لَهَا سَاقِبَةٌ يُفْتَضَلُّ بِمَا ظَنَّمَ يُفْتَضَلُّ لِمِثْقَلِ ذَرَّةٍ مِّنْ عِلْمٍ لَّعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ اس قدر بدبودار اور کڑوا ہو گا۔ مگر یہاں پر دودھ کے متعلق فرمایا کہ یہ خوشگوار ہے جو آسانی کے ساتھ حلق سے اتار جا سکتا اور ایک بہت بڑی نعمت ہے لِلشَّرِبِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَالْوَدِّ لِيْلَهُ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ، حکمتِ بالغہ، اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ فرمایا ان مویشیوں میں تمہارے لیے عبرت کا سامان ہے۔ تمہیں غور کرنا چاہیے کہ اس نے اپنی ربوبیت کا کس طریقے سے اظہار فرمایا ہے۔

اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ بَطْفُ مَنہ غور طلب ہے اور اس میں مفسرین کرام نے بحث کی ہے۔ اس میں ہ کی ضمیر انعام یعنی جانوروں کی طرف لگتی ہے جو کہ جمع کا صیغہ ہے مگر یہاں پر ضمیر مفرد لائی گئی ہے۔ اس ضمن میں لغت کے امام کہتے ہیں کہ اگرچہ لفظ انعام جمع کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مگر لفظ کو بہر حال مفرد ہی ہے، جیسے بعض حضرات لفظ اخلاق کو بھی مفرد شمار کرتے ہیں اگرچہ اس کا معنی جمع والا ہے۔ اسی طرح اخبار عام لفظ ہے۔ اگرچہ یہ خبر کی جمع ہے مگر یہ استعمال واحد ہوتا ہے اور اس کی جمع اخبارات آتی ہے۔ لہذا لفظ مفرد ہونے کی بناء پر انعام کی ضمیر بھی واحد ہی لائی گئی ہے۔ امام بیضاوی اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ہ کی ضمیر انعام کی طرف نہیں بلکہ یہ محذوف لفظ مذکر کی طرف راجح ہے جو کہ واضح طور پر مفرد لفظ ہے۔ اس لحاظ سے بھی ضمیر کا مفرد آنا درست ہے۔ پہلے سے مذکور چیز بھی انعام ہی، اور وہ بھی مفرد لفظ ہے۔ ضمیر کے مفرد آنے میں کوئی اشکال نہیں۔ پہلے سورۃ مومن میں انعام ہی سے متعلق مؤنث اور مفرد ضمیر ہا بھی لائی گئی ہے۔ لَتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَكْتَلُونَ۔

دودھ ایک ایسی عظیم نعمت ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس شخص کو اللہ دودھ عطا فرمائے اسے یوں دعا کرنی چاہیے۔
 اللَّهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ لَكَ اللَّهُ! اس نعمت میں مزید اضافہ فرما
 اس کے علاوہ اگر کوئی دوسری نعمت حاصل ہو تو کہنا چاہیے اللَّهُمَّ اطعمنا
 خَيْرًا مِنْهُ لَكَ اللَّهُ! ہمیں اس سے بہتر نعمت عطا کر، مگر دودھ
 چونکہ بہترین نعمت ہے، اس لیے اس میں اضافہ کی درخواست کی جاتی ہے
 حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد مبارک ہے کہ اکل و شرب کی تمام اشیاء میں سے
 دودھ ہی ایک ایسی چیز ہے جو کھانے اور پینے دونوں کے کام آتی ہے
 یہ ایک بہترین اور لذیذ مشروب بھی ہے اور غذا ایت کے اعتبار سے
 بہترین غذا بھی ہے۔ اللہ نے دودھ میں غذا ایت کے تمام اجزاء
 نمکیات، لحمیات، پانی، پھربنی، روغن شامل کر دیے ہیں جو انسان کی جسمانی
 ساخت اور توانائی کے لیے ضروری ہیں۔ اسی لیے دو سال تک بچہ صرف
 دودھ پر گزارا کرتا ہے۔ دودھ کے علاوہ اگر کوئی دوسری چیز نہ بھی ملے
 تو یہی اس کی نشوونما کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت
 میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد موجود ہے کہ دودھ سے بہتر کوئی
 نعمت نہیں ہے لہذا اس میں اضافہ کی دعا کی گئی ہے۔ پھر یہ ہے
 کہ دودھ جنت کی نعمتوں میں بھی سرفہرست ہے۔ جہاں اللہ نے پانی
 شہد، شراب طہور کی نروں کا ذکر کیا ہے، وہاں دودھ کی نروں کا تذکرہ
 بھی موجود ہے۔

دودھ کی طہارت کے متعلق فقہائے کرام بحث کرتے ہیں۔
 امام ابو بکر جصاص نے بھی "احکام القرآن" میں لکھا ہے کہ اللہ نے دودھ
 کو اس قدر قوی طہارت عطا کی ہے کہ مردہ جانور کے عقنوں میں موجود دودھ
 بھی پاک ہی ہوگا اگرچہ مرنے کے بعد جانور خود ناپاک ہو چکا ہے بزرگان دین

میں البوطالب مکی فرماتے ہیں کہ انسان کے اعمال کو بھی دودھ پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح دودھ میں گوبر یا خون کی ملاوٹ سے دودھ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسانی اعمال میں ریا اور ہوس کی ملاوٹ ہو گئی تو وہ بھی قابل قبول نہیں ہوں گے۔ ریاکاری بھی اعمال کو ضائع کر دیتی ہے اور خواہشاتِ نفسانیہ اور بدعات بھی اعمال کے قاطع ہیں۔ لہذا انسان کے اعمال کو ان دو چیزوں سے پاک ہونا چاہیے۔

دودھ کا
کارخانہ

دودھ کی فراہمی کے لیے اللہ تعالیٰ نے جانور کے جسم میں عجیب و غریب کارخانہ قائم کر رکھا ہے۔ جانور کی خوردہ غذا اس کے معدے میں جاتی ہے۔ پھر اس غذا کے تمام لطیف اجزاء باریک باریک رگوں کے ذریعے کھینچ کر جگر میں آجاتے ہیں۔ جگر ان کو خون میں تبدیل کرتا ہے جو کہ پورے جسم میں گردش کرتا ہے۔ چونکہ اس خون میں انسانی ساخت کے تمام اجزاء شامل ہوتے ہیں اس لیے یہ خون جس جس ساخت میں پہنچتا ہے وہ اپنی مطلوبہ غذا حاصل کر لیتا ہے اور باقی دوسری ساختوں کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق جب خون جانور کے تھنوں کے قریب پہنچتا ہے تو وہ اس سے دودھ پیدا کرنے والے اجزاء حاصل کر کے انہیں دودھ میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے جسم میں بہت بڑی فیکٹری مگا رکھی ہے۔ جہاں اللہ کے لاکھوں فرشتے کام کر رہے ہیں اور ہر جاندار کی ضروریات کی چیزیں تیار کرتے رہتے ہیں۔ پھر حال اللہ نے دودھ کو اپنی قدرت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ یہ رنگت، ذائقے اور غذائیت کے لحاظ سے بہترین چیز ہے اور انسانوں کے لیے عبرت کا سامان بھی ہے۔

دودھ کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے کارآمد پھلوں کا ذکر فرمایا ہے اور انہیں اپنی قدرت تامہ اور وحدانیت کی دلیل

مشروب
اور کھجی
روزی

کے طور پر پیش کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ
وَالْأَعْنَابِ كَهَيْوَيْهِمْ جُجُورٍ أَوْ كَهَيْوَيْهِمْ سَخِرَافٍ
سَكَّرًا تَمْشِيًّا وَالَّذِي يَشْرَبُ مِنْهُ فَهُوَ كَهَيْوَيْهِمْ
بِهِمْ تَيَّارًا كَرْتًا هُوَ - کھجور اور انگوٹھی جیسی چیزیں ہیں جن سے شراب بھی بن سکتی ہے
اور اچار، مربے، چینی اور غذائیت کی دوسری چیزیں بھی تیار ہوتی ہیں بیان
پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب جیسی حرام چیز کا ذکر کیسے
فرمایا ہے۔ مضرین کہہ فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی ہے۔
جب کہ ابھی شراب کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ
نے اس مقام پر شراب کا ذکر اس انداز میں کیا ہے کہ اس کو رِزْقًا حَسَنًا
(حلال اور پاکیزہ روزی) سے بالکل علیحدہ کر دیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے توہمائیے لے کھجور اور انگوٹھی پیدا فرمائیے ہیں۔ اب تم اپنی صلوٰۃ
کے مطابق خواہ ناپسندیدہ نشہ آور چیز شراب تیار کر لو یا اسے مشروب اور
سرکے کی صورت میں حلال طور پر استعمال کر لو۔

اس بات میں کلام نہیں کہ حرمت شراب کے سلسلے میں جن مراحل
سے گزرنے کے بعد قطعی حرمت کا حکم آیا، ان میں یہ آیت بیلامر حلہ سے
اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لطیف پیرایہ میں اس کی ناپسندیدگی کا ذکر
کر دیا ہے۔ اس کے بعد دو کمرہ میں سورۃ بقرہ کی آیت
”يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا الصَّٰبِغِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ هُمْ سَوِيٌّ
حضور علیہ السلام سے اس کی حرمت و حلت کے متعلق دریافت کرتے
تھے، تو اللہ نے فرمایا کہ شراب اور جوئے میں نقصانات بھی ہیں اور فوائد
بھی مگر ان کا نقصان ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ اس
طرح گویا شراب کی قباحت سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا ہے۔ پھر تیسرے
وہ آیا جب شراب کے نشے میں مجبور ایک صحابی نے امامت کرائی تو

قرآن پاک غلط پڑھ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم آیا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ
 وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ (النساء) یعنی نشے کی حالت میں نماز کے قریب
 نہ جاؤ۔ لوگ پھر بھی گاہے بگاہے شراب استعمال کرتے رہے اور بالآخر
 چوتھے مرحلے میں جا کر صرمت کا قطعی حکم آگیا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ
 وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْوَاجُ مَرْجُومٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ
 فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدہ) بہر حال اس وقت
 تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی اس لیے اللہ نے یہاں پر بطور احسان یاد
 دلایا ہے کہ اس نے تمہارے لیے کھجور اور انجور پیدا کیے جس سے تم شراب
 بھی کشید کرتے ہو اور طیب روزی کے طور پر بھی مستفید ہوتے ہیں۔

لفظ سکر
 کی تحقیق

امام ابو عبیدہ اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر "سکر" سے مراد
 نشے والی چیز نہیں بلکہ "خوراک" مراد ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ
 خوراک یا غذا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ وہ اس کی مثال بیان کرتے
 ہیں کہ کسی نے کہا ہے جَعَلْتَ أَعْرَاضَ الْكِرَامِ سُكْرًا لِنِي
 شرفا کی عزتوں کو خوراک بنا لیا ہے کثیر شاعر نے بھی کہا ہے لَعْنَةُ
 مِنْ أَعْرَاضِنَا مُسَدِّحَلَقٌ خَوْشَوَارِي هُو عَزِي كَيْ لِي كَيْ
 نے تمہاری آبروؤں کو کھا لیا ہے یعنی ہماری غیبت کر کے ہماری عزتوں کو
 کھا لیا ہے۔ خدا کرے کہ اُس سے بچ جائیں هَيِّنِيْنَا مَرِيئًا عَيْنٍ ذَا عَيْنٍ
 مَحْضًا بِنِ الْكَلِ خَوْشَوَارِي هُو اور بد معنی نہ ہو۔ تو گویا کراہی خوراک بھی ہو تب
 اس کے علاوہ امام ابو حنیفہ کے استاد امام شعبی جنہوں نے پانچ سو صحابہ کی
 زیارت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سکر سے مراد پینے کی چیز ہے نہ کہ نشہ آور
 چیز۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ حبشی زبان میں سر کے کو
 سکر کہا جاتا ہے جو کہ حلال چیز ہے۔ بہر حال مفسرین کہ اس نے سکر کا معنی خوراک
 بھی کیا ہے اور محض مشروب بھی اور سر کہ بھی۔ اگر معانی کو پیش نظر رکھا جائے

تو نشہ آچیز والا اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ شراب ہماری شریعت میں بہر حال حرام ہے اور اس کا کشیدہ کرنا، پینا، ضرر دینا اور پینا پلانا سب حرام ہے۔

فَرَمَّا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ بَلٰك

اس میں صاحب عقل لوگوں کے لیے نشانی ہے۔ شراب کو خاطر العقل اسی لیے کہا گیا ہے کہ یہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ شرابی آدمی تو اس کے نشے میں ہی مجنور رہیگا، البتہ جو اس کے قریب نہیں جاتا، اس کی عقل و خرد قائم رہے گی اور وہی اس نشانی سے مستفید ہو سکے گا۔ ایسا شخص اللہ کی قدرت تامہ کو خوب سمجھ جائے گا اور پھر اسے وحدانیت خداوندی اور معاد پر یقین آجائے گا۔ بہر حال مذکورہ اشیاء قدرت الہی کے نمونے ہیں جو روزمرہ ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں اور ہم ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

النحل ۱۶
آیت ۶۸ ۶۹ ۷۰

ربما ۱۴
درس شانزدہم ۱۶

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّحْلِ إِذَا تَجِدُنِي
مِنَ الْجِبَالِ بِيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾
ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي
سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ
مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ إِنْ فِي
ذَلِكَ لَآيَةٌ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ ۱۔ اور وہی کی تیرے پروردگار نے شد کی
مکھیوں کی طرف کہ بناؤ پہاڑوں میں گھر اور درختوں پر
اور ان جگہوں پر جو چھپر بندتے ہیں لوگ ﴿۶۸﴾ پھر کھاؤ
ہر قسم کے پھل، اور چلو اپنے راستوں پر ہمارے ہوئے
نکلنا ہے ان کے پیٹوں سے ایک مشروب جس کی
رنگت مختلف ہوتی ہے۔ اس میں شفا ہے لوگوں کے
لیے۔ بیشک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے
لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ﴿۶۹﴾

شرک اور مشرکین کے رد کے بعد اللہ تعالیٰ نے توحید اور قیامت کے
متعلق دلائل بیان فرمائے۔ ان میں سے پہلے آسمان سے پانی نازل کرنے کا
ذکر ہوا۔ پھر موشیوں، انگوروں اور کھجوروں کا تذکرہ ہوا۔ ان کے فوائد بیان کر کے
اللہ نے انہیں بطور دلیل ذکر کیا کہ ان چیزوں میں غور و فکر کر کے انسان اللہ تعالیٰ

ربط آیت

کی وحدانیت، اُس کی قدرت اور حکمت کو سمجھ سکتے ہیں۔ اب اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کیسا کمال رکھا ہے جو انسان کے لیے نہایت لذیذ اور شفیع مشروب دیا کرتی ہیں اس سورۃ کا نام سورۃ النحل اسی مناسبت سے ہے کہ اس میں نحل یعنی شہد کی مکھیوں کا ذکر ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النِّحْلِ اور وحی کی آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کی طرف۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس وحی سے مراد رسالت اور نبوت والی وحی نہیں ہے کیونکہ وہ تو انبیاء اور رسولوں کے ساتھ مختص ہے البتہ اس وحی سے الہام مراد لیا جاسکتا ہے کیونکہ الہام عام ہے جو انبیاء اور غیر انبیاء سب کو ہو سکتا ہے۔ اس الہام کی نوعیت بالکل وہی ہے جس قسم کا الہام اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف کیا تھا۔ وہاں بھی یہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں وَ اَوْحٰیْنَا اِلَیْہَا اَمْرِ مُوسٰی (القصص) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف الہام کیا یعنی اُن کے دل میں یہ بات اڈال دی کہ اس بچے کی جان کی خاطر اُسے صندوق میں بند کر کے پانی میں بہادیں۔ ظاہر ہے کہ ام موسیٰ نبی تو نہیں تھیں، لہذا اُن کی وحی کی نوعیت بھی الہام والی تھی۔ الہام کے ذریعے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کوئی چیز دل میں ڈال دیتا ہے اور بعض اوقات کوئی فرشتہ انسانی صورت میں شکل ہو کر آتا ہے اور کوئی بات کہہ دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام کا الہام اسی نوعیت کا تھا فَاَرْسَلْنَا اِلَیْہَا رُوْحَنَا فتمثل لہا بشراً سویتاً (مریم) ہم نے اُس کی طرف فرشتہ بھیجا جو اُس کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن لیا۔ الہام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی غیبی آواز (ملطف) کے ذریعے کوئی اشارہ مل جائے۔ تاجم شاہ دلی اللہ فرماتے ہیں کہ شہد کی مکھیوں کیلئے ہی دو سکر جانوروں کے الہام کی صورت یہ ہے کہ اُن کے ہاں نارنجی دنیاسے کوئی

مکھیوں کی طرف وحی

فرشتہ نہیں آتا اور نہ ہی وہ اتنے عقل و شعور کے مالک ہوتے ہیں کہ بوقت ضرورت ان کے ذہن میں کوئی چیز ڈال دی جائے بلکہ ان کی طرف وحی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں کوئی چیز ڈال دی ہے جس کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ ان کو صورتِ نوعیہ کے اعتبار سے کوئی بات سمجھا دیتا ہے۔ نذ گویا شہد کی مکھیوں کی طرف وحی کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے ان کی طبیعت اور مزاج میں یہ بات ڈال دی ہے جس کا ذکر اگلے جملے میں آ رہا ہے۔

وہ بات یہ ہے اِنَّ اَتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ مِيْقَاتٍ کہ تم پہاڑوں میں اپنا گھر یعنی چھتہ بنا لو۔ مِنْ سے مراد یہ ہے کہ ہر پہاڑ کی ہر غار میں نہیں بلکہ بعض پہاڑوں میں اپنا چھتہ قائم کر لو۔ یہی چھتہ شہد کی مکھیوں کا گھر ہے جہاں وہ شہد کا ذریعہ جمع کرتی ہیں جس میں سے خود بھی کھاتی ہیں اور بچوں کو بھی کھلاتی ہیں۔ یہ گویا شہد کا ڈلو ہوتا ہے۔ پھر جب قرب و جوار کے لوگوں کو کسی ایسے چھتے کا علم ہو جاتا ہے تو پھر وہاں سے سیروں نہیں بلکہ منوں کے حساب سے شہد برآمد ہوتا ہے۔

فرمایا پہاڑوں میں اپنا گھر بنا لو وَمِنَ الشَّجَرِ یا مناسب درختوں پر چھتہ لگا لو۔ بعض بڑے بڑے درختوں پر مکھیاں چھتہ بنا کر شہد اکٹھا کرتی ہیں۔ وہ اپنی فطرت کے مطابق جہاں مناسب سمجھتی ہیں، کسی اونچی یا نیچی شاخ پر گھر بنا لیتی ہیں۔ اس کے علاوہ فرمایا وَمِمَّا يُخْرِشُونَ اور لوگوں کے تعمیر کردہ چھتوں میں چھتہ لگا لو۔ چھپرے سے مراد مکئی کا وہ فریم ہے جو انگوڑ وغیرہ کی بیل چڑھانے کے لیے کھڑا کیا جاتا ہے۔ بہت سی اوقات کسی دیگر ضرورت کے لیے بھی عارضی طور پر چھپرے تعمیر کیا جاتا ہے اور شہد کی مکھیاں ان جگہوں پر بھی اپنے چھتے بنا لیتی ہیں۔ الغرض! اللہ نے شہد کی مکھیوں کی فطرت میں یہ بات ڈال رکھی ہے کہ وہ پہاڑوں میں

مکھیوں کا
چھتہ

درختوں پر یا چھپروں کے اندر اپنا چھتہ تعمیر کر لیں۔

دوسری بات اللہ نے مکھیوں کی فطرت میں یہ ڈال دی کہ
كُلِّ مِمَّا كَلَّ الثَّمَرَاتِ پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے کھاؤ۔
 اس سے مراد دنیا بھر کے تمام پھل نہیں بلکہ وہ پھل مراد ہیں جو شہد کی مکھیوں
 کے طبائع سے مطابقت رکھتے ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی اخروٹ یا بادام وغیرہ
 کا پھل توڑ کر تو نہیں کھا سکتی، مگر وہ انجور، کھجور، ناشپاتی، آم وغیرہ تو آسانی
 سے کھا سکتی ہے اور كُلَّ الثَّمَرَاتِ سے ایسے ہی پھل مراد ہیں یہ
 بالکل اسی طرح کا طرز کلام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے مکہ سب کے متعلق
 فرمایا وَأَوْبَيْدَتْ مِمَّا كَلَّ مَشَىٰ کہ اُس کو ہر چیز عطا کی گئی۔ یہاں
 بھی ہر چیز سے دنیا بھر کی چھوٹی بڑی چیزیں نہیں بلکہ وہ چیزیں مراد ہیں جن کا تعلق
 امور مملکت سے ہو سکتا ہے مثلاً فوج، اسلحہ، مال و دولت، امیر و وزیر، کارندے وغیرہ
 یہاں پر اللہ نے شہد کی مکھیوں سے فرمایا کہ ہر قسم کے پھلوں میں سے
كُحَاؤُ فَاسَلِكُمْ سُبُلَ رَبِّكُ ذُلًّا اور اپنے پروردگار کے ہموار کردہ
 راستوں پر چلتی رہو۔ ذُلًّا کا معنی آسان کرنا بھی آتا ہے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے شہد کی مکھی میں یہ خوبی ڈال دی ہے کہ وہ اپنے چتے سے کتنی بھی دور
 چلی جائے، یہ واپسی پر بھولتی نہیں کیونکہ اللہ نے اس کے لیے راستے
 ہموار اور آسان فرمادیے ہیں۔ یہ آسانی کے ساتھ بغیر بھولے اپنے چتے پر پہنچ
 جاتی ہے۔

اب آگے اللہ نے مکھیوں کے ذریعے شہد کی پیداوار کی وضاحت
 فرمائی ہے يَخْرُجُ مِمَّا ابْطُونَهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ
 ان مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا مشروب نکلتا ہے۔ شہد سفیدی
 ماہل بھی ہوتا ہے اور سُرخ ماہل بھی۔ کبھی یہ بھورے رنگ کا ہوتا ہے اور کبھی
 گلابی رنگ کا۔ جس قسم کا ماحول اور جس قسم کی خوراک مکھیوں کو میسر آتی ہے اسی

قسم کا شہد بھی اُن کے پٹیوں سے برآمد ہوتا ہے۔ اور پھر یہ شہد محض تفریح
 طبع کا سامان نہیں بلکہ فِيهِ شِفَاءٌ لِّكَاسِ الْمَرِيضِ اس میں لوگوں
 کے لیے شفا بھی رکھی ہے۔ ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے کہ
 حضور علیہ السلام نے فرمایا عَلَيْكُمْ بِالشَّفَائِكَيْنِ الْعَسَلُ وَالْقُرْآنُ
 یعنی شفا والی دو چیزوں کو لازم کر دو، ایک شہد ہے اور دوسری قرآن پاک
 سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے وَدُنُوذُ الْمَرِيضِ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ
 وَدَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ہم نے قرآن پاک کو نازل فرمایا ہے جس میں مومنوں
 کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم باطنی بیماریوں
 یعنی سینے کے تمام روگوں کفر، شرک، نفاق، بد عقیدگی اور بد اخلاقی کی شفا
 ہے جب کہ شہد میں اللہ نے ظاہری امراض کی شفا رکھی ہے۔ شہد چونکہ گرم
 تاثیر رکھتا ہے اس لیے یہ امراض باردہ یعنی مبنی بیماریوں میں بہت مفید ثابت
 ہوتی ہے۔ ایک لحاظ سے یہ زہر کا تریاق (ANTISEPTIC) انٹی بائیوٹک بھی ہے
 یونانی طب میں معجونوں اور گولیوں کی افادیت کو تا دیر نامہ رکھنے کے لیے شہد
 میں تیار کیا جاتا ہے جب کہ نئی میڈیکل سائنس میں اس کام کے لیے سپر راکٹ کا
 استعمال ہوتا ہے۔ تاہم مفسرین فرماتے ہیں کہ شہد میں ہر بیماری کے لیے شفا
 نہیں بلکہ یہ شفا نکرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کئی بیماریوں کے
 لیے شفا ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں عَلَيْكُمْ بِالسَّنَا
 وَالسَّنَوْتِ یعنی سنا اور سنوت کو لازم کر دو۔ سنا ایک قسم کی جھڑی بوٹی ہے
 جس میں اللہ نے کئی بیماریوں کی شفا رکھی ہے اور سنوت سویا یا شہد کو کہتے ہیں
 فرمایا اس میں شفا ہے لیکن سوت کی شفا کسی چیز میں نہیں، وہ اپنے وقت
 پر آکر رہے گی۔

ایک صحیح حدیث میں یہ واقعہ بھی آتا ہے کہ کسی شخص نے حضور علیہ السلام

کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بھائی کے اسمال کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا، اس کو شہد پلاؤ۔ اس شخص نے جا کر ایسا ہی کیا مگر مرض بڑھ گیا۔ وہ پھر حاضر ہوا تو آپ نے دوبارہ فرمایا کہ اُسے شہد پلاؤ۔ دوبارہ پلانے سے اسمال میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جب حضور علیہ السلام کے پاس ذکر کیا گیا تو آپ نے تیسری مرتبہ شہد پلانے کے لیے کہا مگر پھر بھی افاقہ نہ ہوا۔ جب وہ شخص چوتھی مرتبہ حاضر خدمت ہوا۔ تو آپ نے فرمایا، اللہ کا فرمان سچا ہے کہ شہد میں شفا ہے، مگر تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ بہر حال جب مریض کو چوتھی مرتبہ شہد پلایا گیا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ جب تک گندہ مادہ پیٹ میں موجود رہا۔ وہ نکلتا رہا، اور جب ختم ہو گیا تو مریض کے اسمال بند ہو گئے۔ اللہ نے شہد میں اس قسم کے ماہے رکھے ہیں۔

حضرت علیؑ کے قول میں یوں بھی آتا ہے کہ کسی شخص نے ہماری کی شکایت کی تو فرمایا کہ کسی برتن میں قرآن کریم کی کوئی آیت لکھو۔ پھر اس کو بارش کے پانی سے صاف کرو۔ اس کے بعد اپنی بیوی کے حق میں سے ایک درہم لو۔ جب وہ اپنی خوشی خاطر سے لے لے تو اس درہم سے شہد خریدو۔ پھر وہ شہد بارش کے مذکورہ پانی میں ملا کر پی لو، اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ اللہ نے بارش کے پانی کو مَاءَ طَهُورٍ یعنی پاکیزہ پانی فرمایا ہے اور شہد کے متعلق کہا ہے کہ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، تو حضرت علیؑ نے ان دونوں چیزوں کے مرکب کو استعمال کرنے کی ہدایت کی۔

شہد کی پیداوار کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ یہ مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگوں کے مشروب کی صورت میں نکلتی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ شہد کی پیداوار کیسے ہوتی ہے۔ اس میں سائنسدانوں کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ لعاب کی شکل میں مکھی کے منہ سے نکلتا ہے۔ اس کی مثال ریشم کے کیڑے کی ہے۔ وہ بھی اپنے لعاب کے ذریعے ریشم پیدا کرتا ہے

وہ اپنے منہ سے نکلنے والا مادہ اپنے گرد لیٹا رہتا ہے اور اس طرح ریشم کے لیے تار کی ایک ڈھری سی بن جاتی ہے جسے بعد میں الگ کر کے ریشم حاصل کر لیا جاتا ہے اور اس سے لغیس ترین لباس تیار کیا جاتا ہے اسی طرح مکھی کے منہ سے نکلنے والے لعاب شد کی صورت میں بہترین مشرد حاصل ہوتا ہے۔ البتہ بعض فرماتے ہیں کہ شد مکھی کے منہ کا لعاب نہیں بلکہ اس کا فضلہ ہوتا ہے۔ افلاطون کا شاگرد اور سکندر کا استاد ارسطو یونان کا بہت بڑا حکیم گنہرا ہے اس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو سال قبل کا ہے اس نے ایک دفعہ تحقیق کرنے کی کوشش کی کہ شد مکھی کا لعاب ہے یا فضلہ۔ اس نے شیشے کا ایک بہت بڑا جس بڑایا اور اس میں مکھیوں کا چھتہ لگا کر مکھیوں کو شیشے کے صندوق میں بند کر دیا تاکہ دیکھوں کہ شد کس طرح پیدا ہوتی ہے۔ کتے ہیں کہ مکھیوں نے شد پیدا کرنے سے پہلے شیشے کے اس صندوق کی ساری دیواروں پر موم لگا دی تاکہ باہر سے کچھ نظر نہ آسکے اور اس کے بعد انہوں نے شد کی پیداوار شروع کی، اور اس طرح ارسطو اپنی تحقیق مکمل نہ کر سکا۔

شد کی مکھی میں اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت رکھی ہے کہ یہ اپنے چھتے میں عجیب و غریب قسم کے چھوٹے چھوٹے شش گوشہ گھروندے یا خانے بناتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا انجنینر بھی ٹھیک ٹھیک شش گوشہ شکل جیومیٹری جس کے بغیر نہیں بنا سکتا مگر مکھی کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ باریک باریک دیواروں پر چھتہ کرنے والا ایسا گھروندا بناتی ہے کہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بہر حال شد ایک پاکیزہ اور مرغوب چیز ہے جو انسانوں کی غذا اور دوائی میں استعمال ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَحَبَّتِ الْحَلَوَاءِ وَالْعَسَلِ يَعْنِي حَضْرَةَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مِثْمِطِي حَبِيزَادِ شَدِّ كُوْلِيْدِ فَرَاتِي تَحْتِي۔

مکھیوں کی
فضیلت

شہد کی مکھی اگرچہ ایک چھوٹا سا جانور ہے مگر اللہ نے اس میں بڑی فادیت رکھی ہے۔ اللہ نے اسے زہر لانا ڈھنگ عطا کیا ہے جس کے ذریعے وہ دشمن سے اپنی حفاظت کرتی ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ شہد کی مکھی ایک چھوٹی سی جیڑھی ہے مگر اللہ نے انسانوں کے فائدے کے لیے اس کے ذریعے لذیذ ترین چیز پیدا فرمائی ہے۔ اس سے مولانا یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ حضور علیہ السلام کا ارتداد مبارک بھی ہے رَبِّ اَعْبَرَا شَعْتٌ كَوْ اَقْسَمَ عَلٰی اللّٰهِ لَا اَبْسَہُ یعنی غبار آلود بالوں والے کتنے آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر وہ قسم اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں عانت نہیں ہونے دیتا یعنی ان کی قسم پوری ہو جاتی ہے۔ بعض روایات میں آتے ہیں کہ دوزخیوں کو سزا دینے کے لیے موزی جانور سانپ، کچھو، مکھی وغیرہ دوزخ میں جائیں گے سوئے شہد کی مکھی کے کہ یہ دوزخ میں نہیں جائیگی کیونکہ یہ لوگوں کے لیے نہایت ہی مفید شہد تیار کرتی ہے اس چھوٹی سی مخلوق میں اللہ تعالیٰ نے تنظیم کا وہ مادہ رکھا ہے جو انسانوں کے لیے بھی درس عبرت ہے۔ شہد کی مکھیوں کے بادشاہ کو یعسوب کہا جاتا ہے جو عام مکھیوں سے قد و کاٹھ میں بڑا ہوتا ہے ان مکھیوں میں اتنا نظم و ضبط (DISCIPLINE) نہیں ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ کے حکم کی ذرہ بھر بھی خلاف درزی نہیں کرتی۔ یہ فوج کی طرح منظم ہوتی ہیں اور ان کا بادشاہ جہاں جانے کا حکم دے دہاں پہنچ کر خوراک حاصل کرتی ہیں اور جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ اللہ نے ان کے لیے راستوں کو آسان بنا دیا ہے، یہ درو نزدیک جہاں بھی جائیں اپنے ڈپلو پر واپس آجاتی ہیں۔ اس مکھی کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ یہ گندگی پر نہیں بیٹھتی۔ اگر کوئی مکھی کسی دوسری مکھی کو گندگی پر بیٹھی دیکھے تو فوراً بادشاہ کے پاس شکایت ہو جاتی ہے اس کا باقاعدہ کیس پیش ہوتا ہے، اگر ایسی ہوتی ہے اور اگر جرم ثابت ہو جائے تو مجرم کو سزا دے کر موت تک ہو جاتی ہے۔ بادشاہ

مکھیوں کی
تنظیم

کی طرف سے اشارہ پاکر دوسری مکھیاں مجھ سے کہیں کہ دو ٹکڑے کر دیتی ہیں۔
 آخر میں اللہ نے فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ
 بیشک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔
 سوچنے کی بات ہے کہ ایک معمولی مکھی سے اللہ نے کتنی عمدہ چیز پیدا فرمائی
 ہے۔ ان مکھیوں میں کتنی تنظیم اور فرمانبرداری کا کتنا جذبہ موجود ہے۔ وہ مقررہ اصول
 کی کس قدر پابندی کرتی ہیں۔ صرف پاک چیزیں کھاتی ہیں اور گندگی کے قریب
 بھی نہیں جاتیں۔ وہ اپنا گھر و مذاکمال حکمت کے ساتھ بناتی ہیں جو صنایعی کا
 بہترین شاہکار ہوتا ہے۔ یہ ساری چیزیں بنی نوع انسان کو دعوت
 غور و فکر دیتی ہیں اور انہیں بھی قوانین کی پابندی کا درس دیتی ہیں۔ اگر انسان مکھیوں
 کی طرح اپنے اصولوں پر قائم ہو جائیں تو ان کی معاشرتی زندگی میں کبھی بگاڑ پیدا
 نہ ہو۔ اس وقت انسان جس ظلم، زیادتی، اسراف، عوام کاری، بدکاری، عیاشی
 اور فحاشی میں مبتلا ہے، اُس سے نکل جائیں اور انہیں آرام و سکون کی زندگی میسر
 آجائے۔ بہر حال شہد کی مکھیوں کے ہر فعل میں انسان کے لیے عبرت کا سامان
 ہے۔ جو شخص غور و فکر کرے گا وہ اللہ کی قدرت کو سمجھ جائے گا اور اُس کی وحدانیت
 پر ایمان لے آئے گا۔

النحل ۱۶

آیت ۷۰

ربما ۱۳

درس ہفتم ۱۷

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ
يُرَدُّ إِلَىٰ آرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ
عِلْمِهِ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿۷۰﴾

ترجمہ:- اور اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا ہے تم کو۔ پھر وہ وفات دیتا ہے تم کو۔ اور تم میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کو لوٹایا جاتا ہے رذیل عمر کی طرف تاکہ نہ جانے وہ علم کے بعد کچھ بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، اور قدرتِ نامہ کا مالک ہے ﴿۷۰﴾

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے پہلے شرک اور مشرکین کا رد فرمایا۔ اس کے بعد اپنی قدرت کی چند مثالیں بیان کیں جو اس کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہیں۔ سچلہ ان کے آسمان کی طرف سے پانی کا نزول اور اس کے ذریعے مختلف چیزوں کی پیدائش کا ذکر ہے پھر موشیوں سے دودھ اور پھلوں سے پاکیزہ روزی کا ذکر فرمایا۔ شہد کی مکھوں کے ذریعے نہایت مفید اور مرغوب شہد کا بیان ہوا جس میں اللہ نے بہت سی بیماریوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ فرمایا یہ اس کی قدرت کے بیرونی دلائل ہیں۔ اور یہ کن لوگوں کے لیے مفید ہیں؟ فرمایا لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ غور و فکر کرنے والوں کے لیے، لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ عقل سے کام لینے والوں کے لیے، لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ یقین رکھنے والوں کے لیے، اور لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ کان لگا کر سننے والوں کے لیے۔

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندرونی حالات کو موضوع

عطا کی، پھر ضعف اور بڑھاپے کی حالت طاری کر دی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے بڑھاپے کی عمر سے پناہ مانگی ہے جس کے الفاظ اس طرح آتے ہیں۔ **اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُعْلِ وَالْكُسْلِ وَمِنْ سُوءِ الْعُمُرِ وَمِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ وَالذَّجَالِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ** لے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں بخل اور سستی سے، بڑھی عمر اور رذیل عمر سے، مسیح و دجال کے فتنہ سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے۔

ارذل عمر

فرمایا انسانی زندگی کا دوسرا اور بہترین دور چالیس سے ساٹھ تک کا ہے اور اس کے بعد تیسرا دور بڑھاپے کا ہوتا ہے جو کہ پچھتر سال کی عمر تک چلتا ہے پھر جو کوئی اس عمر کو پہنچ جائے اس کا ارذل العمر شروع ہو جاتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ دور اسی سال کی عمر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اسی حصہ زندگی کے متعلق اللہ نے اس آیت میں فرمایا ہے **وَمِنْكُمْ مَنْ يَرْذَلُ** اَرْذَلُ الْعُمُرِ اور تم میں سے بعض وہ ہیں جن کو رذیل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ اس عمر کو پہنچ کر انسان کے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور وہ کوئی کام ٹھیک طریقے سے نہیں کر سکتا۔ اُس کے اعضاء میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی معدہ خراب اور کبھی پیشاب کی تکلیف، کبھی آنٹوں میں تکلیف اور کبھی دانٹوں میں خرابی۔ سماعت اور بینائی تو اکثر جواب دے دیتی ہے اور انسان بیکار محض ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے ارذل العمر سے خدا کی پناہ مانگی ہے۔ اصل کام کلج اور عبادت الہی کے لیے درمیانہ عمر صحت ہی بہتر ہے، حضور علیہ السلام نے سات آدمیوں کے متعلق بشارت سنائی کہ ان کو عرش کے سایہ میں جگہ ملے گی ان میں وہ نوجوان بھی شامل ہے جس نے جوانی کی عمر عبادت میں گزار لی۔

بچپن گزار کر جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے، پھر اس پر بڑھاپا طاری ہو جاتا ہے۔ ان میں سے بعض کو زیادہ موقع نہیں ملتا اور وہ ابتدائی عمر میں فوت ہو جاتے ہیں بعض جوانی میں اور بعض بڑھاپے کی عمر میں موت سے ہلکا ہوتے ہیں اور پھر بعض اس سے بھی آگے طبعی مدد پوری کمرے کی قوت ہوتے ہیں۔ اطبا کہتے ہیں کہ جسمانی ساخت کے اعتبار سے انسان کی طبعی عمر ایک سو بیس سال ہے اللہ نے انسان کے جسم کی مشینری کیسے اتنے عرصہ کے لیے کارآمد بنایا ہے بشرطیکہ اس کے قوی میں کوئی خرابی واقع نہ ہو۔ حضرت حکیم بن حزم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی عمر عطا فرمائی: پہلے زمانے میں لوگوں کی اوسط عمر زیادہ تھی مگر اب شاذ و نادر ہی کوئی لمبی عمر پاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے **أَعْمَادُ أُمَّتِي مَابَيْنَ سِتِّينَ إِلَى سَبْعِينَ** **وَقَلَّ مَنْ يَجُوزُ ذَلِكَ** یعنی میری امت کے لوگوں کی عمریں عموماً ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوں گی اور سب سے کم ہوں گے جو اس سے آگے جائیں گے۔ علماء اور محققین کہتے ہیں کہ ابتداء سے لے کر پینتیس برس تک کی عمر کا ایک مرحلہ ہوتا ہے اس عرصہ میں انسان کے قواسمے ظاہر اور باطن مکمل ہوتے ہیں اور ان میں کوئی منفی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ پھر چالیس سال کی عمر سے ساٹھ سال کی عمر تک دوسرا دور ہوتا ہے۔ یہ درمیانہ عرصہ حیات ہے جو کہ انسان کا قیمتی سرمایہ ہے: بچپن میں قوی نامکمل ہوتے ہیں اور انسان میں ناپختگی ہوتی ہے، اسی لیے بچہ مکلف بھی نہیں ہوتا۔ البتہ یہ درمیانی عرصہ ہی بہترین عرصہ ہوتا ہے جس میں انسان دین اور دنیا کا کام صحیح طور پر انجام دے سکتا ہے۔ اگر اس عرصہ زندگی کو انسان اچھے کاموں میں استعمال کرے تو وہ ترقی کرتا ہے اور بھرپور زندگی گزارتا ہے۔ انسان کی ابتدائی زندگی کو یہی اللہ نے صنعت پر محمول کیا ہے۔ جیسے فرمایا: **اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ** **مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ** **مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً** (الروم) اللہ کی ذاتِ رمی ہے جس نے انسان کو کمزور حالت میں پیدا کیا، پھر اس کے بعد قوت

سخن بنایا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر انسان اپنی زندگی کے مختلف مراحل پر ہی غور کرے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے سورۃ الذریت میں موجود ہے "وَفِيَّ الْفَنسِكُمْ أَفَلَا تَبْصُرُونَ" خود تمہارے نفسوں کے اندر بہت سی نشانیاں ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تخلیقِ انسانی کا ذکر کیا ہے **وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ** اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا یعنی ان کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ نے اُسے تخلیق کی نعمت عطا کی ہے اور وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے انسان کو پیدا فرمایا کہ یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ "قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا" (العلاق) اُس نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے کائنات کے لیے بحیثیت مجموعی فرمایا "مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى" (الاحقاف) آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کے لیے وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا۔ تو کائنات کا پورا نظام ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح قوموں کے لیے بھی اللہ نے مختلف اوقات مقرر فرمائے ہیں۔ ایک وقت میں انہیں عروج حاصل ہوا ہے تو دوسرے وقت میں اُن پر زوال آجاتا ہے۔ اسی طرح ہر متنفس کے لیے وقت مقرر ہے۔ اُس کی زندگی ایک خاص مدت تک کارآمد رہتی ہے اور پھر اسخطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا ہے "ثُمَّ يَتَوَقَّعُكُمْ" پھر وہ تم پر موت طاری کر دیتا ہے۔ جب تک اُس کو منظور ہوتا ہے، انسان کو زندہ رکھتا ہے اُسے زندگی کے مختلف مراحل سے گزارتا ہے اور پھر موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

انسانی زندگی میں کسی عروج و زوال آتے ہیں۔ انسان پیدا ہوتا ہے،

پیری شعراء
کی نظر میں

پیرانہ سالی کے اس دور کو ہر آدمی محسوس کرتا ہے، تاہم جب ایک شاعر اس مرحلے سے گزرتا ہے تو اس کے احساسات اشعار کی صورت میں اُس کی زبان پر آجاتے ہیں جگر مراد آبادی بصریغیر کا معروف شاعر ہے جسے فوت ہوئے ابھی بیس سال کا عرصہ ہوا ہے۔ اُس نے اپنے شعر میں کہا ہے۔

زندگی و خراباتی در عمد شباب اولی

یعنی خواہ زندگی ہو یا خراباتی، یہ جوانی کی عمر میں ہی ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ بڑھاپے میں انسان کسی کام کا نہیں رہتا۔

قدیم شعرا میں مومن خان مومن بھی صفت اول کا شاعر تھا، سنی مسلمان، سید احمد شہید بریلوی کا مرید اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا شاگرد تھا۔ وہ کہتا ہے

عمد شباب ہے زندگانی کا مزا

پیری میں کہاں ہے وہ نوجوانی کا مزا

یہ بھی کئی دن میں فنا ہو گا

باقی ہے جو باتوں میں کہانی کا مزا

جگر مراد آبادی کا یہ شعر بھی ملاحظہ کریں۔

رخصت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی

کننے کی بات ہے کہ بٹے جارہوں میں

صوفی شعرا میں عراقی بڑے مشہور ہیں۔ انہوں نے بھی اس دور کا بڑے لطیف انداز میں ذکر کیا ہے۔

افسوس کہ ایام جوانی بگڑا شرت

سرمایہ عیش جاوردانی بگڑا شرت

خضم بہ کنار جوئے چنیداں

کر جوئے من آپ زندگانی بگڑا شرت

افسوس جوانی کا زمانہ گزر گیا، حقیقت میں صبح زمانہ عیش وہی تھا۔ میں مذی نے

کناہے اتنا سو یا کر میری اپنی زندگی کی ندی کا پانی بھی ختم ہو گیا۔
عربی شعرا میں سے ابو کبیر ندی اپنی بیٹی کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے

ۛ اَرْهَيْزُ هَلْ مِنْ شَيْبَةٍ مِّنْ مَّعْدَلٍ
اَمْ لَا سَبِيلَ الْحِ الشَّبَابِ الْاَوَّلِ

اے بیٹی زھیر! کیا بڑھاپے سے بدلنے کی بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟
کیا اس جوانی کے زمانے کی طرف پلٹنے والی کوئی بات ہو سکتی ہے؟

ۛ اَمْ لَا سَبِيلَ الْحِ الشَّبَابِ وَذِكْرُهُ
اَشْهَى الْحِ مِنَ الرَّحِيقِ السَّنْجَلِ

یعنی مجھے تو کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک تو اس کا ذکر بھی شراب
مصفا سے زیادہ پیارا ہے۔

ۛ سَمُّنَتْ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ لَّعِيشٍ
تَمَانِينَ حَوْلًا لَا اَبَاكَ لِيْسَامِ

میں اسی زندگی سے دیگر ہو گیا ہوں۔ تیرا باپ نہ ہے جو آدمی اسی سال کی
عمر تک پہنچتا ہے، وہ یقیناً زندگی سے دیگر ہوا ہے۔

ۛ زَايَتِ الْمَنَايَا حَبَطَ عَشْوَاءُ مَنْ لُّصِبَتْ
لَمْسُهُ وَمَنْ عُنْطَى لِعَمَّرَ فِيهِمْ

میں نے مونوں کو ایسا دیکھا ہے جیسے اندھی اونٹنی ٹامک ٹوٹیاں مارتی ہے
جس کو بل گئی اُس کو فنا کر دیا، اور جس سے خطا کر گئی اس کو عمر دے دی جاتی ہے
وہ ہرم میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ہرم صنع اور انحطاط کی عمر کوہ کما جاتا ہے۔
کسی نے یہ بھی کہا ہے۔

ۛ اِنَّ الشَّمَانِينَ وَبَلَغْتَهُمَا
قَدْ اَحْوَجَتْ سَمْعِي اِلَى تَرْجَانِ

تحقیق خدا تجھے اسی سال کی عمر تک پہنچائے، اُس نے مجھے تو ترجان کی طرف

محتاج کر دیا ہے یعنی میرے قومی استقدر مصلح ہو چکے ہیں کہ اب میں ترجمان کے بغیر کسی سے بات بھی نہیں کر سکتا۔ نہ خود کسی کی بات سن سکتا ہوں اور نہ دوسرے کو اپنی بات سنا سکتا ہوں۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ پچاس سال کے بعد انسان کی زندگی ایسی ہوتی ہے گو یا کہ وہ غلط راستے [WRONG SIDE] پر جا رہا ہو وہ ہر وقت حادثات کے خطرہ سے دوچار رہتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔

گئے از دست و گئے از دل گئے ز پانام
بسرعت می روی اے عمر می ترسم کہ او مانم
مطلب یہ کہ کبھی ہاتھ میں تکلیف ہو گئی، کبھی دل اور کبھی پاؤں میں خرابی پیدا ہو گئی۔ عمر تیزی سے گزر رہی ہے اور پھر ایسا ہو گا کہ ہم اس کا ساتھ نہیں دے سکیں گے اور وہ نکل جائے گی۔

”البیان والقبین“ وائے نے بشار ابن برد کا شعر نقل کیا ہے
وَالشَّيْبُ شَيْنٌ لِّمَنْ أَرْتَسِي بِسَاحَتِهِ
لِللَّهِ دُرُّ السَّوَادِ الْمَمْلُوءِ الْحَالِي

بڑھا پا تو ایک عیب ہے جس کے صحن میں اتر جائے۔ حقیقت میں زندگی کا بہترین دور وہی ہوتا ہے۔ جب بال کا لے ہوتے ہیں۔ سعدی صفا نے کہا ہے، بلکہ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ شباب کو بچپن سے غنیمت سمجھو کہ یہ جلدی ختم ہو جائے گا۔ اور جو کچھ کرنا ہے شباب میں ہی کر لو۔ اس کو غنیمت سمجھو کہ یہ دور بھی ختم ہو جائے گا۔

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نہ ماند
نیکی کا کام کر لو اور زندگی کے ان لمحات کو غنیمت سمجھو۔ ایک دن آواز آئے گی کہ فلاں آدمی اس دنیا میں نہیں رہا۔

اسی طرح عمران ابن حطان کا شعر ہے

فَاعْمَلْ فَإِنَّكَ مِنْهُ لِكَوْحِدَةٍ
حَسَبُ اللَّيْبِ بِهَذَا الشَّيْبِ مِنْ نَاعِي

جو کچھ عمل کرتا ہے کہہ لو کیونکہ ایک دفعہ آواز اٹھے گی کہ فلاں آدمی مر گیا، اور اگر تم کسی ڈرانے والے کو تلاش کرتے ہو۔ تو یہ بالوں کی سفیدی کافی ڈرانے والی ہے یہی موت کی خیر دہتی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ قیامت کے دن چار چیزوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اور جب تک کوئی ان کا جواب نہیں دے گا، اسے قدم نہیں اٹھانے دیا جائے گا۔ وہ چیزیں ہیں انسان کا عالم شباب، اس کی عمر، مال اور علم۔

حافظ کی
کمزوری

بہر حال زندگی کا درمیانہ عرصہ ہی بہترین عرصہ ہے جس میں انسان کمال حاصل کر سکتا ہے۔ علم دہن سیکھ سکتا ہے اور عبادت و ریاضت کر سکتا ہے۔ ملکی دفاع کے لیے اسی عمر کی ضرورت ہوتی ہے۔ مہر محنت طلب کام اسی عمر کے حصہ میں کیا جاسکتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ذرا غور کرو کہ تمہیں پیدا کیا پھر موت طاری ہوتی ہے۔ اور درمیان میں ارذل العمر کا دور بھی آتا ہے جبکہ انسان کی حالت یہ ہو جاتی ہے۔ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ كَعَدِّ عِلْمِ شَيْئًا کہ علم ہونے کے باوجود کچھ نہیں جانتا۔ حافظ خراب ہو جاتا ہے۔ شباب کے عالم میں جو کچھ یاد تھا۔ وہ بھول چکا ہے۔ اور حالت یہ ہے کہ عالم ہونے کے باوجود بے علم ہو گیا ہے۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اس حصہ آیت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اس امت میں کامل لوگ پیدا ہونے کے بعد پھر ناقص لوگ پیدا ہونے لگیں گے واللہ اعلم۔ بظاہر ہی حال نظر آتا ہے قرآن اولیٰ کے لوگوں کے حالات پڑھئے اور پھر اس زمانے کے ساتھ مقابلہ کیجئے۔

انفرادیت اور اجتماعیت، اخلاقیات اور عبادات ہر لحاظ سے درجہ تنزل میں البتہ شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی کتاب کے

ساتھ تعلق رکھے گا، اس کی صس و تدریس میں مصروف رہے گا، اللہ تعالیٰ
اس نسیان کے مذکورہ عارضہ سے محفوظ رکھے گا۔ قرآن پاک کی رکعت سے
اس کی یادداشت قائم ہے گی۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْمٌ شَك
خدا تعالیٰ کی ذات سب کچھ جاننے والی اور قدرتِ تامہ کی مالک ہے
تمام تغیرات اور تصرفات اسی کے اختیار اور قدرت میں ہیں۔

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ
 وَمَا الَّذِينَ فَضَّلُوا بَرَاءِي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ
 مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ أَفَبِنِعْمَةِ
 اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۴۱﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ
 أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ
 وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ أَفَبِالْبَاطِلِ
 يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿۴۲﴾ وَ
 يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ
 رِزْقًا مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا
 يَسْتَطِيعُونَ ﴿۴۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ
 إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ ۱۔ اور اللہ نے فضیلت بخشی ہے تم میں سے
 بعض کو بعض پر روزی کے معاملے میں۔ پس نہیں ہیں
 وہ لوگ جن کو فضیلت بخشی گئی ہے، لوٹانے والے اپنی
 روزی کو ان پر جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ
 تاکہ وہ اس میں برابر ہو جائیں۔ تو کیا اللہ کی نعمت کا یہ
 انکار کرتے ہیں ﴿۴۱﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنائے ہیں

تمہارے لیے تمہاری جانوں میں سے تمہارے جوڑے ، اور
 بنائے ہیں تمہارے لیے تمہارے جوڑوں میں سے بیٹے اور
 پوتے ، اور روزی بخشی ہے تمہیں پاک چیزوں سے کیا یہ
 لوگ باطل پر یقین رکھتے اور اللہ کی نعمت کے ساتھ انکار
 کرتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور یہ لوگ عبادت کرتے ہیں ، اللہ
 کے سوا ان چیزوں کی کہ نہیں مالک ان کے لیے روزی
 کے آسمانوں سے اور زمین سے کسی چیز کے بھی ، اور نہ
 وہ طاقت رکھتے ہیں ﴿۴۳﴾ پس نہ بیان کرو تم مثالیں اللہ
 کے لیے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں مانتے ﴿۴۴﴾

ربط آیت

اللہ نے اپنی قدرت کی وہ نشانیاں بیان کیں جو اُس نے انسان کے
 نذر اور بیرونی دنیا میں پیدا فرمائی ہیں۔ پھر اسی مضمون کو شرک کی تردید میں بطور دلیل
 پیش کیا۔ گذشتہ آیات میں بھی اللہ نے اپنے انعامات کا تذکرہ کیا تھا اور آج کی
 آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ اللہ نے مشرکین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اُس
 کے انعامات کی ناقدری کرتے ہیں حالانکہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا۔ انسان
 کو چاہیے کہ وہ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہوئے صرف اسی کی عبادت کئے
 اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے۔

ربح حق
 آنارت

اب اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ احسان بھی یاد دلایا ہے وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ
 عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے فضیلت بخشی
 ہے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی کے معاملہ میں۔ اللہ نے تمام مخلوق کے لیے
 روزی کے یکساں دروازے کٹا دیے ہیں کیے بلکہ بعض کو زیادہ روزی دی ہے اور
 بعض کو کم۔ اس کمی بیشی کی حکمت اور مصالحت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو
 خود روزی رساں ہے اور یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ دوسری جگہ تصریح

موجود ہے "وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَمْثَالِ
 وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ" (الشوری) اگر اللہ تعالیٰ
 سب لوگوں کے لیے روزی کے یکساں دروازے کٹا دے گا تو وہ زمین
 میں بغاوت کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق روزی نازل فرماتا
 ہے۔ کسی کو زیادہ مال دے دیا اور کسی کو کم۔ کسی کو لغیر بنا دیا اور کسی کو ماتحت۔

حدیث شریفین میں آدم علیہ السلام کا ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
 اُن کی اولاد کی تمام روحوں کو متحمل کر کے اُن کے سامنے پیش کیا تو ان میں
 تفاوت نظر آتا تھا۔ آدم علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا ،
 پروردگار! لَوْ لَا سَوَّيْتَنَا بَيْنَ عِبَادِكَ تَوْنَةً لِنُفْسِنَا بَدُونَ كَمَا
 درمیان برابر کیوں نہیں رکھی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں سب کو
 یکساں کر دیتا تو کوئی شخص میرا شکر یہ ادا نہ کرتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان
 کے ذہنی قوی اور جسمانی، ظاہری اور باطنی طاقتیں ایک جیسی نہیں رکھیں، اس
 لیے اُن کے علم و عمل میں بھی فرق ہے اور پھر اُن کی روزی کا سلسلہ بھی کم و بیش
 رکھا ہے۔ کوئی امیر اور امیر تر ہے اور اسی طرح کوئی غریب اور غریب تر ہے
 حدیث میں آتا ہے کہ جب اپنے سے زیادہ نعمت والے کا خیال آئے تو اس
 کی طرف نہ دیکھو بلکہ اپنے سے کم تر کی طرف دیکھو "الَّتِي تَذَرُّ دُرًّا وَاحِمَةً اللَّهُ"
 تاکہ تم اللہ کی عطا کردہ نعمت کو حقیر نہ سمجھو۔ اللہ نے تمہیں بھی بہت سے
 لوگوں پر فضیلت دی، تم مال اور اولاد میں اُن سے بہتر ہو، گویا تم سے کمتر
 لوگ بھی موجود ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور خدا کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو۔ اللہ
 نے انسانوں کے درمیان جو تفاوت رکھا ہے وہ بالکل فطری ہے جس طرح

استعداد اور محنت میں فرق ہے، اسی طرح روزی بھی برابر نہیں
 یاد رکھنا چاہیے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے روزی زیادہ بخشی ہے اس
 کے ذمے حقوق بھی زیادہ ہیں۔ چنانچہ ہم سورۃ الروم میں پڑھتے ہیں "فَأَب

ہے۔ پھر اگلی آیت میں اللہ نے اسی چیز کو شرک کے خلاف دلیل بنایا ہے کہ ان تو اپنے ہم جنس انسانوں کو بھی اپنے برابر آتا نہیں دیکھ سکتے۔ چہ جائیکہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر شریک ٹھہرایا جائے۔

فرمایا اللہ کی عطا کردہ نعمت کی قدر دانی کرو۔ اُس نے یہ حکم نہیں دیا کہ تم اپنا سارا مال تقسیم کر کے اپنے سے کم تر لوگوں کے برابر بوجاؤ بلکہ فرمایا ہے کہ اپنے مال میں سے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حقوق ادا کرو اور بیشک اپنا تفاوت قائم رکھو، یہ تم پر اللہ کا انعام ہے نظام سرمایہ داری میں یہی قباحت ہے کہ وہ مالی حقوق ادا نہیں کرتے جسکی وجہ سے انسانی سوسائٹی مصائب کا شکار ہو رہی ہے غریب اور کمزور لوگ مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مذہبت بیزاری اور اشتراکیت کی طرف رغبت اسی چیز کا نتیجہ ہے۔ اگر ہر شخص کو اُس کا جائز حق مل جائے تو اُسے بغاوت کرنیکی کیا ضرورت ہے؟ آج حالت یہ ہے کہ غریب لوگ زمین اور مکان سے محروم ہیں، ان کے بچوں پر تعلیم کے دروازے بند ہیں، ان کے لیے حفظانِ صحت کا کوئی انتظام نہیں، انہیں روزگار کی ضرورت ہے وہ بھی عزتِ نفس چاہتے ہیں مگر جب وہ ان چیزوں سے محروم ہتے ہیں تو کبھی اشتراکیت کے سائے میں پناہ تلاش کرتے ہیں اور کبھی کسی دوسرے مذہب کی طرف بوجع کرتے ہیں میں کا اصول تو یہ ہے کہ خود تکلیف اٹھا کر بھی ڈیڑھل اپنے دین میں داخل کرینی کوشش کرو مگر یہاں اپنے بھی دوسروں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ ساری مصیبت حقوق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ہے تمام سوسائٹی بیکر چلی ہے۔ کمزوروں کو سہارا دینے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ اشتراکی مساوات باکمل غیر فطری ہے جب کہ حقیقی مساوات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں ہے۔

نوعی اور
شخصی بقا

اللہ تعالیٰ نے انسان کی نوعی اور شخصی بقا کا انتظام کر کے انسان پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا** اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے تمہاری ہی

کیستی باطنی، صنعت و صرفت اور طرح طرح کے کاروبار ہوتے ہیں، یہ سب روزی کے ذریعے ہیں۔ حلال رزق میں حرام کی ملاوٹ نہ کرے، اور پھپھر عیاشی، فحاشی، اسراف، بلڈنگ سازی کی بجائے معاشرے کے کمزور لوگوں کا سہارا بنو۔ اللہ نے انسان کو مکلف بنا لیا ہے۔ اس پر پابندیاں عاید کی ہیں۔ اگر اپنے تمام معاملات دائرہ قانون کے اندر رہ کر نپٹاؤ گے تو کامیاب ہو جاؤ گے، حظیرۃ القدس کے ممبر بن جاؤ گے۔

فطری اور
غیر فطری
مساوت

اللہ نے فرمایا، جن لوگوں کو ہم نے زیادہ روزی دی ہے۔ مال و زر کی فراوانی ہے۔ ان کا معاملہ ایسا ہے فَمَا الَّذِيْنَ فَضَّلُوْا مِنْ وَه لوگ جن کو دوسروں پر فضیلت دی گئی ہے بِرَّادِيْ رَزَقَهُمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ وہ نہیں چاہتے کہ اپنا مال اپنے غلاموں میں تقسیم کر دیں تاکہ وہ بھی ان کے برابر ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی نہیں چاہتا کہ اس کے غریب خادم بھی اس کے برابر حیثیت کے مالدار ہو جائیں۔ کوئی کارخانہ دار اپنے مزدور کو اپنا ہم پلہ نہیں دیکھنا چاہتا، کوئی زمیندار اور جاگیر دار اپنے مزارع کو اپنے برابر بیٹھا نہیں دیکھ سکتا اور نہ کوئی حاکم برداشت کرتا ہے کہ اس کے سارے ماتحت، اس کی حیثیت میں برابر ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ ہر کس و ناکس ایک جیسے ہو جائیں تو ایک دوسرے کے کام کون کر لیا اور دنیا کا نظام کیسے چل سکے گا۔؟ گویا اس طرح کی تقسیم غیر فطری ہوگی۔ اللہ نے اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہر شخص کی استعداد، قوت اور علم میں تفاوت رکھا ہے تاکہ بنی نوع انسان ایک دوسرے کے کام آسکیں۔ فرمایا جِبَّ اللّٰهُ تَعَالٰى نے تفاوت تَعْلَمُ كَمَلِكَةٍ بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اَقْبِنِعْمَةً اللّٰهُ يَجْعَدُ وَاَنْتَ تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے کہ اس کی مہربانی سے اُسے نعمت حاصل ہو گئی۔

ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ قَرَابَاتٍ،
 مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو۔ اگر اللہ نے مال دیا ہے تو پھر یہ حقوق
 بھی پورے کرو، ورنہ ماخوذ ہو گے۔ مال میں مختلف قسم کے حقوق ہیں کوئی
 فرض، کوئی واجب اور کوئی نفل۔ اگر کسی مالدار کے اقربا محتاج ہیں تو اس کے
 ذمے واجب ہے کہ وہ ان کی اعانت کرے، تاکہ وہ بھوکے ننگے نہ رہیں
 عام انسانی سوسائٹی کا بھی یہی قانون ہے۔ اگر دولت مند نادار کی مدد نہیں کرے
 گا تو اللہ کے ہاں جوابدہ ہو گا۔ بہر حال جو صاحب حیثیت ہے اس کی ذمہ داری
 بھی زیادہ ہے اور اسے اپنے مال کا حساب دینا ہو گا کہ اس نے یہ مال کہاں سے
 کمایا اور کہاں خرچ کیا؟

مختلف نظام
 معیشت

آجکل غیر فطری مساوات کا نعرہ لگا جا رہا ہے۔ کہ سب برابر ہیں۔ اس
 معاملہ میں اشتراکی ممالک پیش پیش ہیں۔ حالانکہ تفاوت کو مٹانا غیر فطری بات
 ہے۔ گذشتہ پچاس سال کے تجربے سے اشتراکی نظام کو بھی ناکام ثابت کر دیا ہے
 وہاں بھی تشدد کے سوا کچھ نہیں۔ سزایہ دارانہ نظام معیشت بھی ایک لعنت سے
 کم نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کی تعلیم سے دوری کی وجہ
 سے ہو رہا ہے اللہ نے مال کے حصول اور خرچ دونوں کے لیے قانون مقرر
 کیے ہیں۔ حلال و حرام کا امتیاز روارکھا اور کسب اور خرچ پر بعض پابندیاں عاید
 کی ہیں۔ کسی کو من مانے طریقے سے کمائی کرنے کی اجازت نہیں بلکہ تشریحات
 فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمَلُوا فِي الطَّلَبِ اللَّهُمَّ سِرُّهُ دُرٌّ وَحِلَالٌ بَوْرِي

تلاش کرو۔ فرمایا۔ اَطْلُبُوا الرِّزْقَ فِي خَيْرِ الْأَمْثَلِ
 زمین کے کونے کونے میں جہاں بھی ممکن ہو روزی تلاش کرو۔ زمین کے ایک
 سکر سے دوسرے سکر تک، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندر میں رزقِ حلال کی
 تلاش کے لیے نکل جاؤ۔ زمین اور پہاڑوں سے معذرت نکلتی ہیں دریاؤں
 اور سمندروں سے مچھلی کا شمار اور قمیٹی موتی حاصل ہوتے ہیں زمین کے اوپر

جنس سے ہماری بیویاں بنائی ہیں وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْوَابِكُمْ
 بَنِينَ وَحَفَظَ لَكُمْ أَوْلَادَكُمْ اور پھر ان بیویوں میں سے تمہارے بیٹے اور پوتے
 پیدا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی بقا کا یہ انتظام فرمادیا ہے کہ مردوں
 اور عورتوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں اور پھر ان میں سے ان کی اولادوں کو پیدا
 کیا ہے۔ اس طرح نسل انسانی قیامت تک چلتی رہے گی۔ حَفَظَ کا معنی خادم،
 غلام یا سرپرست والے بھی ہوتا ہے۔ تاہم عام مفسرین نے اس کا معنی پوتے
 کیا ہے کہ نسل انسانی کی بقا کی یہی صورت ہے۔ ہر فرد فانی ہے اور اپنی مقررہ
 عمر پوری کر کے مرجاتا ہے، تاہم اگر اس کی اولاد ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ میں
 نہیں ہوں گا تو اس دنیا میں میری اولاد تو موجود ہوگی۔ اس کی تسلی کے لیے یہی
 بات کافی ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے بعد بھی میرا ذکر خیر ہوتا رہے گا۔
 نیک اولاد اپنے آباؤ اجداد کے لیے دعائیں بھی کرتی ہے اور یہ بھی اُس کی بقا
 کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اسی لیے اولاد کی خواہش کو بڑا نہیں کہا گیا، بلکہ
 انبیاء علیہم السلام بھی نیک اولاد کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم
 علیہ السلام نے کہا رَبِّ هَبْ لِي مِنْ الصَّالِحِينَ (الصَّافَات)
 یا اللہ! مجھے نیک اولاد عطا فرما حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی خدا تعالیٰ
 کی بارگاہ میں عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ
 (الانبیاء) بہر حال نیک اولاد باپ دادا کے نام کو زندہ رکھتی ہے۔

یہ تو نوعی بقا، کما سلسلہ تھا اب آگے فرمایا وَرَزَقَكُمْ مِنَ
 الطَّيِّبَاتِ اور تمہیں پاک چیزوں کی روزی عطا فرمائی۔ ہر انسان خوراک کا محتاج
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اناج اور پھل پیدا کر کے انسان کی شخصی بقا کا انتظام
 بھی کر دیا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ خوراک
 ایک ایسی چیز ہے جس پر انسانی اور حیوانی زندگی کا دارومدار ہے۔ حتیٰ کہ اللہ
 کے پاک گرنی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے "وَمَا جَعَلْنَاهُمْ

جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (الانبیاء) ہم نے انبیاء کے جسم
ایسے نہیں بنائے کہ انہیں کھانے پینے کی ضرورت نہ ہو۔ غرضیکہ ایک زمانے تک
انسان کی شخصی بقا کا انحصار رزق پر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ فرمایا ہے
اللہ نے انسان پر اتنے احسانات کیے ہیں أَفَالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ تو اس
کے باوجود یہ لوگ باطل پر یقین رکھتے ہیں وَيَسْتَعْتِبُونَ اللہ هُم يَكْفُرُونَ
اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؛ کتنے افسوس کا مقام ہے
فرمایا نبلِ انسانی کی شخصی اور ذمی بقا کا انتظام تو میں نے فرمایا ہے مگر ان لوگوں
کی حالت یہ ہے وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ
رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وہ اللہ کے سوا ان کی پوجا
کرتے ہیں جو ان کے لیے زمین و آسمان سے کسی روزی کے مالک نہیں ہیں
روزی رسال تو اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر یہ لوگ لات، منات، عزمی، جن، فرشتہ،
حجر، شجر اور قبر کی پرستش کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی روزی کا سامان
ہے اور نہ یہ کسی کی حاجت روائی اور مشکل کٹائی کر سکتے ہیں اس کے باوجود
یہ لوگ اپنی مشکلات ان کے سامنے پیش کرتے ہیں، ما فوق الاسباب انہی کو
پکارتے ہیں اور انہی کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ فرمایا وَلَا كَيْفَ يَطِيعُونَ
ان کے پاس نہ اختیار ہے اور نہ طاقت، نہ یہ بارش برما سکتے ہیں، نہ زمین
میں روئیدگی پیدا کر سکتے ہیں کہ اناج، پھل اور سبزیوں پیدا ہوں۔ نہ ان کا زمین
میں تصرف ہے اور فضا میں کوئی دخل ہے۔ یہ کسی چیز کے مالک بھی نہیں
نفع اور ضرر بھی نہیں تو پھر کتنے ظلم کی بات ہے کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہرا کر
ان کی عبادت کی جائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہ کہا تھا
اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُوْنَ
لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ (العنکبوت) اے لوگو!
تم اللہ کے سوا جن دوسروں کی عبادت کرتے ہو ان کا رزق پر کوئی اختیار

شرک کی
ترویج

نہیں ہے۔ لہذا اللہ ہی کے پاس رزق تلاش کرو۔ تمام اسباب رزق اُس کے قبضہ قدرت میں ہیں، لہذا ہمیشہ اُسی کی طرف رجوع کیا کرو۔ اُس نے اپنے اختیارات کسی مخلوق کو تقسیم نہیں کیے جب کہ مشرکین عرب کا دعویٰ یہ تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے خود بعض ہستیوں کو اختیارات تفویض کر کے انہیں اپنا شریک بنالیا ہے۔ چنانچہ وہ حج کے دوران بعیہ میں لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ کے بعد یہ اضافہ کرتے تھے اِلَّا شَرِيكَاً هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ (صحیح مسلم) کہتے تھے اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اُس کے کہ جسے تو نے خود اختیارات دے کر اپنا شریک بنالیا ہے۔ بعض مشرک غیر اللہ کی عبادت کا یہ جواز پیش کرتے تھے کہ ہماری دُعا قبول نہیں ہوتی، چونکہ یہ اللہ کے مقبول بندے ہیں، اس لیے اُن کی عبادت کے ساتھ مل کر ہماری عبادت بھی قبول ہو جاتی ہے بعض یہ بھی کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی ذات بڑی بلند و بالا ہے، پہلی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی، لہذا ہم ان کے واسطے سے خدا تک رسائی حاصل کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے تمام باطل عقائد کی تردید فرمائی ہے۔

اللہ سے
براہ راست
تعلق

اللہ اور بندوں کے درمیان براہ راست تعلق کے متعلق شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت کا نام تدلی ہے۔ جب ماں کے پیٹ میں انسانی ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے تو پھر اُس میں روح الہی داخل کی جاتی ہے اور اس طرح ہر انسان کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم کا عکس پڑنے لگتا ہے اللہ اور بندے کے درمیان یہی براہ راست تعلق ہے۔ زندگی میں تو انسان کو اس کا شعور نہیں ہوتا، مگر جب انسان مر جاتا ہے، اس کی روح اور نسمہ جسم سے باہر نکل آتا ہے تو اُس وقت تجلی اعظم کی کشش انسان کو عالم بالا کی طرف کھینچتی ہے جب کہ اُس کے بڑے اعمال اُسے نیچے کی طرف کھینچتے ہیں۔ اور پھر انسان کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اُس وقت انسان کو خدا تعالیٰ

کے ساتھ براہِ راست تعلق کا احساس ہوتا ہے۔

غرضیکہ بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق قائم ہے ، اللہ تعالیٰ اپنی مرضی اور ارادے سے جو چاہے کرتا ہے ، وہاں کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے بعض اوقات اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض کام فرشتوں کے ذریعے کرتا ہے ، لہذا براہِ راست تعلق تو ثابت نہ ہوا۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے کوئی اختیار نہیں دیا بلکہ وہ تو اس کے حکم سے ہر کام کرتے ہیں کیونکہ وہ مامورین اللہ ہوتے ہیں۔ پیچھے گزر چکا ہے ”وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ“ وہ تو وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ انہیں از خود کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی ، بارش برسانے یا پھل اگانے کا کوئی اختیار نہیں۔ لہذا جو کوئی اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کو موقوف الایاب پکارے گا اور اس سے امید و البرتہ کرے گا ، وہ مشرک ٹھہرے گا۔

فرمایا، تم ایسی مثالیں بیان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا کے کسی حاکم پر قیاس کہہ سکتے ہو کہ جس طرح بادشاہ تک اس کے وزیر، امیر یا مصاحب کے بغیر رسائی نہیں ہوتی، اسی طرح اللہ تک بھی اس کے مقرب کے بغیر پہنچ ممکن نہیں، تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ اللہ کے لیے ایسی مثالیں مت بیان کرو۔ کیونکہ اُس کا فرمان تو ہے ”أَمَّا يَجْحِبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ“ (النمل) مصیبت زدہ کی پکار کو کون سناتا ہے اور اُس کی تکلیف کو کون رفع کرتا ہے؟ ؕ وَاللَّهُ مَنَّ عَلَى الْكَاذِبِينَ اللہ نے اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ نہیں بلکہ وہی براہِ راست پکار کو سناتا ہے۔ اور تکلیف کو رفع بھی وہی کرتا ہے، کوئی نبی، ولی جن فرشتہ اللہ کے درمیان واسطہ نہیں ہے، نہ اُس نے کسی کو کوئی اختیار دے رکھا ہے۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے لیے ایسی مشرکانہ مثالیں مت

بِرَبِّكَ اللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ
 ہمارے لئے جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، لہذا اس کی حکمت میں غفلت نہ کرنا

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى
 شَيْءٍ ۖ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنَّْا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ
 مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا ۖ هَلْ يَسْتَوُونَ ۗ الْحَمْدُ لِلَّهِ
 بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۵﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ
 مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمٌ لَا يَقْدِرُ
 عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ ۖ أَيْنَمَا يُوَجِّههُ
 لآيَاتٍ بِخَيْرٍ ۗ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ
 بِالْعَدْلِ ۗ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۴۶﴾

۱۰
عج

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی ہے . ایک
 غلام کی جو مملوک ہے اور نہیں قدرت رکھتا کسی چیز پر .
 اور وہ شخص جسے ہم نے روزی دی ہے اپنی طرف سے
 اچھی روزی ، پس وہ خرچ کرتا ہے اس میں سے پریشہ
 بھی اور ظاہر بھی . کیا یہ دونوں برابر ہیں ؟ سب تعریفیں
 اللہ کے لیے ہیں بلکہ اکثر ان میں سے ایسے ہیں جو نہیں
 جانتے ﴿۴۵﴾ اور اللہ نے بیان کی مثال دو شخصوں کی ایک
 ان میں سے گونگا ہے جو نہیں قدرت رکھتا کسی چیز پر
 اور وہ بوجھ ہے اپنے آقا پر . جدھر بھی وہ اُس کو متوجہ کرتا

ہے، وہ نہیں لانا بہتری کی بات۔ کیا برابر ہے وہ اور وہ شخص جو حکم دیتا ہے عدل کا اور وہ سیدھے راستے پر سے (۷۶)

رہنما

گذشتہ آیات میں شرک اور مشرکین کا رد فرمایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے غلط مثالیں بیان کرنے سے منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے مخلوق کی صفات اللہ میں ثابت کرنا نہایت ہی بری بات ہے۔ اللہ نے اس بات کی سمجھتی سے تردید فرمائی کہ عام آدمی کی اٹن تک رسائی نہیں ہے اور اُسے کسی وسیلہ کی ضرورت ہے بلکہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا تعلق براہ راست اس کے بندے سے ہے اللہ نے اپنے لیے اس قسم کی مثالیں بیان کرنے سے منع فرمادیا۔ اب آج کی آیات بھی شرک کی تردید میں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود دو مثالیں بیان کر کے اپنی وحدانیت کا مسئلہ واضح فرمایا ہے۔ پہلی مثال ایک آزاد اور ایک غلام شخص کی ہے، جب کہ دوسری مثال دو ایسے شخصوں کی ہے کہ ان میں سے ایک بہرہ ہے جو بالکل نیک ہے جب کہ دوسرا آدمی عدل و انصاف کا دلدادہ ہے اور عراطِ تقیم پر ہے۔ ان دو مثالوں کو اللہ نے مشرک اور مؤعد کے تقابل میں بیان کر کے توحید کا مسئلہ سمجھایا ہے۔

غلام اور آزاد کی مثال

ارشاد ہوتا ہے ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّعِبَادٍ مَّا تَلَوا مِنَّا لَعْنَةً كَاللَّهِ تَعَالَى نے مثال بیان فرمائی ہے ایک غلام کی جو کسی دوسرے شخص کی ملکیت ہے۔ گذشتہ درس میں مشرکین کی غلط مثالوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب اللہ نے خود اعلا درجے کی مثال بیان کی ہے کہ ایک غلام اور آزاد شخص کی مثال مشرک اور مؤعد کی ہے۔ ضعیف کے مختلف معانی آتے ہیں۔ یعنی ماننا سفر کرنا اور بیان کرنا۔ تو یہاں پر یہ لفظ بیان کرنے کے معانی میں آیا ہے۔ عِبَادٌ كَالْفِطْرِ انبیاء، فرشتوں اور اچھے لوگوں پر بھی بولا جاتا ہے بلکہ سورۃ بنی اسرائیل میں

اس لفظ کا اطلاق نافرمان اور مغرور لوگوں پر بھی کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا کہ تمہاری نافرمانی کی وجہ سے "بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا اُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ" ہم نے تم پر اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے مسلط کر دیے، تاہم عہد کا عام فہم معنی غلام ہونا ہے۔ یہاں پر عہد کے ساتھ مملوک کا اضافہ کیا گیا ہے یعنی ایسا غلام جو کسی دوسرے شخص کی ملکیت ہو۔ آزاد آدمی کسی شخص کا مملوک نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اور صرف استرہی کا مملوک ہوتا ہے جس نے اسے پیدا کیا اور وہی اس کا حقیقی مالک ہے۔ مملوک اپنے مجازی مالک کے تصرف میں ہوتا ہے اس سے خدمت لے یا اسے فروخت کر دے۔ لَا يَقْدِرُ عَلٰی شَيْءٍ ایسا شخص خود اپنا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ یہاں پر یقہ دہ، کا معنی جسمانی طاقت نہیں کیونکہ یہ طاقت تو غلام اور آزاد میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے لہذا یہاں یقہ دہ سے مراد اختیار یا قدرت رکھنا ہے کہ غلام آدمی کا اپنا کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا یہ فعل اس کے آقا کی منشا پر موقوف ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ غلام اپنی کمائی کا بھی مالک نہیں ہوتا بلکہ اس کی آمدنی مالک کی آمدنی تصور ہوتی ہے اور وہی اس کا متصرف ہوتا ہے۔ ایک غلام آدمی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر سفر بھی نہیں کر سکتا اور نہ وہ نکاح کر سکتا ہے اگر کوئی مالک اپنی لونڈی کو خود نکاح کی اجازت دے دے تو پھر اس کے اختیارات اس حد تک کم ہو جاتے ہیں کہ وہ اس سے خدمت تو لے سکتا ہے مگر قضاے شہوت نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا حق وہ لونڈی کے خاوند کو دے چکا ہے۔ اگر کوئی غلام بھاگ جائے تو حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اس کی عبادت بھی مقبول نہیں جب تک وہ اپنے مالک کے پاس واپس نہ آجائے۔

بہر حال فرمایا کہ ایک شخص ہے جو کسی دوسرے کا غلام ہے اور وہ

کچھ اختیار نہیں رکھتا، اور دوسری طرف ایسا شخص ہے وَمَنْ رَزَقْنَاهُ
 مِمَّا رَزَقْنَا سَنَآجِسْہے ہم نے اپنی طرف سے اچھی روزی عطا کی ہے
 اچھی روزی سے مراد پاک اور حلال روزی ہے جو جائز طریقے سے کمائی گئی
 ہو اور جو حرام یا مشکوک نہ ہو۔ یہ شخص آزاد ہے اور اللہ نے اسے رزق بھی مافر
 عطا فرمایا ہے۔ فَهُوَ يَتَفَقَّحُ مِنْهُ لِيَسْرَأَ وَجَهْدًا حَسْبُہ وہ
 پرشیدہ طور پر بھی خرچ کرتا ہے۔ اور ظاہری طور پر بھی۔ فرمایا هَلْ
 كَسَبْتُمْ نِعْمًا يَدُومِي لَيْسَ غُلَامٌ اَوْ اَزَادٌ بَرَابِرٌ يَسْتَكْفِيہیں؟ فرمایا ہرگز نہیں
 الْحَمْدُ لِلّٰہِ سَبَّ تَعْرِيفِہیں اللہ کے لیے ہیں بَلْ اَكْثَرُہُمْ
 لَا يَعْلَمُوْنَ بَلْ اِنَّ فِي سَمْعِہیں جو ایک عام فہم مثال کہ
 بھی نہیں سمجھ سکتے کہ جب غلام اور آزاد انسان ہونے کے باوجود برابر نہیں
 ہو سکتے تو اللہ کی ہمہ ساری کون کر سکتا ہے جو ہر چیز کا مالک اور خالق ہے
 اور کائنات کی ہر چیز اسی کی ملوک اور مخلوق ہے۔ لہذا اللہ کی مخلوق میں سے
 کسی کو اللہ کا ہم صفت بنا کر اس کا شریک ٹھہرانا کس قدر حماقت کی بات
 ہے۔ خاص طور پر بے جان شجر و حجر اور قبر کو اللہ کے ساتھ کیسے شریک ٹھہرایا
 جا سکتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ رزق تو جوہ طلب ہے۔ یہ لفظ عام ہے اور اس
 سے رزق حلال بھی ہو سکتا ہے اور حرام بھی۔ مگر ایک مومن آدمی ہمیشہ رزق
 حلال کی تلاش میں رہتا ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے اے لوگو!
 "كُلُوا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوا
 حُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ" حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شیطان کے
 نقش قدم پر مت چلو۔ اسی لیے رزق حلال کی تلاش کو فرانس کے بعد ایک
 فریضہ قرار دیا گیا ہے "رِزْقًا حَسَنًا" کے الفاظ گذشتہ رکوع میں بھی آچے
 ہیں۔ وہاں فرمایا تھا کہ تم کھجوروں اور انکھور سے نشہ آور اشیاء اور رزقِ حسن یعنی

لذیذا اور خوشگوار چیز بناتے ہو۔ تاہم یہاں پر رزقِ حسن سے وہ پاک روزی مزد ہے جس کے استعمال سے اچھے اخلاق پیدا ہوں عبادت کی قبولیت بھی حلال روزی پر موقوف ہے۔ صدقہ و خیرات بھی وہی مقبول ہو گا جو حلال مال سے کیا جائے گا۔ خود اپنی ذات پر پاک روزی استعمال کر لیا تو اس کا اچھا اثر ہو گا۔ تمام پاکیزہ اخلاق پاکیزہ روزی سے پیدا ہوتے ہیں اور علمِ معنی سے خبیث اخلاق جنم لیتے ہیں جو انسان کے لیے باعثِ وبال ہوں گے اور اُسے خدا کے غضب کا نشانہ بنا پڑے گا۔

باطنی اور
ظاہری
خریج

اس آیت کریمہ میں مذکور انفاق فی سبیل اللہ کا مسئلہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ خریج کے ظاہری اور باطنی دونوں طریقے درست ہیں اور ان کا انحصار حالات و واقعات پر ہوتا ہے۔ اگر دوسرے کو ترجیح دلانا مقصود ہو تو ظاہری طور پر خریج کم کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات پوشیدہ خریج کم کرنا احسن ہوتا ہے کیونکہ اس میں ریاکاری کا شبہ نہیں رہتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ ایک مومن آدمی دائیں ہاتھ سے اس قدر پوشیدہ خریج کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں ہو تا کہ کیا خریج کیا ہے پوشیدہ خریج کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگاؤ کا عنصر غالب ہوتا ہے اور ظاہر خریج کرنے میں انسانی سوسائٹی کا محاذ ہوتا ہے۔ بہر حال اپنے مقام پر خریج کے دونوں طریقے درست ہیں۔

گو ننگا غلام
اور معاملہ کا دار

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک گونگے غلام اور ایک علیل آزاد شخص کی مثال بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ يَبِئْتِ اللّٰهَ مَثَلًا لِّمَنْ اور اللہ نے مثال بیان کی دو آدمیوں کی۔ اَحَدُهُمَا ابٌ كَرِيْمٌ لَا يَقْدِرُ عَلٰی شَيْءٍ ان میں سے ایک گونگا ہے جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا حتیٰ کہ وہ اپنے دل کی بات بھی دوسرے سے نہیں کہہ سکتا۔ اس قدر ناکارہ اور بے سوتہ ہونے کی بنا پر وَهُوَ كَلٌّ عَلٰی مَوْلَاهُ وہ اپنے صاحب پر

بوجھ بن چکا، اسکا مالک اس سے کوئی خدمت تو لے نہیں سکتا بلکہ اس کی طرف سے نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ اَيْنَمَا يُوَجِّهُهُ لَآيَاتٍ بَخِيْرٍ اُس کا آقا جس کام کی طرف بھی ایسے غلام کو متوجہ کرتا ہے، وہ کوئی بہتر چیز نہیں لاتا یعنی کچھ کام نہیں کرتا۔ بلکہ اُسے ضرب کر کے آتا ہے اور مالک کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے فرمایا اس کے مقابلے میں دوسرا شخص وہ ہے وَ هُنَّ يَامِرُوْنَ بِالْعَدْلِ جوعدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ وہ آزاد ہے۔ بِاِخْتِيَارٍ، خود بھی عامل بالعدل ہے اور دوسروں کو بھی عدل کی وصیت کرتا ہے فرمایا هَلْ يَسْتَوِي هُوَ كَمَا اِلَّا شَخْصٍ اس کے برابر ہے جو غلام بھی ہے اور گونگا بھی، اور کوئی قدرت بھی نہیں رکھتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں آدمی ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ بعینہ کوئی بت یا استھان، جن یا فرشتہ، یا کوئی انسان جسے کچھ اختیار حاصل نہیں، وہ اللہ مالک الملک، با اختیار، نافع اور ضار، قادر مطلق اور متصرف کے برابر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر اللہ کے برابر مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں ہو سکتا تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ ان کے نام کی نذر و نیاز کیوں دیتے ہو؟ مافوق الاسباب ان کو کیوں پکارتے ہو؟ اپنی حاجات ان کے سامنے کیوں پیش کرتے ہو؟ اگر دو اشخاص کی مثال سمجھ آ سکتی ہے تو پھر خالق اور مخلوق کا تفاوت بھی فہم میں آنا چاہیے اور ہر ایک کو اس کے مرتبے کے برابر حیثیت دینی چاہیے نہ تو خدا تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ کو انانوں یا دیگر مخلوق میں ثابت کرنا چاہیے اور زانانوں کی صفاتِ اللہ کی طرف منسوب کرنی چاہئیں۔

غلامی کی تاریخ بہت پرانی ہے یہ انسانی سوسائٹی میں سزاکے طور پر رائج ہوئی۔ جنگ کے دوران دشمن کے جو لوگ گرفتار ہوتے تھے ان میں سے

مردوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈی بنا لیا جاتا۔ غلامی کی یہ لعنت انیسویں صدی میں آکر دنیا سے ختم ہوئی ہے۔ بیٹنی دور سے پہلے ہر چھوٹا بڑا کام افرادی قوت سے لیا جاتا تھا اور اس کا سستا ترین ذریعہ غلام تھے جو مالک کی بلا معاوضہ خدمت کرتے تھے۔ بیٹنی دور میں اکثر کام مشینوں کے ذریعے ہونے لگے اور اس طرح افرادی خدمت کے کام میں کمی واقع ہو گئی۔ اور غلامی کا رواج بھی آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ نزدیک قرآن کے زمانے میں اگر چہ غلامی کو کھیتا ختم نہیں کیا گیا، بلکہ اسے برداشت کیا گیا اور غلاموں کے حقوق بھی ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ مختلف جیلوں بہانوں سے غلامی کا فراج ختم کرنے کی ترغیب دی گئی۔ غلامی کو غیر فطری قرار دیا گیا۔ اور مختلف جرائم کے کفارے کے طور پر غلام کی آزادی کا حکم دیا گیا۔ ان کو مکاتب بنانے کی ترغیب دی گئی اور اس طرح غلامی کے خاتمے کی بنیاد دین اسلام نے رکھ دی۔ اُس زمانے میں غلاموں سے سخت ترین کام لینے کے علاوہ ان سے سخت سلوکی بھی کی جاتی تھی، حتیٰ کہ بعض لوگ محض تفریح کے لیے غلاموں کو سر عام قتل کر دیتے تھے اور اس طرح غلاموں کو انسانیت سے قریب بھی جگہ نہیں دیتے تھے۔

غلاموں کے
حسن سلوک

اسلام میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے ایک موقع پر ابو مسعود انصاریؓ نے اپنے غلام کو بیٹھا ہے تھے۔ حضرت علیؓ کا گزرا ہوا تو فرمایا للّٰهُ اَفْ دُرُّ عَيْنِكَ مِنْ هَذَا یعنی جو قدرت تم کو اس وقت اس غلام پر حاصل ہے، اس سے زیادہ اللہ کو تم پر قدرت حاصل ہے۔ آپ کی اس تنبیہ پر ابو مسعود نے غلام کی پٹائی بند کر دی اور پھر اُسے بالکل آزاد کر دیا۔ ایک اور شخص نے اپنے غلام کو ٹھپس مار دیا، حضرت علیہ السلام سخت ناراض ہوئے تو اس شخص نے فوراً اپنے غلام کو آزاد کر دیا۔ آپ علیہ السلام

نے فرمایا کہ اگر تم سے آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ کی لمپیٹ تم پر پڑتی۔ فرمایا اللہ نے کسی وجہ سے یہ غلام تمہارے ماتحت، کر دیے ہیں، آخر یہ بھی انسان ہیں، تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔ جو خود کھلتے ہو۔ ان کو بھی کھلایا کرو، اور جو خود پسنتے ہو، ان کو بھی پناؤ۔ ان سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ اگر ان کے سپرد کوئی مشکل کام بگاڑ، تو پھر ان کے ساتھ تعاون بھی کرو۔ کام میں ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ بہر حال اسلام نے غلامی کو صرف برداشت کیا، کیونکہ یہ بین الاقوامی رواج تھا۔ انسان فطری طور پر آزاد ہے۔ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر غلاموں کو آزاد کر دیں تو اس میں اسلام کا کیا نقصان ہوگا، بلکہ اسلام تو اس لعنت کو ختم کرنا چاہتا ہے، اور اس کی ابتدا بھی یہیں سے ہوئی۔

قومی غلامی

اشخصی غلامی تو اب پوری دنیا سے ختم ہو چکی ہے، البتہ قومی غلامی کا جو اترتے نظر نہیں آتا۔ معاشی اور فوجی لحاظ سے مضبوط اقوام کی طرف سے کمزور قوموں کو غلام بنانے رکھنے کی مثالیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ انگریزوں نے دو سو سال تک دنیا کی مختلف اقوام کو غلام بنائے رکھا، طاقتور ملک ہمیشہ کمزوروں کو غلام سمجھتے ہیں اور ان پر فوجی دباؤ کے ذریعے اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشی طور پر خوشحال ملک اپنے مالی وسائل کی بنا پر بد حال لوگوں کو اپنی غلامی میں جکڑ لیتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا امریکہ اور روس کی معاشی غلامی کا شکار ہے۔ غریب ممالک کی تمام اقتصادی پالیسیاں امیر ملکوں کے ہاتھ میں ہوتی ہیں اور وہ اس قدر بے بس ہوتے ہیں کہ امیر ملکوں کے بغیر ایک قدم آگے نہیں چل سکتے۔ ایسے ملک اپنی تہذیب بھی کھو بیٹھے ہیں اور تہذیبی لحاظ سے بھی امیر ملکوں کے غلام ہو جاتے ہیں۔ ان کا لباس وضع قطع، طور و اطوار حتیٰ کہ ان کی سوچ بھی اسی غلامی کا شکار ہو جاتی ہے جو کسی قوم کے لیے انتہائی بد قسمتی کی بات ہے۔ اسی بات کو ڈاکٹر اقبال نے اپنے الفاظ میں یوں کہا تھا۔

غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر
انگریز نے ہم پر جس قسم کی غلامی مسلط کی، اس کے نتیجے میں ہمارے لوگوں کے
خیالات بہت ہی گھٹیا ہو گئے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی پالیسی تہذیب اور
عمل نہیں رہا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اپنے آقاؤں کی طرف ہی دیکھتے رہتے ہیں کہ ان
کی خوشنودی کیسے حاصل ہو۔

خلاصہ کلام

بہر حال اللہ تعالیٰ نے آزادی اور غلامی کا مسئلہ مثال کے ذریعے سمجھا دیا
ہے۔ ایک طرف ایک غلام اور گونگا بہرہ آدمی ہے جو کچھ اختیار نہیں رکھتا
ہر کام خراب کر کے آتا ہے اور اپنے آقا پر بوجھ ہے۔ دوسری طرف
ایک آزاد ہے جو خود مختار ہے، خود بھی عدل و انصاف پر قائم ہے، اور
اسی کا حکم بھی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
کہ سیدھے راستے پر بھی یہی شخص ہے۔ پھر بھلا ایک غلام اور آزاد شخص کیسے
برابر ہو سکتے ہیں؟ یہی حال ایک مشرک اور موحد کا ہے مشرک آدمی کسی قبر
پر جائے گا، کوئی رسم اختیار کرے گا۔ اپنا دین خراب کرے گا۔ جہاں جائے
گا، خرابی ہی لے کر آئے گا۔ اس کے برخلاف موحد آدمی اپنے ایمان پر مضبوط
رہے گا۔ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کا طلبگار ہوگا، اس کے
بنائے ہونے صراطِ مستقیم پر گامزن ہوگا۔ تو فرمایا مشرک اور موحد بھی برابر نہیں
ہو سکتے۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

النحل ۱۶
آیت ۷۹، ۸۰

ربما ۱۳
درس بتم ۲۰

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ
اِلَّا كَلِمَةٍ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ
اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ
السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۰﴾
اَلَمْ يَرَوْا اَنَّ الْطَيْرَ مُسَخَّرٰتٍ فِىْ جَوِّ السَّمَاءِ
مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ :- اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں پوشیدہ چیزیں
آسمانوں اور زمین کی ۔ اور نہیں ہے معاملہ قیامت کا مگر
جیسا کہ ایک نگاہ کا پلٹنا یا اس سے بھی زیادہ قریب
بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۷۹﴾ اور
اللہ تعالیٰ نے نکالا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے
تم نہیں جانتے تھے کچھ بھی ۔ اور بنائے اس نے تمہارے
لیے کان ، آنکھیں اور دل ، تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۸۰﴾ کیا ان
لوگوں نے نہیں دیکھا پرندوں کی طرف جو مسخر کیے ہوئے
ہیں آسمان کی فضا میں ۔ نہیں روکتا ان کو اللہ کے سوا

کوئی بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ﴿۹﴾

ربط آیات

گذشتہ دروس میں اللہ نے شرک کی تردید میں بعض دلائل اور مثالیں بیان فرمائیں۔ ایک مثال یہ بیان فرمائی کہ ایک شخص غلام بھی ہے اور گونگا بھی۔ وہ بالکل نکما ہے، جو کبھی کام اس کے سپرد کیا جائے وہ کوئی اچھا نتیجہ پیش نہیں کرتا اور اس طرح اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے۔ دوسری طرف ایک آزاد اور مؤمن آدمی ہے اور خود بھی عدل و انصاف پر قائم ہے اور دوسروں کو کبھی اسی کی تلقین کرتا ہے۔ یہ شخص اللہ کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر ہے تو اللہ نے ان دو شخصوں کا حال بیان کر کے فرمایا کہ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یہی مثال ایک مشرک اور موحد کی ہے۔ جس طرح مذکورہ دو شخص برابر نہیں، اسی طرح مشرک اور توحید پرست برابر نہیں۔ ان دونوں میں فرق ہے مؤمن اور مشرک میں تفاوت دراصل ہر آدمی کی استعداد اور عمل میں تفاوت کی وجہ سے ہے۔ بظاہر تو سارے انسان برابر نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو اعضائے ظاہرہ اور باطنہ سے نوازا ہے، مگر ہر انسان کے ہر عضو کی استعداد مختلف ہے جس کے مطابق وہ عمل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ انسان ظاہری آنکھ سے دوسرے کے ظاہر کو تو دیکھ سکتا ہے مگر اس کے دل کی کیفیت کو نہیں جان سکتا۔

۷۔ نگاہ بانگاہ امیرہ داوی دل از دل جدا کر دی

اللہ نے آنکھوں کو آنکھوں کے ساتھ تو مشابہت دیدی ہے مگر دل کو دل سے جدا کر دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کا حال معلوم نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ ہر انسان کی استعداد، عمل اور پھر اس سے اخذ ہونے والے نتیجے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہی اپنے علم کے مطابق ہر شخص کو بدلہ دے گا۔ مخلوق میں سے کوئی ذات ایسی نہیں جو کسی کے تغیبی حالات سے

استعداد
عمل اور جزا

واقف ہو۔ آج کی پہلی آیت کریمہ میں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوا ہے وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں۔ جو چیزیں بھی انانوں جنوں اور فرشتوں سے پوشیدہ ہیں، ان کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ پوری مخلوق میں سے کوئی بھی ان کے علم کا دعویٰ نہیں کر سکتا دراصل ایسے مواقع پر غیب کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر انانوں یا دوسری مخلوق کی نسبت سے کیا جاتا ہے یعنی جو چیزیں مخلوق سے پردہ غیب میں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں، وگرنہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی غیب نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی نگاہ میں ہے۔ سورۃ یونس میں موجود ہے: وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ شَيْءٍ اِنَّكَ تَرَاهُ۔ اور کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ تو عالم الغیب والشہادۃ کا یہی مطلب ہے کہ مخلوق کی نسبت سے جو چیزیں بھی ظاہر ہیں۔ یا پوشیدہ، محسوسات میں سے ہیں غیر محسوسات میں سے، ہر چیز خدا تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ سورۃ الملک میں اس بات کو رد کرنا مذکور ہے: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللّٰطِيفُ الْخَبِيْرُ کیا کائنات کو وہی نہیں جانے لگا جس نے اُسے پیدا کیا، حالانکہ وہ لطیف (باریک بین) بھی ہے اور ہر چیز کی خبر بھی رکھتا ہے۔

عالم الغیب والشہادۃ ہونا اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے ہے اگر کوئی شخص مخلوق میں سے کسی میں یہ صفت تسلیم کرے گا تو وہ مشرک بن جائے گا۔ جس طرح اللہ کے سوا قادر مطلق کوئی نہیں۔ اسی طرح اس کے سوا عالم الغیب بھی کوئی نہیں۔ ہر انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اس

کی روح اور اُس کے لطائف ہیں، اُس کا نفسِ ناطقہ ہے۔ ان ظاہری اور باطنی قوتوں کی استعداد کو بھی اللہ ہی جانتا ہے۔ ہر شخص کے عمل سے بھی وہی واقف ہے۔ لہذا وہ اپنے اسی علم اور مخلوق کے عمل کی بنا پر ہر ایک کو بدلہ بھی عطا کرے گا۔

قیامت کی
چانک آمد

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ہی کے تسلسل میں یہ بھی فرمایا کہ وقوعِ قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ قِيَامَتِ كَالْمَعَالِمِ تَوَالِيهِ كَرِيهٍ أَمْحَ جَعَلْتُمْ فِيهِ وَقِعًا يَوْمَ يَأْتِي بَلَدًا أَهْلًا بِكُلِّ بَلَدٍ بَاتٍ هِيَ، قِيَامَتِ اس سے بھی پہلے برپا ہو جائیگی۔ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے حضور علیہ السلام نے وقوعِ قیامت کے متعلق کہی ایک باتیں بتلائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے، کسی نے کھانے کا لقمہ اٹھایا ہو گا اور ابھی وہ منہ تک نہیں لے جائیگا کہ قیامت کا بگل بج جائے گا۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً یہ اچانک ہی تمہارے پاس آجائے گی۔ اس کے لیے الْآتِ آتِبِلْ تَمَسَّحِي کے الفاظ قرآن پاک میں بار بار آتے ہیں کہ وہ اپنے مقررہ وقت پر ضرور واقع ہو جائے گی اور پھر اس کے بعد جزائے عمل کا وقت آنے کا یَوْمَ تَبْلُغُ السَّرَّابِ (الطارد) اس دن پوشیدہ چیزیں ظاہر ہو جائیں گی اور محاسبے کا عمل شروع ہو جائے گا۔ ہر انسان کو اپنی استعداد اور عمل کے مطابق بدلہ ملے گا جو کہ ہر ایک کے لیے جدا جدا ہو گا۔ آج کوئی نبی، ولی، جن، فرشتہ یا کوئی اور مقرب اس کیفیت کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ یہی حال انسان کی انفرادی زندگی کا بھی ہے۔ اس کے وقت کا علم بھی کسی کے پاس نہیں اور یہ بھی اچانک آجاتی ہے۔ حادثات بھی پیش آجاتے ہیں۔ بیماری میں بھی صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون اٹل ہے کہ جب وہ وقت مقررہ آجاتا ہے لَا يَسْتَأْخِرُونَ

سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُ مَوْتٌ“ تو پھر ایک گھڑی بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا بلکہ عین وقت پر موت آجاتی ہے۔ ہر فرد کی موت قیامتِ صغریٰ کہلاتی ہے اور کائنات کی مجموعی موت کو قیامتِ کبریٰ کا نام دیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے ”مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ“ جو شخص مر گیا، اُس کی قیامت تو برپا ہو گئی کیونکہ وہ جزائے عمل کی منزل میں داخل ہو گیا۔ موت کے بعد قبر کی منزل ہے، عالم برزخ ہے۔ پھر وقوعِ قیامت اور محاسبے کا پورا عمل واقع ہونے والا ہے۔ یہ ساری منزلیں آخرت کی منزل کی کڑیاں ہیں۔

قبر کی
منزل

انفرادی موت کے بعد انسان کو سب سے پہلے قبر کی منزل آتی ہے حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ عقبیٰ کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے اور اس کا معاملہ نسبت خطرناک ہے۔ اگر قبر کی منزل آسان ہوگی تو انا والہ اللہ آگے کی منزلوں میں بھی آسانی ہوگی۔ اور ہمیں مشکل پیش آگئی تو اگلی منزلیں مزید مشکل ہو جائیں گی۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ قبرستان میں بیچ کر بہت روتے تھے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ دوستوں نے پوچھا، حضرت! آپ قبور کی زیارت پر بہت گریہ کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے یہی بات فرمائی کہ آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے اگر یہ آسان ہوگی تو اگلی منزلیں بھی آسان ہوتی جائیں گی، وگرنہ معاملہ بڑا مشکل ہے۔

انسان کے
ذرائع علم

آگے اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش اور پھر اُس پر کیے گئے انعامات کا ذکر کر کے اُسے شکر یہ ادا کرنے کی تلقین کی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُونِ اُمَّهَاتِكُمْ اللّٰهُ كَمَا يَشَاءُ وَهُوَ عَزِيزٌ عَلِيمٌ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا، یعنی تمہیں پیدا کیا۔ اور اس وقت تمہاری حالت یہ تھی لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا کہ تمہیں کسی چیز کا علم نہیں

تھا۔ تم اس دُنیا میں بالکل اجنبی تھے مگر اللہ نے تمہارے لیے ذرائع علم پیدا کیے اور وہ اس طرح وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ کہ تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل پیدا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو کان عطا کیے ہیں تاکہ اگر کسی ایک میں خرابی واقع ہو جائے تو دوسرے سے کام چلایا جاسکے۔ کان اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو انسان نہ کچھ سُن سکتا، نہ دیکھ سکتا اور نہ بول سکتا۔ ظاہر ہے کہ چھوٹا بچہ اپنے ماحول سے سُن کر ہی باتیں کرنا سیکھتا ہے۔ اگر وہ کوئی بات سنے گا نہیں تو اُسے بات کرنی کیسے آئے گی، اسی لیے جو بچے پیدائشی گونگے ہوتے ہیں وہ دراصل کانوں کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں حالانکہ اُن کی زبان بالکل ٹھیک ہوتی ہے۔ مگر وہ نہ سننے کی وجہ سے بات سیکھتے ہی نہیں، لہذا وہ گونگے بھی ہوتے ہیں بہرے بھی۔

اسی طرح آنکھیں بھی بہت بڑی نعمت ہیں۔ آنکھ کی قدر نابینا سے پوچھیے جس کے لیے سارا جہاں گھپ اندھیر ہے۔ آنکھ نہیں تو کچھ بھی نہیں بیچارہ پڑھنے لکھنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ کسی چیز کی سچھت کو نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ جس کی بنا پر اُسے اشیا کا مکمل علم حاصل نہیں ہو سکتا پھر انسان کا دل اس کے جسم کا مرکز ہے۔ اس کے ساتھ دماغ شامل ہو کر ہر کام میں غور و فکر کرتا ہے۔ غور و فکر دماغ کے ذریعے ہوتا ہے اور عقلی اقدام دل کی وساطت سے ہوتا ہے۔ غور و فکر کے معاملہ میں اللہ کے آخری پیغام قرآن پاک کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسی لیے تو سورۃ محمد میں اللہ نے فرمایا ہے أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَوْا فَتَلَوْنَ أَقْفَالُهَا یہ لوگ قرآن پاک میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر آئے پڑے ہیں۔ غرضیکہ انسان کا دل بھی اُس کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان تین اہم ترین چیزوں یعنی کان، آنکھ اور دل کا ذکر کر کے انسان کو یاد دلایا ہے کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے، ہم نے یہ نعمتیں عطا کر کے تمہیں علم کے ذرائع مہیا کر دیے کہ ان کو بروئے کار لا کر علم جیسی عظیم نعمت حاصل کرو لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ اور میرا شکر ادا کرو۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کانوں سے قرآنِ پاک امد وین کی باتیں سنی جائیں، نہ کہ فحش گلے سماعت کیے جائیں آنکھوں سے قرآنِ پاک کی تلاوت کی جائے۔ اچھی کتابیں پڑھی جائیں۔ شعاثر اللہ کی زیارت کی جائے، نہ کہ ٹیلیوژن پر فحش مناظر دیکھے جائیں۔ آنکھ کی حفاظت پر اللہ اور اس کے رسول نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ شرم و حیا کے تقاضے آنکھ کے ذریعے ہی پورے کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا دل ہے جو نیکی پر بھی مائل ہو سکتا ہے اور برائی پر بھی۔ یہ مظلوم کی مدد کے لیے بھی کھڑا کر سکتا ہے اور کسی کی حق تلفی کے لیے بھی آمادہ کر سکتا ہے۔ دل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کر کے اس کی وحدانیت کو سمجھنا چاہیئے، تو یہ تینوں نعمتیں اللہ نے عطا فرمائیں تاکہ اس کا شکر ادا کرو۔

بعض لوگ معاش کے مسئلہ کو بہانا بنا کر اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم روزگار کے مسئلہ میں ہی الجھے رہتے ہیں۔ اس لیے ہم کوئی نیکی کا کام نہیں کر سکتے، عبادت اور ریاضت کی طرف توجہ نہیں دے سکتے اور نہ ہماری علمی یا دماغی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اللہ نے معاش کا مسئلہ ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے أَوْ كَعُرَيْنَ وَإِلَى الطَّيْرِ مُسْتَحْسِنَاتٍ فِي جَبْوِ السَّمَاءِ کیا ان لوگوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا۔ جن کو اللہ نے فضا میں مسخر کیا، چلے۔ وہ جب بھر چاہتے ہیں اڑتے پھرتے ہیں اور کشش ثقل انہیں گرا نہیں دیتی۔ البتہ جب وہ خود چاہتے ہیں تو زمین پر اتر جاتے ہیں۔ فرمایا مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ فضا میں

اللہ کے سوا انہیں تھامنے والا کون ہے۔ سورۃ الملک میں اِلَّا الرَّحْمٰنُ کے الفاظ آتے ہیں، یعنی انہیں کھکی فضاؤں میں تھامنے والا صرف رحمان ہی ہے۔ پرندے اپنے پروں کو پھیلاتے اور سیکڑتے ہوئے دور دور تک چلے جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے اڑان کے راستے آسان کر دیے ہیں اور سینکڑوں میل کا سفر آسانی طے کر لیتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں آگے ہے کہ پرندے صبح سویرے خالی پیٹ اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں، اگر تم پرندوں جتنا توکل بھی کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی ویسے ہی روزی پہنچاتا جس طرح ان پرندوں کو پہنچاتا ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ انسان پرندوں جیسا توکل بھی نہیں رکھتا۔ اگر انسان اللہ کے احکام کے مطابق اپنے فرائض کو بجالائے اور روزی کے جائز ذرائع استعمال کرے تو اللہ اُسے مایوس نہیں کرے گا۔ اسباب رزق بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے، لہذا ان اسباب کو اختیار کرنے کے بعد اسباب کی بجائے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی کرنا چاہیے کیونکہ وہ چاہے گا تو اسباب میں اثر پیدا ہوگا، ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی یہ مثال بیان کر کے توحید خداوندی کا درس دیا ہے۔

فَمَا يَأْتِي فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ اس قسم کی مثالیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور معاد پر یقین رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان سے خالی ہیں ان کے لیے یہ مثالیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ بزودہ اللہ کو صحیح طور پر پہچانتے ہیں اور نہ اسکی اطاعت کرتے کرتے ہیں، برخلاف اس کے جانور، پرندے، چرندے، کیڑے مکوڑے شجر و حجر سب اللہ کے اطاعت گزار ہیں اور اس کے حکم سے سر ہوا و خراف نہیں کرتے، مگر انسانوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو اللہ کا نافرمان ہے

بلکہ اکثریت ناشکر گزاروں کی ہے اور بہت کم لوگ ہیں جو اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ
لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْاَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا
يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا
وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا اِثْنَا وَاَمْتًا اِلَى حِينٍ ﴿۸۰﴾
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلًّا وَجَعَلَ
لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ
تَقِيْكُمْ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيْكُمْ بَاسَكُمْ كَذٰلِكَ
يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَّا عَلَيْنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾
يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يَنْكُرُوْنَهَا وَاكْثَرَهُمْ
الْكَافِرُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ :- اور اللہ نے بنائی ہے تمہارے لیے تمہارے
گھروں میں سے سکونت کی جگہ۔ اور بنائے ہیں تمہارے لیے
موشیوں کی کھالوں سے گھر، جن کو تم ہلکا خیال کرتے ہو کچ
ٹوے دن اور قیام والے دن۔ اور ان کی اون، پشم اور بالوں
سے طرح طرح کا سامان اور فائدہ اٹھانے کی چیز ایک وقت
بیک (۸۰) اور اللہ نے اپنی تخلیق میں سے تمہارے لیے سایہ

بنایا ہے اور تمہارے لیے پہاڑوں میں غار بنائے ہیں۔ اور اس نے تمہارے لیے قیصیں بنائی ہیں جو بچاتی ہیں تمہیں گرمی سے، اور قیصیں جو بچاتی ہیں تمہیں لڑائی سے اسی طرح اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے اپنی نعمت تم پر، تاکہ تم فرمانبردار ہو جاؤ (۸۱) پس اگر روگردانی کی ان لوگوں نے پس بیشک آپ پر کھول کر بیان کر دینا ہے (۸۲) پچھتے ہیں یہ اللہ کی نعمت کو، پھر انکار کرتے ہیں اس کا، اور اکثر ان میں کفر کرنے والے (نافرمان) ہیں (۸۳)

یہ آیات

شُرک اور مشرکین کے رد کے بعد اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کی طرف اشارہ کیا۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کے تمام مخفی حالات سے صرف اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے جو کائنات کی تمام مخفی چیزوں کو جانتا ہے قیامت کو بھی اپنے وقت پر وہی برپا کرے گا۔ انسان قیامت کے وقت کے متعلق کچھ نہیں جانتے، اور وہ اچانک ہی آئے گی۔ انسان کی انفرادی موت بھی اچانک ہی واقع ہو جاتی ہے کوئی شخص اُس کے وقت اور مقام کو نہیں جانتا۔ گویا قیامتِ صغریٰ اور قیامتِ کبریٰ میں اس لحاظ سے مناسبت ہے۔

پھر اللہ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کے دلائل کا ذکر کیا۔ پہلے انسان کے جسم میں موجود بڑی بڑی نعمتوں کو یاد دلایا۔ پھر پھندوں کو جو میں تقاضے کا بیان ہوا کہ یہ بھی اللہ ہی کی قدرت کا شاہکار ہے۔ فرمایا یہ ایمان والوں کے لیے نشاناتِ قدرت ہیں جن میں غور کر کے وہ اللہ کی قدرت اور اس کی حکمتِ باعث کو سمجھ سکتے ہیں۔

اب آج کے درس میں بھی اللہ نے انسان پر کیے گئے بعض انعامات کا ذکر کر کے انہیں اپنی قدرت اور وحدانیت کی دلیل بنایا ہے ابرشاد ہوتا ہے

گھر، ذریعہ سکون

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِكُمْ سَكَنًا اور اللہ نے تمہارے
یہ تمہارے گھروں کو سکونت کی جگہ بنایا ہے سکنائے سکون اور سکون
دونوں مادے ہیں۔ اگر یہ سکون کے مادہ سے ہو تو مطلب ہے کہ ایسی جگہ
جہاں تم سکونت یعنی رہائش اختیار کرتے ہو اور سکون کے مادہ سے ہو تو مطلب
ہوگا سکون یعنی آرام کھڑنے کی جگہ۔ سورۃ الانعام میں رات کے متعلق بھی فرمایا
جَعَلَ الْبَيْتَ لَكُمْ سَكَنًا اُس نے تمہارے لیے رات کو آرام و سکون
کا ذریعہ بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ تمام جائزہ روزانہ بھر روزی کی تلاش میں مشقت
کے تھک ہار جاتے ہیں تو پھر انہیں اپنی تحلیل شدہ قوتوں کو بحال کرنے
کے لیے آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو انہیں رات کے سناٹے میں حاصل
ہو جاتا ہے اور وہ اگلے دن کی مشقت کے لیے پھر تیار ہو جاتے ہیں۔
عربی زبان میں کہتے ہیں مَعْلَمًا عَلَا لَكَ وَ اَطْلَمًا جو چیز تمہارے
اوپر سایہ افکن ہوتی ہے اُسے ساء کہتے ہیں اور اس کا اطلاق چھت پر بھی ہوتا
ہے کہ یہ بھی انسان کے سروں سے اُپر ہوتی ہے۔ پھر فرمایا كَلِمًا
اَقْلَمًا جو چیز تمہیں اٹھاتی ہے، وہ زمین ہے۔ اس پر قدم رکھ کر انسان
چلتا پھرتا ہے، اگر یا زمین اُسے اٹھانے ہوئے ہے۔ اور جو چیز انسان کو
ارد گرد سے پرے کی صورت میں گھیرتی ہے وہ جبار یعنی دیوار ہے
یہ قینوں چیزیں یعنی زمین چھت اور دیواریں مل جائیں تو مکان معرض وجود میں
آجاتا ہے، جس کا ذکر اللہ نے اس آیت کریمہ میں بطور احسان فرمایا ہے
حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ خوراک پانی، لباس اَوْ قِيَمًا كَيْسْكُنُوْهُ
اور سکون پکڑنے کی جگہ مکان، انسان کی بنیادی ضروریات ہیں جو ہر انسان کو
بلا لحاظ مذہب و ملت اور رنگ و نسل حاصل ہونی چاہیے۔ موجودہ زمانے میں
ان میں دو مزید چیزیں شامل کر دی گئی ہیں یعنی تعلیم جس کے ذریعے انسان
اپنے فرائض کو پہچان سکے اور صحت۔ ان چھ بنیادی ضروریات کو یونیسکو

(UNESCO) بھی تسلیم کرتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے صَلَّابِ
 الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ یعنی ہر مرد و زن
 پر اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے جس کے ذریعے وہ اپنے فرائض ادا کر سکے۔ چونکہ
 فرائض کی ادائیگی صحت و تندرستی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لہذا یہ بھی بنیادی ضرورت
 شمار کی گئی ہے۔ چنانچہ آج کی دنیا میں بھی کامیاب حکومت وہی تصور ہوتی ہے
 جو اپنے باشندوں کو بنیادوں ضروریات مہیا کرے۔ ملک میں کوئی بھوکا پیاسا نہ
 ہو۔ ہرنیک و بد کے لیے خوراک اور پانی لازمی ہے جس کے بغیر وہ زندہ
 نہیں رہ سکتا۔ مکان اور لباس بھی ضروری ہے اگرچہ وہ ادنیٰ قسم کا ہی ہو شادی
 جوڑے کے لیے تو مکان کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔ حدیث میں اسکی
 تصریح ہے کہ اگر کوئی مکان کا بندوبست نہیں کر سکتا تو اس کی شادی بھی ممکن
 نہیں۔ کم از کم اتنا مکان تو ہونا چاہیے جس میں وہ اپنے اہل و عیال سمیت
 گزارہ کر سکے۔ بہر حال اس مقام پر اللہ نے مکان جیسی بنیادی ضرورت کا ذکر
 کیا ہے۔ عام طور پر مکان مٹی گارے اور اینٹ پتھر کے ہوتے ہیں۔ تاہم یہ
 خیموں کی صورت میں بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ قدیم زمانے میں ہوتے تھے۔
 اور جس کا ذکر آگے آ رہا ہے، بہر حال گرمی، سردی اور بارش وغیرہ سے بچاؤ
 کے لیے مکان ضروری ہے جسے اللہ نے یہاں پر الفام کے طور پر ذکر فرمایا ہے
 مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لفظ سَكَنًا سے یہ بات بھی سمجھ
 میں آتی ہے کہ گھر کا مقصد آرام حاصل کرنا ہے اور گھر وہی اچھا ہوگا جس میں
 آکر انسان کو آرام و راحت حاصل ہو۔ اگر انسان کو گھر میں داخل ہو کر سکون
 نصیب نہیں ہوتا تو اس کی عالیشان بلڈنگ بھی بیکار محض ہے جو کہ مکان
 کے مقصد کو پورا نہیں کرتی۔ منہ احمد کی روایت میں آتا ہے کہ دنیاوی لحاظ
 سے سعادت مند شخص وہ ہے جسے اچھا گھر، اچھی بیوی اور
 اچھی سواری میسر ہو۔ اگر یہ تینوں چیزیں ناموافق ہوں، یعنی مکان میں گرمی، سردی

اور بارش سے بچاؤ کا انتظام نہ ہو، بیوی مرضی کے خلاف ہو، اور سواری بھی تنگ کرتی ہو، تو ایسا شخص دنیاوی لحاظ سے شقی ہو گا۔ بہر حال مکان بکومت اور آرام کے لیے ہے اور انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے۔

نزولِ قرآن کے زمانے میں گھر کے طور پر چمڑے کے حصے عام استعمال ہوتے تھے۔ اکثر لوگ خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔ جہاں خوراک اور پانی میسر آیا وہاں خیمے لگا کر رہائش اختیار کر لی، یہ ذخیرہ ختم ہو گیا تو آگے چلے جیے عام مکان کا ذکر کرنے کے بعد آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے خاص طور پر خیموں کے گھروں کا ذکر فرمایا کہ اس کا تم پر یہ بھی احسان ہے وَجَعَلْ لَكُم مِّنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا اُس نے تمہارے لیے مویشیوں کی کھالوں سے گھر بنائے۔ اور یہ ایسے گھر ہیں تَسْتَخْفِرُ فِيهَا کہ تم انہیں ہلکا خیال کرتے ہو يَوْمَ ظَعْنِكُمْ سفر کے دن وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ اور اپنے قیام کے دن۔ ظاہر ہے کہ اینٹ پتھر کا مکان تو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا، البتہ کپڑے، پلاسٹک یا کھال کا خیمہ تو آسانی سے ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جایا جاسکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ خیمے کا گھر تم دورانِ سفر بھی ہلکا خیال کرتے ہو، کہ آسانی ہانور پر لاوا جاسکتا ہے اور دوسری جگہ آسانی سے قائم بھی کیا جاسکتا ہے گویا اقامت بھی آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ ہم چالیس آدمی ایک موقع پر حضور علیہ السلام کے ساتھ چمڑے کے خیمے میں مقیم تھے اور آپ نے وہاں ایک خوشخبری بھی سنائی، ترمذی نے بِعَن کی روایت میں آتا ہے کہ گرم موسم میں سفر کے دوران افضل صدقہ ظِلٌّ فَسَطًا یعنی سایہ مہیا کرنا ہے اور کسی نے غازیوں اور مجاہدین کے لیے خیمہ کا بندوبست کر دیا تو یہ اس کے لیے بہترین صدقہ ہو گا۔ پرانے زمانے میں خیموں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ آج کے دور میں بھی فوجی اہل عمل

چمڑے کے خیمے

کے دوران خیموں سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایام حج میں منیٰ اور عرفات کے میدانوں میں خیموں میں ہی قیام کیا جاتا ہے اور ہمیشہ کیا جاتا ہے گا۔ ہر سال دنیا بھر میں خیمہ لہتی کا یہ سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ جہاں تک خیموں کی ساخت کا تعلق ہے، اللہ نے فرمایا کہ چمڑے کے علاوہ وَمِنْ أَصْنَؤِهَا یہ جانوروں کی اڈن سے بھی تیار سمیتے ہیں۔ بھیڑوں کی اڈن اس مقصد کے لیے نہایت کارآمد ہے۔ وَكَؤُوبَارِ رکھنا یہ جانوروں کی پشم سے بھی تیار ہوتے ہیں۔ اڈنوں کا پشم نیچے بنانے کے کام آتا ہے وَاسْتَعَارَهَا اور ان کے بالوں سے بھی۔ لہجری کے بال بھی خیمہ بنانے کے کام آتے ہیں۔ فَرَمَا اِثْنَا اَنْ سے تم طرح طرح کے سامان تیار کرتے ہو۔ سینے، اڈن سے اور بچھانے کے لیے کپڑے جانوروں کے بالوں اور اڈن وغیرہ سے ہی تیار ہوتے تھے وَمَتَاعًا اڈن میں اللہ نے مدت مقررہ تک تمہارے لیے فائدے کا سامان رکھا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔

اگے اللہ نے ایک اور نعمت کا ذکر کیا ہے وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلًّا اللہ نے اپنی تخلیق کردہ اشیاء میں سے تمہارے لیے سائے بھی بنائے۔ دھوپ اور گرمی میں سایہ بہت بڑی نعمت ہے کہیں درختوں کا سایہ، کہیں پہاڑوں کا اور کہیں عمارت کا سایہ مہیا فرمایا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ان اور جانور بڑی مشقت میں مبتلا ہوتے خاص طور پر بادلوں کا سایہ تو بہت ہی خوشگوار ہوتا ہے صحرائے سینا میں بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ نے بادلوں کے سایہ کا خصوصی انتظام فرمایا تھا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے، اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دو لعنت والی چیزوں سے بچو ان میں سے ایک سایہ ہے اور دوسرا شامِ عام۔ فرمایا ان دو جگہوں پر بول دو برا ذکر ناباعث لعنت ہے کیونکہ سایہ لوگوں کے آرام کرنے کی جگہ ہے

سایہ کی
نعمت

اور اگر وہاں گندگی ہوگی تو ان کے آرام میں خلل واقع ہوگا۔ اسی طرح عام راستے پر بھی گندگی ہوگی تو مسافروں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا، لہذا ان دو جگہوں پر بول و بلاز کر کے لعنت کے مستحق نہ بنو۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں سے سایہ بھی ایک نعمت ہے۔

وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَاكًا وَرَفَعَ لَكُمْ سُدُورًا
پہاڑوں میں غار بنائے۔ غار بھی انسانوں کو بارش یا دھوپ سے محفوظ رکھتے ہیں۔ دشمن کا خوف ہو تو غاروں میں پناہ لی جاتی ہے۔ تو اللہ نے پہاڑوں کی غاروں کو بھی اپنی نشانی اور انسان کے لیے نعمت قرار دیا۔

آگے ایک اور نعمت کا تذکرہ فرمایا۔ وَجَعَلَ لَكُمْ سُرَابِیْلًا
اور تمہارے لیے قمیصیں بنائیں تَقِيْكُمْ الْحَرَّ جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ قمیص ان کو گرمی اور سردی دونوں سے بچاتی ہے مگر یہاں پر سردی کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ معترضین یہ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن کے اولین مخاطبین صحرا لے عرب کے لوگ تھے، جہاں گرمی ہی بڑی تھی ہے۔ وہ لوگ سردی سے جہاں مانوس نہیں تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف گرمی کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ نے ایسی قمیصیں بنائیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کے ابتدائی حصے میں موسیٰ کے تذکرہ میں وَفِیْہِمْ کَاذِبٌ کا ذکر کیا ہے کہ ان میں تمہارے لیے گمراہی کا سامان ہے۔ ظاہر ہے کہ سردی کے موسم میں کبیل، شال اور نئی لباس کی ضرورت ہوتی ہے جو جانوروں کے پشم اور بالوں سے تیار ہوتے ہیں۔ چونکہ وہاں پر سردی سے بچاؤ کا ذکر ہو چکا ہے، اس لیے یہاں پر صرف گرمی سے بچاؤ کا بیان آیا ہے۔

فرمایا، اس کے علاوہ وَسُرَابِیْلًا تَقِيْكُمْ بِأَسْفَلِہِمْ
ہم نے ایسی قمیصیں بھی بنائی ہیں جو تمہیں جنگ میں بچاتی ہیں۔ اس قمیص سے

بچاؤ کی
قمیصیں

مرد لوہے کی زرہ بکتر ہے جو لوگ دشمن کے دار سے محفوظ رہنے کے لیے پہنتے تھے۔ موجودہ زمانے میں بکتر بند گاڑیاں ایجاد ہو چکی ہیں جو پہنے سواروں کو دشمن کی گولہ باری سے محفوظ رکھتی ہیں سر پر خود پہننے میں بھی یہی مصلحت ہے کہ انسان کسی ممکنہ چوٹ سے بچ سکے خود حضور علیہ السلام نے زرہ کا استعمال کیا ہے، چنانچہ احد کے روز آپ نے اوپر نیچے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ اس قسم کے حفاظتی اقدام عالم اسباب کا لازمی حصہ ہیں اور انہیں اختیار کرنا چاہیے اس کے باوجود تکلیف و راحت تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ جنگ احد میں ان تمام حفاظتی تدابیر کے باوجود مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔

فرمایا كَذَلِكَ نَبِيَّتُمْ نِعْمَتُهُ عَلَيْكُمْ اِسى طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرے لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ تاکہ تم فرمانبردار بن جاؤ۔ مکان، لباس، خوراک، سایہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں۔ اسی طرح بارش بھی اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر بہت بڑا احسان ہے تو لوگوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کا شکر یہ ادا کریں۔ اور اس کی فرمانبرداری کریں

فَاِنْ تَوَلَّوْا اَوْ پھر بھی اگر یہ لوگ رد گردانی کریں پوری طرح سمجھانے کے باوجود راہ راست پر نہ آئیں، تو اے پیغمبر علیہ السلام فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْعَبِيْنُ اے آپ کے ذمے تو کھول کر بیان کر دینا ہے۔ حق و باطل کو واضح کر دینا ہے۔ اگر یہ آپ کی بات کو نہیں مانیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ خود ان سے منٹ لیگا۔

فرمایا حقیقت یہ ہے يٰعِبْرٰتُ لِيْلَهُمْ نِعْمَةٌ لِّلّٰهِ كَرِيْمٌ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو خوب پہچانتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تمام نعمتیں عطا کرنے والا فقط وحدہ لا شریک ہے۔ اس کے باوجود تَمْرِيْتُ كُرُوْنَهَا ان نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں یعنی ان کا شکر یہ ادا نہیں کرتے۔ اور یہ ایسے لوگ ہیں وَاَكْثَرُهُمْ الْكٰفِرُوْنَ کہ ان کی اکثریت کفر کرنے

والوں پر مشکل ہے۔ ان میں سے بعض تو حقیقی کافر ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
کی انکار کرتے ہیں اور انہوں نے طرح طرح کے شرک بنا رکھے ہیں اور
سوائے باطل پر ہی اڑے ہوئے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو حقیقی کافر تو نہیں
مگر انعامات الہیہ کی ناشکری کر کے کفر ان نعمت کے مرتکب ہوئے ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا
 يُعْذَبُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۴﴾
 وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفِّفُ
 عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ
 اشْرَكُوا شُرَكَاءَ هُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَائُنَا
 الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ، فَاَلْقُوا إِلَيْهِمُ
 الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۶﴾ وَالْقَوْلَ الْحَقَّ لِلَّهِ
 يَوْمَ يَذُنُ السَّلَامَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا
 يَفْتَرُونَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ :- اور جس دن ہم کھڑا کریں گے ہر امت سے
 گواہ - پھر نہیں اجازت دی جائے گی اُن لوگوں کو جنہوں نے
 کفر کیا ، اور نہ اُن کو ماننے کا موقع دیا جائے گا ﴿۸۴﴾ اور
 جب دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے ، عذاب
 کو ، پس نہیں تخفیف کی جائے گی اُن سے اور نہ اُن کو ڈھیل
 دی جائے گی ﴿۸۵﴾ اور جب دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے
 شرک کیا ہے اپنے شرکیوں کو تو کہیں گے ، اے ہمارے
 پروردگار ! یہ ہیں ہمارے شرک جن کو ہم پکارتے

تھے تیرے سوا۔ پس ڈالیں گے وہ اُن کی طرف بات اور کہیں گے، بیشک تم البتہ جھوٹے ہو (۸۶) اور ڈالیں گے اس دن اللہ کے سامنے اطاعت اور گم ہو جائیں گی اُن سے وہ باتیں جن کو وہ افتراء کیا کرتے تھے (۸۷)

انسان کے
خلاف گواہی

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور مشرکین کے رد میں بہت سے دلائل اور نشاناتِ قدرت بیان فرمائے اور مشرکوں کی ناشکری کا ذکر کیا۔ اب آج کے درس میں کفار و مشرکین کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے کہ جب محاسبے کی منزل آئیگی تو انہیں سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، جس میں تخفیف بھی نہیں ہوگی۔ ارشاد ہوا ہے وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا اور جس دن ہم ہر امت سے گواہ کھڑا کریں گے۔ اس مقام پر گواہ سے مراد اللہ کے نبی ہیں اور گواہی سے مراد تبلیغ رسالت کی گواہی ہے۔ ہر نبی اپنی امت کے متعلق اللہ کے حضور گواہی دے گا۔ کہ اُس نے اللہ کا پیغام اپنی امت کے لوگوں تک پہنچا دیا۔ مگر انہوں نے اُسے تسلیم نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت کتنا خوفناک منظر ہو گا۔ اگلی آیات میں یہ بھی آ رہا ہے وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَؤُلَاءِ اور لے پیغمبر! آپ کو اس آخری امت پر بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ ہر شخص کے حق میں یا خلاف گواہی نہ صرف انبیاء علیہم السلام کی ہوگی بلکہ بعض دیگر چیزیں بھی گواہ کے طور پر پیش ہوں گی۔ مثلاً کوٹا کا تین فرشتے گواہی دیں گے جو ہر شخص کا انفرادی ریکارڈ مرتب کر رہے ہیں۔ ہر شخص کی حفاظت پر مامور اللہ کے فرشتے بھی بندے کے حق میں یا اس کے خلاف شہادت دیں گے۔ اس کے علاوہ ہر شخص کے اپنے اعضاء و جوارح اس کے حق میں گواہ بن جائیں گے۔ سورہ یٰسین میں موجود ہے الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَنُكَلِّمُنَا أَيْدِيَهُمْ وَنَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

اس دن ہم ان کے موبہوں کو سزہ پھر کر دیں گے اور ان کی کارکردگی کے متعلق ان کے ہاتھ اور پاؤں بول کر گواہی دیں گے۔

حدیث شریفین میں شجر و حجر کی گواہی کا ذکر بھی آتا ہے۔ جب کوئی شخص نماز کے لیے اذان یا اقامت کہتا ہے تو شیطان چھتیس آ میل تک دُور بھاگ جاتا ہے اور اذان و اقامت کے اختتام پر پھر واپس آجاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص محض اللہ کی رضا کے لیے اذان کہتا ہے، اس کی آواز منے والی ہر چیز قیامت کے روز اس کے حق میں اللہ کے حضور گواہی دیگی۔ اس میں شجر، حجر، عمارت، مینار، غرضیکہ ہر چیز کی گواہی آجاتی ہے۔

بہر حال فرمایا کہ اللہ کے نبی تبلیغ رسالت کے متعلق قیامت کو گواہی دیں گے کہ ہم نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا، ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا پھر کفر کرنے والوں کو اجازت نہیں دی جائیگی کہ وہ کوئی حیل و حجت کر سکیں وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ اور نہ ہی ان کے منانے کا موقع دیا جائیگا۔ یعنی ان کو اُس وقت توبہ کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی کہ وہ اپنی سابقہ کارکردگی پر تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکیں۔ اُس وقت عمل کا وقت ختم ہو کر عزائے عمل شروع ہو چکا ہوگا لہذا وہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی بھی نہیں مانگ سکیں گے۔ اگر دنیا کی زندگی میں تائب ہو کر اللہ کو راضی کر لیتے، اُس کو منا لیتے تو عزائے عمل کے وقت مفید ہو سکتا تھا، مگر اس وقت وہ موقع گزر چکا ہوگا، اور کفار کوئی حیلہ بانہ نہیں کر سکیں گے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر یہ ذکر ملتا ہے کہ قیامت کے دن کفار اللہ کے حضور عرض کریں گے کہ انہیں دنیا میں دوبارہ لوٹا دیا جائے تو وہ اس کی اطاعت بجالائیں گے مثلاً سورۃ انعام میں ہے کہ جب انہیں دوزخ پر پیش کیا جائے گا۔

”قَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبُ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكْفُرُ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ“ اُس وقت وہ کہیں گے کاش کہ ہمیں دنیا میں واپس

کفہ کی
بے بسی

لوٹا دیا جائے تو ہم اپنے پروردگار کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے اور مومن بن جائیں گے۔ سورۃ السجدہ میں ہے کہ مجرم لوگ کہیں گے "رَبَّنَا اَبْصُرْنَا وَنَسْمِعْنَا فَارْجِعْنَا لَعْمَلْ صَالِحًا" پروردگار! ہم نے اپنی آنکھوں سے تیرے عذاب کو دیکھ لیا۔ تیرے احکام کو سن لیا، اب ہمیں دینا میں واپس بھیج دے، ہم نیک اعمال انجام دیں گے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اگر ان کو دوبارہ بھی موقع دے دیا جائے تو پھر بھی یہ غلط کام ہی کریں گے کیونکہ ان کی پشت میں غلط بات ہی داخل ہو چکی ہے۔

فَرَاوَادًا رَاكَ الدِّينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ جَب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے۔ فَلَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ تُو اس میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ اور نہ ان کو ڈھیل دی جائیگی۔ یہاں پر عذاب کے مشاہدے کے لیے ظالم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین، اس کی توحید، قیامت، رسل، کتب اور ملائکہ کا انکار کرتا ہے وہ بہت بڑے ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے "وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ" (البقرہ) کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔ اور شرک کے متعلق فرمایا "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ" (لقمان) شرک بہت بڑا ظلم ہے اور شرک بہت بڑا ظالم ہے، کفر و شرک کے بعد ظلم کی تعریف میں کبائر اور صفائز معاصی آتے ہیں۔ صفائز تو نیکی کرنے سے خود بخود معاف ہوتے رہتے ہیں مگر کبائر بغیر سچی توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ تو فرمایا کہ ظالم لوگوں کو جب عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تو پھر نہ تو اس میں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں سہلت دی جائے گی۔ سورۃ بقرہ میں بھی موجود ہے کہ جو لوگ کفر کی حالت میں مر گئے، اِنَّ پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور عام لوگوں کی لعنت ہوگی، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے "لَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ" ان کے عذاب میں نہ تو تخفیف کی جائیگی اور

نہ انہیں ڈھیل دی جائیگی۔ دوسری جگہ ہے کہ یہ لوگ خود فنا کریں گے کہ ایک دن کے لیے ہم سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے تاکہ ہم مقوڑی دیر کے لیے سکون حاصل کر سکیں مگر اس وقت ان کی کوئی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

شُرکاء کا
انکار

فَرِيًّا وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شَرُّ كَأَنَّ هُمْ أَوْ جِب
مشرک لوگ اپنے شرکاء کو دیکھیں گے، قیامت کے دن اپنے باطل معبودوں سے ملاقات ہوگی قَالَ لَوْ رَبَّنَا هُوَ لَوْ كَأَنَّ شَرُّ كَأَنَّ هُمْ أَوْ جِب
ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے وہ شرکاء الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو
صُنْ دُونِكَ جن کو ہم تیرے سوا پکارتے تھے۔ وہ شرکاء جن کو ہم مصیبت میں پکارتے تھے، جن کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے اور جن کی ہم عبادت کرتے تھے۔ یہ ہے ہمارے وہ معبود۔ قَالَ قُوا اللَّهَ
الْقَوْلَ تَوَاصُحًا مِنْ بَرِيَّةٍ اُولَى جِب كَأَنَّ هُمْ أَوْ جِب كَأَنَّ هُمْ
اِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ کہ بیشک تم جھوٹے ہو۔ معبودیت سے انکار کرنے والے ہر قسم کے معبود ہوں گے۔ جیسا کہ سورۃ ابراہیم میں گزر چکا ہے کہ خود شیطان بھی انکار کر دے گا۔ جب لوگ قیامت کے دن اُس کا گھیراؤ کریں گے کہ تو دنیا میں ہمیں بہکا تا رہا، لہذا آج ہم سے عذاب دور کرنے کا کوئی بندوبست کر تو وہ جواب دے گا وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاَسْتَجَبْتُمْ لِي (ابراہیم) میرا تم پر کوئی غلبہ تو نہیں تھا یعنی میں نے تم سے کوئی بات زبردستی تو نہیں منوائی تھی۔ میں نے تمہیں گھڑ، شرک اور برائی کی محض دعوت دی تھی جسے تم نے بلا سوچے سمجھے قبول کر لیا۔ لہذا اب مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو تم اپنے فعل کے خود ذمہ دار ہو۔

بعض فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں ماننے والے اور ان کی پوجا کرنے والے

دلیری دیوتاؤں کو معبود ماننے والے، ان کی نیازیں دینے والے اور عبادت کرنے والے جب اللہ کے حضور فرشتوں کو بطور معبود پیش کریں گے تو وہ بھی جواب دیں گے سُبْحٰنَكَ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ ہم تو تجھے ہی کارساز سمجھتے ہیں، بھلا ہم انہیں کیسے کہہ سکتے تھے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہمیں اپنا معبود بنا لو۔ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ غرضیکہ تمام انبیاء، صلحا اور نیک لوگ انکار کر دیں گے کہ ہم نے تو انہیں نہیں کہا کہ ہمیں اپنا معبود بنا لو۔ مسیح علیہ السلام کے متعلق سورۃ مادہ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ درفیت کہیں گے کہ کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو، تو مسیح علیہ السلام عرض کریں گے، پروردگار! مجھے یہ کیسے حق پہنچا ہے کہ میں کوئی ایسی بات کروں جس کا تو نے مجھے حکم نہیں دیا۔ میں نے تو ان سے یہی کہا "اِنَّ اَعْبُدُوا اللّٰهَ رَبَّكَ وَرَبَّكُمْ" صرف اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے جو لوگ قبروں کے ساتھ شرکیہ معاملات کرتے ہیں، وہ قبروں والے بھی سزا ہی کا اعلان کر دیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ اے شرک کرنے والو! اِنَّكُمْ مَوْكِلِدُونَ" تم اپنے دعوئے میں جھوٹے ہو۔ ہم نے تمہیں اپنی پرستش کے لیے کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ غرضیکہ سب انکار کر دیں گے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حساب کتاب کی منزل کے بعد جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو آپس میں کروڑوں میل کے بعد کے باوجود وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اور آپس میں مکالمہ بھی کریں گے چنانچہ سورۃ الصفات میں موجود ہے کہ ایک مؤمن آدمی کسی کافر و کفار کو دیکھنا چاہے گا فَرَاهُ فِي سَوَاءٍ الْجَحِيْمِ" تو وہ اُسے جہنم میں پڑا پایگا۔ پھر مؤمن اُس سے کہے گا کہ اگر میں بھی تیری بات پر چلتا تو آج تیرے ساتھ جہنم میں ہوتا۔ اللہ نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا کہ مجھے کفر و شرک سے محفوظ

جنتی اور
دوزخی کا
مکالمہ

رکھا جس کی بنا پر میں آج راحت کے مقام میں ہوں اور تم مکلیف میں ہو۔ اسی طرح جب ملائکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت عزیز علیہ السلام کی پرستش کو نوازے ان کو جنت میں دیکھیں گے تو کہیں گے، پروردگار! یہ ہیں ہمارے مجبور، مگر آگے سے جواب آئیگا "إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ" تم جھوٹے ہو۔ ہم نے تو تمہیں اپنی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ تم نے خود شیطان کا اتباع کیا اور آج اس کا بھگتان کر رہے ہو۔

جب کفار و مشرکین ہر طرف سے یوس ہو جائیں گے تو پھر خالص اللہ کی طرف رجوع کریں گے۔ وَأَلْقُوا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَامَ۔ آج کے دن اللہ کے سامنے اطاعت کی بات ڈالیں گے یعنی اس کی فرمانبرداری کا دم بھریں گے کہ اب ہم تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہیں، مگر اس وقت اس جذبے کا اظہار کسی کام نہ آئے گا۔ عمل کا وقت ختم ہو چکا ہوگا۔ اور پھر اس وقت وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يُفْتَنُونَ وہ سب باتیں ان سے گم ہو جائیں گی جن کو وہ اغتراب کیا کرتے تھے۔ جو بھی شرکیہ یا کفریہ عقائد رکھتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے یا جن شرکیہ رسومات کو عمر بھر سینے سے لگائے رکھا، وہ سب ختم ہو جائیں گی، کوئی چیز ان کی مدد کو نہیں پہنچے گی۔ اس وقت اطاعت کا اظہار بعد از مرگ و اوٹلا کے مترادف ہوگا۔

بعد از
مرگ
واوٹلا

النحل ۱۶

آیت ۸۸ تا ۸۹

ربما ۱۳

درس بت و ۲۳

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ
عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۸﴾ وَ
يَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ
أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلٰى هَؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا
عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً
وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۸۹﴾

۴۸۳/۲

مگر جملہ یہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شبرہ اختیار کیا ہے اور روکا ہے اللہ کے راستے سے، ہم زیادہ کریں گے ان کے لیے عذاب کے اوپر عذاب، اس وجہ سے کہ وہ فساد کرتے تھے ﴿۸۸﴾ اور (اس وقت کو اپنے خیال میں لاؤ) جس دن ہم اٹھائیں گے ہر ایک امت سے گواہ ان پر انہی میں سے، اور لائیں گے ہم آپ کو گواہ بنا کر ۔۔ لوگوں پر ۔ اور آمادی ہے ہم نے آپ پر کتاب، جو کھول کر بیان کرتی ہے ہر چیز کو، اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے فرمانبرداروں کے لیے ﴿۸۹﴾

ربط آیات

شُرک اور مشرکین کے رد کے بعد اللہ نے عذاب کی وعید سنائی اور مشرکین و کفار کے متعلق فرمایا کہ جب وہ عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے تو پھر نہ تو اس میں تخفیف ہوگی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائیگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکیں۔ مشرک لوگ

اپنے مجبوروں کو دیکھ کر اقرار کریں گے کہ ہم ان کی عبادت کرتے سے مگر وہ صاف انکار کر دیں گے کہ ہم نے تو انہیں نہیں کہا تھا کہ ہمیں مجبور مان کر ہماری عبادت کرنے لگو۔ یہ تو خود ہی من مانی کرتے ہے۔ فرمایا اس وقت ان کی تمام خود ساختہ کاروائیاں گم ہو کر رہ جائیں گی۔

اسلام کے
راستے میں
رکاوٹ

اسی عذاب کی وعید کے تسلل میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الَّذِينَ كَفَرُوا وہ لوگ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ کفر، شرک، نفاق وغیرہ قرآن پاک کی اصطلاحات ہیں۔ کفر کا لغوی معنی لپھپانا یا انکار کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایمان کی بات کو چھپایا اور اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا، اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کے راستے سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ اصل میں یہی فعل فساد کی بنیاد بنتا ہے خود بھی اللہ کی وحدانیت کو تسلیم نہ کیا اور پھر دوسروں کے راستے میں بھی رکاوٹ بنے سورۃ النعام میں اس بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ "خود بھی ایمان سے دُور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ اسلام کے راستے سے روکا صرف مشرکین تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ہر دُور میں ایسا ہی ہونا چاہیے۔ فرعون بھی روکتا تھا۔ قوم نوح اور قوم شعیب بھی اسی ڈگر پر چلتی تھی۔ حضرت ثعبان علیہ السلام نے قوم سے اسی طرح خطاب کیا تھا: وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُوا نَهَا عِوَجًا (الاعراف) ہر راستے پر مت بیٹھا کرو کہ جو شخص ایمان لاتا ہے تم اسے ٹراتے ہو اور راہِ خدا سے روکتے ہو اور اس میں کجی تلاش کرتے ہو۔

دنیا کی کافر قومیں آج بھی لوگوں کو اسلام کے راستے سے روکنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ عیسائی مشنریاں اسی کام پر مگنی ہوئی ہیں نہایت گہری سازش کے ذریعہ لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس معاملہ میں برطانوی، روسی، فرانسیسی، جرمنی عیسائی سب لکھے ہیں۔ انگریزوں نے اپنے عروج کے دو سو سالوں میں اس معاملہ میں بڑی پیش رفت کی۔ انہوں نے پس ماندہ اقوام کو لالچ سے کر عیسائیت کی طرف راغب کیا۔ ان کے وزیر اعظم گیزٹون نے اسمبلی میں قرآن کریم پڑھتے میں اٹھا کر کہا تھا کہ جب تک دنیا میں یہ کتاب موجود ہے، دنیا مذہب نہیں بن سکتی۔ ان کا اڈل و آخر مقصد قرآن پاک کو دنیا سے ختم کر کے دین اسلام سے لوگوں کا تعلق ختم کرنا ہے مگر اس عظیم کتاب کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے، اسی لیے پوری کوشش کے باوجود دنیا کی کوئی طاقت قرآن کریم کا ایک حرف بھی آگے پیچھے نہیں کر سکی۔ چہ جائیکہ اسے نابود کر دیا جاتا۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کی عیاشی، فحاشی، عبرانی اور سبجائی کی قاطع ہی کتاب ہے۔ جب تک یہ ختم نہ ہو ان کی قبیح تہذیب پروان نہیں چڑھ سکتی۔ یہ اتنے گندے لوگ ہیں کہ مرد و زن کی مرضی سے کسے گئے زنا کو زنا ہی نہیں سمجھتے ان کے نزدیک زنا صرف وہ ہے جو باجبر کیا جائے۔ بلاط ان کے ہاں کوئی جرم نہیں اور دنیا کی ہر برائی ان کے ہاں جبریدہ فیشن میں داخل ہے۔

غرضیکہ کبھی خوشنما تہذیب کی آڑ میں لوگوں کو دین سے روکا جاتا ہے۔ کبھی پیسے کے لالچ کے ذریعے، کبھی سکول اور ہسپتال قائم کر کے اور کبھی قرآن اور دین کے ہمدرد بن کر اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی کوشش کھتے ہیں۔ روسی اور چینی تشدد کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ مسلمانوں کو سرعام عبادت سے روکتے ہیں ایسا پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام کے مننے والے شک میں پڑ جائیں اور آہستہ آہستہ دین سے بیزار ہو جائیں۔ ادھر مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی تاریخ تک پڑھنے کے لیے تیار نہیں اگر وہ ایسا کرتے تو غیر مسلم لیغار کا جواب دے سکتے مگر انہیں تو اسلامی مشاہیر کی بجائے سیودی، عیسائی اور اشتر کی مشاہیر پر فخر ہے اور انہی کے گن گاتے ہیں۔ یہ سارے جال مسلمانوں کو اپنے دین سے متنفر کرنے کے لیے پھیلانے جا رہے ہیں مگر مسلمان غفلت کی مینڈ سونے

ہوئے ہیں اور کوئی فرس ہی نہیں لے رہے ہیں۔

اس وقت دنیا میں پچاس سے زیادہ اسلامی ریاستیں ہیں، ان کے پاس مسائل کی کمی نہیں، وہ بھی سکول، کالج اور ہسپتال قائم کر کے عیسائی مشنز لوگوں کا دروازہ بند کر سکتے ہیں، وہ بھی پس ماندہ طبقوں کی دستگیری کر سکتے ہیں مگر اس کے لیے

جذبہ ایمانی کی ضرورت ہے جو مسلمانوں میں مفقود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کو اسلام کے خلاف سازش کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ مجوسیوں، منافقوں اور یہودیوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں بڑی رخنہ اندازی کی۔ انہوں نے اسلام کے اندر داخل ہو کر اسلام کو کمزور کیا، فرقہ بندی کی اور مسلمانوں کو آپس میں لڑایا۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا تعلق قرآن پاک سے جس قدر کمزور ہوگا، اسی قدر مخالف قوتوں کو کامیابی حاصل ہوگی۔ بہر حال غیر مسلم اقوام نے ہمیشہ دین کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی ہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔

فریاد جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا زِدْ نَهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ اس وجہ سے کہ وہ فساد کرتے تھے۔ عذاب پر عذاب یعنی دوہرا عذاب اس لیے کہ انہوں نے خود بھی کفر کا راستہ اختیار کیا اور دوسروں کے راستے میں بھی رکاوٹ ڈالی، لہذا ایک عذاب تو ان کے اپنے کفر کا ہوگا اور دوسرا لوگوں کے بہکانے کا، اسلام کا بنیادی قانون تو یہی ہے کہ ہر مجرم کو اس کے گناہ کی ایک ہی سزا دی جائے مگر یہ لوگ چونکہ دوسروں کی گمراہی کے ذمہ دار بھی ہیں لہذا دوسری سزا کے مستحق ہوں گے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو کوئی اچھا راستہ قائم کرتا ہے، اس کو اپنے عمل کا ثواب بھی ملے گا۔ اور اس پر عمل کرنے والے لوگوں کے برابر ایک ایک سزا کا ثواب بھی اُسے حاصل ہوگا۔ اسی طرح بڑا راستہ قائم کرنے والا، معاصی

مقصدین
کیلئے سزا

اور بدعات کی راہ نکالنے والا اس کردہ جرم کا مجرم بھی ہوگا اور پھر اس بری رسم پر چلنے والے ہر شخص کے بدلے ایک ایک گناہ اس ایجاد کنندہ کے نامہ اعمال میں بھی درج ہوتا رہیگا۔ آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی کا اولین قتل ناحق کیا تھا۔ اب قیامت تک جتنے بھی قتل ناحق ہوں گے اُن میں ہر قتل کا ایک گناہ آدم علیہ السلام کے اُس بیٹے کے رجسٹر میں بھی درج ہوتا ہے گا جو اولین قتل ناحق کا مرتکب ہوا۔

غرضیکہ کفر، شرک، معاصی اور خدا کی شریعت کی خلاف ورزی زمین میں فساد ہے۔ ان امور سے زمین بگڑتی ہے، انسانی سوسائٹی میں خوف و ہراس اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے۔ زمین کی اصلاح اطاعت سے ہوتی ہے اور اس کا بگاڑ معاصی سے ہوتا ہے۔ تو فرمایا کہ زمین میں فساد پانچوں نے والوں کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔

انبیاء کی
گواہی

قیامت کے دن ہر فادی کے خلاف گواہ پیش کرنے کی بات گذشتہ درس میں بھی گزر چکی ہے۔ اگلی آیت میں اسے پھر دہرایا جا رہا ہے

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ أَدْرَأْسُ وَقْتِ كَوَيَادِرُ وَجِبَ قِيَامَتِ كَدْنِ هَمِ هِرِ
امت پر خود انہی میں سے گواہ پیش کریں گے۔ ہر امت کا نبی اپنی امت کے خلاف گواہی دیگا کہ اس امت نے کس طرح اُس کی بات کو ٹھکرایا اور تکالیف پہنچائیں۔ اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا، اختیار کی پوجا کرتے ہے شیطان کے نقش قدم پر چلتے ہے۔ پھر اس گواہی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ ہر امت کے متعلق فیصلہ کریں گے۔ فرمایا یہ تو سابقہ امتوں کی بات ہے اے پیغمبرِ آخر الزمان! وَجَنَّتْ بَابُ شَهِيدًا عَلَيَّ هَمُّؤَلَاوِرِ هَمِ اَچُو
اس آخری امت کے لوگوں پر بطور گواہ لائیں گے۔ آپ ہی اپنی امت کے حق میں یا ان کے خلاف گواہی دیں گے اور پھر اس کے مطابق فیصلہ کیا

جائیگا۔ اُس وقت کتنا خوفناک منظر ہوگا اور کتنی پریشانی کا عالم ہوگا جب محابے کی منزل آئے گی اور اللہ کی بارگاہ میں گواہیاں پیش ہوں گی۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے نبی کا اتباع اختیار کرے تاکہ قیامت کے دن اس کی بہتر گواہی کا مستحق بن سکے۔

قرآن
تبیان

ارشاد ہوتا ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اور ہم نے اناری ہے آپ کی طرف کتاب تَبْيَانًا لِّصَلٰتِنَا جو ہر چیز کو گھول کر بیان کرتی ہے یعنی ہر چیز کی بہت زیادہ وضاحت کرتی ہے۔ ایک سطحی نظر میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں ہر چھوٹی بڑی چیز کی وضاحت تو نہیں ہے، پھر تبیان سے کیا مراد ہے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کسی چیز کو کسی مقام پر اجمال کے ساتھ بیان کیا ہے اور کہیں تفصیل موجود ہے۔ بعض مقامات پر نبی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے قول اور فعل سے کسی حکم کی جزئیات سے آگاہ کر دیں گے۔ لہذا نبی کی وضاحت بھی قرآن پاک کی طرف سے ہی وضاحت سمجھی جائے گی۔ اس کے علاوہ اگر کوئی مسئلہ قرآن و سنت میں بالوضاحت موجود نہیں مگر اُس پر مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہے تو وہ بھی منجانب اللہ ہی سمجھا جائے گا اور قرآن پاک کے تبیان ہی میں شمار ہوگا۔ سورۃ النساء میں موجود ہے کہ جو شخص ہدایت کا راستہ واضح ہو جانے کے باوجود مومنوں کے رستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو ہم اُسے اُدھر ہی پھیر دیں گے، جدھر وہ جانا چاہتا ہے اور اُس کا ٹھکانا بالآخر جہنم ہوگا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا الْمُؤْمِنِينَ کا یہی مطلب ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں خصوصاً اخیر القرون کے مسلمانوں کے متفقہ رستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے، گویا اجماع امت کا فیصلہ بھی قرآن پاک کے تبیان ہی کا حصہ شمار ہوگا۔

نانے کے ساتھ ساتھ نئے نئے پیدا ہونے والے مسائل کے حل و عقد

کے لیے اللہ نے اجتہاد و استنباط کا اصول بھی بیان کیا ہے۔ جبکہ جگہ
 "فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ" کے الفاظ آتے ہیں یعنی اے صاحب
 عقل و بصیرت لوگو! قرآن پاک میں بیان کردہ اصولوں پر غور و فکر کر کے مسائل
 کا استنباط کرو۔ کہیں فرمایا "لَعَلَّكُمْ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَكَ مِنْهُمْ
 (النساء) اگر کوئی مشکل پیش آئے گی تو اجتہاد و استنباط کرنے والے آپ کو
 بتائیں گے، لہذا ان کی طرف رجوع کرو کہ یہ بھی بتیان میں داخل ہے۔ امام
 ابوحنیفہؒ کا نظریہ یہ ہے کہ شریعت کے چار اصول ہیں یعنی کتاب اللہ
 سنت رسول اللہؐ، اجماع صحابہ اور قیاس۔ اگر پہلی تین چیزوں سے مسئلہ
 حل نہ ہو تو ائمہ مجتہدین کے قیاس کو دیکھ لو۔ ان میں پہلے دو اصول یعنی
 قرآن اور سنت مثبت ہیں اور یہ کسی چیز کو ثابت کرنے ہیں۔ البتہ دوسرے
 دو اصول یعنی اجماع اور قیاس منظر ہیں۔ یہ کسی چیز کا قطعی ثبوت نہیں مگر یہ
 کسی چیز کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ امام ابو بکر جصاصؒ، امام شافعیؒ، شاہ ولی اللہؒ
 اور مولانا گنگوہیؒ امام ابن تیمیہؒ وغیرہم فرماتے ہیں کہ ہر مسئلہ کی اصل بنیاد تو قرآن پاک
 ہی ہے اور سنت بھی قرآن کی شرح ہی ہے۔ تاہم امام ابو بکر جصاصؒ یہ بھی
 فرماتے ہیں کہ کائنات کے ہر مسئلہ کے بارے میں اللہ کا حکم موجود ہے۔
 اس حکم کو یا تو خود اللہ کی کتاب نے واضح کیا ہوگا یا اس کا بیان اللہ کے
 نبی کی زبان سے ہوا ہوگا۔ یا مومنین کا اتفاق اس پر شاہد ہوگا، یا پھر ائمہ
 مجتہدین اس دلیل کو واضح کریں گے جس پر اس مسئلہ کی بنیاد ہوگی۔ فرماتے
 ہیں کہ قرآن پاک ہر مسئلہ کی جزئیات بیان نہیں کرنا بلکہ اس میں اصول و قوانین
 موجود ہیں جن کی روشنی میں ہر جزو کا حل پیش کیا جاسکتا ہے۔

ہدایت اور رحمت
 اور خوشخبری

فرمایا، اللہ کی یہ کتاب ہدایت ہے اور ہر موڑ پر انسان کی رہنمائی
 کرتی ہے۔ پھر جب لوگ اس ہدایت پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں تو فرمایا یہی کتاب
 وَمِنْ حَمْدِهِ بِالْعَمَلِ رَحْمَتٌ مِنْ رَبِّكَ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی شامل حال

ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کی کلام و بشارتیں لِلْمُسْلِمِينَ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں اعلیٰ مقام حاصل ہوگا۔ سورۃ یونس میں بھی موجود ہے کہ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے "أَنَّ لَهُمْ قَلْبًا صِدْقًا عِنْدَ رَبِّهِمْ" تمہارے پروردگار کے پاس تمہارا سچائی کا قدم پڑ رہا ہے، لہذا گھبرو نہیں، تم اچھے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ گے۔ اگر ایمان میں استقامت حاصل رہی قرآن پر عمل کرتے رہے اور معاصی سے بچتے رہے، کفر شرک اور بدعات سے پرہیز کیا تو تمہارے لیے خوشخبری ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے ہاں کامیاب ہو جاؤ گے۔

النحل ۱۶

آیت ۹۰

دربارہ ۱۳

درس بت چار ۲۳

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَائِي ذِي
الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ
وَالْبَغْيِ ۗ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: ایک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کرنے کا
اجان کرنے کا، اور قربت داروں کو مینے کا۔ اور منع کرتا
ہے بے حیائی سے، نامقول باتوں سے اور سرکشی سے
وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑ لو ﴿۹۰﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی گواہی کا ذکر کیا۔ قیامت کے
ذین انبیاء علیہم السلام اللہ کی بارگاہ میں شہادت دیں گے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کا پیغام
اپنی اپنی امتوں تک پہنچا دیا۔ اور پھر آخر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی آخری امت
پر بطور گواہ پیش ہوں گے۔ گذشتہ آیت میں اللہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم نے
آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کو واضح طور پر بیان کرتی ہے۔ نیز
فرمایا کہ یہ کتاب فرمانبرداروں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے

گذشتہ درس میں ”تَبَيَّنَا لِكُلِّ شَيْءٍ دَلِيلًا“ کا ذکر ہو چکا ہے کہ قرآن پاک میں
ہر چیز کی اسامی تعلیم موجود ہے۔ چنانچہ آج کی آیت اس دعوے کی دلیل کا ایک عمدہ
نمونہ ہے۔ اس مختصر سی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے چھ باتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن
میں سے تین مثبت ہیں اور تین منفی۔ کلمات میں کوئی اچھی یا بری چیز ایسی نہیں ہے
جو ان چھ چیزوں سے باہر ہو۔ اسی لیے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اس آیت کے
متعلق فرماتے ہیں لَجَمَعَ آيَةٌ فِي الْقُرْآنِ يَعْنِي يه آیت قرآن کریم کی

اجازت
یت

جامع ترین آیت ہے۔ اگر انسان اسی ایک آیت پر عمل کرے تو اس کی صلاح کے لیے یہی آیت کافی ہے

اس آیت کی جامعیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ کئی حضرات صرف یہی آیت کریمہ سن کر ایمان لائے۔ حضرت عثمان ابن مظعونؓ ابتدائی دور میں ہی اسلام لے آئے۔ یہ حضور علیہ السلام کے رضاعی بھائی بھی ہیں، مدینہ طیبہ پہنچ کر صحابہ کرامؓ میں سے سب سے پہلے فوت ہونے والے بھی آپ ہی ہیں۔ آپ خود بیان کرتے ہیں کہ ابتداء میں میں اسلام قبول کرنے سے بچکا تھا۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ آپ پر خاص کیفیت طاری ہوئی، آپ نے دو دفعہ اُپر دیکھا، پھر نگاہ مبارک نیچے کی طرف کر لی۔ اس کے بعد آپ نے سلسلہ گفتگو پھر شروع کر دیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے اس کیفیت کے متعلق حضور علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے یہی آیت پڑھ دی جو اس خاص کیفیت کے دوران نازل ہوئی تھی۔ اتنی جامع کلمات آیت سن کر میں فوراً ایمان لے آیا۔

اکثم بن سنیفیؓ اپنی قوم کے سردار تھے حضور علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے متعلق سنا تو دو آدمیوں کا ایک وفد حضور کی خدمت میں بھیجا تاکہ آپ کے حالات معلوم کیے جاسکیں۔ یہ دونوں بڑے سمجھدار آدمی تھے۔ آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سوال کیا منْ اَنْتَ وَمَا اَنْتَ یعنی آپ کون ہیں اور کیا ہیں؟ پہلے سوال (آپ کون ہیں) کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا اَنَا مُحَمَّدٌ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ یعنی میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں۔ البتہ دوسرے سوال (آپ کیا ہیں) کے جواب میں فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اُس کا رسول ہوں۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھ کر سناٹی اِنَّ اللّٰهَ يَاصِّرُ ... الْاَبْيَاسَ سن کر وفد بڑا متاثر ہوا اور انہوں نے واپس جا کر اکثم سے کہا کہ ہم نے اس شخص سے دو سوال کیے پہلے سوال کا

مقصود آپ کا نسب نامہ معلوم کرنا تھا کیونکہ عرب لوگ نسب پر بڑا فخر کرتے تھے، مگر آپ نے اس سوال پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ بلکہ مختصر جواب دیا کہ میں محمد ابن عبداللہ ہوں۔ البتہ دو سوال کا جواب آپ نے تفصیل کے ساتھ دیا اور یہ آیت بھی پڑھی۔ وفد نے سفارش کی کہ آپ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں لہذا آپ کی دعوت قبول کر لینی چاہیے۔ چنانچہ آیت متذکرہ کا مضمون سن کر اکثر کہنے لگے کہ میں دیکھتا ہوں کہ پیغمبر اسلام تمام عمدہ باتوں اور اعلیٰ اخلاق کا حکم آیتیں ہیں اور تمام زذیل اخلاق و اعمال سے روکتے ہیں۔ کہنے لگے، اے لوگو! میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ آپ کے ماننے میں جلدی کرو فکونوا حیف ہذا الامر رؤس اولائک کونوا اذنا با اس معاملے میں سرعنی سردار بن کر پہل کرے اور پیچھے ہٹنے والے پچھلے زبورو۔ دین کی قبولیت میں جلدی کرنا بڑی سعادت کی بات ہے اہلسفیان اپنے خاندان سمیت فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور دین کے زبردست حامی بن گئے۔ آپ نے اسلام کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے مگر افرس کیا کرتے تھے کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے میں بڑی دیر کر دی۔

اسلام کا
عالمی پروگرام

درحقیقت یہ آیت کہ یہ اسلام کے عالمی پروگرام پر مشتمل ہے۔ اسی لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے سے یہ آیت جمعہ کے خطبہ میں پڑھی جاتی ہے مولانا عبید اللہ سندھی نے بھی قرآن پاک کی بہت زیادہ خدمت کی ہے آپ نے زندگی کا بیشتر حصہ جلا وطنی میں گزارا مگر قرآن پاک کو سینے سے لگا لے رکھا اور جہاں بھی گئے قرآن پاک پڑھاتے رہے۔ تو آپ نے پنتالیس برس تک قرآن کی تعلیم دی اور سات ہزار علما نے آپ سے کتاب فیض کیا۔ روس گئے تو لوہاں پر دیگر لوگوں کے علاوہ موسیٰ جبار اللہ جیسے بڑے عالم نے آپ سے قرآن پڑھا۔ چار سال تک ترکی میں رہے، تو ارباب حکومت کو خبردار کیا کہ تم احماد کے سیلاب میں بہتے جاؤ، سو۔

اٹو میں تمہیں قرآن پاک کی چالیس سورتوں کا ایسا خلاصہ بتاتا ہوں کہ اس کو آنے پر دو گرام میں شامل کر لو گے تو بے دینی سے بچ جاؤ گے۔ مگر مصطفیٰ کمال نے آپ کی دعوت کی طرف تو جبر نہ دی ترکی سے آپ مکہ مکرمہ آگئے اور بارہ برس تک لوگوں کو قرآن پاک کی تفسیر پڑھاتے رہے۔ جب وطن واپس آئے تو فرمایا کہ بڑھاپے کی اس عمر میں کوئی شخص حرم شریف کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا مگر میرے سینے میں قرآن کریم کا ایک پر دو گرام ہے، میں چاہتا ہوں کہ یہ پر دو گرام موت سے پہلے تمہیں بھی یادوں۔ آپ نے فرمایا کہ سورۃ النحل کی یہ آیت "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ..." الخ اسلام کا عالمی پر دو گرام ہے مسلمانوں کا یہ فخر یہ پر دو گرام ہے جو کسی دیگر قوم کے پاس نہیں ہے۔ اس کو لے کر آگے بڑھو تو فلاح و کامیابی تمہارے قدم چومے گی مگر افسوس کا مقام ہے کہ خود مسلمان اس پر دو گرام کو پس پشت ڈال چکے ہیں اور اس کی بجائے عیسائیوں، یہودیوں اور دہریوں کا پر دو گرام اپنانے میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں۔ مشرقی لوگ اب مغربی مالک کے پر دو گرام کے مطالعہ کے لیے جلتے ہیں ان کے مشیر یہاں آتے ہیں تو اپنے پر دو گرام کی روشنی میں یہاں کے لیے سکھیں بکتے ہیں جنہیں ہم خوشی سے قبول کرتے ہیں۔ ہم غیر مسلم اقوام کی شاگردی اختیار کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اختیار کے پر دو گرام پر عمل کر کے ہی ترقی یافتہ بن سکتے ہیں۔ ہم نے وہ عالمی پر دو گرام ترک کر دیا ہے جس پر عمل پیر ہونے پر اللہ نے پہلے بھی اقوام عالم میں سر بلند کیا تھا اور آئندہ کے لیے بھی ہماری عزت و وقار کا ڈروہ دار اسی پر دو گرام ہے۔

اس پر دو گرام کے پہلے حصے میں تین مثبت چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔
 إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
 حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک بزرگ محمد ابن کعب قرظی سے کہا کہ بھائی ذرا عدل و انصاف کی تعریف تو کرو کیونکہ اس آیت کریمہ میں اللہ نے سب

تین مثبت
 چیزیں
 عدل

سے پہلا حکم عدل کا دیا ہے، کہنے لگے، آپ نے یہ بڑا مشکل سوال کیا ہے، تاہم
 سن لو! عدل کا مفہوم یہ ہے كُنْ لِرَضِيْفِيْزًا يٰۤاَبَا يَعْنِيْ چھوٹے شخص کے لیے
 باپ کی طرح شفیق اور رحمدل بن جاؤ۔ اور بڑے شخص کے لیے بیٹے کی مانند
 مؤدب ہو جاؤ، کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ كِبٰرَنَا وَلَا يَحْرَمِ
 يَنْحَبْ صَغِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا یعنی جو بڑے کا ادب اور چھوٹے پر رحم
 نہیں کرتا، وہ ہماری پارٹی کا آدمی نہیں ہے۔ فرمایا جو تمہارے برابر ہو، اُسے
 بھائی کی مانند سمجھو کیونکہ الْمَرْءُ اَكْثَرُ وِلٰيٰتِهٖ عَرَبِيٌّ لُّوْگ کہتے ہیں کہ انسان
 کو بھائیوں کے ساتھ اکثریت حاصل ہوتی ہے۔ جس شخص کے جتنے بھائی ہوں
 گے، اتنے ہی اُس کے بازو ہوں گے اور اُسے قوت حاصل ہوگی۔ روح المعانی نے
 کہتے ہیں فَكَذٰلِكَ لِلنِّسَاءِ اور عورتوں کے حق میں بھی ایسے ہی بن جاؤ۔ ان کو
 بھی نظر انداز نہ کرو۔ ان کے حق میں بھی شفقت و مہربانی کا اظہار کرو۔ محمد بن کعب
 قزظنی نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت! کسی مجرم کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہ دو حتیٰ کہ
 کسی کے حق میں ایک کوڑا بھی زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ فرمایا یہ سب چیزیں عدل
 انصاف میں داخل ہیں۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ چار اصول ایسے ہیں جن کی تعلیم تمام انبیاء نے
 دی ہے۔ پہلی شریعت میں بھی یہ اصول رائج ہیں۔ بغرضیکہ تمام آسمانی کتب کا ایک
 یہ چار اصول ہیں۔ پہلا اصول طہارت یعنی پاکیزگی ہے۔ دوسرا خبات یعنی عجز و انکاری
 ہے۔ تیسرا اصول ساحت یعنی رذیل اخلاق سے پرہیز، اور چوتھا اصول عدل ہے
 اجتماعی معاملات عدل کے بغیر درست نہیں ہو سکتے۔ عدل کے متعلق اللہ تعالیٰ
 کا فرمان ہے اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ
 (النساء) جب تمہیں لوگوں پر حاکم بنایا جائے تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ نیز فرمایا
 "وَ اِذَا اَقْلَتُمْ فَاَعْدِلُوْا" (الانعام) جب بات کرو تو انصاف کی کرو۔
 اللہ نے یہ بھی فرمایا "اَعْدِلُوْا فَهِيَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی" (المائدہ) عدل کیا

کرد، کہ یہ تقویٰ سے قریب تر عمل ہے۔ شاہ عابد القادر فرماتے ہیں کہ معاملہ اپنوں کا ہو یا بیگانوں کا عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑ دیا ہے تمہیں کتنا بھی نقصان اٹھانا پڑے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ عدل کرنے والوں کو قیامت کے دن کستوری کے میضروں پر بٹھایا جائے گا۔ یہ ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے انصاف کرتے وقت اپنے بیگانے کا لحاظ رکھا، نہ دوست اور دشمن میں فرقی کیا تھا۔ کو حق ادا کرنا، معاشرے میں عدل اور توازن قائم رکھنا بڑا مشکل کام ہے آج دنیا میں عدل ملتا نہیں بلکہ خریدنا پڑتا ہے۔ عدالتیں بڑی ہنسکی ہیں۔ عدلیہ کی فیس اور وکیلوں کا معاوضہ ادا کرنا کمزور آدمی کے بس کی بات نہیں، مالدار لوگ سرمائے کے بل بوتے پر اپنا ہر جائز اور ناجائز مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔ منصف اور وکیل متاثر ہوئے بغیر نہیں ہتے، اس لیے غریب آدمی کو انصاف نہیں ملتا۔ کہاں اسلام کا نظام عدل ہو جو حاکم اور محکوم، بڑے اور چھوٹے، آقا اور غلام، گورے اور کالے، اپنے اور بیگانے میں کوئی امتیاز روا نہ رکھے۔ عدل کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام محتاد، اعمال، اخلاق، معاملات اور جذبات انصاف کے ترازو میں تلے ہوئے ہوں۔ افراط و تفریط کی وجہ سے کوئی پلٹا جھکے یا اٹھنے نہ پائے، سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، انسان کے ظاہر و باطن یکساں ہوں، جو بات اپنے لیے ناپسند کرے، وہ بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ امام بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ عدل میں سب سے پہلے توحید کا درجہ ہے کیونکہ توحید تعطل اور تشریک کے درمیان والا راستہ ہے۔ ایک طرف تعطل ہے یعنی خدا تعالیٰ کو محض معطل تصور کر لیا جائے کہ وہ کوئی کام کاج نہیں کرتا، اس کی کوئی صفت نہیں، وہ کسی کا حاجت روا اور مشکل کن نہیں، بس محض نام کا خدا ہے (نعوذ باللہ) اور دوسری طرف عبادت، ریاضت اور صفات میں غیروں

کو شریک بنا یا جائے۔ ان دونوں خرابیوں کے درمیان تو حید ہی نقطہ عدل ہے اور اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بھی عین عدل ہے۔ اس کے برخلاف عبادت میں اس قدر غرق ہو کہ انسان راہب بن کر دنیا ہی ترک کر دے، یہ افراط ہو گا دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خدا کی عبادت سے بالکل ہی منہ موڑ جائے اور بالکل بیکار ہو کر بیٹھ جائے، یہ تفریط ہوگی تو گویا صحیح طریقے سے عبادت کرنا بھی عدل کے زمرہ میں آتا ہے۔ اسی طرح سخاوت یا جود ہے جو سخی اور اسراف کے درمیان عدل کی منزل ہے۔ انصاف کی بات یہی ہے کہ انسان سخی اور فضول خرچی سے بچے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کرے جسے جود کا نام دیا گیا ہے۔

(۲) احسان

تین مثبت چیزوں میں سے دوسری چیز فرمایا وَالْإِحْسَانَ وَهُوَ أَحْسَنُ ہے۔ ایک حدیث کی اصطلاح میں اعلیٰ درجے کی عبادت کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے جسور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ احسان اس چیز کا نام ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا نَكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَانَّهُ يَبْأَدُكَ کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقے سے کر کہ گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ صورت حال پیدا نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا تو تصور کر لے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے یہ تو احسان کا ایک معنی ہے۔ البتہ اس مقام میں احسان سے مراد نبی، ہمدردی، فیاضی، اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح، ان کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے پر احسان کرنے کا حکم دیا ہے کہ یَنْبَغُ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (آل عمران) فارون سے بھی لوگوں نے کہا تھا "أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ" (القصص) تم بھی لوگوں پر احسان کرو جیسے اللہ نے تم پر احسان کیا ہے مگر وہ کہنے لگے "إِنَّمَا أَوْتَيْنَاهُ عِلْمًا عَلِيمًا عِنْدِي"

میں نے یہ دولت اپنے علم و ہنر کی بنا پر جمع کی ہے، اس میں اللہ کے احسان کی کیا بات ہے؟ اس پر اللہ نے اسے مال و دولت سمیت زمین میں دھن دیا احسان کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا کرے۔ اگر خود نیک عمل نہیں کرے تو دوسروں کو تبلیغ کرنے کا کیا اثر ہوگا؟ اگرچہ دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا بھلائے خود اچھی بات ہے اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے یہ بڑی کمزور بات ہے کہ خود تو فرائض کا تارک ہے مگر دوسروں کو حکم دیتا ہے، یا خود سنت پر عمل نہیں کرتا مگر دوسروں کو اس کی تلقین کرتا ہے۔ اچھا نتیجہ اسی وقت نکلے گا جب خود عامل بن کر دنیا کے سامنے آئے گا۔ اگر قول و فعل میں تضاد پایا گیا تو دنیا ایسی نیکی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔ آج بھی لیدر، امریکہ اور جاپان وغیرہ کے لوگ مبلغ کے کردار کو دیکھتے ہیں جس شخص کا کردار درست ہوتا ہے اس کی بات بھی آگے چلتی ہے۔

بہر حال نیکی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہنا بہت بڑی بات ہے سورۃ الرحمن میں موجود ہے ”هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ“ احسان کا بدلہ تو احسان ہی ہے، یعنی نیکی کا بدلہ نیکی ہے، اور یہ نیکی اپنے، بیگانے دوست اور دشمن سب کے ساتھ ہونی چاہیے۔ یہی احسان کی منزل ہے

فرمایا، تیسری مثبت چیز یہ ہے وَإِنَّمَا ذِي الْقُرْبَىٰ قرابت داروں کا حق ادا کرنا۔ ہر شخص کے ساتھ اچھا سلوک کرنا احسان کی منزل ہے جب کہ قرابت داروں کا حق ڈبل ہوتا ہے۔ ایک دین کا رشتہ ہوتا ہے اور دوسرا قرابت کا۔ لہذا دوسرے لوگوں کی نسبت اُن کا حق فائق ہوتا ہے۔ اسی لیے اس آیت کریمہ میں احسان کے بعد حق قرابت کو علیحدہ عنوان کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قرابت داروں کے حقوق بھی ادا کرو۔

(۱۳)
قرابت داروں
کا حق

رشتہ دار خواہ مخالف ہوں یا موافق ان کا خیال رکھو، اگر محتاج ہیں تو ان کی اعانت کرو۔ شریعت میں صلہ رحمی کی بڑی تاکید آئی ہے۔ لہذا اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے یہ بہت بڑا عمل ہے

تین مثبت چیزیں بیان کرنے کے بعد اللہ نے تین منفی چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ**

تمہیں بے حیائی سے روکتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ تین قومیں ایسی ہیں جو ساری ضروریوں کی جبر ہیں۔ پہلی قوت بہیمیہ شہوانیہ ہے۔ دوسری

قوت بہیمیہ شیطانیہ ہے اور تیسری غضبیبہ سبعیہ ہے۔ یہ تینوں قومیں فحاشی سے تعلق رکھتی ہیں جن کا منشا شہوت اور بہمیرت کی زیادتی ہوتا ہے۔ عریانی، زنا،

زناطنت، گالی گلوچ، رقص و سرود، بد اخلاق ڈرامے وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو انسانیت شہوانیت میں اضافہ کرتی ہیں۔ فحاشی قول کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور

عمل کے ذریعے بھی۔ اگر انسان کا عقیدہ اور اخلاق خراب ہو جائے تو عرب لوگ اس کو بھی فحاشی سے تعبیر کرتے ہیں۔ عربوں کے نزدیک بخل بھی اسی زمرے میں

آتا ہے۔ مگر آج پوری دنیا عریانی کی پھیٹ میں ہے اور اس سے اجتناب کرنے کی بجائے اس پر فخر کیا جاتا ہے۔ نیم برہنہ تصاویر، ناچ اور گانا وغیرہ بااخلاق

کی باتیں ہیں جن سے خدا نے منع کیا ہے۔ جو شخص فحاشی کی باتوں میں ملوث ہو گا۔ وہ فلاح نہیں پاسکتا۔

دوسری منفی بات **وَالْمُنْكَرِ** ہے۔ اس میں وہ تمام بری چیزیں آجاتی ہیں جن سے شریعت بھی منع کرتی ہے اور عقل بھی بڑھانے والی ہے ہر نامعقول بات

جو فطرت سلیمہ اور عقل صحیحہ کے خلاف ہو منکر کی تعریف میں آتی ہے۔ اس کا منشا قوت بہیمیہ اور قوت شیطانیہ کا غلبہ ہوتا ہے۔ اللہ نے ایسی تمام چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

تیسری ممنوع چیز کے متعلق فرمایا **وَالْبَغْيِ** یہ بغاوت اور سرکشی ہے

تین منفی چیزیں
(۱) فحاشی

(۲) منکر

(۳) سرکشی

جس سے اللہ نے منع فرما دیا ہے، ہر قسم کا ظلم، زیادتی، تعدی، مار پیٹ، گالی گلوچ، چسینا چھٹی، بے عزتی، قانون شکنی، چوری ڈاکہ وغیرہ یعنی کی تعریف میں آتے ہیں ان سے بچنا چاہیے۔

الغرض تین کام کرنے اور تین کام نہ کرنے کا بیان فرما کر اللہ نے اس آیت کریمہ میں اہل اسلام کا اجتماعی پروگرام واضح کر دیا اور آخر میں فرمایا **يَعِظُكُمُ اللَّهُ تَعَالَىٰ تَمَّ كَرْنِصِيحَتِ كَرْتَمَبِه** اور سمجھانا ہے **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** تاکہ تم نصیحت پکڑ لو، اور اوامر و نواہی کو سمجھ جاؤ اور پھر ان پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا
 الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ
 عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا
 تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِي نَقَضَتْ
 غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ
 أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ
 هِيَ أَرْبَابٌ مِنْ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ
 وَلِيُبَيِّنَ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ
 تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً
 وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي
 مَنْ يَشَاءُ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾
 وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَزَلَ
 قَدَمُ بَعْدَ ثبوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوءَ بِمَا
 صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ
 عَظِيمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا
 قَلِيلًا إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ

كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹۵﴾

ترجمہ :- اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب کہ تم عہد کرو، اور نہ توڑو تم قسموں کو ان کے پختہ کرنے کے بعد اور تحقیق ٹھہرا تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اُپر ضامن۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کہتے ہو ﴿۹۱﴾ اور نہ ہو اُس عورت کی طرح کہ جس نے توڑ دیا اپنا کلما ہوا مضبوطی کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے۔ بناتے ہو تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان فاد کا ذریعہ، اس لیے کہ ایک گروہ زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے دوسرے سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم کو آزما ہے اس کے ساتھ، اور وہ کھول دیگا تمہارے سامنے ان باتوں کو جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۹۲﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو کر دیتا تم کو ایک ہی امت لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے، اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے، اور تم سے سوال کیا جائے گا ان کاموں کے بارے میں جو تم کیا کرتے تھے ﴿۹۳﴾ اور نہ بناؤ تم اپنی قسموں کو فاد اور خرابی کا ذریعہ اپنے درمیان پس پھل جائیں گے قدم پختہ ہونے کے بعد۔ اور چکھو گے تم سزا اس وجہ سے کہ تم نے روکا اللہ کے راستے سے۔ اور تمہارے لیے عذابِ عظیم ہو گا ﴿۹۴﴾ اور نہ خریدو اللہ کے عہد کے ساتھ قیمتِ معصومی۔ بیشک جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو ﴿۹۵﴾

گذشتہ سے پورے درس میں قرآن کریم کی جامعیت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو تَبْدِیْکًا نَا لِكُلِّ شَیْءٍ بنایا ہے، یعنی اس کتاب میں بنیادی طور پر ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔ اس کے بعد گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے جامع ترین آیت اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ اور تین میں تین مثبت اور تین منفی اشیاء کا ذکر فرمایا یعنی تین کام کرنے کا حکم دیا اور تین سے منع فرمایا۔ کرنے والے امور میں عدل و احسان اور قرابت و اہل حق کے حقوق کی ادائیگی ہے اور روکنے والے کام بے حیائی، برائی اور سرکشی ہیں۔ یہ آیت کرمیہ قرآن کے بیان کی بہترین مثال ہے کہ کوئی اچھی یا بُری چیز ایسی نہیں جو ان چھ باتوں سے باہر ہو۔ اس کی تشریح سابقہ درس میں عرض کر دی گئی تھی۔ یہ آیت خطبہ جمعہ میں بھی پڑھی جاتی ہے۔

تحریر معنوی
کی عبارت

قرآن پاک کی اس عظیم آیت کے معانی بدلنے میں بعض فرقوں نے پوری پوری کوشش کی ہے۔ مثلاً رافضی کی بنیادی ملاحظہ فرمائیے کہ انہوں نے مثبت چیزوں کو تو اپنے اصلی معانی پر محمول کیا ہے۔ جب کہ منفی چیزوں میں اس طرح معنوی تحریر کی ہے کہ فحشاء سے مراد ابو بکرؓ، منکر سے مراد حضرت عمر فاروق اور لغبی سے مراد حضرت عثمانؓ ہیں (العیاذ باللہ) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں بزرگ ترین ہستیوں سے منع کیا ہے اور اس طرح لوگوں کو ان حضرات سے متنفر کرنے کی کوشش کی ہے۔

تحریر معنوی میں قادیانی بھی روافض سے پیچھے نہیں ہے انہوں نے از خود ایک بستی آباد کی جس کا نام ربوہ رکھا۔ پھر جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لیے کہہ دیا کہ دیکھو اس بستی کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔ سورۃ المؤمنین میں اللہ تعالیٰ نے اِنَّا اَبَاکَ الْغَامِ یَا دُلَیْلَیْہِ وَجَعَلْنَا اِبْنَ مَرْزِیْمٍ وَاُمَّةً اٰیةً وَاَوْیْنٰہُمَا اِلَیَّ رَبُّوۃً ذَاتِ فَتْرٍ وَّمَعِیْنِیْہُمْ نے مسیح علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو اپنی نشانیاں بنایا اور انہیں

جائے قرار اور جاری پانی والی جگہ پر پناہ دی۔ قادیانی طبقہ کہتا ہے کہ یہاں پر بن مریم سے مراد خود ان کا گروہ ہے۔ کہتے ہیں کہ دیکھو قرآن پاک میں ہمارا ذکر ہے۔ ہم دریا نے چناب کے کنارے پر ربوہ میں آباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے عقیدے اور ایسی تحریر سے اپنی پناہ میں رکھے۔ کہاں ابن مریم اور آپ کی والدہ اور کہاں قادیانی فتنہ اور ان کا خود ساختہ ربوہ۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے تین مثبت اور تین منفی چیزوں کا حکم دینے کے بعد عہد و پیمان پر قائم رہنے کا حکم بھی دیا ہے۔ عہد و پیمان ایک انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی کرتا ہے اور اپنے ہم جنس بندوں کے ساتھ بھی۔ دونوں قسم کے عہد کا مطلب یہ ہے کہ جو عہد و پیمان اللہ کے نام پر، اس کو حاضر نظر جان کر یا اس کے نام کی قسم اٹھا کر کیے جائیں، ان کو پورا کیا جائے۔ پھر یہ ہے کہ عہد عمومی بھی ہوتے ہیں اور خصوصی بھی۔ عمومی عہد یہ ہے کہ جب ایک مسلمان کلمہ طیبہ پڑھتا ہے اور اللہ کی وحدانیت اور حضور علیہ السلام کی شریعت کی پابندی اپنے ذمے لازم قرار دیتا ہے، تو اب اس کا فرض ہے کہ اس عہد کو پورا کرے اور اس کے خلاف نہ چلے۔ خصوصی معاہدات وہ ہوتے ہیں جو ایک انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہے ورنہ انسان اخلاقی طور پر منافق ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کرو وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِدِهَا اور قسموں کو سچتہ کرنے کے بعد مت توڑو۔ وَلَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا اور تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر کفیل یا ضامن بنایا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کو گواہ بنا کر عہد کی پابندی کا وعدہ کیا ہے۔ تو پھر اپنے وعدے کی پوری پوری پاسداری کرنا اور عہد شکنی کے لیے کسی حیلے بہانے کا سہارا نہ لینا اللَّهُ يَعْصِمُ مَا تَعَصَّوْنَ بِشِكِّ اللہ تعالیٰ تمہاری

عہد کی
پابندی

کارگزاری کو جانتا ہے۔

عہد شکنی کی مثال اللہ نے اس طرح بیان فرمائی ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ
 نَقَصَتْ عَزَّوَجَلَّتُمْ بَعْدَ قَوْلِهِمْ إِنَّا عَمِلْنَا عَمَلًا نَبِيًّا
 کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے کلمے سوت کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔
 مشور ہے کہ مکے کی ایک صاحب مال عورت دن بھر سوت کاتی اور شام کو ان
 کئی ہوئی ایٹوں کو توڑ ڈالتی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ عورت سال کا اکثر حصہ سوت
 کاتی رہتی کہ جب کپڑا بنانے کا موسم آئیگا تو اس سے کپڑا بنا کر کسی کو تھنہ میں سے
 دوں گی، جب وہ موسم آتا تو کپڑا بنوانے کی بجائے سوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے
 پھینک دیتی۔ یہ ایسی بیوقوف عورت تھی۔ تو اللہ نے فرمایا کہ عہد و پیمان کی مثال
 کئے ہوئے سوت جیسی ہے۔ پیمان کو بچتر کرنے کے بعد توڑ ڈالنا کئے ہوئے
 سوت کو ضائع کر ڈینے کے مترادف ہے۔

عہد شکنی کی
 ممانعت

ارشاد ہوتا ہے تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ
 تم اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد اور خرابی کا ذریعہ بنائے ہو ان تَكُونُ أُمَّةً
 هِيَ أَرْجَبُ مِنْ أُمَّةٍ اس واسطے کہ ایک گروہ دوسرے سے بڑھا ہوا ہوتا ہے
 پہلے تم ایک گروہ سے معاہدہ کرتے ہو، پھر دیکھتے ہو کہ دوسرا گروہ اس سے
 بڑھا ہوا ہے تو پہلے گروہ کا عہد و پیمان توڑ کر دوسرا گروہ کے ساتھ سمجھتا کر لیتے
 ہو۔ فرمایا، یہ بہت بُری بات ہے۔ عہد و پیمان پر سختی سے قائم رہو۔ عہد شکنی
 منافق کی صفت ہے إِذَا عَاهَدَ عَدُوَّكُمْ وَهُوَ عَمَلٌ كَرِيمٌ اس
 کی خلاف ورزی کرنا ہے۔ اس کے برخلاف مومن کے لیے حکم یہ ہے۔
 «أَوْفُوا بِالْعُقُودِ» (المائدہ) عہد کو پورا کرو۔ عہد شکنی کے نتائج بڑے نراب
 نکلتے ہیں، انسان سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور وہ ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے۔

صاحب تفسیر حسینی لکھتے ہیں کہ مکی زندگی میں بھی بعض لوگوں نے حضور
 علیہ السلام کی حمایت کا عہد کیا تھا۔ اُس وقت مسلمانوں کی حالت بڑی کمزور تھی۔

جب انہوں نے قریش کا پلہ بھاری دیکھا تو آپ سے کیے گئے معاہدہ کی کچھ پرواہ نہ کی اور قریش کی حمایت کا فیصلہ کر لیا۔ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے عہد شکنی کی سخت مذمت بیان فرمائی ہے۔ برخلاف اس کے اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں نے عہد و پیمان کی سختی سے پابندی کی، جس کی وجہ سے ان کا اعتماد بحال ہوا اور اسلام کو ترقی حاصل ہوئی۔

بھاری
عہد شکنی

انگریزوں نے اپنے دور عروج میں مختلف اقوام سے جو معاہدے کیے، ان کی پابندی نہیں کی۔ پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں نے ترکوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا مگر جب انگریزوں کو فتح حاصل ہو گئی تو معاہدے کی تکمیل میں لیت و لعل کرنے لگے۔ جب ان کی توجہ اس طرف دلائی گئی تو برطانیہ کے وزیر جنگ لارڈ جارج نے براہ کرم دیا کہ اس قسم کے معاہدے پورا کرنے کے لیے نہیں بلکہ محض وقت گزری کے لیے کیے جاتے ہیں۔ امریکہ پاکستان کا شروع سے حلیف ہونے کا دعویٰ کرتا رہا ہے مگر جب بھی ضرورت پڑی اس نے وعدہ ایفاء نہ کیا۔ پاک ہند ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں امریکہ نے اپنی ذمہ داری پوری نہ کی۔ ملک دو بخت ہو گیا۔ مگر یہ جواز ہی دوڑاتا رہا ہے اور علی طور پر معاہدے کا حق ادا نہ کیا۔ یہ منافق قسم کے لوگ ہیں، جو بھی ان پر اعتماد کریگا، دھوکا کھا جائے گا، امریکہ اور برطانیہ عربوں کے ساتھ دوستی کا دم بھرتے ہیں مگر دلی ہمدردی اسرائیل کے ساتھ ہے۔ اسرائیل کو ایٹمی طاقت بنانے والے ہی لوگ ہیں، اور نہ اس کی کیا حیثیت ہے؟ بہر حال غیر مسلم قوموں کے برخلاف اسلام ہر قسم کے عہد کو پورا کرنے کی تعلیم دیتا ہے، خواہ اس میں کتنا بھی نقصان کیوں نہ ہو۔ اسی لیے فرمایا، اپنی قسموں کو اپنے درمیان فنا کا ذریعہ بناتے ہو کہ ایک قوم کے ساتھ معاہدہ کرتے ہو اور پھر دوسری طرف پلہ بھاری دیکھ کر اُدھر ہو جاتے ہو۔ یہ ہرگز روا نہیں۔

فرمایا **إِنَّمَا يَبُوءُ بِاللَّهِ يَدِ بِشَيْءٍ** اللہ تعالیٰ تمہیں اس قسم کے واقعات سے آزما رہا ہے کہ یہ عہد و پیمان میں کس قدر سچتہ ہیں اور اپنی

بات پر کس حد تک ثابت قدم رہتے ہیں۔ فرمایا: یاد رکھو! وَلِكَيْبَسْتُمْ
لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ
 اور قیامت والے دن اللہ تعالیٰ وہ تمام چیزیں تمہارے سامنے کھول کر رکھ
 دے گا۔ جن میں تم اختلاف کرتے ہو، اس وقت حقیقت حال پر اسے طریقے سے
 واضح ہو جائے گی۔

یہ اللہ تعالیٰ کی کمال حکمت ہے کہ سب لوگ ایک جیسے نہیں، کرنی مومن سے
 کرنی کافر اور کرنی نیا۔ اور کوئی بد۔ فرمایا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً
وَأَحَدَةً اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت یا گروہ بنا دیتا، مگر
 یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے ”وَلَوْ شَاءَ
اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ عَلَىٰ هُدًى“ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ہدایت
 پر جمع کر دیتا، مگر یہ جبری ہدایت ہوتی جو اس کے منشاء کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ
 نے ہدایت اور گمراہی خود انسان کی صواب و بد پر رکھی ہے۔ ایمان وہی قابل قبول
 ہو گا جو وہ اپنی رضا و رغبت سے اختیار کرے گا، اور اگر کفر کا راستہ اختیار کرے گا۔
تَرَعَدُ الشَّرْمَا حُذْرًا ہو گا۔

فرمایا اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی گروہ میں شامل کر دیتا، مگر وَاللَّٰكِن
يُفِضِلُ مَنْ يَشَاءُ وبلکہ وہ جسے چاہتا ہے گمراہی کے راستے پر ڈال
 دیتا ہے۔ اور گمراہ وہی ہوتا ہے جو ہٹ دھرمی اور ظلم و زیادتی کی بنا پر اپنی استعداد
 کو خراب کر لیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے واضح طور پر اعلان فرما
 دیا ہے وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (الصف) اللہ تعالیٰ
 نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ
 اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو راہِ راست پر نہیں لاتا۔ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا۔
 ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ

گمراہی اور
 ہدایت کا راستہ

(النساء) اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر ٹھے مار دیے ہیں سورۃ مطففین میں ہے كَلَّا بَلْ كُنَّا نَعْلَمُ قُلُوبَهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ان کی کارکردگی کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے اللہ تعالیٰ بلاوجہ کسی کے دل پر مہر لگا کر اسے ہدایت سے محروم نہیں کر دیتا اور نہ اسے ایمان سے محروم کرتا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل کے منافی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہدایت کی ہماری باتیں واضح کرنے کے بعد گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو اسی طرف ڈال دیتا ہے۔

فرمایا اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اور جسے چاہتا ہے ہدایت کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور اس کی اسل مثلیت ہدایت کی طرف ہی ہوتی ہے۔ جو شخص ہدایت کا مشلاشی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نصیب کر دیتا ہے، بلکہ اللہ نے فرمایا ہے وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (محمد) جو ہدایت کے راستے کی طرف آنا چاہتے ہیں، اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے۔ اور رجوع کرنے والے کو زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ فرمایا وَكَتَبْنَا لَهُمْ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ اور تم سے سوال کیا جائے گا ان کاموں کے متعلق جو تم کہتے تھے۔ آگے منزل آنے والی ہے جب کوئی عذر نہیں مٹا جائے گا لہذا کسی کے ساتھ بے عمدی نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ہر مومن اور کافر کے عہد کو پورا کرنا چاہیے۔

فرمایا وَلَا تَتَّخِذُوا الْاِيْمَانَ كُمُ دَخَلًا لِّبَيْنِكُمْ اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد کا ذریعہ نہ بناؤ۔ پہلے قسم اٹھا کر سچے عہد کر لیا اور پھر اس کی خلاف ورزی کی، یہ اخلاقی طور پر بھی مجرب بات ہے۔ اگر ایسا کرو گے فَانْعَمْنَا عَلَيْكُمْ لَعَلَّ تَتَّقُوا اللّٰهَ۔ تو قدم مضبوط ہونے کے بعد پھر پھسل جاؤ گے۔ اس کا نتیجہ بے اعتمادی کی صورت میں نکلے گا۔ کوئی تمہارا

بے عمدی
ذریعہ بنا
ہے

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ
 الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا
 يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ
 ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً
 طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا
 كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۷﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ
 بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۹۸﴾ إِنَّهُ لَيْسَ
 لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلٰى
 رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۹۹﴾ إِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلَى
 الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهٖ
 مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ :- اور جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے
 گا۔ اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔
 اور البتہ ہم ضرور بدلہ دیں گے اُن لوگوں کو جنہوں نے
 صبر کیا۔ اُن کا اجر بہتر ہو گا اُن کاموں کے بدلے
 میں جو وہ کیا کرتے تھے ﴿۹۶﴾ جس شخص نے اچھا کام
 کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو۔

پس ہم زندگی بسر کرائیں گے پاکیزہ۔ اور ہم ضرور بدلہ دیں گے ان کو ان کے بہتر کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے (۹۷) پس جب تو قرآنِ کریم پڑھے، تو پناہ مانگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان مردود سے (۹۸) بیشک وہ (شیطان) کہ نہیں ہے اس کا تسلط ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور جو اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں (۹۹) بیشک اس کا زور ان لوگوں پر ہے جو کہ اس کے ساتھ دوستانہ رکھتے ہیں، اور جو اس کی وجہ سے شرک کرنے والے ہیں (۱۰۰)

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے عمد و پیمان کو پورا کرنے کی سخت تلقین فرمائی تھی۔ اپنی قسموں کے ذریعے حقیر مال حاصل کرنے کی مذمت بیان فرمائی۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اس مال کی حقیقت بیان فرمائی ہے جو عمد شکنی کے ذریعے کمایا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ تو ختم ہو جائے گا۔ جس مال کی خاطر تم نے جھوٹی قسمیں اٹھائیں اور پھر عمد کو توڑا، وہ تمہارے پاس نہیں ہے گا۔ مفسرین کرام فرماتے کہ لفظ مَا عام ہے اور اس سے صرف مال و دولت ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہر چیز زندگی، صحت، زمین، مکان، باغات، کھیتیاں، کارخانے وغیرہ اس میں شامل ہیں۔ تمہیں اس دنیا سے بالآخر جانا ہے اور پھر تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے گا، اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ باقی رہنے والا ہے۔ ہر چیز کا والی دولت اللہ ہی ہے۔ ان کا کام ایمان، نیکی، اخلاص، خضوع، طہارت، اعمالِ صالحہ سب اللہ کے پاس محفوظ رہتے ہیں، ان میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔ لہذا دنیا کی ناپائیدار چیزوں کی خاطر ہیرا پھیری کرنے کی بجائے نیکی کو اپنا شعار بنا لو کہ یہی چیز باقی رہنے والی ہے

جو تمہیں کام دیگی۔

صبر بھی ملتے برابر بھی کا اہم اصول اور نیکی کی بات ہے۔ اللہ نے فرمایا
 وَلَنَجْزِيَنَّهُنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِمِصْرٍ كَثِيْرَةٍ
 کو ضرور ان کا اجر عطا کریں گے۔ جنہوں نے ایٹانے عہد کے لیے تکالیف برداشت
 کی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اس نیکی کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ انہیں اجر دے گا
 بِاِحْسٰنٍ مَّا كُنْتُمْ اَنْتُمْ اَعْمَلُوْنَ ان بہتر کاموں کے بدلے میں جو
 وہ انجام دیتے ہے اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم صبر کرنے والوں کو ان
 کی کارکردگی کا بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے۔ گویا ان کا بدلہ ان کے اعمال سے
 بہر صورت بہتر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ
 فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَلِهَا (الانعام) ہر نیکی کا کم از کم بدلہ دس گنا ہے، تو
 معلوم ہوا کہ ہر نیکی کا بدلہ اس نیکی سے بہتر ہو گا اور نیکی میں جس قدر اخلاص برطھتا
 جائیگا اسی قدر اجر میں بھی اضافہ ہوا جائے گا۔

فرمایا مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثَىٰ حَسْبُ شَخْصٍ
 نیک اعمال کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ نیک اعمال کے صلے میں مرد و زن
 میں کوئی تفاوت نہیں۔ بہر صنف کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے
 گا۔ نزولِ قرآن کریم کے زمانے میں بعض عورتوں کے دل میں خیال پیدا ہوا تھا
 کہ ہر میدان میں مرد ہی پیش پیش میں اور ہر مقام پر اللہ نے انہی کا تذکرہ کیا ہے
 حالانکہ ہم بھی نصفِ انسانیت ہیں۔ ان کے اس تردد کے جواب میں
 اللہ کے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں
 کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس کی اولین مثال تو یہی آیت ہے جس میں مرد اور عورت
 دونوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ دونوں صنفوں میں سے کوئی بھی ہو۔ اس کے اچھے
 اعمال کا بہتر بدلہ دیا جائے گا۔ سورۃ نساء میں لِلرِّجَالِ مِثْلُ مَا
 لِّلنِّسَاءِ وَلِلنِّسَاءِ مِثْلُ مَا لِلرِّجَالِ یعنی مردوں کے

حیاتِ طیبہ

یہ بھی ان کی کمائی میں سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی ان کی کمائی میں سے حصہ ہے، یعنی ان میں کوئی فرق ردائیں رکھا جائے گا۔ آیت زیر درج کی طرح کی آیت سورۃ نساء میں بھی موجود ہے "وَمَنْ كَفَرَ مَلًا مِنَ الصَّلَاحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ" یعنی عمل صلح ہونا چاہیے خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے، اللہ تعالیٰ سب کو رحمت میں داخل کرے گا۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ نے مردوں اور عورتوں کا ان کی تعریف کے ساتھ اکٹھا ذکر کیا ہے "اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنِيَتِيْنَ وَالْقَنِيَتِيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّابِغِيْنَ وَالصَّابِغَاتِ وَالْحَقِيْقِيْنَ وَالْحَقِيْقَاتِ فَرُوْجَهُمْ وَالْحَقِيْقَاتِ وَالذَّكِرِيْنَ اللّٰهُ كَثِيْرًا وَالذَّكِرَاتِ اَعْبَدَ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا" ان صفات کے حاملین تمام مردوں اور عورتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

فرمایا جس نے بھلی نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، شرط یہ ہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ کہ اسے ایمان کی دولت حاصل ہو۔ اگر ایمان کی بنیاد وجود ہوگی تو اعمال صا کہ پھل لائیں گے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے وعدہ فرمایا فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً کہ ہم انہیں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے یعنی اس دنیا میں وہ اچھی زندگی بسر کریں گے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حیات طیبہ سے مراد محض خوشحالی کی زندگی نہیں جس میں مال و دولت اور ظاہری آرام و راحت میسر ہو، کیونکہ یہ چیزیں تو بعض اوقات پکے سچے ایمانداروں کو بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ پاکیزہ زندگی سے مراد یہ ہے کہ انسان کو رزق حلال اور قناعت نصیب ہو، مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام

نے ارشاد فرمایا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرِزْقَ كَفَافًا وَفَنَّهُ
 اللَّهُ بِمَا آتَاهُ تَحْتِيقٌ وہ شخص کامیاب ہو گیا جس کو حقیقتِ اسلام حاصل ہو
 گئی، جسے بقدر کفاف روزی میسر آگئی اور جسے اللہ نے عطا کردہ روزی پر
 قاعیت نصیب فرمادی۔ یہی حیاتِ طیبہ ہے کہ زبان پر اللہ کا ذکر ہو، دل
 میں اللہ کی محبت اور سکون حاصل ہو۔ فرائض کو ادا کرتا ہو اور مستقبل کے متعلق
 اچھا عقیدہ رکھتا ہو۔ جب کسی شخص کو رزقِ حلال میسر آجائے گا تو اسے اطاعت
 میں تلاوت، سکون اور مزا آئے گا۔ جو شخص قاعیت کہتا ہے، اور اللہ کے
 ہر فیصلے پر راضی ہوتا ہے اُسے نیک کلم کرنے کی توفیق ملتی ہے اور صحیح
 معنوں میں اللہ بھی اُس پر راضی ہوتا ہے۔ یہی حیاتِ طیبہ ہے۔

سعدی صاحبؒ نے ایک نیک آدمی کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ چیتے کا
 زخم خوردہ دریا کے کنارے بیٹھا شکر خذ و ذی بجالاتا تھا۔ کسی نے کہا کہ اتنی تکلیف
 کے باوجود اللہ کا شکر کس بات پر ادا کرتے ہو تو کہنے لگا "الحمد لله به مصیبت
 گرفتار آدم نہ به معصیت؟"

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے مصیبت میں تو گرفتار کیا ہے مگر
 معصیت سے محفوظ رکھا ہے۔ حضرت مولانا شیخ العزما مال جل میں انگریزوں
 کے امیر تھے، ہر روز دس پارے تلاوت بھی کرتے تھے، کثرت سے درود شریف
 بھی پڑھتے اور ساتھ ساتھ اللہ کا شکر بھی ادا کرتے کہ اس نے مصیبت میں
 مبتلا کیا، کہیں معصیت میں مبتلا نہیں کر دیا۔ آپ نے جان پر کھیل کر انگریزوں
 کے خلاف فتویٰ دیا جس کی پاداش میں آپ کو سخت ترین تکالیف برداشت
 پکڑنا پڑیں مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ بہر حال ایمان سے خالی
 لوگوں کو اگر دنیا میں آرام و راحت بھی میسر آجائے۔ تو یہ حیاتِ طیبہ نہیں بلکہ
 حیاتِ خبیثہ ہوگی کہ جلدی ہی وہ جہنم کے کندہ نارتراش بننے والے ہیں۔
 فرمایا ہم اعمالِ صالحہ انجام دینے والے مومنوں کو حیاتِ طیبہ سے نوازیں گے۔

وَلَجَزَيْتُهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
 اور ہم ان کو ضرور بدلہ دیں گے ان کے بہتر کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔
 اس سے مراد جنت کی زندگی ہے کہ وہ بھی بہترین حیاتِ طیبہ ہوگی، یہی زندگی
 ہوگی جس کو موت نہیں، ایسا غنا ہوگا جس کے بعد فقر نہیں، ایسی صحت ہوگی
 جس کے بعد بیماری نہیں اور ایسی سعادت ہوگی جس کے بعد شقاوت نہیں
 ہوگی غرضیکہ دنیا میں اگر مصائبِ آلام بھی ہوں تو پھر بھی مومن کی زندگی پاکیزہ زندگی ہوگی
 اللہ نے اسے اطاعت کی توفیق دی، وہ فرائض ادا کر رہا ہے، یہی حیاتِ طیبہ
 ہے۔ اس کے برخلاف ایمان سے محروم غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، ان
 کی زندگیاں بڑے کاموں میں صرف ہو رہی ہیں، ہمیشہ جاہ و اقتدار کے بھوکے
 ہوتے ہیں، ان اللہ کے ساتھ کوئی تعلق قائم ہے اور نہ بنی نوع انسان کے ساتھ
 ہمدردی ہے، ان فرائض کی ادائیگی ہوتی ہے اور نہ آخرت پر ایمان ہے۔
 ایسے لوگ ناپاک زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہیں حیاتِ طیبہ حاصل نہیں ہو سکتی۔
 گزشتہ درس میں اللہ کا یہ احسان ذکر ہو چکا ہے **وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ
 الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** ہم نے یہ قرآن پاک نازل فرمایا جس میں
 ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔ اب اگلی آیت میں اس عظیم کتاب کے آداب
 کے سلسلے میں فرمایا ہے **فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَجَبِّدْ** جب آپ قرآن کریم
 کی تلاوت کریں **فَأَسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ**
 تو سب سے پہلے اللہ کے ساتھ شیطان مردود سے پناہ طلب کریں قرآن کریم
 کی تعلیم و تعلم اور اس کی تلاوت چونکہ اعلیٰ و ارفع کام ہے اس لیے شیطان
 اس میں گھل مل ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ شیطان نہیں چاہتا کہ کوئی مسلمان
 تلاوتِ قرآن کی سعادت حاصل کرے۔ اس لیے فرمایا کہ تلاوت شروع
 کرنے سے پہلے اللہ کے ساتھ پناہ مانگ لیا کرو۔ نماز کی روح رواں بھی
 تلاوتِ قرآن پاک ہی ہے۔ حدیث شریف میں معوض کے مختلف کلمات

تلاوت سے
 پہلے معوض

اُنے ہیں جیسے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ يا
 اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ نماز میں سورۃ فاتحہ
 کی تلاوت سے پہلے تعوذ ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاء و کرام
 فرماتے ہیں کہ ہر حصہ نماز کی پہلی رکعت میں تعوذ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم دونوں
 سنت ہیں جب کہ باقی رکعتوں میں صرف بسم اللہ مستحب ہے۔ تاہم امام
 شافعیؒ ہر رکعت کی ابتدا میں تعوذ اور بسم اللہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ قرآن کریم
 کی تلاوت سے پہلے تعوذ تو اس آیت میں آ گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بعض
 مقامات پر تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے۔ مثلاً بیت الخلا میں جاتے وقت
 اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْجُنُبِ وَالْجُنَابِثِ کے الفاظ کھلانے گئے ہیں بشرط
 سے پہلے بھی شیطان سے تعوذ کر لینا چاہیے اَللّٰهُمَّ جَبَبْنَا الشَّيْطٰنَ
 اے اللہ! ہم سے شیطان کو دور رکھ۔ اسی طرح ہر نیک کام کی ابتدا میں تمہیں
 کا حکم دیا گیا ہے۔ پکڑا پھینتے وقت، کھانا کھانے وقت سواری پر سوار ہوتے
 وقت، ہا ہر قدم رکھتے وقت بسم اللہ پڑھ یعنی چاہیے کہ یہ باعث برکت
 اور سفورن ہے۔

شیطانی غلہ

فرمایا تلاوت کرتے وقت شیطان مردود سے پناہ پکڑ لیں مگر یاد
 رکھیں اِنَّهُ لَيَسُرُّكَ لَكَ سُلْطٰنٌ عَلٰى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
 بیشک اس کا غلبہ ایمان والوں پر نہیں ہوگا۔ اور ان پر بھی نہیں ہوگا۔ وَعَلٰى
 رَبِّيْهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ گر یا کہ کامل
 الایمان لوگوں پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔ دوسری جگہ آتا ہے کہ جب شیطان
 اُن سے چھٹیر چھاڑ کر آتا ہے تو انہیں فوراً کھج آجاتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ
 کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ فرمایا اِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلٰى الَّذِيْنَ
 يَتَوَكَّلُوْنَ اَللّٰهُمَّ شَيْطٰنُكَ اَللّٰهُمَّ شَيْطٰنُكَ اَللّٰهُمَّ شَيْطٰنُكَ اَللّٰهُمَّ
 دوستی کرتے ہیں۔ جو اس کی رفاقت کرتے ہیں۔ وہ اُمی کے دوسرے
 لے بخاری ج ۲ ص ۴۶۳ ج ۲ ص ۴۶۳ ج ۲ ص ۴۶۳ ج ۲ ص ۴۶۳

میں پھنسنے سہتے ہیں اور پھر برائیوں کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ گویا تمام معاصی شیطان کی دوستی اور رفاقت کی وجہ سے سرزد ہوتی ہیں۔

فَرَمَا شَيْطَانُ كَالسَّلْطَانِ لَأَنْ لُّوْكَوْنَ بِرَبِّهِ قَائِمٌ هُوَ جَائِدٌ هُوَ وَالَّذِينَ
هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے ہوتے
 ہیں۔ شرکیہ رسوم ادا کرتے ہیں اور شیطان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں
 پھر وہ بدصورت چاہے انہیں لیے پھرتا ہے بلکہ کاترجمہ دو طریقے سے کیا جاتا
 ہے ایک یہ کہ بلہ سے مراد اللہ کی ذات ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ
 کی ذات کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ وہ شیطان کے جال میں پھنس جاتے
 ہیں۔ نیز بلہ کی "ب" بنبیہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے یعنی جو لوگ شیطان کے
 سبب کی وجہ سے شرک کرتے ہیں ان پر بھی شیطان کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے
 حقیقت بھی یہی ہے کہ لوگ شیطان کی وسوسہ اندازی اور اغوا کی وجہ سے
 شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اور جو ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ
 کرتے ہیں، ان پر شیطان کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا
 يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتِرٌ بَلْ أَكْثَرُهُمْ
 لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ
 رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ
 هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ
 أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ
 الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجِبْ وَهَذَا لِسَانُ
 عَرَبٍ مُّبِينٍ ﴿۱۰۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
 بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ
 عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكُذِّبَ
 الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَئِكَ
 هُمُ الْكُذِّبُونَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ :- اور جس وقت ہم تبدیل کر دیں ایک آیت
 کو دوسری آیت کی جگہ، اور اللہ بتر جانتا ہے جو کچھ بھی
 وہ اُتاتا ہے۔ تو کہتے ہیں (یہ نافرمان لوگ) کہ بیشک تو
 افتراء کرنے والا ہے۔ نہیں، بلکہ اکثر ان میں سے بے کلمہ
 ہیں ﴿۱۰۱﴾ آپ تمہیں بھیجے کہ اُتاتا ہے اس کو روح القدس

نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ، تاکہ ثابت کرے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور یہ ہدایت اور خوشخبری ہے فرمانبرداروں کے لیے (۱۰۲) اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ بیشک یہ لوگ کہتے ہیں کہ سکھانا ہے اِس کو ایک انسان۔ اُس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجی ہے۔ اور یہ قرآنِ عربی اور عجمی زبان میں ہے (۱۰۳) بیشک وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے اللہ کی آیتوں پر، اللہ اُن کو راہِ نین دکھاتا۔ اور اُن کے لیے عذابِ الیم ہے (۱۰۴) بیشک افرادِ باذہتے ہیں جھوٹے وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے، اور یہی لوگ ہیں جھوٹے (۱۰۵)

گذشتہ درس میں آدابِ تلاوتِ قرآن سکھانے گئے تھے۔ اللہ ^{ربط آیت} نے فرمایا کہ تلاوت شروع کرتے وقت شیطان مردود سے اللہ کے ساتھ پناہ پکڑ لیں تاکہ آپ اس کے دوسرے سے بچ جائیں۔ فرمایا شیطان کا تسلط اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو اس سے دوستانہ رکھتے ہیں اور پھر اسی کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے والے کامل الایمان لوگوں پر شیطان کا دائرہ نہیں چلتا۔

اب آج کی آیات میں قرآنِ پاک ہی سے متعلق مشرکین کے بعض شکوک و شبہات کا دلائل کے ساتھ ازالہ کیا گیا ہے۔ اس طرح گویا ان آیات کا گذشتہ مضمون کے ساتھ ربط ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم کو پڑھے بغیر ایمانیات اور دین کے صحیح اصول معلوم نہیں ہو سکتے، حالانکہ ایک مومن ان کا محتاج ہے اسی طرح فروعی مسائل کا حل بھی قرآنِ کریم کو پڑھے بغیر معلوم نہیں ہو

سکتا، چنانچہ یہی بات آئے اسی روح میں ارہی ہے کہ کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم لگانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے ہم اپنی زبان سے کسی شے کو حلال و حرام قرار نہیں دے سکتے۔ غرضیکہ اللہ کا یہ پاک کلام زندگی کے ہر موڑ پر ہماری راہنمائی کرتا ہے اور یہ راہنمائی اس کی تلاوت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

نسخ آیات

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ کے اس اعلیٰ و ارفع کلام کا ہر قسم کی تخریف اور شک و شبہ سے پاک ہونا ضروری ہے۔ اگر اسی میں شک پیدا ہو گیا تو پھر اس کے احکام پر عمل درآمد کیسے ہو گا اور اس کی تلاوت سے صحیح نتیجہ کیسے مرتب ہو گا۔ چونکہ مشرکین مکہ قرآن پاک کے متن میں بعض اعتراضات کرتے تھے، اس لیے اللہ نے ان کا بدل جواب دیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ اور جب ہم تبدیل کرتے ہیں ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ یعنی کسی حکم کی تبدیلی پر قَالُوا لَئِنَّا لَمُفْتَرٍ کافر اور مشرک لوگ کہتے ہیں کہ تو تو افتراد کرتا ہے۔ یعنی جھوٹ بانڈھتا ہے کہ فلاں حکم فلاں کے ساتھ بدل گیا ہے۔ بحسب اللہ تعالیٰ کو اپنا حکم بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اللہ کو پہلے معلوم نہیں تھا کہ کون سا حکم اُس کی مخلوق کے لیے موزوں ہے العیاذ باللہ اس سے تو اللہ تعالیٰ پر جہالت صادق آتی ہے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے درمیان آیت فرمایا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس چیز کو وہ نازل کرتا ہے۔ اسے اپنے پہلے حکم کا بھی اچھی طرح علم ہے اور وہ اس کی حکمت اور مصلحت کو بھی جانتا ہے نیز وہ اپنے نئے حکم یا آیت کی حکمت و مصلحت سے بھی خوب واقف ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ جس طرح زمانہ اور واقعات بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔

نسخ آیات
کی حکمت

اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی مریض کو کسی وقت میں کسی دوا کی ضرورت

ہوتی ہے جب کہ کچھ وقت کے بعد اس کی حالت کے مطابق دوا تبدیل کرنا پڑتی ہے۔ کبھی سرد دوا مناسب حال ہوتی ہے اور کبھی گرم، گویا مریض کے مرض میں تبدیلی کے ساتھ طبیب دوا بھی تبدیل کرتا رہتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی انسانی معاشرے کے حالات و ضروریات سے واقف ہے اس لیے وہ ان کے مناسب حال ہی احکام نازل فرماتا ہے۔ پھر جب معاشرے میں قدرے تبدیلی آجاتی ہے اور اُسے دوسرے احکام کی ضرورت ہوتی ہے تو پہلے احکام منسوخ کر کے

دوسرے جاری کر دیے جاتے ہیں۔ اب اللہ کی آفری شریعت پیغمبرِ آخر الزمان پر مکمل ہو چکی ہے۔ اب یہ دومی احکام ہیں جن میں تغیر و تبدل کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہذا جب تک دنیا کا یہ نظام قائم ہے۔ یہ احکام بھی بدستور نافذ العمل رہیں گے۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں بعض احکام میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے۔ مکی زندگی میں جو حکم تھا وہ مدنی زندگی میں جا کر تبدیل ہو گیا۔ مثلاً کفار و مشرکین کے ساتھ جنگ کے متعلق مکی زندگی میں قانون یہ تھا: **كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ** (النساء) یعنی لڑائی سے ہاتھ روکے رکھو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اس وقت جماعت المسلمین کمزور تھی، اس لیے عدم جنگ میں ہی مسلمانوں کی مصلحت تھی۔ پھر جب مدنی دور میں مسلمانوں نے طاقت جمع کر لی اور وہ علی الاعلان جنگ کرنے کے قابل ہو گئے۔ تو اللہ کا حکم آگیا **قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ** (التوبة) جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے ان کے خلاف اعلان جنگ کرو گویا یہود و نصاریٰ، کفار اور مشرکین سب کے ساتھ لڑائی لڑنے کا حکم دیا گیا کہ اس وقت مصلحت کا یہی نفاذ تھا۔

سورۃ بقرہ میں آتا ہے "مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا حَبِيبٌ كَوْنِي حَكْمٌ مَّنْوَخٌ كَرْتِي هِي
 یا فراموش کر بیٹے ہیں تو اس کے بدلے میں اس سے بہتر یا کم از کم اس
 جیسا حکم لے آتے ہیں۔ بہتر سے مراد یہ ہے کہ نیا حکم اپنی نوعیت اور اجر و ثواب
 کے اعتبار سے بہتر ہوتا ہے ایسے حکم پر عمل پیرا ہونے میں بھی تسہیل کا پہلو
 نمایاں ہوتا ہے، لہذا ہم اسے تبدیل کر دیتے ہیں بَلْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْقِلُونَ مگر اکثر لوگ بے سمجھ ہوتے ہیں جو اس کی حکمت اور
 مصلحت کو نہیں جانتے۔

ارشادِ مہربان ہے قُلْ لِي غُفْرَانٌ آپ کہہ دیجئے تَنَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ
بِلِقَاحِ اس کو روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ
 اتار لیا ہے۔ بڑھم خویش یہ افتخار اور جھوٹ نہیں ہے۔ اور اس کی غرض و غایت
 یہ ہے يُنذِرَ الَّذِينَ آمَنُوا تاکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو بچتے کرے
 چنانچہ تلاوتِ قرآن سن کر ایمان والوں کے دل مضبوط ہو جاتے ہیں، ان کا
 ایمان پختہ ہو جاتا ہے، وہ اس پر یقین رکھتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہو جاتے
 ہیں۔ فرمایا قرآن فَهُدًى وَبُشْرَى واضح ہدایت ہے جو انسان کی زندگی کے ہر موڑ
 پر راہنمائی کرتا ہے، انسانوں کی سمت درست کرتا ہے اور انہیں اندھیروں
 سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ یہ
 مسلمانوں کے لیے خوشخبری کا ذریعہ ہے۔ اس پر ایمان لانے اور عمل کرنے
 والوں کے لیے دائمی اور بہتر زندگی کی بشارت بھی ہے۔ سورۃ یونس میں ایسے
 لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے أَنْ لَهُمْ قَدْرٌ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ
 ان کیلئے انکے رب کے پاس سچائی کا پایا ہے ایمان لانے والے سچائی کے پائے ہیں
 قدم رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرنے والوں کو خوشخبری دی جاتی ہے۔ یہ تسلی کا مضمون بھی ہو گیا۔
 اس آیت کریمہ میں روح القدس کا لفظ توجہ طلب ہے اس سے

نزولِ قرآن
 کی غرض

روح
 القدس

مراجہ برائے علیہ السلام ہیں جن کے واسطے سے قرآن کریم حضورؐ کے قلب مبارک پر نازل ہوا۔ سورۃ الشعراء میں موجود ہے: "إِنَّهُ لَكُنزٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ" نزلکہ بِإِذِ الرَّوْحِ الْأَمِينِ ۗ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنذِرِيْنَ" اس قرآن کریم کو روح الامین نے رب العالمین کی طرف سے آپ کے قلب مبارک پر نازل فرمایا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ کے واقعہ میں بھی آیا ہے کہ مشرک لوگ شاعر اسلام اور پیغمبر اسلام کی ہجو کرتے تھے اس پر آپ علیہ السلام نے حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا کہ ان کے اشعار کا جواب دو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری تائید روح القدس کے ساتھ کرے گا۔ چنانچہ حضرت حسانؓ مشرکوں کو شعروں میں جواب دیا کرتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ روح القدس کی تائید کا مطلب یہ ہے کہ ملا اعلیٰ کے تمام گروہ کسی خاص امر کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اسی کا نام روح القدس کی تائید ہے۔

نزول قرآن
پراعتراس

فرمایا وَلَقَدْ نَعَلَكُمْ ؕ بِمَنْ خُوبَ جَانْتِ هِي اَنَّهُمْ كَيْفَ قَوْلُونَ
اِنَّهَا كَيْفَ لَعَلُّهُ بَشِيْءٌ كَمَا كَفَرُوْا مَشْرِكٌ لُّوْگ يُوْنُ كَسْتِ هِي كَمَا يَهُ قُرْآنٌ پَاك
حضور علیہ السلام کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جبریل یار
یعیش یا بلعام نامی ایک رومی غلام تھا۔ اس کا پہلا مذہب عیسائیت تھا
ابھیل پڑھا کرتا تھا۔ پھر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ شخص رات کے وقت
کبھی کبھی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ سے دین سیکھتا
بعض اوقات حضور علیہ السلام خود بھی اس کے پاس تشریف لے جاتے۔ اس
پر مشرکین نے یہ پراپیگنڈا شروع کیا کہ یہ عجیب شخص آپ کو باتیں سکھاتا ہے
جسے آپ قرآن کے نام پر پیش کر دیتے ہیں۔

اس کا جواب

اس بہتان کے جواب میں اللہ نے فرمایا لِسَانُ الَّذِيْ يُمْلِكُ مَوْدُوْنَ

اَلَيْسَ اَعْرَبُ مِنْكَ يہ لوگ جس شخص کی طرف قرآن کو منسوب کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے۔ یعنی وہ شخص تو عربی زبان پر ہی قادر نہیں۔ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ اور اللہ کا یہ کلام فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔ بھلا وہ شخص جو خود اپنا ما فی الضمیر بھی ٹھیک طریقے سے عربی زبان میں بیان نہیں کر سکتا وہ قرآن پاک جیسا معجز کلام کیسے گھڑ سکتا ہے یہ ان لوگوں کا صریح جھوٹ اور بہتان ہے۔ اس کلام کو سن کر تو عرب کے بڑے بڑے ادیب اور شعرا انکشت بدنال رہ جاتے ہیں، بھلا اس رومی عجمی کی کیا حیثیت ہے کہ ایسے اعلیٰ دارف کلام کی تعلیم دے سکے۔ قرآن کریم نے تو واضح چیلنج دے رکھا ہے کہ اگر تمہیں اس کلام میں کوئی شک ہے "فَاتُوا بِسُودَةٍ مِّن مَّثَلِهَا" (البقرہ) تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لے آؤ۔ اس چیلنج کو قبول کرنے سے تو عرب کے بڑے بڑے شاعر بھی عاجز آگئے چہ جائیکہ اس کا مصنف کوئی عجمی آدمی ہو۔

فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ بِشَكٍّ جَرُّوْكَ اللّٰهُ تَعَالٰی كِيَّ اَيَاتٍ پُر اِيْمَانٍ نِّسِيْ كَقْتَلَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِيْسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بَلْ اِن كِيْلِيْ دَر دِنَاك عَذَابٍ تَارِيْ فَرَمَا اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكٰذِبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ بِشَكٍّ نِّهِي لوگ جھوٹ بانڈتے ہیں، جو اللّٰهُ تَعَالٰی كِي اَيَاتٍ پُر اِيْمَانٍ نِّسِيْ كَقْتَلَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِيْسے لوگ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ اُس نے قرآن خود گھڑ لیا ہے اِيْسے كِي عجمي نے سکھا ديا ہے۔ يِه مَضْرُوِي لوگ ہیں وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ اور حقيقت میں ہی لوگ جھوٹے ہیں بہر حال اللّٰهُ تَعَالٰی نے مشرکین کے اس اعتراض کا رد فرمایا ہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے اور یہ کہ اے کسی غیر عربی نے سکھا یا ہے۔ فرمایا یہ ایمان سے خالی لوگوں کا کام ہے اور یہی چیز قادی جڑ ہے جو انہیں غلط پراپیگنڈے پر آمادہ کرتی ہے

مشرکین
قرآن کے
ایسے سزا

النحل ۱۶
آیت ۱۰۶ تا ۱۱۰

دب ما ۱۳
درس بت ہشت ۲۸

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ
أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ
مَنْ شَرَحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ
مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذَلِكَ
بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى
الْآخِرَةِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۰۷﴾
أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ
وَسَمِعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۗ وَأُولَئِكَ هُمُ
الْغَافِلُونَ ﴿۱۰۸﴾ لَأَجْرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ
هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ
هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا
وَصَبَرُوا ۗ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ
رَّحِيمٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ :- جس شخص نے کفر کیا اللہ کے ساتھ

بعد ایمان لانے کے ، مگر وہ شخص کہ جس کو مجبور کیا

گیا افسوس کا دل مطمئن تھا ایمان کے ساتھ

لیکن (گناہ اس پر ہے) جس نے دل کھول کر کفر کیا

ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے عذابِ عظیم ہے۔ (۱۰۶)

یہ اس وجہ سے کہ بیشک وہ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو پسند کیا آخرت کے مقابلے میں اور بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا اس قوم کو جو کفر کرنے والی ہو (۱۰۷) یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے مہر کر دی ہے ان کے دلوں پر، ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر، اور یہی لوگ غافل ہیں (۱۰۸) ضرور بر ضرور بیشک یہ لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں (۱۰۹) پھر بیشک تیرا پروردگار، ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ہجرت کی بعد اس کے کہ ان کو فتنے میں ڈالا گیا، پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا، البتہ اس کے بعد بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۱۰)

گذشتہ آیات میں رسالت کے علاوہ قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر تھا۔ یہ اللہ کا کلام ہے جسے جبرائیل امین نے اللہ کی جانب سے پیغمبر علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ مشرکین بہتان لگاتے تھے کہ قرآن پاک سخاں اللہ نہیں بلکہ ایک عجمی شخص سے سیکھ کر آپ اے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ قرآن حکیم تو فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے، بھلا ایک عجمی آدمی یہ کیونکر پیش کر سکتا ہے حالانکہ وہ تو اپنا مافی الضمیر بھی عربی زبان میں پوری طرح بیان نہیں کر سکتا۔ اللہ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ ایسا افتراء وہی لوگ بانڈھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔

ربط آیات

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اکراہ و اضطراب کی حالت کے مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔ اگرچہ کلمہ کفر کسی حالت میں بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ تاہم اگر کوئی

شخص مجبوری کی حالت میں اپنی جان بچانے کی خاطر اپنی زبان پر کلمہ کفر لانا ہے، تو وہ شخص کا فریاد تمہیں نہیں ہو جاتا بشرطیکہ اُس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ ایسے شخص کو کفر کا کلمہ کہنے کی وقتی طور پر رخصت ہوگی۔

وقتی طور پر
رخصت

تاریخ اسلام ان واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں مشاہیر اسلام نے بے شمار ذاتی قربانیاں دے کر کلمہ حق کو بلند رکھا۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کا واقعہ مشہور ہے۔ کفار نے آپ کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا، حتیٰ کہ جان سے مار دینے کی دھمکی دی آپ نے مجبوری کی حالت میں کفار کی بات مان لی۔ جان چھوڑ کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارا ماجرا کہہ دیا۔ آپ نے فرمایا: **كَيْفَ جَعَدَ قَلْبُكَ تَهَارَءَ دِلِّكَ كَيْفِيَّتَ كَيْسِي** ہے۔ زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کے باوجود دل دین پر مطمئن ہے یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا حضور! دل تو بالکل مطمئن ہے۔ فرمایا کوئی بات نہیں **إِنْ عَادُوا وَقَعُدُوا** اگر دوبارہ کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے اور کافر تمہیں مجبور کر دیں تو تم اسی طریقے سے اپنی جان بچا سکتے ہو۔ امام ابو بکرؓ جصاصؒ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں رقمطراز ہیں کہ خواہ جان کا خطرہ ہو یا جسم کے کسی عضو کے کٹ جانے کا ڈر ہو متعلقہ شخص کو کفار کی بات ماننے کی صرف رخصت ہے، البتہ بلند درجہ پر ہے کہ انسان حق کی بات پر ڈٹ جائے خواہ اس کے لیے شہادت ہی کیوں نہ قبول کرنی پڑے۔

دین کی خاطر
قربانیاں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبِ عزیمت صحابہ میں سے حضرت بلالؓ کا نام کسی نہ صرف کا محتج نہیں۔ آپ کو کفار نے مجبور کیا **ارْجِعْ** یعنی اسلام کو چھوڑ کر پانے دین میں واپس آ جاؤ۔ آپ نے جواب دیا **لَا اَرْجِعُ** یعنی میں واپس نہیں ہٹوں گا۔ کفار کلمہ کفر لکھوا نا چاہتے تھے مگر آپ اِحْدَا حِدِّہِی بچاوتے ہے۔ آپ کو گرم ریت پر لٹا کر اُدھر پھینک دیا گیا، آپ کے جسم کو گرم سلاخوں سے داغا گیا، مگر آپ اللہ اللہ کا ورد ہی کرتے رہے اور

کلمہ کفر زبان پر نہ لائے۔ آپ نے فرمایا کہ کفار اللہ کے نام سے چڑتے ہیں۔ اگر مجھے کوئی کلمہ بھی معلوم ہو جس سے یہ چڑتے ہیں تو میں وہ بھی زبان پر لاسکتا ہوں۔^{۲۵} سے نہیں رکوں گا۔ حضرت بلالؓ نے کمال عزیمت کا مظاہرہ کیا، سخت ترین جسمانی سزائیں برداشت کیں مگر کفر کا کلمہ نہ کہا۔ اگرچہ آپؐ شہید نہیں ہوئے مگر آپ نے دین کی خاطر سردھڑ کی بازی لگادی۔ حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ سخت ترین سزائیں برداشت کرتے ہوئے شہید ہو گئے، مگر کفر کا کلمہ اپنی زبان پر نہ لائے۔ آپ کی والدہ حضرت سمیہؓ کی دونوں ٹانگیں دو مختلف اونٹوں کے ساتھ باندھ دی گئیں۔ پھر ابو جہل نے ان کے مقام مخصوصہ میں نیزہ مار کر آپ کو ہلاک کر دیا اور اللہ نے انہیں بلند ترین مرتبہ عطا فرمایا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت نجیب ابن زید انصاریؓ کسی طرح میلہ کذاب کے ہاتھ آ گئے۔ میلہ کسنے لگا۔ کیا تم محمدؐ کی رسالت گمانتے ہو؟ آپ نے فرمایا، وہ اللہ کے رسول ہیں اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ پھر میلہ نے پوچھا کہ میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا مجھے اللہ کا رسول تسلیم کرتے ہو؟ حضرت نجیبؓ نے فرمایا کہ یہ بات تو میں سننے کے لیے بھی تیار نہیں چاہتا، کیونکہ تمہاری رسالت کا اقرار کروں۔ کسنے لگا میں تمہارا ایک ایک عضو کاٹ کر ہلاک کر دوں گا۔ فرمایا تو جو چاہے کہہ بغرضیکہ آپ کا جوڑ جوڑ کاٹ کر آپ کو شہید کر دیا گیا۔ مگر آپ کلمہ کفر زبان پر نہ لائے۔ حضرت نجیبؓ کا واقعہ بھی بڑا مشہور ہے۔ کافروں نے کفر کا کلمہ کہلوانا چاہا، سولی پر چڑھانے کی دہکی دی مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور فرمایا اللہ کے راستے میں اُسی کی عطا کردہ جان قربان کر دینا کوئی

بڑی بات نہیں۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ آپ کو سولی پر لٹکا کر شہید
 کر دیا گیا۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حضرت خبیث اور حضرت زید ابن دسریہ
 کو کافروں نے ایک ہی دن شہید کیا۔ شہادت سے پہلے انہوں نے حضور علیہ السلام
 کی خدمت میں سلام بھیجا کہ اے اللہ! ہمارا اسلام ہمارے پیارے نبی تک پہنچا
 نے۔ جب یہ پیغام حضور علیہ السلام کو ملا تو آپ نے دونوں کے لیے دو حکم اسلام کہا۔
 امام ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کے حوالے سے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ نقل
 کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حذیفہ بھیجی اور آپ کے بعض ساتھی رومیوں کے
 خلاف جہاد کرتے ہوئے اُن کے قیدی بن گئے۔ انہیں بادشاہ کے سامنے
 پیش کیا گیا۔ تو اُس نے آپ کو دین سے پھیرنے کے لیے لالچ دینے کی
 کوشش کی۔ کہنے لگا اگر دین اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لو تو میں تمہیں نہ
 صرف اپنی حکومت میں شریک کر لوں گا۔ بلکہ ازواجِ بنتیٰ اپنی بیٹی کا نکاح
 بھی تجھ سے کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا اگر تم اپنا سارا ملک اور پورا عرب بھی
 مجھے دید و تو میں آنچھ جھکنے کی مقدار بھی محمد کے دین سے پلٹنے کے لیے
 تیار نہیں ہوں، بادشاہ نے حکم دیا کہ آپ کو سولی پر چڑھا کر ہلاک کر دیا جائے۔
 آپ نے فرمایا۔ اللہ کے راستے میں ہلاک ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ میں اس
 کے لیے تیار ہوں۔ پھر بادشاہ نے تانبے کی ایک بہت بڑی دیگ منگوائی
 بعض روایات میں تانبے کا بنا ہوا گائے کا بہت بڑا جھج بھی آتا ہے۔ بہر حال اس دیگ
 یگانے میں تیل یا کوئی اور چیز ڈال کر اُسے خوب گرم کیا گیا۔ پھر آپ کے ساتھیوں
 میں سے ایک شخص کو اس تیل میں پھینک دیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس کا
 جسم جل کر کوئلہ بن گیا اور اُس کی ٹہریاں زائل ہونے لگیں۔ اس کے بعد پھر حضرت
 عبداللہ سے کہا کہ مان جاؤ نور نہ تمہارا بھی یہی حشر ہونے والا ہے۔ آپ نے
 فرمایا کہ میں ایک لمحہ بھر کے لیے بھی دین حق کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں
 بادشاہ نے پھر حکم دیا کہ اُسے سولی پر چڑھا کر اس کے دائیں بائیں تیر چلاؤ۔ مگر آپ

پھر بھی اپنے ایمان پر قائم ہے۔ بادشاہ نے سولی سے اتروالیا اور کہا کہ اسے
 پتی ہونی دیگ میں پھینک دو۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بادشاہ نے
 اپنے پاس بلایا اور کہنے لگا کہ شاید تم اپنا دین چھوڑ کر نصرانی بننے پر تیار ہو گئے
 ہو۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا، میں اپنی جان کے اٹلاف کے تصور سے
 نہیں روتا، بلکہ اس لیے رورہا ہوں کہ اللہ نے مجھے ایک ہی جان دی ہے
 جو میں اُس کے راستے میں قربان کر رہا ہوں۔ اگر میری ہزار جانیں بھی ہوتیں
 تو ایک ایک کر کے اللہ کے نام پر قربان کر دیتا۔ اس پر بادشاہ نے اپنے
 قریب بلا کر کہا کہ اگر تم میری پیشانی کو بوسے دو تو تمہیں رہا کر دوں گا۔
 فرمایا اس کام کے عوض میں اپنے سارے ساتھیوں کی رہائی چاہتا ہوں۔ بادشاہ
 نے یہ شرط قبول کر لی۔ حضرت عبداللہؓ نے بادشاہ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر
 اپنے لشکر کے ہمراہ رہائی پا کر واپس آ گئے۔ حضرت عمرؓ کے سامنے سارا
 واقعہ بیان کیا تو آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، لوگو! سب
 سے پہلے میں عبداللہؓ کی پیشانی کو بوسہ دینا ہوں، تم بھی ایسا کرو۔ پھر سب لوگوں نے
 آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

اب مسئلے کی نوعیت یہ ہے کہ عزیمت تو اسی میں ہے کہ انسان کفر کا
 کلمہ کہنے کی بجائے شہادت قبول کرے، مگر مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی
 اپنی "تفسیر منظر ہی" میں لکھتے ہیں کہ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب
 جان جانے کا خطرہ ہو تو انسان لگے کفر زبان سے ادا کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا دل
 ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ یہ اجازت ہے اگرچہ عزیمت اس کے خلاف
 ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کو مجبور کیا جائے کہ دوسرے مسلمان کا مال
 تلف کر دو ورنہ جان سے مار دیے جاؤ گے یا تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے
 جائیں گے۔ تو ایسے شخص کے لیے گناہوں سے ہے کہ وہ دوسرے جہانی کا مال تلف
 کر کے اپنی جان بچائے۔ ایسی صورت میں اگر انصاف والی حکومت ہوگی تو

اضطراری
 حالت کے
 سائل

مجبور کرنے والے شخص سے ضمانت لی جائیگی۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو مال تلف کرنے والا مسلمان بھی مال کا ازا کہہ سکتا ہے مگر اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالے۔ ہاں اگر کوئی دوسرے مسلمان کی جان تلف کرنے پر مجبور کرے تو پھر مسئلہ یہ ہے کہ مجبور آدمی اپنی جان کو درد سے سر کی جان پر ترجیح نہ دے بلکہ خود ہلاک ہو جائے اور دوسرے مسلمان کی جان کے درپے نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی کو مجبور کیا جائے کہ فلاں عورت سے زنا کرو ورنہ تمہاری جان ماری جائے گی تو اس کی بھی اجازت نہیں۔ اللہ کے نزدیک مسلمان عورت کی عزت و آبرو بڑی اہم ہے، لہذا ایسا شخص اپنی جان پر تھیل کر مسلمان عورت کی عزت کو بچا لے

ارشاد باری تعالیٰ ہے مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ جس

نے کفر کیا اللہ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد لَا مَنَ لَهُ اور وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِإِلْهَامِهِ مگر وہ جس کو مجبور کیا گیا حالانکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا وَالسَّيِّئُ مِنَ الشَّيْءِ بِالْكَفْرِ صَدْرًا لیکن گناہ اُس پر ہے جس نے سینہ کھول کر کفر کیا۔ فَعَلَيْهِمْ عَذَابٌ مِّنَ اللَّهِ ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے مطلب یہ ہے کہ مجبوری کی حالت میں جان بچانے کے لیے تو کلمہ کفر کہا جاسکتا ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہو۔ مگر جو کوئی دل کی گرائی سے کلمہ کفر ادا کرے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔

فرمایا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى

الْآخِرَةِ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کیا اور کفر کا کلمہ زبان سے ادا کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ کہ اللہ تعالیٰ کافر قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔ صراطِ مستقیم اسی کے حصے میں آتا ہے جس میں طلب اور خواہش ہو۔ اور جو

کوئی کفر پر مصر ہو اُسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد
 ہوتا ہے أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ
 اُن کے دلوں پر اللہ نے سر کر دی ہے۔ اُن کے دل سیاہ ہو چکے ہیں۔ وَسَمِعِ
عِهِمْ اور ان کے کان بند ہو چکے ہیں کہ حق بات کو سنتے ہی نہیں ،
 سنتے ہیں تو گوارا نہیں کرتے۔ وَأَبْصَارِهِمْ اور اُن کی آنکھوں پر پردے
 پڑ چکے ہیں۔ سورۃ بقرہ میں ہے وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ غرضیکہ
 وہ حق بات کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔ یہ ان کے کلہ کفر کرنے کی وجہ سے ہے
 فرمایا وَأُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ اور یہی لوگ غافل ہیں دنیا کی زندگی
 کو پسند کر کے خواہشات نفسانہ پر چلنے والے لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت سے
 غفلت میں پڑے ہوئے ہیں لَا جَبْرَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ
هُمُ الْخَاسِرُونَ ضرور بر ضرور یعنی یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ یہ لوگ
 آخرت کی زندگی میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔

فرمایا ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنَّا بَعْدَ مَا
هَاتَرُوا پھر بیشک تمہارا پروردگار رفتے میں ڈالے گئے مہاجرین ثُمَّ
جَاهَدُوا وَصَبَرُوا پھر جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور صابروں
 آرام پر صبر کیا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ
 بیشک تمہارا پروردگار ان لوگوں کے لیے البتہ بہت بخشش کرنے والا اور
 از حد مہربان ہے۔ اگر ان سے کوئی معمولی لغزش ہو بھی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے
 فضل اور وسیع رحمت سے اُن کو معاف فرما دیگا۔ ایسے لوگوں پر کوئی
 الزام نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کمزور لوگوں کو تسلی بھی دیدی ہے۔

النحل ۱۶

آیت ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳

ربما ۱۳

درس بہت وزہ ۲۹

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا
 وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمُ لَا
 يُظْلَمُونَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ
 آمِنَةً مَّطْمَئِنَةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ
 كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا
 اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا
 يَصْنَعُونَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ
 فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۱۳﴾
 فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا
 وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِن كُنْتُمْ إِيَّاهُ
 تَعْبُدُونَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ :- جس دن آئے گا ہر ایک نفس مجبوراً
 کرے گا اپنے نفس کی طرف سے وہ پورا پورا دیا جائے
 گا ہر نفس کو جو اس نے عمل کیا، اور ان پر ظلم نہیں
 کیا جائے گا ﴿۱۱۱﴾ اور اللہ نے بیان کی ہے ایک مثال
 ایک ایسی بستی کی جو امن والی اور اطمینان والی تھی۔ آتی
 تھی اس کی روزی کشادہ ہر طرف سے۔ پس اس بستی

دلوں نے کفر کیا اللہ کی نعمتوں کے ساتھ۔ پس چکھایا اللہ نے اس کو بھوک اور خوف کا لباس، اس وجہ سے کہ جو کچھ وہ کرتے تھے (۱۱۲) اور البتہ تحقیق آیا اُن کے پاس رسول اُن میں سے۔ پس جھٹلایا انہوں نے اُس کو، پس پکڑا اُن کو عذاب نے، اور وہ ظلم کرنے والے تھے (۱۱۳) پس (اے لوگو!) کھاؤ اُس میں سے جو اللہ نے روزی دی ہے تم کو حلال اور پاک، اور شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم خاص اُسی کی عبادت کرنے والے ہو (۱۱۴)

ربط آیات

پہلے قرآن حکیم کی صداقت و حقانیت کا بیان ہوا۔ فرمایا قرآن پاک کو خود سزا دے یا کسی عجمی شخص کا سکھلایا ہوا کسنے والے جھوٹے ہیں۔ نیز یہ کہ جس نے اپنے اختیار اور ارادے سے اپنی زبان سے کفر کی بات نکالی وہ خدا کے غضب اور لعنت کا نشانہ بنے گا۔ ہاں! اضطرابی حالت میں جب کہ جان جانے یا کسی عضو کے کٹ جانے کا خطرہ ہو، تو جان بچانے کے لیے کلمہ کفر زبان سے ادا کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا کہ وہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں، اس لیے وہ کفر کی بات زبان پر لاتے ہیں ایسے لوگوں کو محاسبہ اعمال کی کچھ فکر نہیں۔ یہ غامدی لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہیں، کان بند ہیں، اور آنکھوں پر پردے پڑ چکے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ نہ حق بات کو محسوس کرتے ہیں، نہ سمٹتے ہیں اور نہ بے دیکھتے ہیں۔ فرمایا حقیقت میں یہی لوگ غافل ہیں۔

اس حقیر دنیا کی خاطر کفر اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے آخرت اور مجاہدہ عمل کی منزل یاد دلائی ہے۔ فرمایا يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ اُس دن کو یاد کرو جب ہر نفس آنے گا تَحْبَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا اپنے نفس کی

ذاتی طور پر
تجاہد ہی

طرف سے خود سوال و جواب کرے گا۔ اُس کی طرف سے کوئی وکیل، بیرسٹر،
 والزمین، بھائی بہن یا اولاد کو جواب دینے کی اجازت نہ ہوگی، بلکہ اُسے اپنے اعمال
 کا خود ہی جواب دینا پڑے گا۔ حشر کے میدان میں ہر شخص کو اپنی پٹی ہوگی۔ اور
 وہ ایک دوسرے کی طرف توجہ نہیں کر سکیں گے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سِتْرٌ اَنْ يَكُنْ مِنْهُمْ جنم کی ستر ہزار زنجیریں ہوں گی اور ہر زنجیر کو کھینچنے
 والے ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ جو اُسے کھینچ کر قریب لائیں گے۔ اس وقت
 اس قدر دہشت کا سماں ہوگا کہ اللہ کے مقرب نبیؐ بھی نفسی نفسی پکار رہے ہوں
 گے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب محاسبے کی منزل آئے گی
لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجَمَانٌ تو اس وقت اللہ اور بندے کے
 درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر شخص کو براہ راست جواب دینا ہوگا۔ سورۃ
عَسْ فِيْكُمْ فِرْيَانٌ لِّكُلِّ اُمَّةٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَٰنٌ يُعْنِيْهِ
 اس دن حالت یہ ہوگی کہ ہر شخص کو دوسرے سے مستغنیٰ کر دے گی۔ کوئی کسی
 کے کام نہیں آنے گا، ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی کہ کسی طرح میں بچ جاؤں۔ بہر حال
 فرمایا کہ اس دن کو یاد کرو جس دن ہر نفس اپنی طرف سے خود جواب دہی کرے گا۔
وَلَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ اور ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دیا
 جائے گا۔ جو اُس نے عمل کیا۔ ہر نیکی اور ہر برائی کی پوری پوری جزا یا سزا ملے گی۔
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی جائیگی۔ نہ تو کسی کی نیکی
 میں کمی کی جائے گی اور نہ کسی کی کوئی برائی دوسرے کے سر پر ڈالی جائے گی۔ ہر ایک
 کے سامنے اُس کا اپنا کیا ہوا آئے گا۔ ہر شخص کا اپنا عقیدہ، اخلاق اور عمل ہی کام
 لائے گا۔ سورۃ مدثر میں ہے **"كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ"**
 ہر شخص اپنی ہی کمائی میں پھنسا ہوا ہوگا، جس سے نکل نہیں سکے گا۔ اور کسی پر زیادتی
 نہیں ہوگی بلکہ ٹھیک ٹھیک معاملہ کیا جائے گا۔

پورا پورا بدلہ

خوشحال سنی
 کمال

اگلی آیت میں اللہ نے ایک خوشحال سنی کی مثال بیان فرمائی ہے جس کے

باشندوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ نے ان پر عذاب مسلط کر دیا۔
 ارشاد ہوا ہے وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً اللہ نے ایک بستی کی مثال
 بیان فرمائی ہے كَانَتْ أَمِنَةً مُمْتَصِتَةً جو بالکل امن و اطمینان میں
 تھی۔ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس بستی سے مراد مکے
 کی بستی ہے کیونکہ یہ سورۃ مکی سے اور اس بستی کا ذکر ہے۔ البتہ شاہ ولی اللہ
 محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ مثال کسی ایک بستی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے
 بلکہ ہر وہ بستی مراد کی جاسکتی ہے جہاں اس قسم کے حالات پائے جائیں۔
 بہر حال مکے کی یہ بستی ایک خوشحال بستی تھی۔ تمام ضروریاتِ زندگی آسانی
 کے ساتھ دستیاب تھیں۔ امن و سکون تھا، کوئی شخص متفکر نہیں تھا اور نہ کوئی
 پریشان حال تھا۔ اشیائے خورد و نوش کی حالت یہ تھی يَأْتِيهَا رِزْقُهَا
رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ اس کی کشادہ روزی ہر طرف سے آتی تھی۔
 غلہ، پھل اور کھانے پینے کی دیگر چیزیں بافراط موجود ہوتی تھیں۔ جہاں تک اس
 بستی کے مامون ہونے کا تعلق ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی
 ”رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا“ (البقرہ) مولائے کریم اس
 بستی کو امن والا بناؤ۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا ”وَمَنْ دَخَلَهُ
 كَانَ آمِنًا“ (ال عمران) جو اس میں داخل ہوگا امن میں ہو جائے گا۔
 یہاں پر کوئی کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ فتنہ فساد کا کوئی ڈر نہیں۔ باوجود اس
 کے کہ یہ جگہ بے آب و گیاہ ہے، نہ زمین، نہ باغات، نہ چشمے اور نہ
 ہریالی مگر وہاں پر سارا سال رزق کی فراوانی رہتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام
 نے دعا کی ”وَإِذْ رَفَعْنَا هُكُلَهُ مِنَ الشَّجَرَاتِ“ (البقرہ) اس کے
 پہننے والوں کو پھلوں سے روزی عطا فرما، چنانچہ دنیا کے کسی بھی خطے میں پیدا
 ہونے والے ہر قسم کے پھل اس بستی میں پہنچتے رہے ہیں اب بھی پہنچتے ہیں
 اور انشاء اللہ ہمیشہ پہنچتے رہیں گے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اس بستی کی کشادہ

روزی ہر طرف سے آتی تھی۔

ناقدری
کی سزا

مگر اُس سببی والوں کی حالت یہ تھی فَكَفَرْتُمْ بِأَنفُسِكُمُ اللَّهُ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ کفر کا معنی ایمان اور توحید کا انکار بھی ہے اور اس سے ناشکری اور ناقدری بھی مراد ہوتی ہے۔ عام طور پر بھی انسان کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ (ابراہیم) بیشک انسان بڑا ظالم اور ناشکر گزار ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں مگر وہ زبان سے الحمد للہ تک نہیں کہتا۔ تو اس سببی کے لوگ بھی خدا تعالیٰ کے انعامات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان پر اللہ کے تین خاص انعامات تھے۔ یعنی امن، اطمینان اور کشادہ روزی مگر ان کی ناقدری کی وجہ سے فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھوک اور خوف کا لباس چھایا۔ ان کا وسیع رزق بھوک میں تبدیل ہو گیا اور امن و اطمینان کی بجائے ان پر خوف طاری ہو گیا۔ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ اس وجہ سے کہ جو کچھ وہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بُری کارگزاری کی یہ سزا دی۔

انکارِ رسالت
پر عذاب

پہلے اللہ نے اپنے تین احسانات کا ذکر کیا اب چھتھے بڑے احسان کے متعلق فرمایا وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَظِيمِ الشَّانِ رسول ان کے پاس آیا، جس کو وہ پہچانتے تھے کہ ان کے خاندان کا آدمی ہے، صادق اور امین ہے، راست باز اور نیک ہے، اُس کے اخلاق اتنے حمیدہ ہیں کہ کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ پھر جب اللہ کے اُس رسول نے لوگوں کو پیغام سنایا فَكَذَّبُوهُ تو انہوں نے اُس عظیم الشان رسول کی تکذیب کی اور اُسے اللہ کا رسول تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا فَالْحَذَقْنَاهُمُ الْعَذَابِ پس اللہ کے عذاب نے انہیں آپکڑا وَهُمْ ظَالِمُونَ در آنجا ایک وہ ظلم کرنے والے تھے حضور علیہ السلام نے مکہ والوں کے لیے بددعا فرمائی اللَّهُمَّ اجْعَلْ عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسَنِي يُوسُفَ

اے اللہ! ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے والے سال یعنی قحط ڈال دے
اللہ نے مکے والوں پر بھی قحط مسلط کر دیا۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ کچھ طرف
خشکی تھی، اوپر دھواں سا نظر آتا تھا، کھلنے کے لیے کچھ نہیں ملتا تھا۔ حتیٰ کہ
لوگ چمڑا اور مرداز تک کھلنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ نے ان کی کشادہ روزی کو
اسی تنگی میں بدل دیا۔

اُدھر امن و امان کی حالت بھی بگڑتی چلی گئی۔ جب انہوں نے اللہ کے نبی
کو جھٹلایا۔ اُسے طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں تو وہ ہجرت پر مجبور ہو گئے
اور بالآخر مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ کو دارالاسلام بنالیا۔ اللہ نے دلوں پر مسلمانوں کی مدد
فرمائی، انہوں نے طاقت جمع کی اور مکے والوں پر مسلسل خوف کی حالت طاری
ہو گئی اور جب تک مکہ فتح نہ ہو گیا۔ ان کے دن کا سکون اور رات کا چین ختم
ہو کر رہ گیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ حالات صرف مکہ کی بستی تک
ہی محدود نہیں بلکہ جس جگہ بھی اللہ کی نعمتوں کی ناقدری اور اللہ کے رسولوں کا انکار
ہوگا۔ دلوں ایسے ہی حالات پیدا ہوں گے۔ آگے سورۃ سبأ میں اللہ تعالیٰ
نے اہل سبأ کا حال بھی بیان فرمایا ہے۔ اُن لوگوں کو بھی اللہ نے عیش و آرام کے
بڑے سامان مہیا فرمائے مگر انہوں نے ناشکری کا اظہار کیا تو اللہ نے بہت
بڑا سیلاب بھیجا جس کی وجہ سے ان کی زمینیں، باغات اور کھیتیاں تباہ ہو گئیں
اللہ نے زمین سے روئیدگی کی طاقت ہی سلب کر لی۔ دلوں پر غلے اور پھلدار
درختوں کی بجائے بھنگلی بیر پیدا ہونے لگے۔ ہر طرف کانٹے دار جھاڑیاں نظر
آنے لگیں حالانکہ دہلی پر ڈیم کا پانی میسر تھا جس کی بنا پر میلوں لمبے باغات
اور غلے کے کھیت ہوا کرتے تھے۔ اللہ نے ہر چیز تباہ کر دی اور فرمایا
”وَهَذَا جَزَاءُ مَا كَفَرْتُمْ“ (سبأ) ہم ناشکر گزاروں کو ایسا ہی بدلہ
دیا کرتے ہیں۔

امن و امان
کی ضرورت

انسانی زندگی کے لیے امن و امان بڑی ضروری چیز ہے۔ اس کے بغیر کاروبار زندگی ٹھپ ہو جاتا ہے، کارخانے، زراعت، صنعت و صرفت غرضیکہ کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ دوسرے ملک کے ساتھ جنگ کی حالت ہو تو ہر وقت دشمن کا خوف رہتا ہے۔ بمباری ہوتی ہے۔ اٹلاک تباہ ہو جاتی ہیں اور لوگ گنے لگے نہیں۔ اندرونی طور پر بھی بدمنی ہو تو ہر وقت چوری، ڈاکے کا خطرہ رہتا ہے، لوگوں کی جان، مال اور عزت غیر محفوظ ہو جاتی ہے، آج دنیا میں ہر طرف بدمنی کی فضا پھیلی ہوئی ہے۔ سرکاریہ دارانہ نظام معیشت نے حرص اور لالچ کو جنم دیا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص جائزہ اور ناجائز طریقے سے سرمائے کی فکر میں رہتا ہے، خواہ اسمیں دوسروں کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ اشتراکی نظام اس سے بھی بدتر ہے جس میں کسی انسان کی عزت نفس محفوظ نہیں ہوتی، انسانوں سے جانوروں کی طرح کام لیا جاتا ہے مسائل آمدن چند ہفتوں میں محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور اس طرح بدمنی اور بے چینی مسئلہ سایہ فگن رہتی ہے اس کے برخلاف آسمانی شریعت ایسا نظام حیات قائم کرنا چاہتی ہے جس میں کسی کی جان، مال اور عزت و آبرو کو کوئی خطرہ نہ ہو، ہر شخص کو اس کے حسب حال روزی میسر ہو اور پورا معاشرہ امن و امان دوستی اور اخوت کا گوارا ہو۔

حدیث شریفین میں حضرت حذیفہؓ کا بیان آتا ہے کہ ابتدائی دور میں مجھے بالکل اطمینان حاصل تھا میں کسی بھی آدمی سے بلا خوف و خطر معاملہ کر سکتا تھا، لیکن بعد میں حالات تبدیل ہو گئے۔ اب میں خاص خاص آدمیوں سے معاملات کرتا ہوں۔ امن کے زمانہ میں میں سمجھتا تھا کہ اگر میں کسی مسلمان سے معاملہ کروں گا اور مجھے کوئی نقصان پہنچے گا کیسے کہ **لَا يَكُفُّ عَنْ اِيْتِهَا** دینے والا تو اس مسلمان کا دین میرے اس نقصان کو برداشت نہیں کرے گا یعنی وہ مسلمان مجھے دھوکہ دینے یا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ کسی غیر مسلم یعنی یہودی، عیسائی یا مشرک سے معاملہ کرتے وقت مجھے یقین ہوتا تھا کہ اگر مجھے نقصان پہنچے گا تو **لَا يَكُفُّ عَنْ اِيْتِهَا**

سُلْطَنُہ تو حاکم اس نقصان کی تلافی کرنے کے لیے گایعنی میں اگر حاکم وقت کے پاس شکایت کر دے گا تو وہ میرے نقصان کو برداشت نہیں کرے گا بلکہ میرے محتاج ۵۰ دلا دے گا۔ مجھے بالکل اطمینان تھا اور اچھے نظام کا یہی خاصہ ہے۔ اس کے برخلاف ہم برسے نظاموں کا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں، نذرین کو سکون اور نہ رات کو آرام ہر وقت دشمن، چور، ڈاکو، پڑوسی کا خطرہ رہتا ہے۔ کسی سے معاملہ کرتے وقت تسلی نہیں ہوتی۔ یہ نظام معیشت کی خرابی ہے کہ نہ امن و چین حاصل ہے اور نہ کشادہ روزی نصیب ہے، امکان، خوراک، لباس، عزت، نفس، صحت، تعلیم انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے۔ جو ہر آدمی کو حاصل ہونی چاہئیں مگر یہاں حالت یہ ہے کہ ایک طرف سرفسک عمارات اور ترقی یافتہ زندگی ہے تو دوسری طرف دو وقت کی روٹی بھی نصیب نہیں سرچھپانے کو سایہ نہیں اور علاج کے بغیر لوگ موت کی آغوش میں جا رہے ہیں۔ ان حالات میں امن و امان کا تصور کہاں کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر بڑے احسانات کیے ہیں مگر یہ ان کی قدر نہیں کرتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا ہے **فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا وَّ طَيِّبًا** پس کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی ہے حلال اور پاکیزہ چیزیں۔ حرام اور ناپاک کے قریب بھی نہ جاؤ۔ حرام دین اور اخلاق کو بگاڑ دیتا ہے اللہ نے اپنے سارے نبیوں کو یہی تعلیم دی **كُلُوا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا وَّ طَيِّبًا** (البقرہ) زمین کی پاک اور حلال چیزیں استعمال کرو۔ نجس اشیاء کو استعمال نہ کرو۔ ظاہری نجاست یہ ہے کہ کوئی چیز گل مٹھ جائے اور اس میں بدبو پیدا ہو جائے، ایسی چیز مفسر صحت ہوگی اور مکروہ تحریمی کے حکم میں آئے گی اور باطنی نجاست یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کا نام لے کر بکری ذبح کرے مگر ہو وہ چوری کی تو یہ طیب ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ ظاہری طور پر بے عیب ہونے

حلال اور
طیب روزی

کے باوجود نجس ہی رہے گی۔ آگے اللہ نے محرمات کی مختلف اقسام بھی بیان فرمائی ہیں۔ جوڑی، ڈاکر، رشوت، سمگلنگ کا مال کبھی پاک نہیں ہو سکتا۔ لہو و لعلب کی کھانی، فوٹو سازی اور فلمی صنعت سے کمایا ہوا مال کیسے طیب ہو سکتا ہے، کھیل تماشا ہو یا گانا بجانا سب حرام ذرائع آمدنی ہیں، ان ذرائع سے حاصل کردہ مال حلال نہیں ہوگا اور پھر یہ ہے کہ حرام اور نجس مال کھانے والے کی نہ عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ دعا۔ ایسی چیزیں انسان کے لیے جہنم کا زاد راہ نہیں گی۔

شکر گزری

ایک تو حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانے کی تلقین کی اور دوسرا فرمایا۔ وَ اشْكُرُوا وَ اِنْعَمْتِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُونَ اللّٰهُ تَعَالٰى کی نعمتوں کی قدر کرو، اگر تم خالص اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔ اللہ کی نعمتوں کی قدر کا یہی مطلب ہے کہ ہر نعمت جائزہ اور حلال ذرائع سے حاصل کی جائے اور اس کا استعمال بھی جائزہ ہو۔ فضول اور حرام کاموں پر مال ضائع نہ کیا جائے۔ حلال و حرام میں امتیاز رکھا جائے اور اللہ کے قانون کی پابندی کی جائے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ الْمِیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ
 الْخِزْرِ وَمَا اٰهَلٌ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهِ ؕ فَمَنْ اضْطُرَّ
 غَیْرَ بَاغٍ وَّوَلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۱۵ وَلَا
 تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ السِّنْتُكُمْ الْكُذِبَ
 هٰذَا حَلَلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰهِ
 الْكُذِبَ ۗ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ
 الْكُذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝۱۱۶ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ سَوَّوْهُم
 عَذَابٌ اِلَیْهِمْ ۝۱۱۷ وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرْمَنَا
 مَا قَصَصْنَا عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ
 وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝۱۱۸ ثُمَّ
 اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْءَ بِجَهٰلَةٍ
 ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا
 اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۱۹

توجہ سے ۱۔ بیک حرام قرار دیا ہے تم پر (اللہ نے)
 مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ کے
 سوا غیر کا نام پکارا گیا ہو پس جو شخص مجبور ہوا (اس مال

میں کہ) وہ سرکشی کرنے والا نہیں ہے اور نہ وہ سے تجاوز کرنے والا ہے۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۱۵) اور نہ کہو اس چیز کو کہ بیان کرتی ہیں تمہاری زبانیں جھوٹ، یہ حلال ہے اور یہ حرام، تاکہ افتراء باندھو تم اللہ پر جھوٹ۔ بیشک وہ لوگ جو افتراء باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ، وہ نہیں فلاح پائیں گے (۱۱۶) فائدہ ہے ٹھوڑا سا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (۱۱۷) ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے، ہم نے حرام و حلال کی وہ چیز جو ہم نے بیان کی ہے آپ پر اس سے پہلے۔ اور ہم نے ان پر زیادتی نہیں کی، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر زیادتی کرتے تھے (۱۱۸) پھر بیشک تیرا پروردگار ان لوگوں کے لیے جنہوں نے برائی کی نادانی کے ساتھ پھر توبہ کی ہے اس کے بعد اور اصلاح کی ہے انہوں نے، تو بیشک تیرا پروردگار اس کے بعد البتہ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۱۹)

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بیان ہو چکا ہے کہ صلوات اور طیبہ چیزیں کھاؤ، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے حلت و حرمت کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے چار قطعاً حرام چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ حلت و حرمت کا یہ قانون اس سے پہلے سورۃ بقرہ، سورۃ مائدہ اور سورۃ انعام میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ یہ بڑا اہم مسئلہ ہے جس کی پابندی اہل ایمان کے لیے نہایت ضروری ہے ان محرمات میں ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ماکولات میں شمار ہیں اور لوگوں کا اکثر و بیشتر ان اشیاء سے

واسطہ پر نارہنا ہے۔ یہ مسئلہ بیان کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر مشرک
مذکورہ محرمات کو بُرائی نہیں سمجھتے تھے اور ان کو بلا دروغ استعمال کرتے تھے،
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قطعی حرمت کا حکم لگایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ الْمِیْتَةَ بَشَرًا
اللہ نے تم پر مردارِ حرام قرار دیا ہے۔ اگر کسی حلال جانور کو شریعت کے بدلے
ہوئے طریقے کے مطابق ذبح نہ کیا جائے، تو اگرچہ وہ ذبح کیا گیا ہے، مگر
وہ مردار کے حکم میں ہی آئے گا۔ اگر کوئی جانور بعینہ بجزی وغیرہ خود بخود مر گئی تو
ظاہر ہے کہ وہ تو مردار ہی ہوگی اور اللہ کے اس حکم کے مطابق اس کا کھانا
قطعی حرام ہوگا۔ سورۃ مائدہ میں مردار کی بعض دوسری صورتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے
یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جو گلا گھٹ کر مر جائے، یا چوٹ لگنے سے مر جائے
یا کسی اونچی جگہ سے گر کر ہلاک ہو جائے، یا جسے درندے پھاڑ کھائیں یا جو کسی استخوان
پر ذبح کیا گیا ہو۔ اگر کوئی جانور عمداً اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کر دیا جائے تو وہ بھی
مردار کی تعریف میں آئے گا۔ سیکھ جھٹکا کرتے ہیں یا انگریز جانور کی پیشانی میں
گولی مار کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں طریقے حرام ہیں، کوئی مسلمان ایسے جانور
کا گوشت نہیں کھا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی زندہ جانور کے جسم سے کوئی حصہ کاٹ
لیا جائے تو وہ بھی حرام ہوگا۔ زمانہ جاہلیت میں جب کسی پر مجبوری کی حالت
ہوتی تھی، کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا تو اینٹ کی کوہن کاٹ کر کھا لیتے تھے۔
زخم بعد میں ٹھیک ہو جاتا تھا۔ اسی طرح اگر کسی دنبے کی چٹی کاٹ لی جائے
تو وہ حرام کے حکم میں آئے گی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے مَا أَمِنَ
مِنَ الْجَحْرِ فَهُوَ مِیْتٌ جو عضو زندہ جانور سے کاٹ کر الگ کر لیا
جائے وہ مردار تصور ہوگا۔ مفسرین کلام مردار کی حرمت کی یہ حکمت بیان کرتے
ہیں کہ جسم میں سستی پیدا ہوتی ہے اور مردار کھانے میں لطف و نشاط کا عنصر
مفقود ہوتا ہے۔ انسان میں اخلاقِ رذیلہ پیدا ہوتے ہیں، لہذا اس کو حرام

قرار دیا گیا ہے۔

فرمایا ایک تو مردِ حرام ہے اور دوسرا وَالذَّمَّ یعنی بننے والا خونِ حرام ہے۔ جانور کو ذبح کرتے وقت جو خون بہہ جاتا ہے۔ یہ ناپاک اور حرام ہے۔ چونکہ خوراک انسانی اخلاق پر اثر انداز ہوتی ہے اس لیے خون کے استعمال سے انسان میں درندگی کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ خو خوار درندے، شیر، چیتا وغیرہ کی طرح انسان بھی درندگی پر اتر آتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے خونِ حرام قرار دیا ہے۔ البتہ اضطراری حالت کا ذکر آیت کے اگلے حصہ میں آ رہا ہے۔ اگر کسی شخص کے جسم میں خون کی مقدار اس قدر کم ہو جائے کہ اُس کی زندگی کا بچاؤ مشکل ہو جائے تو ایسی حالت میں فقہائے کرام نے ایک انسان کا خون دوسرے انسان میں منتقل کرنے کی اجازت دی ہے۔ عام حالات یا معمولی تکلیف میں انتقالِ خون درست نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ طہارت، سماحت، اجابت اور عدالت جیسے پاکیزہ اخلاق کی نشوونما میں خوراک کو بڑا دخل حاصل ہے۔ انسان جس قسم کی خوراک استعمال کرے گا۔ اُس کے اخلاق پر اسی قسم کے اثرات مرتب ہوں گے۔

تیسری حرام چیز فرمایا وَالْحَمَّ الخنزیر کا گوشت ہے حقیقت خنزیر کی ہر چیز بال، کھال، ہڈیاں، خون وغیرہ حرام ہیں تاہم چونکہ بعض اقوام میں عام طور پر اس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے گوشت کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء کی شراعی میں خنزیر حرام ہی رہی ہے مگر یہ سب عیسائیوں کی بدبختی ہے جو اسے بھیڑ بھڑی کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ جب مسیح علیہ السلام دنیا میں دوبارہ نزول فرمائیں گے تو وہ اپنی قوم سے سخت ناراض ہوں گے کہ جس جانور کو ساسے نبیوں کی شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے آپ کی قوم نے خوب

کھایا، چنانچہ اس کی تذلیل کی خاطر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خنزیر کو قتل کریں گے۔ مولانا
 بئید اللہ نے صحیح اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس جانور میں دو ایسی قبیح خصلتیں پائی
 جاتی ہیں، جو انسانی فطرت کے خلاف ہیں۔ ایک یہ کہ یہ جانور گندگی کھاتا ہے۔
 لہذا اس کا گوشت کھانے والے شخص کے دل و دماغ میں بھی گندگی کے اثرات
 پیدا ہوں گے۔ دوسری بری خصلت یہ ہے کہ یہ ایسا بے غیرت جانور ہے کہ
 کسی گھٹی نر ایک مادہ سے بیک وقت جفتی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خنزیر خور
 قوموں میں انتہائی درجے کی بے غیرتی پائی جاتی ہے۔ جس کا مشاہدہ دنیا میں
 کیا جا رہا ہے۔ بغیر ضیاع اللہ نے خنزیر کا گوشت بھی حرام قرار دیا ہے۔

چوتھی حرام چیز نذر غیر اللہ ہے۔ وَمَا أَهْلَ لَعْنَتِ اللَّهِ بِهِ
 جو جانور اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کے تقرب اور خوشنودی کے لیے مشور
 کیا گیا ہو، وہ بھی حرام ہے۔ اگر کوئی جانور یا دیگر کوئی چیز لات امانت یا عزنی
 وغیرہ کی نذر کی گئی تو وہ حرام ہوگئی۔ اسی طرح شیخ سدھو کی گائے یا دام کا بکرا
 اسی تعریف میں آتا ہے اھلال کا معنی ہی آواز بلند کرنا یا تشیر کرنا ہوتا ہے
 مقصد یہ کہ اگر کوئی چیز اللہ کے نام پر منسوب کی گئی تو حرام ہو جائے گی۔
 البتہ ایصال ثواب مختلف چیز ہے۔ کوئی شخص اس نیت سے اللہ کے
 نام پر جانور ذبح کرے کہ اس کا ثواب فلاں بزرگ یا فلاں شخص کو ایصال کرنا
 مقصود ہے، تو اس میں کوئی حرج نہ ہے۔ پیران پیر کی گیارھویں کا بھی
 صحیح تصور یہی ہے۔ اور اگر عقیدہ یہ ہو کہ پیران پیر یا کسی دوسرے بزرگ
 کے لیے قربانی نہیں کریں گے تو وہ ناراض ہو جائے گا اور جان و مال میں
 نقصان کا خطرہ ہوگا تو یہی چیز نذر غیر اللہ ہے۔ غیر اللہ کے نام پر جانور
 ذبح کیا جائے یا چاول پکائے جائیں یا مٹھائی لپیٹنی جائے تو اگرچہ بظاہر تو اس
 میں کوئی ضرر یا نظر نہیں آتی مگر محققین فرماتے ہیں کہ ایسی چیز میں روحانی
 سببست پائی جاتی ہے۔ ایسا مال کھانے والوں کی روح ناپاک ہو جاتی

ہے اور ان کا باطن مسخ ہو جاتا ہے۔ ان میں اچھے جذبات کی بجائے غلیظ جذبات جنم لیتے ہیں۔ اس نجاست اور برے اخلاق کو صاحبِ روحانیت لوگ بخوبی محسوس کرتے ہیں۔

یہاں پر ایک اور مسئلہ بھی توجہ طلب ہے۔ جس شخص کا عقیدہ گنہگار ہے اگر وہ اللہ کا نام لے کر بھی ذبح کرے گا، تب بھی اس کا ذبیحہ مردار کی طرح حرام ہی ہوگا۔ ذبیحہ ان کا پاک ہوتا ہے۔ جن کا عقیدہ صحیح ہو۔ البتہ اہل کتاب کو یہ رعایت دی گئی کہ اگر وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں تو وہ جائز ہوگا کیونکہ وہ اپنی نسبت آسمانی کتاب کی طرف کرتے ہیں۔ البتہ کسی بت پرست مجوسی یا مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ خواہ وہ ہزار دفعہ اللہ کا نام لیکر ذبح کرے بہر حال اللہ نے ان چار چیزوں کا ذکر کیا ہے کہ یہ حرام ہیں ان کے قریب نہ جاؤ۔

بحالت
اضطراری

اس قطعی حکم کے بعد استثنائی صورت بھی بیان کر دی ہے فَحَنِ اضْطُرَّ حَوْكُوئِي اضطراری حالت میں ہو۔ اس کے پاس حرام اشیاء کے علاوہ کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہ ہو اور اس کی زندگی کو خطرہ پیدا ہو جائے تو اُسے ایسی اشیاء استعمال کرنے کی وقتی طور پر اجازت ہے بشرطیکہ عَيْذٌ بِسَائِغٍ مضطرب شخص سرسری کرنے والا نہ ہو۔ بکایغ سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص جان بچانے کے لیے نہیں بلکہ لطف اندوز ہونے کے لیے حرام چیز استعمال کر رہا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی حرام چیز مباح نہیں ہوگی۔ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نافرمانی کے کام کے دوران کسی شخص پر اضطراری حالت وارد ہو جائے تو اس کے لیے بھی حرام چیز مباح نہیں ہوگی۔ اہم شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چھدی یا ڈاکے کی نیت سے سفر کر رہا ہے تو اُسے سفر میں روزہ افطار کرنے اور نماز میں قصر کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ وہ بڑے مقصد کے لیے جا رہا ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسا شخص گنہگار تو

کرو گے تو مؤلفزہ ہوگا اور فلاں چیز ترک کرو گے تو ماخوذ ہو گے بعض اوقات اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حلت و حرمت کا کام تو نبی کی طرف بھی منسوب ہے "وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ" (الاعراف) کہ وہ پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نبی اپنی طرف سے کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم نہیں لگاتا۔ بلکہ نبی کا بیان کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہوتا ہے کہ اللہ نے اس چیز کو حلال یا حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح مجتہد حضرات بھی بعض چیزوں پر حلت و حرمت کا حکم لگاتے ہیں۔ یہ بھی ان کی اپنی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ وہ قرآن و سنت میں غور کر کے بیان کرتے ہیں کہ بات اس طرح سمجھ میں آرہی ہے کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام اور اس کی یہ دلیل ہے سو اللہ نے فرمایا کہ اپنی زبانوں سے یوں مت کہو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے جب اللہ نے کسی چیز کو حرام نہیں کیا تو تم کیسے یہ حکم لگاتے ہو۔ مشرکوں نے بیکرہ۔ ساثرہ وغیرہ کئی قسم کے محرمات بنا رکھے تھے۔ آج بھی مختلف علاقوں میں لوگ نذر و نیاز کی بعض چیزوں کو بعض مردوں یا بعض عورتوں کے لیے حرام ٹھہراتے ہیں حالانکہ اللہ نے تو ان کو حلال قرار دیا ہے۔ جو شخص ایسا کرے گا وہ مشرک ٹھہرے گا۔

فرمایا اپنی زبانوں سے حلال یا حرام قرار نہ دو لِيَتَفَتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ کہ یہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والی بات ہے۔ فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ اللہ پر جھوٹ باندھنے والے کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو خود حلال یا حرام ٹھہرانے کی بجائے شریعت کا حکم تلاش کرو کہ اللہ نے کیا فرمایا ہے اور اللہ کے نبی نے کس طرح بیان فرمایا ہے۔ پھر مجتہدین اور علمائے کرام کی تحقیق کیا ہے۔ خود ساختہ حکم لگانے والوں کے

متعلق فرمایا مَتَاعٌ قَبِيلٌ یہ چند روزہ زندگی میں فائدہ اٹھانے والی بات ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ آگے ان کے لیے دردناک عذاب بھی موجود ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حلت و حرمت کے سلسلہ میں اللہ کی حدوں کو نہ توڑو ورنہ عذاب الیم کا فکرا ہو جاؤ گے۔

مَنْ يَفْرَأْ وَيَعْلَمِ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ یہودیوں پر اللہ نے وہ چیزیں حرام قرار دیدیں جن کا ذکر ہم نے آپ کے ساتھ پہلے کیا ہے یہودیوں کے وقتی محرمات کا تذکرہ سورۃ مائدہ اور سورۃ النعام میں بھی موجود ہے کہ ان کی سرکشی کی وجہ سے اللہ نے ان کے لیے ناخن والے جانور اور عربی حرام قرار دے دی تھی۔ سورۃ النعام میں حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ کے الفاظ ہیں کہ ہم نے ناخن والے جانور، جن کا پنجہ پھٹا ہوا ہوتا ہے، حرام قرار دے دیے وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمْ اور ان کی چربی بھی ان پر حرام کر دی تھی اور یہ سب کچھ انکی سرکشی کی سزا کے طور پر کیا تھا۔ البتہ لمبیوں یا آنتوں کے ساتھ لگی ہوئی چربی حلال تھی۔ گوشت میں سے چربی کا ذرہ بلیغہ کہنا پڑتا تھا۔ فرمایا یہ سخت حکم دے کر وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی وَالسُّكُنُ كَالْحِوَارِ انفسہم کی ظلمتوں بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر زیادتی کرنے والے تھے۔ انہوں نے اللہ کی حدود کو توڑا تو اللہ نے ان کے لیے بعض چیزیں حرام قرار دے دیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے لَا تُشَدُّ دُورَ الْفُسْكَكُمْ اپنے نفسوں پر تشدد نہ کیا کرو۔ لوگ خود ہی بعض رسومات جاری کر لیتے ہیں اور پھر ان کی پابندی بھی خود ہی ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس طرح وہ کسی کام کے لیے اپنے آپ کو پابند کر لیتے ہیں۔ پھر جب اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے تو مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔ فرمایا اگر ایسا کرو گے تو خدا تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے گا۔ رسومات کی پابندی کر کے اپنے لیے مشکلات پیدا کرو گے

وقتی
محرمات

برائی کا ارتکاب کیا۔ عقل و شعور پر پردہ پڑ گیا اور کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھے
 فَمَنْ تَابَ مِن بَعْدِ ذَلِكَ فَهُوَ سَعْدٌ لِّنَفْسِهِ ۗ وَمَنْ أِثْمَافَعَلَ فَمَنْ يَتَذَكَّرْ لَهُ فَمِنْهُ رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ
 بِآيَاتِنَا فَمَنْ يُكْفِرْ لِحُكْمِنَا فَمَا لَهُ مِن نَّاصِرٍ ۚ
 احساس ہو گیا وَأَصْلَحُوا اور اپنی اصلاح بھی کر لی۔ یعنی اگر کسی کا حق تلف
 کیا تھا تو وہ ادا کر دیا اور آئندہ کے لیے محتاط ہو گئے۔ تو فرمایا إِنَّ رَبَّكَ
 مِّن بَعْدِهَا لَعَفُوٌّ رَّحِيمٌ ۚ
 کے بعد سب بخشش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے اگر کوئی شخص
 سچے دل سے تائب ہو جاتا ہے اور اپنی اصلاح کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ
 بھی اپنی بخشش اور رحمت کے دروازے اس پر کھول دیتا ہے، اس
 کی تمام سابقہ خطا میں معاف ہو جاتی ہیں۔

ربما ۱۳

النحل ۱۶

درس سی ویک ۲۱

آیت ۱۲۰ تا ۱۲۳

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا
 وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ
 اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۲۱﴾
 وَأَتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي
 الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
 أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ
 مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ :- بیشک ابراہیم علیہ السلام تھے پیشوا اور
 اطاعت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے لیے، ایک طرف
 نکلنے والے۔ اور نہیں تھے وہ شرک کرنے والوں میں
 سے ﴿۱۲۰﴾ وہ اُس کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنے والے تھے
 اللہ نے اُن کو برگزیدہ بنایا، اور ہدایت دی سیدھے راستے
 کی طرف ﴿۱۲۱﴾ اور دی ہم نے اُن کو دُنیا میں سچائی،
 اور بیشک وہ آخرت میں البتہ نیک لوگوں میں سے
 ہیں ﴿۱۲۲﴾ پھر ہم نے وحی کی آپ کی طرف کہ آپ
 پیروی کریں ابراہیم کی ملت کی جو ایک طرف نکلنے والے
 تھے، اور نہیں تھے شرک کرنے والوں میں سے ﴿۱۲۳﴾

رابط آیت

اس سورۃ میں شرک کی مختلف قسمیں بیان ہو چکی ہیں۔ منکرین کی طرف سے توحید و رسالت اور قیامت کے انکار کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ مشرکین کی طرف سے حلال و حرام میں دخل اندازی کا تذکرہ بھی ہو گیا ہے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ ان آیات کا ربط گذشتہ سے پیوستہ درس کے ساتھ ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک خوشحال اور امن والی بستی کا ذکر فرمایا تھا جس کے باشندوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان پر بھوک اور خوف کو مسلط کر دیا۔ اس بستی سے مزاد مکہ مکرمہ کی بستی ہے جس کی ابتدا ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل کر کے کر دی تھی اور یہی چیز ان دونوں دروس میں قدر مشترک ہے۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل بیان فرماتے ہوئے واضح فرمایا ہے کہ آپ اللہ کے ایما بذریعہ بندے اور بیحد شکر گزار تھے، نیز آپ شرک سے سخت متنفر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے دعوے کی سختی سے تردید فرمائی ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ فرمایا املت ابراہیمی کے حقیقی ذرث حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکار ہیں، لہذا آپ کو بھی ملت ابراہیمی کے اتباع کا ہی حکم دیا گیا ہے۔

امامت
ابراہیمی

ارشاد ہوتا ہے **إِنِّ اِبْرٰہِیْمَ کَانَ اُمَّةً بَشِکَ اِبْرٰہِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ**
پیشوا اور امام تھے۔ قرآن پاک میں لفظ امت کسی معنوں میں استعمال ہوا ہے
امت کا عام فہم معنی جماعت ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے **وَ اَوْحِیْنَا اِلَیْہِ
اللّٰہُ لَجَعَلْکُمْ اُمَّةً وَّ اَحَدًا** اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو
ایک ہی جماعت یا گروہ بنا دیتا۔ یا جیسے فرمایا **کُنْتُمْ خِیْدًا اُمَّةً
اُخْوَجْتُمْ لِلسَّاسِ** (آل عمران) تم ایک بہترین جماعت ہو جو لوگوں کو نیکی
کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ امت کا ایک اور معنی مدت بھی
ہوتا ہے جیسے سورۃ یوسف میں بحیل سے چھٹی پانے والے بادشاہ کے

مصاحب کے متعلق آتا ہے: **وَأَدْرَكَكَ بَعْدَ أُمَّةٍ**، مگر اسے ایک مدت کے بعد یاد آیا کہ یوسف علیہ السلام نے اس سے کوئی بات کی تھی۔ امت، کا معنی اطاعت اور مکت بھی آتا ہے۔ تاہم اس آیت کرمیہ میں امت کا لفظ امام اور پیشوا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام لوگوں کے امام تھے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گزر چکا ہے: **إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا** اے ابراہیم علیہ السلام! میں تجھے لوگوں کا امام بناؤں گا کہ جس کا اتباع ضروری ہوگا۔ ویسے امت کا لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس لحاظ سے بھی صادق آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں وہ تمام کمالات جمع فرمائی تھے جو ایک پوری جماعت میں بحیثیت مجبوری ہو سکتے ہیں۔ وہ مالک ہے، چاہے تو ایک شخص میں جہاں بصر کی خوبیاں جمع کر دے جیسا کہ مقولہ ہے **لَيْسَ عَلَيْكَ اللَّهُ بِمُسْتَنْكِرٍ أَنْ يَجْمَعَ الْعَالَمُ فِي وَاحِدٍ**۔ تاہم اس مقام پر مقتدا پیشوا اور معلم مراد ہے۔

امام ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول نقل کیا ہے۔ **إِنَّ مَعَاذًا كَانَتْ أُمَّةً قَانَتْ لِكُلِّ** یعنی حضرت معاذ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ایک مکمل امت تھے کسی شخص نے آپ کے حق میں لفظ امت کے استعمال پر اعتراض کیا تو ابن مسعود نے فرمایا کہ امت کا ایک معنی معلم الخیر بھی ہوتا ہے۔ حضرت معاذ بڑے پلے کے نیکی کی بات بتلانے والے معلم تھے، اس لیے ان کے حق میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ آپ کی ذات وہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے قرآن پکھنا ہو وہ ان چار آدمیوں سے سیکھے یعنی عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور سالم بن عبد اللہ۔ تو گویا آپ معلم الخیر تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے بڑھ کر نیکی کی بات بتلانے والا کون ہوگا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا

ابراہیم علیہ السلام ایک امت یعنی امام پیشوا ہمتہ اور معلم الخیر تھے۔

فرمایا ابراہیم علیہ السلام پیشوا تھے قَاتِلْتُ لِلّٰهِ الشَّرَّعَالٰی کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے بھی تھے۔ قنوت کا معنی اطاعت اور خشوع و خضوع بھی ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ الزمر میں ہے "اَمَّنْ هُوَ قَاتِلٌ اَنْۡاۡءَ الْیَلِ سَاجِدًا وَقَآئِمًا تَجَلَاجُلًا" رات کی گھٹریوں میں سجدے اور قیام کے ذریعے اطاعت کا حق ادا کرتا ہے کیا وہ ناشکر گزاروں اور نافرمانوں کی طرح ہو سکتا ہے؟ مطلب یہ کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مکمل اطاعت گزار تھے اور ساتھ ساتھ حَنِیْفًا حَنِیْفٌ بھی تھے، یعنی ہر طرف سے کٹ کر، ہر باطل دین سے ہٹ کر صرف اور صرف خدا کے سچے دین کی طرف نکلنے والے تھے۔ لغوی طور پر حنف کا معنی چلتے وقت پاؤں کا اندر کی طرف مائل ہونا ہے اور حنیف اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پاؤں جھکا کر چلتا ہو یعنی ایک طرف کو مائل ہو۔ تو ابراہیم علیہ السلام اس لحاظ سے حنیف ہیں کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر صرف ایک طرف نکلنے والے تھے۔

امام شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب الفوز الکبیر میں مزید وضاحت فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والا ہو، نماز پڑھتے وقت اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف کرتا ہو۔ بیت اللہ شریف کالج کرتا ہو۔ ختنہ کرتا ہو اور غسل جنابت کرتا ہو، وہ حنیف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں یہ ساری خوبیاں موجود تھیں۔ آپ کے بڑے تھے۔ خود خانہ کعبہ تعمیر کیا، خود اس کالج کیا، اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، ختنہ کیا اور غسل جنابت تو آپ کے بعد عربوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھا جو کہ ملت ابراہیمی کا ایک جزو ہے تو اس لحاظ سے ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عام مومنوں کو بھی حنیفیت کا درس دیا ہے جیسا کہ سورۃ الحج میں ہے "حُنَفَآءَ لِلّٰهِ عَنِۡ مُشْرِكِیۡنَۡ بِہٖۡ" تم سب کے سب حنیف

یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے والے بن جاؤ اور مشرک نہ بنو۔ حضرت ابراہیم کے مشرک نہ ہونے کے متعلق اللہ نے قرآن میں بار بار ذکر کیا ہے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (الانعام، السخل) آپ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

ابراہیم علیہ السلام
کی طرف نسبت

ابراہیم علیہ السلام تو اس قدر خدا پرست تھے، لہذا مشرکوں کو مشرک آنی چاہیے جو تمام تو مشرک کے باوجود اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں کہ ہم ان کے دین پر ہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ حلال و حرام خود اپنی طرف سے ٹھہرا لیتے ہیں، خدا تعالیٰ کی صفات، عبادت اور نذر و نیاز میں اس کا شریک ٹھہرانے میں، بغیر اللہ کو مافوق الاسباب پکارتے ہیں، شکر و رسوم ادا کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود ابراہیمی کہلانا چاہتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ضعیف تھے، ہر طرف سے کٹ کر صرف خدا تعالیٰ کی طرف نگے ہوئے تھے وَكَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اور مشرکوں میں سے قطعاً نہیں تھے بلکہ کفر اور شرک سے سخت بیزار تھے آپ نے کفر اور شرک کی تردید میں بڑے دلائل پیش کیے ہیں اور توحید پرستی کے عملی دلائل بہم پہنچائے ہیں۔ قیام عراق کے دوران بادشاہ اور تمام لوگ آپ کے مخالف تھے حتیٰ کہ سگا باپ اور پورا قبیلہ بھی آپ کے خلاف تھا۔ بابل جیسے وسیع و عریض شہر میں آپ کا ایک بھی حامی نہیں تھا۔ آپ تنہا کفر و شرک کا مقابلہ کرتے رہے اور لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے مگر مشرک لوگ اپنی نسبت ان کی طرف کر کے حقائق کا مذاق اڑاتے ہیں۔

فرمایا ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے۔ شَاكِرًا لِّأَنْعَمِهِمْ اَبَ اللّٰہِ کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنے والے تھے۔ اِدھر مشرکین کا حال گیارہویں رکوع میں گذر چکا ہے "يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُ وَنَهَاكَ" کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے تھے مگر ان کا انکار اور ناقدری کرتے تھے۔

شکر نعمت

جیسا کہ گذشتہ رکوع میں بیان ہو چکا ہے، ان کے لیے اللہ کا سب سے بڑا انعام یہ تھا "وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ" کہ ان کے پاس اپنی
 میں سے اللہ کا عظیم الشان رسول آیا "فَكَذَّبُوهُ" مگر ان بد سنجتوں نے
 اُسے بھی جھٹلادیا، ایمان نہ لائے اور اس طرح اللہ کی ایک عظیم نعمت کی قدر دانی
 کی۔ کفرانِ نعمت کے متعلق سورۃ ابراہیم میں گزر چکا ہے "الَّذِينَ كَفَرُوا
 الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَعْنَةُ اللّٰهِ كُفْرًا" کیا آپ نے نہیں دیکھا
 اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے اللہ کی نعمت کی سخت ناقدری کی۔ یہ نعمت اللہ
 کا رسول ہی تھا جسے جھٹلادیا گیا۔ ان کے برخلاف ابراہیم علیہ السلام تو انعاماتِ الیہ
 کے حد درجہ قدر دان تھے اور اس کا شکر ادا کرنے والے تھے۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر
 میں لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کی طرف سے عطا کردہ روزی کے اس قدر قدر دان
 اور شکر گزار تھے کہ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے کہ کہیں اللہ کی نعمت کی
 ناقدری نہ ہو جائے۔ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ مسافر کے انتظار میں ہتے
 حتیٰ کہ جب فرشتے قوم لوط پر عذاب لے کر آئے اور آپ کے پاس انسانی
 شکل میں حاضر ہوئے "فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاءُوْا بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ" (دھود)
 تو آپ فوراً کچھ طماخ کر لے آئے تاکہ مہمانوں کی خدمت کر سکیں۔ قرآن پاک
 نے آپ کی یہ صفت بھی بیان کی ہے "وَ اٰتٰہِمْ سَلٰمًا الَّذِیْنَ وَفَّیْہُمْ
 (النجم) ابراہیم علیہ السلام نے اپنا عمدہ پورا فرمایا۔ جب ابتلاء کا وقت آیا،
 آپ کو آگ میں پھینک دینے کی تیاری ہو گئی تو آپ کو ذرا بھی تردد یا وہم نہیں
 ہوا بلکہ حکم خداوندی پر راضی ہے۔ سورۃ الصافات میں ہے "اِذْ جَاءَ رَجُلٌ
 بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ" آپ اپنے پروردگار کے پاس قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوئے
 آپ ابو الانبیاء اور امام الانبیاء ہیں۔ آپ حنیفیت کے سب سے پہلے
 اور سب سے بڑے امام ہیں۔ فرمایا اِحْبَبْتُ اللّٰهَ تَعَالٰی نے آپ کو
 برگزیدہ بنایا وھذہ الخ صراطِ مُسْتَقِیْمٍ اور آپ کو سیدھے

راستے کی طرف ہدایت دی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں جو اس نے
ابراہیم علیہ السلام پر کیے، اور پھر آپ نے بھی ان احسانات کا پورا پورا شکر یہ ادا
کیا، اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ کیا اور ایک لحظہ بھروسے کے لیے بھی اُس کی یاد
سے غافل نہیں ہوئے۔

دنیا کی
بھلائی

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے فرمایا **وَإِن تَبْتَغُوا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً**
ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بھلائی عطا فرمائی۔ روزی میں فراخی عطا کی -
صاحبِ وجاہت اور کمالِ درجے کی اولاد دی۔ تمام حق پرست آپ کی
عزت کرتے تھے۔ اللہ نے آپ کو نیکی اور شہرت عطا فرمائی۔ آپ کی اولاد
میں سلسلہ نبوت قائم کیا۔ چنانچہ قیامت تک کے لیے آپ کے حق میں دعائیں
ہونے لگیں، ہم آخری امت کے لوگ بھی جب نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر درود پڑھتے ہیں۔ **اللَّهُمَّ صَلِّ**
عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ تو ساتھ ہی بھی کہتے ہیں -
كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ
اے مولا کریم تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی آل پر اپنی رحمتوں کا نزول
فرما، جس طرح کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل کو اپنی رحمتوں
اور برکتوں سے نوازا۔ یہود و نصاریٰ غلط کار ہونے کے باوجود حضرت
ابراہیم علیہ السلام کا احترام کرتے ہیں۔ یہی دنیا کی بھلائی ہے۔ پھر واضح کیا کہ دنیا
میں بھلائی حاصل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ آخرت سے محروم رہ
جائیں گے، بلکہ **وَلَدَانُكَ فِي الْأَخِيَّةِ لِمَنِ الصَّلَاحِينَ** آپ آخرت
میں بھی نیکو کار لوگوں میں شامل ہوں گے۔ اللہ نے دنیا میں آپ کو مقنن اور
پیشوا بنایا۔ دینِ قیم اور صراطِ مستقیم پر چلایا اور سب لوگوں کو اسی راستے پر چلنے کا حکم
دیا، تو آخرت میں بھی آپ اگلی صلفوں میں نیک لوگوں کے ساتھ ہوں گے یہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل کا بیان تھی ہو گیا۔

ملت ابراہیمی
کا اتباع

پھر فرمایا ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی نازل فرمائی
یعنی حضورِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا اِنَّ اتَّبِعَ مِلَّةَ
اِبْرَاهِيْمَ حَنِيفًا کہ آپ ملتِ ابراہیمی کی پیروی اختیار کریں۔ آپ کی
ملت وہی دینِ حق اور دینِ اسلام ہے جو ابتداء سے چلا آرہا ہے۔ دین
تمام نبیوں کا ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، ملت بھی تقریباً سب کی ایک ہی
ہے۔ دین اور ملت سے مراد موٹے موٹے اصول ہیں جو ہمیشہ یکساں رہے
ہیں البتہ مختلف انبیاء کی شرائع میں مکان و زمان کی مناسبت سے بعض
تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے مسائل اور جزئیات ہوتی ہیں
جو مصلحت کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ البتہ ملت اور دین تبدیل
نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ بھی ملتِ ابراہیمی کا اتباع کریں۔ وہ
ابراہیم علیہ السلام جو حنیف یعنی ہر طرف سے کھٹ کھٹ اور ہر دین سے
بیزار ہو کر صرف ایک اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف رجوع
کرنے والے تھے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور آپ
مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ اللہ نے شرک کی دوبارہ تائیداً تہ دید کر
دی کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق سرسری بھی احتمال نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں
نے کبھی کسی قسم کے شرک کی حمایت کی ہو۔ وہ تو بچے ٹوہرے تھے، لہذا مشرکوں
کو آپ کا نام لیتے ہوئے اور آپ کی طرف اپنی نسبت کرتے ہوئے
کچھ تو شرم آنی چاہیے۔

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲۴﴾ ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ :- بیشک مقرر کی گئی ہفتے کے دن کی تعظیم ان لوگوں پر جنہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اور بیشک تیرا پروردگار البتہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿۱۲۴﴾ آپ دعوت دیں اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ اور جھگڑا کریں ان سے اس بات کے ساتھ جو بہتر ہے۔ بیشک تیرا پروردگار بہتر جانتا ہے اس کو جو اس کے راستے سے ہٹ گیا اور وہ بہتر جانتا ہے ہدایت والوں کو ﴿۱۲۵﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل و کمالات بیان فرمائے، ان کی ملت کا ذکر کیا اور ان کی پیروی کا حکم دیا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ مشرکین

عرب اگرچہ نسلی طور پر ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے مگر وہ آپ کا طریقہ
تھوڑے چمکے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام تو حنیف اور موحد تھے اور شرک سے قطعی
طور پر بیزار تھے، مگر عرب کے لوگ شرک میں طوطہ مچکے تھے ان کی
اکثریت کفریہ اور شرکیہ رسوم ہی میں بھنس کر رہ گئی تھی اور اصل دین عبول چکی تھی
عرب میں کوئی جگہ بت پرستی سے خالی نہ تھی حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ
خانہ کعبہ بھی بت پرستی کا گڑھ بن چکا تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ ان شرکیہ اور کفریہ اعمال
کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا کتنی زیادتی اور مشرکوں کے
لیے باعث شرم ہے۔

ہفتے کے
دن کی تعظیم

بعض اہل کتاب اعتراض کرتے تھے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں تو پھر ہفتے کے دن کی تعظیم
اور اس دن خاص عبادت کیوں نہیں کرتے۔ اللہ نے اس اعتراض کے
جواب میں فرمایا اِنَّمَا جَعَلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ احْتَلَفُوا فِيهِ
بیشک ہفتے کے دن کی خصوصیت (تعظیم اور خاص عبادت) ان لوگوں کے
لیے مقرر کی گئی تھی جنہوں نے اس دن کے بارے میں اختلاف کیا تھا۔ ہفتے
کے دن کی خصوصیت کا ذکر سورۃ بقرہ اور سورۃ مادہ میں بھی موجود ہے، مگر اس
دن کو یہ حیثیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حاصل نہیں ہوئی تھی، بلکہ
اس کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور بعد والے انبیاء کے
زمانہ میں نافذ ہوا تھا۔ کیونکہ اسی دور میں لوگوں نے اس خاص دن کے متعلق
اختلاف کیا تھا۔ اس اختلاف کی حقیقت کا تذکرہ حضور علیہ السلام کی حدیث
مبارکہ میں ملتا ہے۔ تفسیری روایات میں بھی آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی
قوم سے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے جمعہ کا خصوصی دن مقرر فرمایا ہے، لہذا
اس دن کاروبار ترک کر کے محض اللہ کی عبادت کیا کرو۔ مگر یہودیوں نے
اس دن کی فضیلت کو تسلیم کرنے میں اختلاف کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو

اُس دن کو خاص دن تسلیم کریں گے۔ تعطیل منائیں گے اور کاروبار چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کریں گے جس دن اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد فارغ ہوا تھا، اور وہ ہفتے کا دن بنتا ہے۔ اس کی تفصیل تورات میں موجود ہے اور قرآن میں بھی اشارتاً ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو چھ دن میں مکمل کیا اور پھر آدم علیہ السلام کی تخلیق جمعہ کے دن آخری وقت میں ہوئی۔ کائنات کی تخلیق کا سلسلہ تو چھ دن میں مکمل ہو گیا۔ اور ہفتہ کا دن خالی تو انہوں نے اس دن کو اختیار کر لیا۔ گویا انہوں نے جمعہ کے دن میں اختلاف کیا۔ اسی طرح نصاریٰ پر بھی جمعہ کا دن پیش کیا گیا کہ اس دن اللہ کی خاص عبادت کیا کریں مگر انہوں نے بھی اس طرف توجہ نہ کی اور کہنے لگے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہود کی عید ہمارے بعد ہو، لہذا انہوں نے یہودیوں کے ہفتے سے بعد والا دن اتوار اختیار کر لیا کہ ہم اس دن چھٹی کر کے اللہ تعالیٰ کی خصوصی عبادت کیا کریں گے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی سعادت ہمارے حصے میں رکھی تھی جب کہ یہود و نصاریٰ اس سے محروم ہے۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے

عَنْ الْأَخْرَوَاتِ وَالْأَوْلَادِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَعْدَ أَنْ أُوْتِيَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا هُمْ سَبْعَ آخِرِينَ آتَانِي

ہیں مگر قیامت والے دن سب سے اول ہوں گے۔ یہود ہم سے ایک دن بعد اور نصاریٰ ان کے ایک دن بعد یعنی علی الترتیب ہفتہ اور اتوار کو پیش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن کو تمام ایام پر فضیلت بخشی ہے اور اُسے سید الايام کا خطاب دیا ہے کہ یہ ان تمام دنوں کا سردار ہے۔

صاحب تفسیر حسینی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا جو ہفتے کے دن سامان اٹھائے کاروبار کے لیے جا رہا تھا۔ آپ نے اُسے روک لیا اور حکم دیا کہ اس کی گردن اتار دو کیونکہ اس نے ہفتہ کے دن کی تعظیم نہ کر کے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔ چنانچہ اُس شخص کو

قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش کھلے عام پھینک دی گئی جسے چالیس دن تک دُردندے اور پرندے نوح نوح کر کھاتے رہے۔ اس دن کی تعظیم کا اثنا سخت حکم تھا۔ پھر داؤد علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں نے اس دن کی تحفیر کی۔ اُن کو ہفتے کے دن شکار سے منع کیا گیا تھا مگر وہ اس دن براہ راست تو مچھلی کا شکار نہیں کرتے تھے، البتہ انہیں حوض میں بند کر دیتے اور اتوار کو علی الصبح پکڑ لیتے تھے، اس طرح وہ جیلہ سازی سے اللہ کے حکم کی نافرمانی اور ہفتے کے دن کی ناقدری کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کا قہر نازل ہوا۔ اور ان لوگوں کی ٹکلیں بندروں اور خنزیریوں میں تبدیل ہو گئیں اور پھر صفحہ ہستی سے بالکل ہی ناپید کر دیے گئے۔ اللہ نے اتنی سخت سزا دی۔

جمعہ کے دن آسانی

اللہ تعالیٰ نے امتِ آخر الزمان کے لیے جمعہ کا دن مقرر فرمایا ہے مگر زیادہ سختی نہیں کی بلکہ اہل ایمان کے لیے آسانی پیدا فرمائی ہے۔ اس دن کے متعلق سورۃ جمعہ میں موجود ہے۔ اے ایمان والو! "إِذَا نُوذِيَ لِلصَّلَاةِ مِنَ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ" جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو فوری طور پر نماز کے لیے حاضر ہو جاؤ اور کاروبار ترک کر دو۔ اس حکم میں دو چیزیں ہیں ایک ذکر الہی یعنی خطبہ سُننا اور دوسرا نماز پڑھنا۔ فرمایا "إِنَّمَا إِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ" پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل کر روزی تلاش کرو۔ سارا دن تعطیل منانے کی ضرورت نہیں بلکہ نماز کے بعد اپنے کاروبار، کھیتی باڑی، تجارت، ملازمت، مزدوری، جہاں بھی تم کام کرنے ہو جا سکتے ہو۔ صرف نماز جمعہ کا حکم ٹھوکر ہے۔ اگر کوئی شخص بلا عذر تین جمعے مسلسل ترک کرے تو وہ منافقوں میں شمار ہوگا، دل پر مہر لگ جائے گی۔ بہر حال اللہ نے ہمارے لیے بڑی آسانی فرمادی ہے کہ سیدہ الایام بھی عطا فرمایا اور زیادہ سختی بھی نہیں فرمائی

ہفتے کے دن کی سختی ان لوگوں پر تھی جنہوں نے جمعہ کا دن تو قبول نہ کیا اور اس کی بجائے ہفتہ کہہ لیا اور پھر اس پر پورے ذمے فرمایا وَأَنَّ رَبَّكَ لِيُحْكَمَ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ بیشک نیرا پورہ دگر قیامت والے دن ان کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے تھے ان کا حتمی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی آخری عدالت میں ہی ہوگا۔

فرضیہ تبلیغ
(۱)
حکمت

ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی بات کی ہے۔ اور تبلیغ کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیں جس کے لیے اللہ نے تین طریقے تجویز کیے ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ تاہم ہر نبی دعوت الی اللہ کا داعی ہوتا ہے کہ یہ امر اس کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ خود حضور خاتم النبیین کے متعلق قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ دَاعِيَاً إِلَى اللَّهِ بِآيَاتِهِ وَسَوَآجِلاً مِّنْهُنَّ (الاحزاب) ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والے اور روشن چہرے ہیں۔ اللہ نے عام اہل ایمان کے متعلق بھی فرمایا وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ (حکم سجدہ) اس شخص سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کے راستے کی دعوت دیتا ہے۔ خود بھی ایمان رکھتا ہے اور عامل بالا حکام بھی ہے۔ مومن، عامل اور داعی ہونا انبیاء کا طریق کار ہے۔ بہر حال اللہ نے دعوت کے تین طریقے بیان فرمائے ہیں جن میں سے پہلا طریقہ فرمایا بِالْحِكْمَةِ حکمت اور دانائی کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیں امام مالکؒ نے سنت کر حکمت سے تعبیر کیا ہے۔ گویا حضور علیہ السلام کی تمام صحیح، یقینی اور قطعی باتیں حکمت میں داخل ہیں۔ ان کے ذریعے شوک و شبہات دور ہوتے ہیں اور دل میں یقین پیدا ہوتا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ

فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا لِّجَسَدِهِ كَوْنَهُ دِي كُنِي، سمجھ عطا کر دی گئی، اُسے گویا کہ بہت بڑی بھلائی مل گئی جب حکم اور دانا لوگوں کے سامنے حقائق بیان کیے جائیں تو وہ فوراً سمجھ جاتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں اسی لیے حضور علیہ السلام نے دعائیں سکھایا اللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ اَوَّلَ كَمَا هِيَ اے اللہ! ہمیں چیزوں کی حقیقت سمجھا دے۔ جیسا کہ وہ واقع میں ہیں۔ یہ پہلے درجے کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو حقائق کو سمجھنے کی صلاحیت اور استعداد رکھتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس قسم کے لوگوں کے سامنے کوئی چیز پیش کی جائے تو فوراً سمجھ جاتے ہیں۔ پھر دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو پہلے درجے کی عقل و فہم نہیں رکھتے۔ بات سمجھانے کے لیے ان کے سامنے کوئی مثال، اچھا کلام یا کوئی اچھا شعر پیش کیا جائے جس سے ان کی طبیعت متاثر ہو تو پھر وہ بات کو سمجھتے ہیں۔

موعظتِ حسنہ (۲)

وَالْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةُ اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ ایسے لوگوں کے لیے موعظتِ حسنہ کا طریقہ کار آمد ہوتا ہے۔ اِنَّ مِنَ الْبَيَانَ لِسِحْرًا۔ اچھا بیان جادو اثر ہوتا ہے۔ اچھے اشعار بھی بعض اوقات بڑے مؤثر ثابت ہوتے ہیں ہمارے دور کے لوگوں میں مولانا ابوالکلام کو اپنی تحریر و تقریر پر کمال حاصل تھا۔ آپ کوئی چیز پیش کرنے کے بعد اسکے مناسب حال شعر نقل کرتے ہیں تو ساری بات ذہن میں اتر جاتی ہے۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو بھی اللہ نے کمال ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ اپنے موعظ و تقاریر میں ایسے بر محل اشعار پیش کرتے تھے کہ ایک اُن پڑھ آدمی بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہ رہتا تھا گویا عمدہ الفاظ اور اعلیٰ بیان کے ذریعے کسی چیز کو پیش کرنا موعظتِ حسنہ یا اچھی نصیحت کہلاتا ہے۔ ایسا وعظ و نصیحت جس میں طعن و تشنیع اور گالی گلوچ نہ ہو، ضرور اثر کرتا ہے۔

”الفتح الربانی“ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہفتہ وار موعظ ہیں جن میں اللہ نے کمال درجے کا اثر رکھا ہے۔ عربی زبان میں یہ نصلحِ دل میں اترتے چلے

جاتے ہیں، لوگ ذوق و شوق کے ساتھ سنتے ہیں۔

خود قرآن پاک کا ایک نام مَوْعِظَةٌ تَجْمَعُ بِهِيَ ہے کہ اسے پڑھ کر لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں، اس سے عقیدے اور اخلاق کی اصلاح ہوتی ہے عمدہ طریقے سے نصیحت کی مثال خود قرآن نے بھی بیان کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا تو ساتھ فرمایا: فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا (ظہ) اُس سے نرم لہجہ میں بات کرنا تاکہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے۔ غرضیکہ نصیحت کمرے کے وقت ہمیشہ نرم بات کرنی چاہیے تاکہ مخاطب کے لیے مؤثر ثابت ہو۔

حضور علیہ السلام ایک موقع پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور دورانِ خطبہ ہی کہنے لگا کہ حضرت! آپ مجھے وہ بات سکھائیں جس سے میں ناواقف ہوں اور اللہ نے آپ کو اس سے واقف کیا ہے۔ آپ نے لوہے کی کرسی منگوائی، اُس پر تشریف فرما ہوئے، اس شخص کو بات سمجھائی اور اس کے بعد اپنا پہلا خطبہ جاری رکھا۔ اسی طرح ایک دیہاتی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ اِنِّیْ سَاْئِلُکَ وَصَدِیْقٌ عَلَیْنَا۔ حضرت! میں ایک سائل ہوں۔ دیہاتی آدمی ہوں، ادب و آداب کی پاسداری نہیں، لہذا سختی سے سوال کر رہا ہوں گا، آپ ناراض نہ ہونا بلکہ میرے سوالوں کا جواب دینا۔ آپ نے فرمایا، پوچھو کیا پوچھتے ہو، اس نے سوالات کیے اور آپ نے نہایت نرمی سے جواب دیے۔ ایک اور موقع پر آپ علیہ السلام اونٹنی پر سوار جا رہے ہیں کہ ایک شخص آگے بڑھ کر اونٹنی کی دھار پکڑ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ آگے پھر جائیں، پہلے میری راہنمائی کر دیں۔ اُس شخص نے سوال کیا۔ حضور علیہ السلام نے تمام صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ یہ شخص سوال پیش کر رہا ہے، تم بھی سنو، پھر اس شخص نے اپنا سوال دہرایا اور آپ نے اس کا جواب دیا۔ سائل کی تسلی ہو گئی اور صحابہ کو بھی اطمینان حاصل ہوا۔ آپ نے اُس شخص

سے فرمایا خَل یعنی اب ہمارا چھوڑ دے اور ہمیں جانے دے۔ چنانچہ آپ
آگے تشریف لے گئے۔

ایک دفعہ حضور علیہ السلام صحابہ کے ہمراہ نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک
شخص آیا اور نماز کے دوران ہی گفتگو شروع کر دی۔ لوگوں نے خاموش رہنے
کا اشارہ بھی کیا، مگر وہ شخص غصے میں بولتا رہا۔ پھر جب نماز ختم ہو گئی تو حضور
علیہ السلام نے اُسے قریب بٹھا کر سمجھایا کہ نماز اللہ کے ذکر اور اس کی تسبیح و تہلیل
کے لیے ادا کی جاتی ہے۔ اس میں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے، اس لیے
نماز کے دوران کلام نہیں کرنا چاہیے۔ آپ نے اچھے طریقے سے اسکی اصلاح فرما
دی تو وہ شخص کہنے لگا، خدا کی قسم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں
نے آج تک ایسا شیخ معلم نہیں دیکھا۔ آپ نے نہ تو مجھے ڈانٹ ڈپٹ
کی، نہ مار پیٹا اور نہ ہی کسی قسم کی زبرد ملامت کی بلکہ نہایت اچھے طریقے سے
بات سمجھائی بغرضیکہ تبلیغ کا دوسرا طریقہ اچھی نصیحت ہے جو عمدہ سیرے
میں کی گئی ہو اور جو مخاطب کے دل و دماغ پر اثر کرے۔ فرمایا دوسرے
درجے کے لوگوں کو اچھے طریقے سے نصیحت کریں۔

(۲۱)
مباحث
بطریقہ حسن

فرمایا تبلیغ دین کا تیسرا طریقہ یہ ہے **وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ**
أَحْسَنُ ۖ وَلَا تَكْفُرْ بِاللِّسَانِ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ سَبَأَ
موقع ہو، اعتراض کا جواب دینا مطلوب ہو تو سختی اور تند خوئی کی بجائے نرمی اور
حکمت عملی سے ہر سوال کا جواب دیں گالی گلوچ کی نسبت نہیں آنی چاہیے کسی
کے ساتھ جھگڑنے کی ضرورت نہیں، اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے ہر اعتراض کو
خندہ پیشانی سے منیں اور اس کا اچھے طریقے سے جواب دیں۔ اگر اچھے طریقے
سے معاملہ کر سلجھائیں گے تو اس کا مثبت اثر ہوگا۔ برخلاف اس کے ہمارے
ہاں ہر فرقہ کے پیروکار دوسرے فرقہ والوں کو مغلوب کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں
اور پھر اس سلسلہ میں اخلاقی حدود کو پامال کرتے ہوئے گالی گلوچ اور طعن و تشنیع

گے ”مَا بَصَا حِبْ كُمْ مِّنْ جَنَّةٍ“ کہ تمہارے صاحب یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دیوانہ جھالی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ تو علم و حکمت کے دریا بہا رہا ہے۔ اُس کے ایک ایک کلمے میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ غرضیکہ تمام انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ دین کے لیے ہمیشہ نرم خوئی کو اختیار کیا اور یہی طریقہ اللہ نے عام لوگوں کو بھی سکھلایا ہے۔

ہمارے دور کے مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اس طریقہ تبلیغ کے عجم نمونہ تھے۔ اُن کے مواعظ حسرت سے کمالِ حیات اور ایمان کی باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ جب کوئی آپ کو کسی دوسرے فرقے کے ساتھ مناظرے کی دعوت دیتا تو آپ انکار کر دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر مخالف نے کوئی صحیح بات کہی تو میں فوراً مان جاؤں گا اور تم کہو گے کہ میں نے تمہاری تحقیر کرادی ہے، لہذا میں مناظرہ بازی کے چکر میں نہیں پڑوں گا۔ ہمارے مدارس میں علم مناظرہ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ حق بات کو دلائل کے ساتھ واضح کر دیا جائے۔ اگر کوئی مخالف فریق حق بات کہتا ہے تو اس کو تسلیم کرنے میں تاہل نہ کرو اور جو غلط بات کہتا ہے اس کا حسن طریقے سے جواب دو۔ مگر اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ کوئی کسی کی حق بات بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ مخالفت برائے مخالفت کا بھوت سر پر سوار ہے اور یہی چیز اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔ آج ہم اسلام کا نام لے کر اسی کے اصولوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور ہمیں اس کا احساس تک بھی نہیں ہے۔

فرمایا کسی کے ساتھ مناظرہ، مباحثہ یا جھگڑا کرو تو بہتر طریقے سے۔
 اِنْ رَبِّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ
 بیشک تیرا پروردگار اُس شخص کو جانتا ہے جو راستے سے بٹکا ہوا ہے
 وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ اور وہ ہدایت والوں کو بھی خوب

جانتا ہے۔ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے سب لوگوں کے درمیان فیصلہ بھی اسی نے کرنا ہے، لہذا تم کبھی غلط راستہ اختیار نہ کرو۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوِقَبْتُمْ بِهِ
 وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿۱۲۶﴾
 وَأَصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ
 وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۱۲۷﴾ إِنَّ
 اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ :- اور اگر تم بدلہ لو، پس بدلہ لو اس کی
 مثل جتنی تم کو تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو
 تو البتہ وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے ﴿۱۲۶﴾ اور
 (بے پنیبر!) آپ صبر کریں۔ اور نہیں ہے آپ کا صبر کرنا
 مگر اللہ (کی توفیق) سے۔ اور نہ ٹکئیں ہوں آپ اُن
 (مخالفوں) پر، اور نہ ہوں تنگی میں اُس چیز سے جو یہ تدبیر
 کرتے ہیں ﴿۱۲۷﴾ بیشک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہے
 جو ڈرتے ہیں اور وہ لوگ جو نیکی کرنے والے ہیں ﴿۱۲۸﴾

سورۃ النحل کی ان آخری تین آیات کے زمانہ نزول کے متعلق مفسرین کی دو
 رائیں ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے استاد، مکہ کے استاد الحدیث حضرت عطاءؒ کی روایت
 سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ ہذا کی ان تین آیات کے سوا باقی ساری سورۃ مکی
 دور میں نازل ہوئی جب کہ یہ آیات مدنی زندگی میں نازل ہوئیں اور ان کا زمانہ نزول
 فتح مکہ کے قریب ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ ساری کی ساری سورۃ مکی

ہے اور ان آیات میں بیان کردہ انتقامی کاروائی کا قانون غزوہ احد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر مکان و زمان کے لیے نافذ العمل ہے۔ اس لحاظ سے غزوہ احد کے موقع پر پیش آمدہ حالات پر بھی اس قانون کا اطلاق ہوتا ہے پہلے نظریہ کے مطابق ان تین آیات کا شانِ نزل غزوہ احد سے والبتہ ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ ستر مسلمان شہید ہوئے جن کے ساتھ کفار نے بڑی زیادتی کی۔ ان شہداء کے اعضاء کاٹ کر ان کا مشہ بنایا گیا حتیٰ کہ سید الشہداء امیر حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چھریا گیا۔ اس کاروائی کا مسلمانوں کو بڑا صدمہ ہوا حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے اپنے شہداء کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا بخدا! اگر اللہ نے ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرمایا تو ہم ان کے ساتھ اس سے ڈگنی انتقامی کاروائی کریں گے۔ ہم بھی ان کے سردوں کے ہاتھ پاؤں، ناک، کان وغیرہ کاٹ کر ان کو یہ شکل بنائیں گے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اپنی تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اس عزم کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں اللہ نے زیادتی کرنے سے منع فرمادیا، چنانچہ حضور علیہ السلام نے اپنے ارادے سے رجوع کر لیا اور دو سر لوگوں کو بھی کسی کا مشہ بنانے سے منع فرما دیا۔ امام سیوطیؒ نے منہ بزار کے حوالے سے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے قسم کا کفارہ بھی ادا کیا اور آئندہ ایسی منتقازہ کاروائی کا ارادہ ترک کر دیا۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ عَاقَبْتُمْ اگر تم بدلہ لینا چاہو فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ بدلہ لیتے وقت زیادتی نہ کرو۔ بلکہ پہنچائی گئی تکلیف کی حدود میں رہتے ہوئے دشمن کو اتنی ہی اذیت پہنچاؤ۔ اور یہ بھی محض اجازت ہے، ضروری نہیں۔ اس کے برخلاف وَلَكِنْ صَبَرْتُمْ اگر تم اس تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے صبر سے کام لو، یعنی بدلہ لینے کا ارادہ ہی ترک کر دو، دشمن کو ایسے ہی معاف کر دو وَلَهُمْ خَيْرٌ

انتقامی
کاروائی
کی حد

لِّلصَّابِرِينَ تُوِيَّ بَاتٍ صَبْرًا كَرِهَ وَالْوَالِدِينَ كَمَا يُبْغِي الْوَالِدُونَ وَالْوَالِدِينَ كَمَا يُبْغِي الْوَالِدُونَ
 گویا معاف کر دینا بدلہ لینے سے بہتر ہے۔ یہ معافی تمہارے لیے گناہوں کا
 کفارہ بنے گی۔ اور تمہارے درجات بلند ہوں گے۔ اس سے آخرت میں
 بہت فائدہ ہوگا۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ ان آخری آیات کا تعلق سورۃ ہذا کی
 آیت نمبر ۹ کے ساتھ ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا عالمی پرچم
 پیش کیا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ... الخ
 اللہ نے جن تین مثبت چیزوں کا حکم دیا ہے ان میں سبھی چیز عدل ہے اور عدل
 کا تقاضا یہ ہے کہ دشمن جس قدر اذیت پہنچائے اسے اسی قدر تکلیف دی
 جائے اور زیادتی نہ کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہی چیز بیان کی ہے کہ عدل
 و انصاف کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑو خواہ تمہارے سامنے تمہارا دشمن
 ہی کیوں نہ ہو۔ اگرچہ مکی سورتوں میں بالعموم توحید و رسالت، قرآن پاک کی صداقت
 اور معاد کا ذکر ہے تاہم عدل ایک ایسی ضروری چیز ہے جس کا ذکر اللہ نے مکی
 زندگی ہی میں کر دیا اور مسلمانوں کو یہ بات سمجھا دی کہ غالب آنے کی صورت میں اگر
 انتقام لینا چاہو تو کسی پر زیادتی نہ کرنا اور نہ تم خود ظالم بن جاؤ گے اور اگر صبر کرو
 اور بالکل معاف ہی کر دو تو یہ عزیمت کا مقام ہے، اس کا نتیجہ مزید بہتر
 صورت میں نکلے گا۔ اس قانون کی ضرورت مکی زندگی میں اس لیے بھی
 تھی کہ اُس وقت مسلمان فریضہ تبلیغ ادا کر رہے تھے، لوگوں پر اسلام پیش
 کر رہے تھے اور اس کے جواب میں مشرکین کی طرف سے بڑی تکلیف دہ
 باتیں سننا پڑتی تھیں۔ ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں میں انتقامی آگ بھڑک اٹھتی تو اللہ
 نے پیشگی قانون بتلا دیا کہ بہتر تو یہ ہے کہ معاف ہی کر دو اور اگر بدلہ ہی لینا
 ہو تو حد سے تجاوز نہ کرو۔

انتقامی کارروائی کے ضمن میں امام ابو بکر جصاصؓ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

میں فقہانے کرام فرماتے ہیں کہ قصاص کی بجائے اتنی سزا کی ضمانت دینا ہوگی۔
یعنی مضر و ب شخص کو معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔

امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے
کہ جس طرح اعضاء کا معاوضہ ادا کیا جاسکتا ہے، اسی طرح مالی نقصان کا بھی
معاوضہ ادا ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی نے دوسرے شخص کی لکڑی چوری کر کے
اسے چھت میں استعمال کر لیا ہے یا اس کا صندوق یا فرنیچر بنا لیا ہے۔ اسی
طرح کسی کی گندم چوری کر کے اسے لپوا کر روٹی کھالی ہے، تو ایسی صورت میں
چوری شدہ چیز کا بعینہ واپس ہونا ممکن نہیں رہتا ہے۔ لہذا امام صاحب نے
فرماتے ہیں کہ اس معصومہ چیز کی قیمت ادا کرنا پڑے گی، یہ انتقامی کارروائی
کا قانون اللہ نے بیان فرما دیا ہے۔

صبر کی
ترغیب

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عزیمت کے منقار پر صبر کی خاص طور پر تلقین
فرمائی ہے۔ اگرچہ یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے مگر اس
خطاب میں آپ کے پیروکار بھی شامل ہیں۔ ارشاد فرماتا ہے وَاصْبِرْ
اٰی صَبْرًا وَمَا صَبْرًا لَّكَ اِلَّا بِاللّٰهِ بِیْنَ اَیْمَانٍ اَی صَبْرًا لَّكَ
کی معاونت کے بغیر ممکن نہیں۔ ایمان والوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ
اللہ کی توفیق کے بغیر انسان سچی کاکوئی بھی کام نہیں کر سکتا، لہذا ہمیشہ اللہ تعالیٰ
سے توفیق کا طلب گار رہنا چاہیے۔ حضرت ثعلیب علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا۔
”وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ (ہود) جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے
توفیق حاصل نہ ہو، میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ ہی کی توفیق سے ان کام کاج
کرتا ہے، صبر اور برداشت کرتا ہے۔ بہر حال اللہ نے صبر پر قائم رہنے کی
تعمین فرمائی ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم
حضور کے لیے
تسلی

اگے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلی دی ہے کہ آپ، اکافروں، مشرکوں،
مخالفوں اور نافرمانوں کی کارگزاروں کے بارے میں فکر مند نہ ہوں۔ وَلَا تَحْزَنْ

عَلَيْهِمْ رَبُّ أَنْ يَرْغَبُوا فِيهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا
 يَكْفُرُ كُفْرًا أَدْرَأَنَّ كِي تَدْبِيرُونَ سَيِّئًا تَكْفُرُونَ - اللہ تعالیٰ اُن کی
 خالوں کا خود توڑ پیدا کرے گا، لہذا آپ کے دل میں ٹنکی نہیں پیدا ہونی چاہیے
 اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مہربانی آپ کے شامل حال ہے گی۔ لہذا آپ غمزدہ نہ
 ہوں۔ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرُمِينَ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر
 کرنے والا ہے، وہ خود ان سے نپٹے گا۔

پھر فرمایا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِيَتْلُو
 كِي مہربانی اور مدد ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اُس سے ڈرتے ہیں اور دوسری بات
 يَهُ وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ اور وہ لوگ جو نیکی کرنے والے ہیں۔ مطلب
 یہ کہ اللہ کی معیت اس سے ڈرنے والوں اور نیکی کرنے والوں کو حاصل
 ہوتی ہے۔ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم رہنا ضروری ہے اور اس
 کے لیے تقویٰ اور نیکی کی ضرورت ہے۔ جس شخص میں خوفِ خدا ہو گا وہ شریعت
 کی حدود کی پاسداری بھی کرے گا، کفر، شرک، انفاق اور بد عقیدگی سے بچتا ہے گا۔
 اللہ کے ساتھ معاملہ ہمیشہ سچائی کے ساتھ درست رہ سکتا ہے۔ اگر دل میں
 کسی قسم کا کھوٹ ہو گا تو تعلق باللہ درست نہیں رہ سکتا۔ البتہ مخلوق کے
 ساتھ تعلقات کی درستگی احسان پر موقوف ہے۔ انسان اپنے بھائی بندوں کے
 ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے گا، اُن کے ساتھ نیکی اور احسان کرے گا تو
 اس کا تعلق مخلوقِ خدا کے ساتھ درست ہو جائیگا۔ غرضیکہ اس حصہ آیت میں
 حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا ذکر آ گیا ہے اور یہی دو چیزیں پورے
 دین کی جڑ اور بنیاد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی معاملہ صحیح ہو اور مخلوق کے
 ساتھ بھی نیکی کا سلوک ہو۔

تعلیم اور شفقت
 امام رازی فرماتے ہیں کہ دین کا پتھر دو باتیں ہیں۔ ایک بات التَّعْظِيمُ
 لِامْرِئِ اللَّهِ يَعْنِي الشَّرْكَے احکام کی تعظیم اور ان پر عمل درآمد ہے اور دوسری

السَّفْقَةَ عَلَى خَلْقِ اللّٰهِ عَنِ الشُّرْكِ مَخْلُوقٍ بِرِشْفَتِهِ وَمُهْرَبَانِي كَرْنَا
ہے۔ ان دو باتوں کا تجزیہ کیا جائے تو نتیجہ تقویٰ اور احسان ہی نکلے گا جس کا ذکر
اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔ اور اللہ کی مدد اپنی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن
میں یہ دو چیزیں پائی جائیں۔ سلف صالحین میں یہ چیزیں موجود تھیں تو اللہ تعالیٰ
کی مدد بھی ہمیشہ ان کے شامل حال رہتی تھی۔ جب ان دو چیزوں میں کمزوری
واقع ہو گئی تو امت تنزل میں چلی گئی۔ اب کئی صدیوں سے امت مسلمہ کا
حال دنیا کے سامنے ہے۔ وجہ یہی ہے کہ نہ ان میں تقویٰ باقی رہا ہے اور نہ
احسان۔ عدل و انصاف، مفقود ہے۔ حقوق کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ تمام
طبقات میں سرکشی پائی جاتی ہے۔ اللہ کے احکام سے علی الاعلان بغاوت
جو رہی ہے۔ تو ایسی صورت میں اللہ کی رحمت اور مدد کیسے حاصل ہوگی۔
ہمارے اندر وہ شرائط ہی نہیں پائی جاتیں جو معیت الہی کا سبب بنتی ہیں
تو ہمیں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔

معیّت الہی

اللہ تعالیٰ کی معیت بہت بڑی چیز ہے اور اس کے لیے انبیاء علیہم السلام
بھی دعائیں کرتے تھے۔ غار ثور والا واقعہ دیکھ لیں، حضور علیہ السلام نے حضرت
ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ اس غار میں پناہ لے رکھی ہے۔ حضرت صدیقؓ کے
دل میں دشمن کا خوف پیدا ہوتا ہے تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں لَا تَحْزَنْ
إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (قوبہ) خوف نہ کھائیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے، ہمیں
کس بات کا غم ہے۔ اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے
نکل کھڑے ہوئے تو آگے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر۔ لوگوں میں کس قدر
خوف پیدا ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح قوم کو تسلی دی تھی کہ فسکرنہ کرو،
"إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ" (الشعراء) میرا کہو اور دگار میرے ساتھ ہے۔
وہی راہ نکالے گا۔ ہم اسی کے حکم سے باہر نکلے ہیں لہذا اس کی مدد ہمارے
شامل حال ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔

خطبات شیخ الاسلام

از: شیخ العرب والعمم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
مرتب و مقدمہ: حضرت مولانا صوفی عبداللطیف خان سواتی بانی مدرسہ نضر العلوم گوہر انوار
حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے یہ خطبات بڑی اہمیت
رکھتے ہیں۔ اپنے موضوعِ احوال و سیاست کے اعتبار سے اور علماء حق کی فیصلہ کن
جدوجہد کے اعتبار سے بھی ان خطبات کی بڑی اہمیت ہے افسوس کہ اب تک یہ
یکجا نہیں تھے جمعیتہ علماء ہند کی کارگزاریوں کے مد نظر بعض محترم ہستیوں نے
ان میں سے بعض خطبات کو اکٹھا کیا ہے لیکن تمام خطبات اس طرح اکٹھے نہیں ہوئے
جس طرح ہونے چاہئیں تھے۔ احقر کی بڑی خواہش تھی کہ جس طرح دوسرے کار کے خطبات
یکجا مل جاتے ہیں حضرت مدنی کے یہ اہم ترین خطبات بھی اگر ایک جگہ جمع ہوتے
تو اچھا تھا۔ ان سے بھی عام لوگ استفادہ کرتے ایک فقہ احقر نے شیخ الاسلام
حضرت مدنی کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا اسعد مدنی مظلمہ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ
اگر آپ یہ کام کرادیں تو اچھا ہوگا لیکن شاید کہ صاحبزادہ صاحب مظلمہ کی توجہ اہل طرف
مبذول نہ ہو سکے۔ بالآخر بعض احباب کے اصرار پر احقر کو ہی یہ کام کرنا پڑا۔ بعض
احباب نے حضرت مدنی کے جتنے خطبات دستیاب ہو سکے لا کر دیئے اور کچھ
خطبات احقر کے پاس بھی تھے وہ کتابت کے لیے دے دیئے۔ سر دست یہ
گیارہ خطبات میسر ہو سکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے: (۱) خطبہ سیوارہ،
(۲) خطبہ نگپور بنگال، (۳) خطبہ دہلی، (۴) کوکنا ڈا، (۵) علی گڑھ، (۶) جونپور، (۷) لاہور،
(۸) سہارنپور، (۹) بمبئی، (۱۰) حیدرآباد دکن، (۱۱) سورت۔ (ماخوذ مقدمہ خطبات)

سائز ۱۸x۲۳، صفحات ۵۰۰، کاغذ اعلیٰ، جلد مضبوط، قیمت ۸۰ روپے
ناشر: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نضر العلوم نزد گھنٹہ گھر گوہر انوار

منے کا پتہ: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نضر العلوم گوہر انوار

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ کی

ملیہ ناز اور مقبول عام تفسیر

معالم العرفان فی دروس القرآن

مکمل طبع ہو گئی ہے

اللہ رب العزت کے کلام پاک کو عوام کے اذہان کے قریب کرنے لیے مفسرین کرام نے بے شمار کوششیں کی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ یہ تفسیر بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم اور مبارک کوشش ہے۔ رواں دواں اور آسان اردو زبان میں قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ اور سہل انداز میں مستند تفسیر، ضروری مسائل کی توضیح، ضروریات وقت، زمانہ و ماحول کی خرابیوں کی نشاندہی اور ان کا علاج، قرآن کریم کی آیات سے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ تفسیر اور صحابہ کرامؓ، ائمہ کرامؓ اور جمہور مفسرین کی اختیار کردہ توضیحات کو ملحوظ رکھتے ہوئے شرک و بدعت اور مذاہب باطلہ اور نظلمات فاسدہ کا مختصر طریق پر بہتر رد اس تفسیر کا خاص امتیاز ہے۔ اعلیٰ کتبیت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ بیس ضخیم جلدوں پر مشتمل اس تفسیر کی قیمت ۳۱۵۵ روپے ہے۔

علماء، طلباء، خطباء، اور عوام الناس کے لیے بے حد مفید اور معلومات افزا ہے۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج گوجرانوالہ، فون ۲۱۸۵۳۰

معالم العرواق في تفسير القرآن

انادات

مفسر قرآن صوفی عبدالحمید سواتی صاحب
حضرت مولانا

ربکار ذمک

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔ اے۔ علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن مجاہد اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب صاحب

مسئول سرکاری

بابو غلام حیدر صاحب

شرانجی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ اعجاز

محمد منیر صاحب Ph:221943

مکتبہ تفسیر القرآن گوجرانوالہ